پھر ہوا نور فشان حسن خیال دہلی

پھر ہے خورشید فلک ماہ کمال دہلی

گلہائے دہلی

نمبر ۱	بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۹	جلد ۱

جو باجازت

عالیجناب کنور ہردی کرشن صاحب فروغ۔ وکیل۔ سرپرست رسالۂ ہذا

پیارے لعل رونق دہلوی و چندی پرشاد شیدا ایڈیٹران

نے

سنٹرل پریس دہلی سڑک جدید میں

باہتمام

بابو چاند نراین مالک مطبع طبع کرا کے شائع کیا

نوٹ۔ آئندہ سے کچھ دہلی مشاہیر کے علمی نوادر

قواعد وضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی ۔ ولالہ سریرام صاحب ایم ۔ اے منصف ومؤلف "تذکرہ خمخانہ جاوید" و نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی ۔ ہر مہینے کی یکم تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دارالخلافہ ۔ زبان اُردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے ۔

(۲) قیمت سالانہ پیشگی عہ معہ محصول ۔ فی پرچہ ۲/ و ۲/ مقرر ہے ۔

(۳) جواب طلب اُمور کے لیئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب پہونچنے کی شکایت معاف ۔

(۴) کلام خریدار وغیر خریدار کا منتخب شائع ہوگا ۔ فرمایشی کلام فی شعر ۲/ اُجرت پر چھپ سکتا ہے ۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں ۔ مفید مضامین ۔ دلچسپ واقعات ۔ قیمتی نصائح وغیرہ بھی بشرط گنجایش درج گلدستہ ہوا کرینگے ۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے ۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو ۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۲/ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا ۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پُہنچے تو اُسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ۔ ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا ۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہوسکتا ۔

(۱۰) مضامین وغزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک صاف خوشخط علٰحدہ علٰحدہ کاغذ پر معہ نام وپتہ آنا چاہئیں ۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق موجودہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہیگا ۔

(۱۲) جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنام کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ نذرانئ شعر کرڈہلی ہونی چاہیئے ۔

پیارے لعل رونق دہلوی وچندی پرشاد شیدا ۔ ایڈیٹران

نوٹ ۔ یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس بلنہ ایڈیٹران سے ہر وقت ۲/ نقد قیمت دینے پر مل سکتا ہے ۔

کمالِ دہلی

فلکِ پیر نے مٹی میں ملایا ہے کیا کیا
پھرتے ہیں خاک بسر پیر و جوان دہلی

حضرات ناظرین! زمانۂ دوں پرست کی گردشیں کوئی نئی بات نہیں ہیں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اسی ملک کا طوطی چاردانگِ عالم میں بولتا تھا۔ پھر یونانیوں کا دور شروع ہوا۔ اور پھر مصر و ایران۔ عرب۔ چین وغیرہ اپنے اپنے وقت میں ترقی روز افزوں کے زینے طے کر گئے اب یورپ جاپان کی باری ہے۔ وہ بھی اپنی ایجاد و اختراع سے ایک زمانے کو حیرت میں ڈال رہے ہیں غرضکہ قوموں۔ ملکوں۔ شہروں۔ کی ترقی کو ہنڈولے سے کامل تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جس کا ایک حصہ کبھی آسمان پر ہوتا ہے اور وہی حصہ ذرا سی دیر میں زمین پر نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے سب سے زیادہ نامی گرامی مشہور شہر دلّی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ ہندوستان بھر کا دارالخلافہ ہونے کا اسکو فخر حاصل تھا۔ آج یہ نوبت ہے کہ اپنے صوبہ کا بھی دارالخلافہ نہیں۔ افسوس نہ وہ زمانہ ہی رہا نہ وہ لوگ ہی رہے۔ غدر ۵۷ء نے اسکی رہی سہی عظمت بھی خاک میں ملا دی تھا ہم پھر بھی لے دے کے دلّی کی بطور یادگار ایک زبان باقی رہ گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھی نئی روشنی کے سامنے چراغ سحری ہو رہی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ دنیا جہان میں ہر قوم و ملک جتنا اپنی زبان پر فخر کرتا ہے اور اسکی ہی اپنی ترقی کا وسیلہ سمجھتا ہے لیکن ہم ہیں کہ خدا جانے کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے سوتے ہیں۔ زبان اردو [illegible] اپنی ہی عمر [illegible] کہ کہاں [illegible] گذشتہ بزرگوں کی یادگار

سے دیکھنے والے دم باقی ہیں۔ خدا انکو رہتی دنیا تک قائم رکھے آن کے ہی دم قدم سے کچھ اردو زبان میں پیچ نظر آتا ہی اور انکی ہی جادو بھری تحریر دور بیٹھے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کر لیتی ہی۔ اس لیئے اپنی زبان کو گردشِ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ معلوم نہیں ہوتا کہ بذریعہ کمالِ دہلی نظم و نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے تاکہ ہر ایک شخص گھر بیٹھے مستفید ہو سکے۔ اور کمالِ دہلی آفتاب عالمتاب بنکر ہر دل کو منور اور ہر چشم کو روشن کر دے۔

صاحبانِ دقیقہ شناس۔ و سخن سنجانِ نکتہ رس کی گرامیخدمت میں التماس ہی۔ کہ اپنے اپنے کلام بلاغت نظام سے اس ناچیز گلدستہ کی زیب زینت بڑھانے میں ساعی ہوں۔ اہلِ دہلی پر اس کا خاص حق ہی کہ وہ ضرور ہی اس رسالہ کیطرف اپنی عنایت آمیز توجہ مبذول فرماکر قلمی و درمی ذرائع سے زبان اردو کی مدد فرمائینگے۔ اور اپنے بیش بہا مضامین سے اردو لٹریچر کو مخزن جواہرات بنائینگے۔ کیونکہ اگر نظر غور سے دیکھنے والے زبان اردو کی ترقی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اور اپنی ساری ترقی کا دارومدار اپنی زبان کی تکمیل کو ہی جانتے ہیں تو ضرور اس مفلس شکری زبان کو علم و ہنر کا خزانہ بنائینگے۔ کیونکہ یہی ایک ٹوٹتے ہوئے دلوں کا سہارا اور زخمی جگر کے لیئے مرہم زنگار ہی۔ ہمیں یقین ہی کہ ہماری اس مختصر گزارش کو کافی خیال فرماکر ہمارے معاونین اسکی مدد میں دریغ نہ فرماکر ممنونِ منت بے پایاں بنائینگے۔ پولیٹیکل مضامین سے اس رسالہ کو قطعی پرہیز ہے کوئی صاحب ان میں طبع آزمائی نہ فرمائیں۔ ہاں اخلاقی۔ نیچرل۔ پر از نصائح مضامین شکریہ کے ساتھ درج گلدستہ ہوا ہونگے۔ یہ رسالہ جس انجمن کی زیر نگرانی شائع ہونا تجویز ہوا ہی اُسکے مقاصد میں سب سے بڑی اہم بات یہ ہی کہ تحفظ زبان کیلئے سعی عمل میں لائی جائے اور فصاحت روزمرہ کا خاص خیال رہے اسکے متعلق ایک انجمن "اتحادِ سخن" بھی قائم ہے۔ جس کا خاص منشا یہ ہی کہ اردو زبان کو علمی ذخیرہ سے آراستہ کیا جائے اور ایک مشاعرہ جو ہر مہینے کے ہر ہفتہ کو بر مکان عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب عروج وکیل دہلی منیجر رسالہ ہذا واقع سڑک جدید ہوا کرتا ہی اسکو مہذب طریق سے اعلیٰ پیمانہ پر پہنچانے کی کوشش کی گئی ہی۔ جسکے رکن شہر کے معزز و چیدہ اصحاب ہونگے۔ اس میں علاوہ اہل سخن و رؤسا شہر کے شعرائے بیرونجات بھی حصہ لینے میں دلچسپی حاصل کر سکتے ہیں۔

آسودہ زمی کی نگہداشت کمیٹی کا خاص فرض ہوگا۔ اسکی ہم طرح غزلیات حسب قابلیت شائع

منتخب ہوکر ہمیشہ زیب رسالہ رہا کریگی - منتہی و مبتدی وغیرہ کا امتیاز ضرور رکھا جائیگا
"کمالِ دہلی" کسی ذاتی مفاد کی غرض سے جاری نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسکے ذریعہ زبان کو ترقی
دینا اور ہر دلعزیزی حاصل کرنا مقصود ہے - تاکہ رسالہ اسم با مسمیٰ ثابت ہو قیمت بھی قلیل رکھی
گئی ہے تاکہ ہر خاص و عام فائدہ اٹھا سکیں یعنی سالانہ صرف عہ معہ محصولڈاک - فی پرچہ ۱ر و ۲ر
جو حقیقتاً کچھ بھی نہیں ہے - اسپر بھی اگر ہمارے معزز ناظرین قدر افزائی نہ فرمائیں تو سراسر ناانصافی ہے

رونق - دہلوی - ایڈیٹر

عالیجناب نواب احمد سعید خانصاحب طالب رئیس دہلی یادگار جناب مرزا غالب دہلوی مرحوم

آج نظارہ جو سرخوش ساقی مستانہ تھا
چشم کی گردش نہیں تھی رقص میں پیمانہ تھا

جان دیکر شمع سے واصل ہوا پروانہ تھا
تھا تو دیوانہ مگر مطلب کا وہ دیوانہ تھا

طور کا احوال موسیٰ آپ ہم سے پوچھیئے
آپ تھے بیہوش ہم تھے جلوۂ جانانہ تھا

بزم قاتل میں گئے جب ہم نے یہ دیکھا سماں
شمع محفل کشتہ تھی بسمل پڑا پروانہ تھا

یہ تلون اے خدائی کیا تمہاری شان ہے
آج واں مسجد بنی ہے کل جہاں بتخانہ تھا

دشت غربت کی نہ پوچھو بیکسی و بے بسی
فرش بستر تھا سو وہ بھی سبزۂ بیگانہ تھا

لامکاں تک ہم جو پہنچے تھک کے چورا ہوگئے
پھر نہیں معلوم آگے کچھ وہاں تھا یا نہ تھا

جب خزاں آئی چمن میں تب یہ سمجھی عندلیب
فصلِ گل تو خواب تھی اور وصلِ گل افسانہ تھا

تم نے دیکھا ہی نہیں ہے طالب آزاد کو
اس فقیری میں مزاج اُس کا شہنشاہانہ تھا

ایضاً

دل کو مت باندھ میرے زلف گرہ گیر کے ساتھ
ٹوٹ جائیگا یہ فتراک بھی نخچیر کے ساتھ

تلخ کامی مری قسمت میں پڑی ہے یارو
زہر بھی دیتی تھی دایہ مجھے کچھ شیر کے ساتھ

دیکھئے کیا ہو مرے سینہ میں رکھا کیا ہے
دل تڑپ کے گیا اڑ کے کہیں تیر کے ساتھ

تیری خلخال سے آتی ہو صدا صاف یہیں
کھیلتا ہے ترا دیوانہ جو زنجیر کے ساتھ

وصل کی رات کیا ذبح مؤذن نے مجھے
چل گئی ایک چھری حلق پہ تکبیر کے ساتھ

ہے فسانہ جو فغاں - آہ نسیم سحری
نیند آتی ہے مجھے نالۂ شبگیر کے ساتھ

مہر کی نظریں ہیں اور قہر کی باتیں دیکھو
پیار کرتا ستم ایجاد ہے تعزیر کے ساتھ

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا کر واعظ
اِک حدیث متواتر ہے یہ تفسیر کے ساتھ

عفو عصیاں کو ہے طالب ہو وسیلہ کافی
نسبتِ بندہ ہے در سے جو شبیر کے ساتھ

فروغ - عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب وکیل - دہلی

کاکل و خال چو رخ و زلف پریشاں داری
بہر تسخیرِ دل و جان ہمہ ساماں داری

درد و اندوہ و غم و رنج چہ پنہاں داریم
فرصتِ گر۔ نداریم ز پنہاں داری

چیست اندیشہ مرا از خطرِ روزِ شمار
نظرِ عفو اگر جانبِ عصیاں داری

پیشِ زاہد چو کنم ذکر ز توصیفِ بتاں
کفر پیدا شود از پردۂ ایماں داری

اے دل از جورِ فلک نالہ و فریاد چرا
تو ہم از دیدۂ گریاں رگِ طوفاں داری

تا بکے ذوق تماشائے شہیداں اے دل
تا کجا شوق رہِ کوچۂ جاناں داری

بوسہ دادی بصد عذر سخن سرگوشی
نرخِ ایں جنس بہا جنس تو ارزاں داری

من صد امید بدل دارم و یک دل دارم
بہر یک صید تو صد تیر ز مژگاں داری

وسعت یک حرف محبت تو بپرس از دل فروغ
ایکہ زیر لب خود [illegible] جہان داری

مصرع طرح

احسن۔ جناب سید مہدی حسن صاحب لکھنوی مؤلف واقعات انیس

مریض غم کا ہے یہ حال سوز قلب مضطر سے
کہ جب کروٹ بدلتا ہے دھواں اٹھتا ہے بستر سے

گھر لے ابر رحمت میکدہ پر جام اٹھا ساقی
پلا دے کشتی مے کو کنار حوض کوثر سے

طلسم حسن ہے نظارہ سوز وا دے آئینہ
گری ہیں بجلیاں کیا کیا نگاہ ناز پرور سے

شہیدان وفا کو زندۂ جاوید کہتے ہیں
نشان چشمۂ حیوان پلا دے آب خنجر سے

نہ ٹوٹے تیرے الطاف و کرم کا سلسلہ ساقی
کہ وابستہ ہے دور زندگانی دور ساغر سے

دکھاؤں حسرت و ارماں کی گر ہنگامہ آرائی
بڑھا دوں رونق شام غریباں صبح محشر سے

چمن کیا یاد کرنے اتنی مدت قید میں گزری
کہ الفت ہو گئی آخر مجھے صیاد کے گھر سے

بہار آتے ہی دیوانے نے لی زنداں میں انگڑائی
ادھر زنجیر ٹوٹی حلقہ ادھر قفل گرا در سے

کروں کس منہ سے احسن انقلاب دہر کا شکوہ
کہ سیکھیں آسمان نے گردشیں میرے مقدر سے

اثر۔ محمد عثمان صاحب دہلوی تلمیذ جناب حسن دہلوی

لڑی ہے غیر کی تقدیر یوں میرے مقدر سے
وہ اکثر میرے گھر آتے ہیں ہو کر غیر کے گھر سے

ہماری آہ نے اتنا اثر دکھلا دیا یا رب
سنا ہے آج وہ باہر نکالے جائیں گے گھر سے

رخ گلگوں جو فرقت میں کسی کا یاد آتا ہے
بجائے اشک خوں بہتا ہے اکثر دیدۂ تر سے

اکرم۔ محمد کریم الدین صاحب تلمیذ جناب حسن دہلوی

ہوا ہے ۔۔۔ سودا کسی زلف پیچاں کا
چلی ہے ۔۔۔ وحشت ۔۔۔ گھر سے

وہ جب جاتے ہیں پھر کر صبح تک آتے نہیں لیکن
لگی رہتی ہیں کیوں آنکھیں ہماری رات بھر در سے

لگاؤں کس طرح سینہ سے اپنے یار کو یارب
بدل لوں کس طرح قسمت کسی کے بخت یاور سے

علاج درد دل ان چارہ سازوں سے نہ ہو لیکن
مسیحا بھی اتر آئیں جو اکرم چرخ اخضر سے

بدر۔ جناب بدر الدین صاحب اکبر آبادی مقیم دہلی

ہوئی ہو آبرو وصف در دندان دلبر سے
زبان دھوئی گئی محشر میں اپنی آب کوثر سے

گھٹا گھر گھر کے آئے رات دن آٹھوں پہر برسے
مقابل ہو نہیں سکتی ہے لیکن دیدۂ تر سے

اگر دو اشک بھی ٹپکیں ہمارے دیدۂ تر سے
نظر آئیں جہاں میں سینکڑوں دریا سمندر سے

نہ مفلس سے غرض ہم کو نہ دنیا میں تونگر سے
خدا کا شکر کرتے ہیں جو ملتا ہے مقدر سے

حسینان جہاں سب آئینہ کو پیار کرتے ہیں
مزے لوٹے ہیں اس نے آج تک عہد سکندر سے

سر محفل لڑا کرتی ہیں آنکھیں بھی آنکھوں سے
ہمیشہ پتلیوں میں چوٹ چلتی ہے برابر سے

دل بیتاب کے پہلو بدلنے یاد ہیں اسکو
تڑپ بجلی نے سیکھی ہے ہمارے قلب مضطر سے

برق۔ منشی مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی

بجھا دو پیاس مشتاق ستم کی آب خنجر سے
غضب ہے تشنہ لب دو بوند پانی کے لیے ترسے

الجھ کر چھٹ گیا دل حلقۂ گیسوئے دلبر سے
خدا نے خیر کی جو ٹل گئی آئی بلا سر سے

عدو پر ڈھال کر لاکھوں سنائیں آپ نے مجھکو
مری جاں واہ کیا کہنا کہیں گر ہم کہیں تم سے

نگاہوں سے مجھے بسمل کیا قاتل نے محفل میں
نگاہوں سے کیا وہ کام جو ہوتا نہ خنجر سے

نظر ملتے ہی تلواروں پہ تلنے رکھ لیا مجھکو
سر محفل کبھی تم غیر پر بھی اس طرح تنتے

کوئی جب پوچھتا ہے ماجرا بے تابی دل کا
تو چار آنسو ٹپک پڑتے ہیں میرے دیدۂ تر سے

ہوئی ہیں جوش اشک تر سے میری پتلیاں روشن
نکھر آئی ہیں یہ پریاں نہا کر آب گوہر سے

پس تزئین تم آئینہ مقابل اپنے رہنے دو
مزا تو ہے چلیں کچھ اور بھی چوٹیں برابر سے

ہوا ہے فیض حاصل مبدء فیاض سے سب کو
ریاض دہر میں غنچوں کی مٹھی گرم ہے زر سے

نہاں تھا جو شرارِ عشق پروانے کے سینے میں
وہی شعلہ دھواں ہو ہو کے نکلا شمع کے سر سے

تعجب خیز ہے یہ معجزہ بھی عشقِ صادق کا
زلیخا کی جوانی آگئی تھی پھر نئے سر سے

وہی کچھ جانتا ہے جسکے دل نے چوٹ کھائی ہے
تڑپنے کا مزا کوئی پوچھے تو کوئی برقِ مضطر سے

برق - جناب شفاعت احمد صاحب دہلوی

زمانے میں ہے روشن روسیاہی آہ سوزاں کی
بڑھے جاتے ہیں کیوں داغِ جگر خورشیدِ خاور سے

بتوں کی یاد نے کعبہ میں ہمکو جاں بلب رکھا
چلے آئے مقدر سے پھرے اللہ کے گھر سے

شبِ وعدہ تمناؤں پہ میری پھر گیا پانی
عرق آیا جبینِ ناز پر کیا دیدۂ تر سے

خموشی ابتو لازم ہے تمہیں اے برق محفل میں
دلوں پر چھا گئے سب کے بہت گرجے بہت برسے

جناب بیتاب - دہلوی

نہیں کروٹ بدلنے کا بھی دم بیمارِ ہجراں میں
اجل ہی آکے اب شاید اٹھائے اسکو بستر سے

مری میت کو ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہیں وہ دل میں
کہیں ایسا نہو یہ جی اٹھے پھر میری ٹھوکر سے

اب انکا اپنے گھر میں جی گھڑی بھر کو نہیں لگتا
قدم باہر نہیں رکھتے تھے پہلے تو کبھی گھر سے

بشر - مرزا محمد فصیح الدین صاحب دہلوی تلمیذ جناب بزم اکبرآبادی

بھرا ہے شیشۂ دل بادۂ حبِ پیمبر سے
ملینگے حشر میں ساغر پہ ساغر حوضِ کوثر سے

برسنے کو اگر یہ ابرِ نیساں عمر بھر برسے
بڑھیگی آبرو اسکی نہ میرے دیدۂ تر سے

سنی مرنیکی جب میرے رقیبِ دل سے وہ یہ بولے
چلو اچھا ہوا یہ بوجھ اترا میرے سر سے

نہ وہ چہلیں نہ وہ ہنسنا نہ وہ غمزے نہ وہ عشوے
رہا کرتے ہیں وہ کچھ آجکل جیسے مکدر سے

ملیگی دولتِ جاوید اسکو دین و دنیا کی
جسے الفت رہیگی مرتے دم آلِ پیمبر سے

چڑھائیں خم کے خم کوئی پلانے والا بھی تو ہو
ہمارا کیا بھلا ہو ساقیا دو چار ساغر سے

تمہارے قتل کرنے سے ہوا یہ فائدہ مجھکو
بلا سے سر گیا احسان تو اترا مرے سر سے

پیچاں - محمد سلطان مرزا دہلوی تلمیذ جناب حسن دہلوی

ہماری پُر اثر آہیں جو نکلیں قلبِ مضطر سے
اثر بیتابیاں اپنا دکھائیں روئے دلبر سے

مجھے کیونکر یقین آئے وہ آکر پھر گئے گھر سے
کہ جبکہ گھر پہ جا بیٹھوں تو اٹھوا دیں مجھے در سے

ہمارے خونِ دامنگیر کا چھپنا نہیں ممکن
قیامت میں خجل ہونا پڑیگا اہلِ محشر سے

ہزار دل کوششیں کرتا ہوں اس گلرو سے ملنے کی
مگر میں کیا کروں لاچار ہوں اپنے مقدر سے

کمالِ اوج یک ہفتہ عروجِ حسن روز افزوں
بھلا تشبیہ کیونکر دوں تجھے ماہِ منور سے

شمیم کاکلِ مشکیں تبھی ہے جو دماغوں میں
نہیں ممکن انہیں نکہت ہو بوئے گل تر سے

انہیں کچھ آگیا ہے رحم حالِ زار پہ ورنہ
وہ آنسو پوچھتے [illegible] کسی کے دیدۂ تر سے

ہزاروں نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں بھی پیچاں
قیامت [illegible] نکلیں [illegible] سے

پیکان - لالہ چھنو لال صاحب جینی دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی

مرادیں دل کی بر آئیں جو مانگا ہے پیمبر سے
مگر اے شیخ تو نے کیا لیا اللہ اکبر سے

الٰہی خیر پھر گیسو سنوارے وہ نکلتے ہیں
خدا جانے کہاں پھر آج یہ کالی گھٹا برسے

غمِ ہجراں نے اس کافر کے کچھ ایسا جلایا ہے
کہ آنسو بھی نہیں اب تو نکلتا دیدۂ تر سے

بھلا ہو ناوک دلدوز تو نے زخم دل تاکا
کیا آباد گلشن کو ہمارے پھر نئے سر سے

تاباں - عالیجناب نواب شجاع الدین احمد خاں صاحب رئیس دہلی

انہیں جب دیکھ لیتا ہوں تو رو سکتا نہیں ڈر سے
کہ نقشہ روتے روتے مٹ نہ جائے دیدۂ تر سے

الٰہی پھر دکھا ہم کو تماشا خندۂ گل کا
وہ ہنس دے کھلکھلا کر گود میں پھولوں کا مینہ برسے

تصور میں لبِ شیریں کے بوسے لیتا رہتا ہوں
کہ میرے لب چپکتے ہیں لبِ لعلیں ساغر سے

یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چین بستر ہے
ہمارا رشتۂ تن بل چلا ہے تارِ بستر سے

مرے شوقِ شہادت نے ابھارا قتل کرنے پر
چلیگا حلق پہ خنجر کٹے گا حلق خنجر سے

تپِ فرقت کی شدت سے زباں کھی پڑے کانٹے
گلو کی تشنہ کامی دور ہوگی آبِ خنجر سے

اُٹھا لائی نگاہ عیب چین نے ہوشیاری کی
سنا رے تیری افشاں کے عدو کی چین بستر سے

جلے پروانے چیخیں بلبلیں رو یا کئے عاشق
شکایت بیوفاؤں سے نہ کچھ شکوہ مقدر سے

ہوا ہے انتہائے عشق میں میرا لہو پانی
بجائے خون پانی بہ رہا ہے دیدۂ تر سے

کیا ہو کوئی افسوں چشم فتاں نے عجب کیا ہی؟
قد دل جو ابھرتا ہی اگر سرو صنوبر سے

مزہ جب تھا تجلی اور نگہ میں کشمکش ہوتی
انھیں میں دیکھتا رہتا اگر چلمن کے باہر سے

میں اپنی جان پر کھیلوں تمہاری بزم میں دشمن
نکل جائے جو مجھکو ٹوک کر میرے برابر سے

تمہارے وصل کے ارمان بن بنکر مری آہیں
وفور جوش میں نکلے ہیں میرے قلب مضطر سے

یہ بزم شعر خوانی بھی کسوٹی امتحاں کی ہے
نکر پہلو تہی اے مہر تاباں عرض جوہر سے

ثمر - جناب سردار مرزا صاحب دہلوی تلمیذ حضرت حسن دہلوی

شب مہتاب میں ہرگز نجاؤ تم میرے گھر سے
نکالو حسرتیں کچھ تو خدارا قلب مضطر سے

جگر زخمی بیہا نمک کر دیا ہی تیر مژگاں نے
نہ بھرتا ہی وہ مرہم سے نہ سلتا ہے رفوگر سے

دکھا کر چشم میگوں کر دیا بیہوش ساقی نے
تجاہل سے کہا یہ بیخودی بس ایک ساغر سے

حیراں - جناب محمد صادق دہلوی تلمیذ جناب حسن صاحب دہلوی

بچے کیونکر الٰہی ان بتوں کے شور سے شر سے
یہ دل کا آبگینہ ٹوٹ ہی جائیگا پتھر سے

پریشاں زلف دیکھی کیا کسی کی دونوں شانوں پر
جنوں میں جان پیدا ہو گئی گویا نئے سر سے

ابھی ناداں ہو کمسن ہو - جوان ہو کر ستم ڈھانا
اٹھیں گے سینکڑوں فتنہ تمہاری ایک ٹھوکر سے

پھنسا ہی مرغ دل میرا کسی کے دام گیسو میں
ہوا ہے پھر مجھے سودا ہی دیکھو نئے سر سے

یہ مانا ہم نے بھر دیتی ہی جل تھل جب برستی ہی
مگر نسبت گھٹا کو کیا ہمارے دیدۂ تر سے

نہیں ہی وصل گر ممکن تو بوسہ ہی عنایت ہو
کوئی تو آرزو نکلے ہمارے قلب مضطر سے

خبر جب مرگ حیراں کی سنی ظالم نے یوں بولا
چلو اچھا ہوا مرنے بھی دو آفت ٹلی سر سے

دیگر

ابھی ہو جائیگی پانی گھٹا کی آبرو [illegible]
کریگی ہمسری کیا یہ ہمارے دیدۂ تر سے

لیا ہی ہاتھ میں خنجر تو پھر کیا سوچ ہی قاتل — ترے جانباز بھی بیٹھے ہیں باندھے کفن سر سے
چلے جانا ذرا ٹھیرو۔ تماشا دیکھتے جاؤ — اُٹھے گا نوح کا طوفاں ہمارے دیدۂ تر سے
بتر وہ کونسا ہی جو نہیں آتا مجھے حیراں — مگر میں کیا کروں مجبور ہوں اپنے مقدر سے

نتیجہ جناب ڈاکٹر محمد اسمعیل خانصاحب دہلوی اڈیٹر فضل الاخبار دہلی

ترشح ہو رہا ہی یہ غبار آلودہ تیور سے — پڑے بوچھاڑ مجھ پر بھی اگر وہ غیر پہ برسے
بھتیں تو کھیل ہی رکھا تھا پڑھکر لونگ منتر سے — چلے آئے یہاں کیوں ناک پکڑے غیر کے گھر سے
تماشا دیکھ لو بھر کر پٹاری نقد و زیور سے — عمل سیکھا ہی ہم نے زرکشی کا پیر مچھر سے
زلیخائی پہ اُنکی میں تو غش ہوں۔ آج خلوت میں — جھپٹ کر میرا دامن پھاڑ ڈالا اپنا ہیں جبر سے
شکایت نزلہ کی ہوگی تو مُنہ تک ناک آئے گی — یہ نہرِ سلسبیل آکر ملے گی حوضِ کوثر سے
چلے آتے ہیں کعبہ سے۔ قدم پیرِ مغاں لینا — بڑی مدت میں آئے شیخ جی چھٹکر بڑے گھر سے
وہ غصے سے نہیں ہیں لال۔ خوش ہیں سیر آئینے — یہ اُنکی سرخروئی ہی کہ بن بیٹھے ہیں بندر سے
ہمارے خون کا محضر جو لکھولتے ہیں عدا سے — قلم بھی وہ بنا کر دیتے ہیں سرخاب کے پر سے
چلا کر آنسوؤں کے تار پر لخت جگر ہم نے — دکھایا اُنکو پتلی کا تماشا دیدۂ تر سے
خدا جانے غیر اُن کا ہی کس خوشبو کی مٹی کا — کہ بڑھ جاتا ہی گو بر ہاتھ میں آتے ہی عنبر سے
ہوں ان اخلاق کا قائل کہ ہو خلوت بھی دشمن سے — جہاں آواز دی میں نے نکل آئے وہیں گھر سے
جو مجنوں سے کبھی جھنواتی تھی آجکل لیلی — تو وہ بھی پھونس لیتا تیرے دیوانے کے چھپر سے
بند ہیں گے میل بھرے ایک ستی میں تماشائی — نہ لے دل لبھیاں و دنبالہ چشم فسونگر سے
نئی تعلیم۔ وندش کا اثر ہے۔ بعد قتل اُسنے — اُچھالا گیند کی مانند میرے سر کو ٹھوکر سے
ذبیح خستہ کے لاشے پہ کہتا تھم بازی کیا — کہ دم ہی نکلا جاتا ہے مسیحا کا ترے ڈر سے

رونق سخا کسار پیارے لال دہلوی۔ اڈیٹر رسالہ ہذا

دلہن ارمان بنجائیں نہا کر آب خنجر سے — مزا ہو کاش یہ پانی گزر جائے مرے سر سے

غضب کی گردشیں سیکھی ہیں چشمِ نازِ دلبر سے
فلک بھی دشمنِ جانِ حزیں نکلا مقدر سے

سکھانے ہیں اداؤں کو اگر اندازِ بجلی کے
بدل لو شوخیاں اپنی ہمارے قلبِ مضطر سے

کرم سے جا ملیں تیرے دعائیں داد خواہوں کی
گھٹائیں جھوم کر اٹھی ہیں یارب آج تو برسے

دعا لیلو کبھی تو تشنۂ شوقِ شہادت کی
بجھا بھی دو خدارا پیاس میری آبِ خنجر سے

مزے کی ہو رہی ہے کچھ خلش پھر آج پہلو میں
گیا ہے چٹکیاں لیتا ہوا کوئی برابر سے

نیا انداز ہے ٹھوکر سے تم مردے جلاتے ہو
کہیں مر کر بھی آتا ہے کوئی اٹھکے گھر سے

بٹھا کر انکو پہلو میں مزے لوٹیں تبسم کے
بہارِ زندگی جب ہے یہاں پھولوں کا مینہ برسے

کچھ ایسی چپ لگی ہے فرطِ غم میں کہہ نہیں سکتے
لہو کے گھونٹ پی رکھے ہیں ہم نے آپ کے ڈر سے

وہاں شمشیر تلتی ہے۔ نہ خنجر ہی سنبھلتا ہے
یہاں تیار بیٹھے ہیں کفن باندھے ہوئے سر سے

کسی کے درد کو سچ ہے کوئی بیدرد کیا جانے
ہمارے دل کی بیتابی کو آ پوچھو دیدۂ تر سے

وہ کیا آئے ادھر گویا ستم ٹوٹا غضب آیا
قیامت ڈھا گیا دلبر گزر جانا برابر سے

کرم ہوجائے اے ساقی ادھر بھی چشمِ میگوں کا
ہمارے نام کی بھی کچھ چھلک جائے مے ساغر سے

اداسی کہہ رہی ہے ڈوبے میری شامِ غربت پر
غضب ہے بیکسی پر دل کی یوں حسرت کا مینہ برسے

بڑھی ہے فصلِ گل میں پھر خراشِ ناخنِ وحشت
ہمارے زخمِ دل پھر رنگ لائے ہیں نئے سر سے

خیالِ دستِ رنگیں میں خروشِ غم ہے یوں ازرق
لہو کا مینہ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

رازؔ۔ ماسٹر پیارے لال صاحب دہلوی مدرس مشن ہائی سکول دہلی

ہوئی ہے پانی پانی برق اکثر دل کے اخگر سے
جلا ہے ابرِ باراں تر تو اس دیدۂ تر سے

کلیجہ کر دیا ساقی نے ٹھنڈا ایک ساغر سے
ہماری آتشِ دوزخ بجھا دی آتشِ تر سے

جنابِ صدر دل نے بھی اٹھایا اسکو اٹھ اٹھ کر
نہ اٹھا پر نہ اٹھا یہ تنِ کاہیدہ بستر سے

نہ لے پرسش تدت تو دیکھو تشنہ کامی کی
کیا ہے قتل اس ظالم نے مجھکو کند خنجر سے

جسے دیکھا اسی کی چشمِ میگوں کا ہے دیوانہ
زمانہ مست و بیخود کر دیا ہے ایک ساغر سے

سُنائیں سیکڑوں مجکو ہے غیروں کے پہلو میں | مقدر اپنا اپنا ہے کہیں گرجے کہیں برسے
اُٹھا فتنۂ خوابیدہ اسکو ناز کیا شکل | کیئے ہوں حشر برپا جسنے لاکھوں ایک ٹھوکر سے

سائل - ابوالمعظم جناب نواب مرزا سراج الدین احمد خانصاحب دہلوی - تلمیذ حضرت فصیح الملک جناب داغ دہلوی مرحوم

عیاں ہے شانِ عصیاں سب عملنامے کے دفتر سے | الف سے تا بیا لکھا ہے آب نقرہ و زر سے
یہ ممکن ہے کہ زاہد تم نکالے جاؤ محشر سے | تمہارا نام خارج ہے گنہگاروں کے دفتر سے
قدم اُکھڑے چلے جاتے ہیں یوں میدانِ محشر سے | نہیں چھپتی ہماری روسیاہی دامنِ تر سے
عدو کی آڑ میں چھپتے ہو بس بس ہو گیا پردہ | نظر کو جانتے ہو پار ہو جاتی ہے پتھر سے
سحرِ عشرت کی شب کی بھی قیامت کا نمونہ ہے | مرے نزدیک ملتی ہے بیاضِ صبحِ محشر سے
ہمیشہ آپ تمکین و تغافل کو برتتے ہیں | گلا کٹتا ہے کب اُلٹی چھری سے کُند خنجر سے
کوئی پوچھے مؤذن سے کہ ہے تجھکو کیا ضد ہے | ہزاروں ذبح ہوتے ہیں تری اللہ اکبر سے
ادا کرکے دکھا دیجے کہ اسپر لوگ مرتے ہیں | لگا کر یہ بتا دیجے کہ یوں جیتے ہیں ٹھوکر سے
مقاماتِ حقائق کھل گئے پیرِ مغاں پیکر | ترے میخانہ میں آئی ہے کوئی سوت کوثر سے
عدو کے رشک نے تیرے تغافل نے جلا ڈالا | مرے گھر میں لگی وہ آگ جو نکلی ترے گھر سے
یہی بیدردیاں تیری ہیں تیغِ قاتل دکھا دینگے | بجائے آب خونِ بے گنہ چھپکیگا خنجر سے
سفارش آج پیرِ میکدہ سے میں نے کردی ہے | وہی ملجائے زاہد کو جو چھلک جاتی ہے ساغر سے
عدو کے دل سے نکلی ہیں بہت سی حسرتیں شبکو | ہمیں معلوم ہوتا ہے ترے گھبرائے بستر سے
تقاضائے بوسہ سرزد ہو گئی خلوت میں جانے دو | مجھے معذور سمجھو اضطرابِ قلبِ مضطر سے
دبا لیتے ہیں مجھ سے دلِ شکستہ ہاتھ سے دیکھو | ذرا سی ٹھیس لگ جاتی ہے حبابِ غم کو ساغر سے
پلا سائل کو راہِ حق ہی کوثر برس جائے | ترے میخانہ پہ سو پیرِ مغاں بدلی اگر برسے

شاعر۔ جناب آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی

کھچے کیونکر نہ دنبالہ بھلا مخمور تیور سے ۔۔۔ بڑھا لیتے ہیں وہ اتنی چھلک جاتی ہے ساغر سے

کٹے جاتے ہیں دل اُس دل بروے پیوستہ جوہر سے ۔۔۔ کسی بانکے نے کیا خنجر کو ٹکرایا ہے خنجر سے

سند اسکی نہیں پہلو سے اُٹھکر مسکراتے ہو ۔۔۔ مزا جب ہے ہماری گود میں پھولوں کا مینہ برسے

جہاں پی لی ذرا سی پھر وہ آپے میں نہیں رہتے ۔۔۔ گریباں کھلگیا سارا دوپٹہ ڈھلگیا سر سے

کرشموں نے اگر رہ رہ کے دل پر تیر مارے ہیں ۔۔۔ تو غمزے نے بھی اک بھرپور چمکائی برابر سے

عرق آلودہ ہے رخسار سینے پر ذرا رکھدو ۔۔۔ کبھی ہم بھی کلیجہ سینک لیں اس آتش تر سے

خدا وہ دن دکھائے تم ہمارے ہم تمھارے ہوں ۔۔۔ یہ غُل ہو آج شاعر کو بُلا کر لیگئے گھر سے

عاشق۔ جناب عاشق علی صاحب مہرولوی تلمیذ جناب مولانا راسخ صاحب مرحوم دہلوی

مقابل دیکھکر آئینہ ہیں حیران و ششدر سے ۔۔۔ اگر ہوتا تو اسکی رمز کھلجاتی سکندر سے

اجل آ جائیگی تو ناکام جائیگی میرے گھر سے ۔۔۔ کیا ہے ضعف نے مجکو نحیف اب تار بستر سے

خدا کے واسطے باہر نجاؤ تم میرے گھر سے ۔۔۔ مجھے ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو یہ چشم تر برسے

پلا دے بوند بھر آنکھوں کا صدقہ جھوٹے ساغر سے ۔۔۔ دعائیں سینکڑوں نکلینگی ساقی قلب مضطر سے

ادھر سے مے اک طرف کوزا بہ خشک اکطرف تر سے ۔۔۔ تری رحمت کا مینہ اللہ اگر برسے تو یوں برسے

تری بانکی ادا تیغ قضا کا کام کرتی ہے ۔۔۔ تری ترچھی نظر کو ہم نے دیکھا بڑھکے خنجر سے

عدم موجودگی میں محتسب کی مے جو پیتا ہوں ۔۔۔ گرا دیتا ہوں اُسکے نام کے دو قطرے ساغر سے

دعائیں سقف میخانہ پر چڑھکر رند مانگیں گے ۔۔۔ تعجب کچھ نہیں گر آسماں سے آج مینہ برسے

ہماری اُنکی آمد شد کا رستہ ایک ہے لیکن ۔۔۔ چلے جاتے ہیں کترا کر ہمیشہ وہ برابر سے

نہیں آنے یہاں تم ہاں۔ اچھا ہم بھی دیکھینگے ۔۔۔ کہاں جاؤگے بچکر یہ کہو میدان محشر سے

وہاں کچھ دن معین ہیں یہاں دن رات رونا ہے ۔۔۔ کہاں نسبت ہے ابر تر کو میرے دیدۂ تر سے

دعا وصل کبھی مقبول عاشق کی نہیں ہوتی ۔۔۔ رہا جاتا ہوں میں محروم ای ظالم ترے در سے

قصیر - جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی انسپکٹر میونسپل کمیٹی دہلی

مقابل ابرِ باراں کیا ہو میرے دیدۂ تر سے
کہ وہ برسے فقط برسات میں یہ رات دن برسے

نکل آیا ہی پھنسکر دل ہمارا زلفِ دلبر سے
خدا کا شکر ہے ساری بلائیں ٹل گئیں سر سے

دُرِ دندانِ جاناں کے تصور میں گہر برسے
بندھی رہتی ہیں لڑیاں آنسوؤں کی دیدۂ تر سے

یہی کہتا رہا وحشت میں چرخِ کینہ پرور سے
جو گردش سیکھنی ہو سیکھ لے میرے مقدر سے

جبیں پر بل پڑے ابرو تنے چتون پھری کھچی
ہویدا ہو گیا غصہ کا عالم اُنکے تیور سے

نہیں معلوم آئینہ میں کیا صورت نظر آئی
خدا ہی جانے کیا حیرت ہی کیوں بیٹھے ہیں ششدر سے

قدم بیتے ہیں کانٹے دوڑ کر صحرائے وحشت کے
ترا شوریدہ سر باہر قدم رکھتا ہی جب گھر سے

تری فرقت میں رونیے جگہ چھوٹی نہیں کوئی
ہمارے دیدۂ تر بھی ادھر برسے ادھر برسے

مرے زخمِ جگر ہر فصل میں سرسبز رہتے ہیں
ہمیشہ سینچتا رہتا ہے قاتل آبِ خنجر سے

لگا رکھی ہے سوزِ غم نے کیسی آگ پہلو میں
کہ ہر داغِ جگر کچھ کم نہیں خورشیدِ محشر سے

نگاہیں طاق ہیں چوری میں مژگاں سینہ زوری میں
بچائیں کس طرح دل کو الٰہی اُس ستمگر سے

اِدھر بتخانہ سے اُٹھے اُدھر کعبہ میں جا بیٹھے
نہ نکلے ہم نکل کر بھی کبھی اللہ کے گھر سے

لگی دُھن نشہ میں اک اور کی تو بھر کے غصہ میں
مرے ساقی نے مارا کھینچکر ساغر مرے سر سے

جھڑی کو دیکھکر آنکھیں کھلیں پھر ابرِ باراں کی
شبِ فرقت میں میرے وہ دیدۂ تر ٹوٹ کر برسے

بتانِ سنگدل کے ای قصیر اب جور سہ کر
دل و جان و جگر سب ہو گئے ہیں تیرے پتھر سے

دیگر

قفس میں مرغِ دل کے کسنے پر نوچے نئے سر سے
کہ جب یہ مٹھیاں بھرنے لگا دو چار ہی پر سے

نکلکر آئی ہی کیا حلقۂ زلفِ معنبر سے
صبا اٹھکھیلیاں کرتی چلی ہی کوئے دلبر سے

رقیبوں کے ستم اُنکی جفائیں خلق کے طعنے
کسی کا کیا کریں شکوہ شکایت ہی مقدر سے

جگر کی آگ پر خم کو الٹ دے آج ای ساقی
ہماری تشنگی بجھتی نہیں دو چار ساغر سے

خدا کے واسطے ای حضرت زاہد ہمیں کہہ دو
بتوں کو چھوڑ کر کعبہ میں سر پھوڑینگے پتھر سے

نکالی ہے نئی یہ چھیڑ اُس نے رستہ چلتے ہیں
نکلتا ہے تو کہنی مار کر میرے برابر سے

سُنا ہے جب سے قتل عام ہوگا کوئی قاتل ہے
نکلتا ہے جو گھر سے وہ کفن باندھے ہوئے سر سے

نظر آیا نہ جلوہ عمر بھر اُس ماہ طلعت کا
ہمارے دیدہ و دل دیکھنے کو راہ دن ترسے

خدا جانے جگائیں گے یہ کس معشوق کی قسمت
کرین ٹھن کہ قیصر باوفا نکلے تو ہیں گھر سے

قیصر منشی محمد ممتاز مرزا صاحب نقشہ نویس منیونسپل کمیٹی دہلی تلمیذ جناب منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی

نہ باز آؤں گا ناصح الفتِ زلف معنبر سے
یہ سودا جان لیکر جائیگا اِک دن مرے سر سے

خدا کی شان بے موسم جھڑی اِسنے لگائی ہے
ہوا ہے ابر شرمندہ ہمارے دیدۂ تر سے

اِدھر ہنسنے میں اُس ظالم کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں
اُدھر موتی برستے ہیں ہمارے دیدۂ تر سے

ستم دیکھو خبر سُنکر مرے مرنیکی ظالم نے
کہا اچھا ہوا جھگڑا چکا آفت ٹلی سر سے

نوید اے خار صحرا مژدہ ای قیس بیابانی
مری وحشت نے پھر باہر نکالا ہے مجھے گھر سے

ہلالِ ابروی خمدار جاناں کے تصور میں
نکالیں حسرتیں دل کی گلے مِل مِل کے خنجر سے

ہمیں نقش قدم کی طرح سے پامال ہونا ہے
ترے سر کی قسم یہ سر نہ اُٹھے گا کبھی در سے

خدا کی شان ہے ایسے بھی ہیں انسان دنیا میں
بہت ہی خوش ہوا دل اپنا ملکر آج قیصر سے

کشتہ سید محمد شرافت علیخان صاحب اکبر آبادی تلمیذ جناب نامی مہر مینائی

نگاہِ شرمگیں کہ لڑتی ہے دیدۂ تر سے
ہمیشہ نرگس بیمار پر تیر قضا برسے

تری عاصی کا ابر انفعال اس طور پر برسے
ٹپکتی جائیں بوندیں تا قیامت دامن تر سے

مائل ـ لالہ جنشیر داس صاحب دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی

جسے دیکھو وہ بیخود ہے شراب چشم دلبر سے
تعجب ہے زمانے کو پلادی ایک ساغر سے

ہمیں بھی دیکھ لے ساقی ذرا مخمور تیور سے
گلابی آنکھ کا صدقہ پلا دے جام احمر سے

وہاں مژگاں صف آرا ہیں یہاں تاب و تواں دل ہے
لڑائی آ پڑی ہے اک تنِ تنہا کی لشکر سے

نہ ابھروں ڈوب کر بحرِ فنا سے ای مرے مولیٰ
کسی کی تیغ کا پانی گزر جائے مرے سر سے

الٰہی اشک خونیں ہیں کہ یہ جوشِ بہاری ہے
کھلا ہے اک چمن دامن پہ میرے دیدۂ تر سے

الٰہی! وہ تصور میں ہے۔ یا مہرِ درخشاں ہے؟
نظر خیرہ ہوئی جاتی ہے تابِ روئے انور سے

جوانی ہے۔ خدا رکھے۔ کچھ اس پر وار کر دیجئے
دعا لینا بھی لازم ہے کسی کے قلبِ مضطر سے

عرق آلود ہے ابرو۔ بس اک بوسہ عنایت ہو
کوئی قطرہ تو ملجائے ہمیں بھی آبِ خنجر سے

لبِ رنگیں کے بوسے یہ مزا دیں محو ہو جاؤں
ترے صدقے نباتِ آج تو بوئے گل ترے

جوانی ہو چکی مائل! بس اب پیری کی نوبت ہے
شرابِ ارغواں بھر کر چھلکنے کو ہے ساغر سے

مجرم۔ محمد ذکریا صاحب شاگرد جناب منشی پیارے لعل صاحب رونق دہلوی

دعا دیتے ہوئے جائینگے ای ساقی ترے در سے
ہمیں بھی آنکھ کے صدقہ میں کچھ ملجائے ساغر سے

لڑانا آنکھ تھا آسان چشمِ نازِ دلبر سے
بچانا جانِ مضطر کا بہت مشکل ہے خنجر سے

مثالِ نقشِ پا آنکھیں بچھائے اب تو بیٹھے ہیں
نہ اٹھینگے نہ اٹھینگے مٹے پر بھی ترے در سے

قیامت خیز نظریں پھر ترچھی ہیں جانبِ مقتل
خدا جانے کرینگے قتل کس کس کو وہ خنجر سے

لبِ شیریں کا دیدو اگر اک بار تم بوسہ
دعا سو بار نکلے گی ہمارے قلبِ مضطر سے

تمھاری بزم سے نکلے عدو سیراب ہو ہو کر
جو ترسے شربتِ دیدار کو ایجاں ہمیں ترسے

جہاں جائینگے ای زاہد خدا کا نام لینگے
نہ مسجد سے غرض کچھ ہے نہ مطلب ہمکو مندر سے

چلیں سیدھی سی نظریں بھی جگر پر برچھیاں ہو کر
مزا جب ہے تمھاری سادگی میں بانکپن برسے

محبت میں پڑے رہتے ہیں ہر دم جان پر لالے
خدا جانے پڑا ہے ہمکو پالا کس ستمگر سے

گزر ہوتا ہے جب مجرم کبھی شہرِ خموشاں میں
ہزاروں مُردے جی اٹھتے ہیں اک ہی ٹھوکر سے

نادر جناب محمد اسحٰق صاحب تلمیذ ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل

یہی آخر کو سوچا ہے تنگ آ کر مقدر سے
کہ پھوڑوں سر کو سنگِ خانۂ یارِ ستمگر سے

بشر کس کام کا ہے جب رہا محروم جوہر سے
صدف کی قدر دنیا میں ہوا کرتی ہے گوہر سے

حنا آلودہ ہاتھوں سے نہ دشمن کو پلاؤ مے
لہو ہو جائیگا جاری ہمارے دیدۂ تر سے

نظر بھر کر ادھر دیکھو ذرا پلکیں اُٹھاؤ تو
جو چھیدو دل۔ تو تیروں سے مجھے مارو تو خنجر سے

وہ دولت حسن کی رکھتے ہیں تو دل کا غنی ہو نہیں
بہت دشوار ہے بجھنی تونگر کی تونگر سے

اُنھیں دھوکا ہوا اپنی رقم کے ٹوٹ جائیگا
گرے قطرے جو آنسو کے ہمارے دیدۂ تر سے

بظاہر لوگ کہتے ہیں مجھے مجنون و دیوانہ
بباطن میں کیا کرتا ہوں باتیں اپنے دلبر سے

شب وصل صنم میں کیا اذاں کانوں میں آتی ہے
گلے پر میرے چلتی ہے چھری اللہ اکبر سے

تمھیں انصاف سے کہدو کہ میں تڑپا کروں کب تک
تمھارا وعدہ فردا نہیں کم روز محشر سے

اگر کچھ وصف دنداں ہے تمھیں تو نظم یا در
تو پہلے کلیاں کرنی ہیں لازم آب کوثر سے

علیم جناب علیم الدین صاحب مُہرکن تلمیذ منشی پیارے لال رونق دہلوی

اُلجھتی ہے ہماری سخت جاں اُسکے خنجر سے
غضب کی کشمکش ہے پڑ گیا جھگڑا مقدر سے

وہ ہوں تیور جبیں پر تجھسے نگاہِ ناز ہو دلبر
اُدھر چلتے رہیں خنجر اُدھر تیروں کا مینہ برسے

زباں روکو نہیں ہر وقت کا اچھا بُرا کہنا
بُری ہو گی جو کہہ بیٹھیں گے کچھ ہم بھی برابر سے

جھجک کر وصل کی شب اُٹھ گئے پہلو سے وہ زاہد
مصیبت آگئی ہم پر تری اللہ اکبر سے

علیم خستہ جاں کا حال دل جب پوچھتے ہیں وہ
نکل پڑتے ہیں آنسو بے تحاشا دیدۂ تر سے

اخلاق۔ جناب سیّد اخلاق حسین صاحب جوہری دہلوی

فروغ حسن میں بہتر ہو تم خورشید خاور سے
منور دونوں عالم ہیں تمھارے روئے انور سے

توقع کیا عنایت کی نگاہ ناز پرور سے
کہیں ہوتی ہے سیری تشنہ لب کی آب خنجر سے

میرا خط لیکے قاصد سے کہا یہ اُن سے کہدینا
لگی ہے پاؤں میں مہندی نکل سکتے نہیں گھر سے

مریض غم تمھارا ہو گیا ہے ناتواں ایسا
اُلجھ جائے تو ممکن ہے اُلجھنا تار بستر سے

٭ یہ غزلیں دیر میں وصول ہوئیں اس لیے با ترتیب درج نہ ہو سکیں ۱۲ ٭

میرا دعویٰ کہ تیری آتش رخ نے مجھے پھونکا
اُنھیں شکوہ کہ رسوا ہوں میں تیرے دیدۂ تر سے

مری تقدیر کا لکھا کہ تم جیسے پہ دل آیا
گلہ تم سے نہیں مجکو شکایت ہے مقدر سے

تہِ شاخِ نہالِ گُل چمن میں بیٹھکر دیکھو
گُلِ عارض پہ بلبل ہوں فدا پھولوں کا مینہ برسے

چمن میں روز جانا خالی از علت نہیں اُن کا
سنا کرتے ہیں قصۂ بلبل و گل کا سنوبر سے

چلو اخلاق کعبہ کو وہیں چلکر دعا مانگیں
کہیں محروم آتا ہے کوئی اللہ کے گھر سے

حالب - جناب دیوان منشی روشن لال صاحب دہلوی

نہ نکلی حسرتِ نظارہ اک دن بھی مقدر سے
ترے ناکامِ اُلفت عمر بھر دیدار کو ترسے

چمن ہو - ابر ہو - مطرب بھی ہو - ساقی بھی بادہ بھی
یہ کہدو ابرِ باراں سے اگر برسے تو جب برسے

نہ اب تابِ طپیدن ہے - نہ غم سہنے کی حالت ہے
محبت کیا کریں حالب بڑھا کر اُس ستمگر سے

صدیق - جناب صدیق حسن صاحب دہلوی تلمیذ رونق دہلوی

نکلکر ساتھ دشمن کے چلے ہیں وہ مرے گھر سے
جھڑی ساون کی لگ جائے الٰہی دیدۂ تر سے

تری نازک کلائی ہے میری ہے سخت جاں قاتل
لچک پہنچے میں آ جائے نہ وقتِ قتل خنجر سے

بنایا ہمکو شوقِ دید نے کچھ ایسا وارفتہ
نہ دیکھا آنکھ بھر کر بھی وہ جب گزرے برابر سے

مری ناکامیاں رُوئیں الٰہی ہر گھڑی مجکو
پسِ مُردن بھی تُربت پر مری حسرت کا مینہ برسے

خدا رکھے تری زلفوں کا سودا جانیوالا ہے
بلائیں ٹل نہیں سکتیں کبھی صدیق کے سر سے

عاصی - جناب محمد صدیق حسین دہلوی تلمیذ حضرت رونق دہلوی

نمایاں چہرہ میں آثارِ غضب کچھ اُنکے تیور سے
کرینگے قتل پھر شاید کسیکو آج خنجر سے

یہ کیا معلوم تھا بن جائیگی دم پر محبت میں
بہت پچتا رہا ہوں دل لگا کر اُس ستمگر سے

ستم دیکھو کہ حرفِ مدعا جب لب پہ آتا ہے
زباں کو نامہ بر کی کاٹ دیتے ہیں وہ خنجر سے

نکالوں کس طرح تدبیر کوئی وصلِ جاناں کی
کہ عاصی زور اپنا کچھ نہیں چلتا مقدر سے

قمر۔ جناب منشی قمر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

وہ آئے اور آکر پھر گئے اُلٹے میرے گھر سے
قیامت تک رہیگا یہ گلا مجکو مقدر سے

وہ پھر فاتحہ بادیدۂ نمناک آئے ہیں
مری تربت پہ شاید موتیوں کا آج مینہ برسے

چبائے ہونٹ غصہ میں کیئے شمشیر کے ٹکڑے
دہانِ زخم نے کیا کہدیا ایسا ستمگر سے

گزر لی جو گزرنی تھی یہاں بیمارِ ہجراں پر
نکل کر آپ آئے ہیں بھلا آدھی نجے گھر سے

جہاں خط میں ہے ذکرِ غیر میرے دلمیں چُبھتا ہے
یہ فقرہ لکھدیا ہے شاید اُسنے نوکِ نشتر سے

مزہ شمشیر کے چلنے کا یہ ہے غیر کے سر پر
کہ چشمِ حلقۂ جوہر سے اے قاتل لہو برسے

کھچا جاتا ہے دل بھی ساتھ ہی اُس جانیوالے کے
نکل کر کون یہ یارب چلا میرے برابر سے

وہ مجکو قتل کر کے کس مسرت سے یہ کہتے ہیں
خدا کا شکر ہے یہ بوجھ بھی ہلکا ہوا سر سے

خدنگ اب جسے چوٹیں تو چلتی ہیں برابر کی
نگاہِ یاس بھی کچھ کم نہیں چشمِ فسونگر سے

قمر جو مہ جبیں برسوں رہا ہو اپنے پہلو میں
ستم ہے خواب میں بھی دیکھنے کو اسکے جی ترسے

مفتون۔ جناب منشی عبد الغفار صاحب دہلوی تلمیذ فصیح الملک داغ دہلوی

اُٹھائیں لاکھ خنجر سے ہٹائیں لاکھ ٹھوکر سے
نہ سر کاہے نہ سرکے گا یہ سر سرکار کے در سے

نکلتی ہی نہیں منہہ سے سلے ہیں ہونٹ وہ ڈر سے
رہی جاتی ہے دلکی دل میں کیا کہیئے ستمگر سے

مزا پینے پلانے کا تو ہے ایسے میں اے ساقی
ہوا آئے گھٹا چھائے۔ ذرا گر مے ذرا برسے

ملا کر خاک میں مجکو لگائے قہقہے اسنے
مرا مدفن بسایا آپنے پھولوں کی چادر سے

کچھ اپنا ہی تو کھویا ہے کسیکا کیا چرایا ہے
چلے پھر کیوں عدم کو منہ چھپا کر اپنا چادر سے

گھٹا کو دیکھتے ہی مے پرستوں نے دعا مانگی
الٰہی مینہ کے بدلے آسماں سے آج مے برسے

شب فرقت کا کالا منہ۔ بلائے آسمانی ہے
خدا لائے کہیں وہ دن کہ یہ نکلے میرے گھر سے

پڑے ہیں چین سے آسودگی سے۔ پاؤں پھیلا کر
ہمیں کنج لحد بہتر ہے اب آغوش مادر سے

تیمم کو تو خاک اُسوقت ہے درکار اسنے زاہد
وضو کو جب نہو پانی میسر دامن تر سے

کیا سر نذر جب میں نے۔ تو بولے ایسے ایسے تو
لگے رہتے ہیں لاکھوں کیا۔ کروڑوں میں مری ٹھوکر سے

ہوئی آب ہوایوں ناموافق نو اسیروں کو
نیا دانہ نیا پانی ملا صیاد کے گھر سے

بھلا کیا خاک تیر آہ ہوگا کارگر اپنا
خدا نے ان بتوں کو دل بھی بخشے ہیں تو پتھر سے

قسم دیتا ہوں ای وحشت تجھے خانہ بدوشی کی
کسی گھر کا نہ رکھیو جب نکالے تو مجھے گھر سے

بلا سے خون پانی ایک ہو جائے مگر قاتل
مری آنکھوں سے آنسو تیری آنکھوں سے لہو برسے

سفر کعبہ کا کر کے دم لیا بتخانہ کے در پر
مقام شکر ہے جیتے پھرے اللہ کے گھر سے

عدو سے دل میں کہہ سن ہو۔ غبار اترے غریبوں کی
الٰہی یہ گھٹا کیسی کہیں گرجے کہیں برسے

رہیگا نام روشن داغ کا تا حشر ای مفتوں
طبیعت ہی ملی تھی برق اسے اللہ کے گھر سے

اِلتماس

یہ رسالہ جن معزز و نامی گرامی اصحاب کی خدمت میں بلا طلب بغرض قدر افزائی پہنچے وہ صاحب مہربانی فرما کر بواپسی ڈاک خریداری یا غیر خریداری سے مطلع فرمائیں۔ ورنہ بصورت عدم وصولی جواب نام نامی درج رجسٹر خریداران ہو کر دوسرا نمبر بذریعہ وی پی روانہ ہوگا۔

پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات آنی چاہئیں

زخم جگر پہ تیز ہے ناخن ہلال کا۔ ہلال۔ کمال وغیرہ قافیہ

مصرع طرح بابت ماہ جولائی

ہم سے پلا کر وہ مئے لب سے بنائیں گے۔ دلبر۔ وغیرہ قافیہ

مصرع طرح بابت ماہ اگست

تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے۔ نظر وغیرہ قافیہ

ناول کاخ شاہی

یعنی ترجمہ

رائی ہوس پلاٹ

مترجمہ کنور گردھر کرشن رئیس سکندر آباد

باب اول - دیباچہ

ذریع

زبانِ حال سے خاکِ گلستاں یہ کہتی ہے ۔۔۔ ادھر سوسن ادھر سنبل ادھر نرگس ادھر گل تھا

چند انگریزی بستیاں ایسی بھی ہیں کہ جو گزرنے والے سیّاحوں کی نگاہ کو ہرٹ فورٹ شائر کی نسبت زیادہ شاداب (زرخیز) یا خوشگوار منظر معلوم ہوتی ہیں بیشمار جنگل اور جھاڑیاں کہ جو ہر چہار طرف میدانوں میں نمایاں ہوتی ہیں مختلف سبز رنگوں میں منظر کو تقسیم کیے ہوئے ہیں اور جبکہ بڑے بڑے اونچے درخت جو کہ جھاڑیوں کے درمیان ایستادہ ہیں اُس منظر کے خوشنما نظارہ کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ یہ جھاڑیاں اور جنگل خودگنجان ہونے اور اپنی بلندی کے باعث مشہور ہیں۔ اور اکثر بلند سڑکوں اور راستوں کے کناروں پر دوطرفہ واقع ہونے سے نہایت دلکش اور آرام دہ گزرگاہ بنا دیتی ہیں۔ جو مسافروں کے لیئے ایک فرحت بخش

منزل سے کم نہیں۔ اگر ہرٹ فورٹ شائر کے موجودہ زمانے کا بھی نظارہ ایسا ہی خیال کر لیا جائے تو بہ نسبت اِسکے کہ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ نظارہ اِس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا۔ یعنی سترھویں صدی کے آخر نصف صدی کا زمانہ تھا جبکہ برٹش کی عنانِ حکومت ایک نہایت عیاش بادشاہ چارلس دوم کے ہاتھ میں تھی۔

اُس زمانہ کی ترقی زراعت نے اُس سرسبز زمین پر اس قدر اثر نہیں ڈالا تھا کہ ملک کے اِس گنجان جنگل کے نشانات معدوم کر دیتی اور اُن کو کاٹ کر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اور گپھاؤں کے شکل میں بنا دیتی۔ اس زمانہ میں بلند شاہراہ بھی بڑی بڑی عالی شان درختوں کی دو طرفہ قطاروں سے بالکل ڈھکے رہتے تھے۔ اُوپر گنجان پتوں کے باہم ملے ہونے سے سبزی کا ایک شامیانہ تن جاتا تھا جسکے نیچے نہایت خشک اور گرم موسم میں بھی مسافر تر و تازہ سایہ میں نہایت آرام اور آسائش سے گزرتے تھے۔ اور بعض جگہ جنگل کے بیچوں بیچ پگڈنڈیاں نہایت گھنے سبزے میں میلوں تک چلی جاتی تھیں۔ جو سبزی غیر محدود دکھلائی دیتی تھی۔

ہرٹ فورٹ شائر کے ایک نہایت خوبصورت حصہ میں لندن کے جانب شمال قریبًا اٹھارہ میل کے فاصلے پر رائی ہوس قلعہ تھا۔ یہ قلعہ رائی ہوس دریائے لی پر واقع تھا کہ جو ہاؤس ڈن سے جو اُس زمانے میں جس کا ذکر ہے ایک نہایت زرخیز لبستی تھی کچھ زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔

ناظرین کو خود ایک نقشہ اپنے خیال میں بیس فٹ گہری خندق سے محدود مربع زمین کا قطعہ تصور کر لینا چاہیئے۔ یہ مربع زمین خندق کے اندرونی کناروں پہ کھڑی ہوئی بلند دیواروں سے محدود تھی۔ اور اس طرح دیواروں سے ایک ٹھیک مربع قطعہ گھرا ہوا تھا۔ خندق سے تیس گز کے فاصلہ پر دریائے لی بجانب مغرب بہتا تھا۔ چاردیواری کے گوشۂ جنوب و غروب پر ایک چھوٹا سا مینار تھا جسکی چوٹی

گنبد کے مانند بنی ہوئی تھی اور اُس میں بھی مثل چار دیواری کے اکثر چھوٹے چھوٹے
شوراخ اور درازیں تھیں جو اتفاقیہ حملہ جات کے وقت کام آتی تھی۔ اِس احاطہ کے
شمال و مشرق کے جانب قلعہ کی عمارت واقعہ تھی جس کا صدر دروازہ بسطر قروبہ تھا
اور اُسکے آگے خندق پر ایک کشیدنی پُل تھا جو بوقت ضرورت ڈالدیا اور اُٹھا لیا
جا سکتا تھا۔

کنگرآہرم
پل
غرب
دریائے لی
خندق
چار دیواری
برج
باغ
صحن
خندق
چار دیواری
خندق
برج
گھاس کیچگہ
بیرونی صحن
چراگاہ
شرق
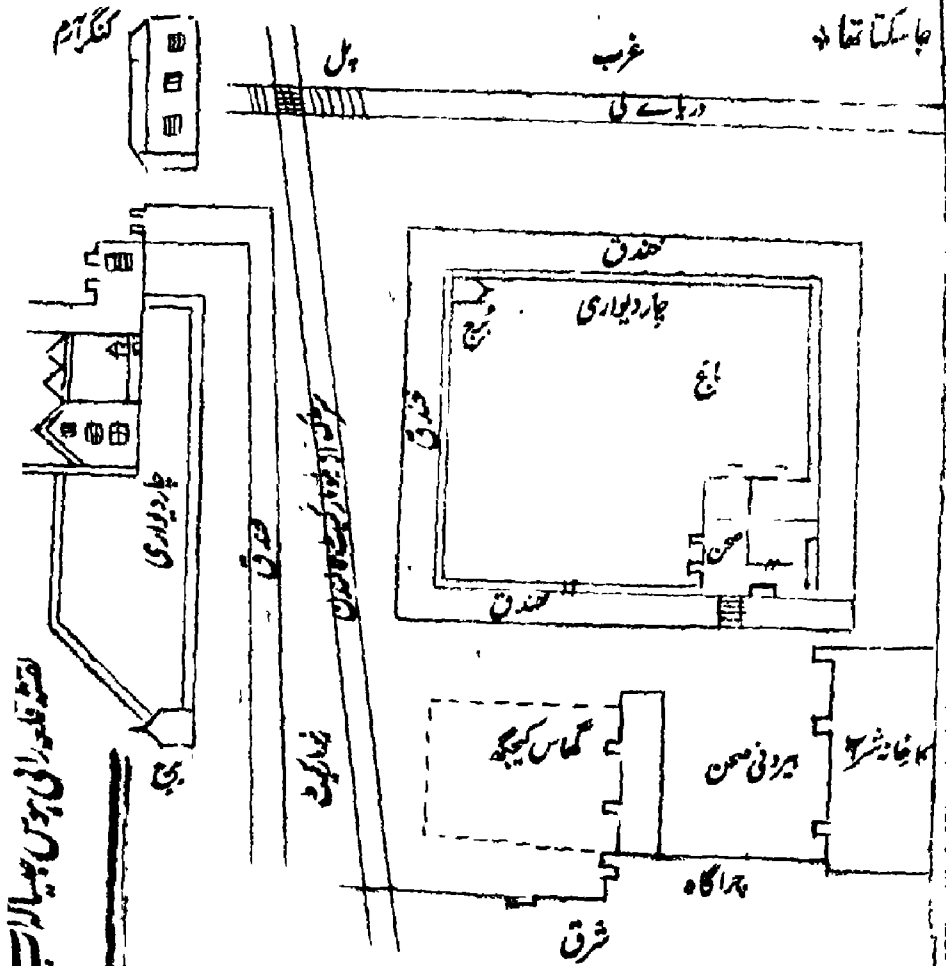
یہ عمارت سُرخ اینٹوں سے تیار ہوئی تھی اور صدر دروازہ پر ایک مینار بنا ہوا تھا اِس احاطہ
کے ایک چوتھائی حصّہ میں مکانات تھے اور باقی حصہ بطور باغ مستعمل تھا احاطہ کے

کے باہر بجانب مشرق چار دیواری اور خندق سے باہر دو عالی شان عمارتیں واقع تھیں۔ ایک احاطہ کے گوشۂ جانب شمال و مشرق اور دوسری گوشہ جنوب مشرق کی جانب تھی اس طرح پر کہ دو متوازی خطوط عمارت کے بن گئے تھے اور درمیانی اراضی کا کشادہ اور وسیع بیرونی صحن بن گیا تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس وقت گوشۂ شمال و مشرق کی جانب کا مکان بطور کارخانہ تیاری بیر (شراب جو) کے مستعمل تھا۔ اور دوسرا بطور اصطبل اور دانہ کے گودام کے استعمال کیا جاتا تھا۔ بیرونی صحن سے باہر کی جانب یعنی بجانب مشرق ایک میدان چراگاہ بنا ہوا تھا اور اُس تمام احاطہ اور تعمیرات کی جانب جنوب لندن سے **نیو مارکیٹ** کو ایک سڑک جاتی تھی یہ سڑک جنوبی خندق اور چار دیواری اور مکان گودام سے صرف چند گز کے فاصلہ پر تھی۔ یہ قلعہ رائی ہوس اُس وقت سے کہ جس کا ذکر ہے دو سو ساٹھ برس پیشتر شاہ ہنری ششم کے عہد حکومت میں طیار کرایا گیا تھا۔ اُس زمانہ کے طرز تعمیر میں یہ قلعہ اُس وقت ایک عجیب و غریب اولین قلعہ تھا۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اِسکی تعمیر سرخ اینٹوں کی تھی۔ صدر دروازہ سامان جنگ سے آراستہ تھا۔ جس کے اُوپر کے برج سے چاروں طرف کا منظر دور دراز تک بخوبی نظر آتا تھا۔ صدر دروازہ کی دہلیز کے اندر کی جانب ایک سُرخ اینٹوں کا زینہ چکر دار بنا ہوا تھا کہ جو محافظ خانہ میں ہوتا ہوا مینارہ کی چوٹی تک چلا گیا تھا۔ دہلیز کے اُوپر کی محراب کے نیچے زینہ کی بنیاد کے قریب ایک چھوٹا دروازہ تھا جس میں ہو کر ایک زمین دوز مخفی راستہ سُرنگ کے طور پر جاتا تھا دہلیز کے ایک جانب کوٹھری پہرہ داران کی تھی اور دوسری جانب کی کوٹھری میں ایک مشین لگی ہوئی تھی جسکے ذریعہ سے بوقت ضرورت پُل کھینچ لیا اور ڈال دیا جا سکتا تھا۔ دہلیز سے اندر جا کر ایک چھوٹا صحن باغ سے علیحدہ محدود کر دیا گیا تھا کہ جس میں قلعہ کی عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس میں بیشمار کمرے تھے۔ علاوہ کھانا کھانیکے

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

مؤلفہ لالہ سری رام صاحب ایم اے منصف دہلوی

ناظرین با تمکین کو مژدہ ہو کہ تذکرۂ ہذا کی جلد اول بکمال خوبی و خوش اسلوبی بہمہ وجوہ چھپکر طیار ہو گئی ہے جسکی عمدگی و نفاست صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں تقریباً **۶۵۰** شعرائے نامی کا منتخب کلام معہ اُن کے تاریخی حالات کے درج کیا گیا ہے اور اُس پر بکمال متانت تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ اسم با مسمّٰی ہے۔ جس میں طوطیان گلزار خوش بیانی کے چہچہے اور جانفزا ترانے سُننے میں آتے ہیں۔ اِس سے بڑھکر اسکی خوبی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ **اعلیحضرت شاہ** دکن خلد اللہ ملکہ نے اس کو شرفِ قبول عطا فرما کر اپنے نام نامی پر معنون کرنیکی اجازت عطا فرمائی ہے۔ جس شرح و بسط کے ساتھ شعرائے ماضی و حال کے دلچسپ حالات کا اِس میں اقتباس کیا گیا ہے اُس کا عُشر عشیر بھی کسی دوسری کتاب میں نہیں پایا جا سکتا۔ اِسکی جامعیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۲ - ۲۹ کی تقطیع کے ۱۰۸ صفحوں پر حرف الف اور (ب) کی ردیفیں ختم ہوئی ہیں۔ اِس نادر نایاب تذکرے کو جا بجا آپ ہی نظیر ہے اگر اردو شاعری کی ایک مسلسل تواریخ کہا جائے تو بجا ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ جلد نہایت خوشنما اسکا غذ اعلیٰ و اوسط قسم کا لگایا گیا ہے اسکے علاوہ رنگین سرورق ڈیڈیکیشن اور تصاویر سے کتاب کی زینت دوبالا ہو گئی ہے اور اس کتاب کو گورنمنٹ عالیہ نے بھی پسند فرما کر مؤلف صاحب کی ایک گرانقدر عطیہ سے عزت افزائی کی ہے۔ قیمت قسم اول ۱۲ روپے قسم دوم للعہ بلا جلد ۸ محصولڈاک بجلد ۱۲ بلا جلد ۸ شائقین جلد طلب فرمائیں مبادا پھر یہ گوہر نایاب ہاتھ نہ آئے اور دست تاسف ملنا پڑے۔ درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں۔

منیجر "کمال دہلی" سٹرک جدید۔ دہلی

لکھائی چھپائی صاف قیمت فی جلد ۱۲ منیجر رسالۂ ہذا سے طلب کیجئے۔

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ بہ سرپرستی عالیجناب **کنور بدری کرشن** صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ **سری رام** صاحب ایم اے مصنف و مؤلف "تذکرہ خمخانۂ جاوید" و نواب **سراج الدین احمد** خانصاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی یکم تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دارالخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ پیشگی عہ معہ محصول۔ فی پرچہ ۲ و ۲۰، مقرر ہے۔

(۳) جواب طلب امور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت ہوگی۔

(۴) کلام خریدار و غیر خریدار سب کا منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی [illegible] اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی بشرط گنجائش درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر معہ نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق موجودہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہیگا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ہذا سی مشرک دہلی ہونی چاہیئے۔

نوٹ: یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس [illegible] سے ہر وقت ۲ نقد قیمت دینے پر مل سکتا ہے۔

پیارے لعل رونق دہلوی [illegible] شیدا، اڈیٹر

زبانِ اُردو

پچھلے رسالہ کے مضمون سے معزز ناظرین نے یہ بات غالباً اچھی طرح معلوم کرلی ہوگی کہ قومی ترقی و تنزل کے باعث میں اُنکی ملکی زبان کا بھی ایک بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے۔ اس لیئے ہم اپنی ناچیز رائے کو اور بھی وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات تو یقیناً سب ہی جانتے ہیں کہ اُردو زبان کیا ہے۔ یہ ایک مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا شاہجہاں بادشاہ دہلی کے وقت میں ظہور ہوا۔ اُس وقت اس میں سنسکرت۔ بھاشا کے الفاظ کثرت سے رائج تھے۔ لیکن اب زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بہت زیادہ مستعمل ہونے لگے اور ہم اب کہہ سکتے ہیں کہ اُردو زبان نے فارسی دُودھ کا معقول حصّہ لیکر پرورش پائی ہے۔ چونکہ یہ امر مُسلّم ہے کہ بادشاہِ وقت کی مادری زبان کا اثر دوسری زیر حکومت ملکی زبانوں پر بیشتر پڑا کرتا ہے اس لیئے اب اُردو زبان میں انگریزی الفاظ بھی شامل ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ جو لوگ ستھری اور ستھری اُردو کہنے کے دعویدار ہیں وہ میرے خیال سے غلطی پر [illegible] اُردو زبان بذات خاص کوئی زبان نہیں۔ اِس کا وجود دیگر زبانوں کے الفاظ لیکر بنا [illegible]۔ اگر اس زبان سے غیر زبانوں کے الفاظ خارج کردیئے جائیں تو اِس کا وجود بھی نابود ہوجائے۔ اِس لئے غیر زبانوں کے الفاظ اور اُردو زبان میں [illegible]ت کا تعلق ہوگیا ہے۔ ذاتی صفت کے زائل ہوجانے سے موصوف قائم نہیں رہتا۔ اِس صورت میں ہمارا ستھری اور ستھری اُردو زبان

وغیرہ وغیرہ یہ بڑی بڑی علمی شاخیں موجود ہیں اِن میں سے کوئی بھی ابھی اُردو زبان میں نہیں آئی۔ نہ اسکی کوئی تصنیف موجود ہے جو ایک اُردو دان کو اُسکے مطالعہ سے کامل بنا دے۔ سنسکرت اور عربی زبانوں میں علمی خزانے بھرے پڑے ہیں جنسے اُردو زبان ابھی تک محروم ہے پس ضرورت ہی کہ جو معزز اصحاب اُردو زبان کے حامی و مددگار ہیں وہ اِن بیش بہا علموں کے ترجموں سے اِس زبان کو علم و ہنر کا مخزن بنائیں محض ناولوں کی تصانیف یا ایشیائی رنگ کے پُرانے خیالات والے دیوان و گلدستے اُردو زبان کی کافی حمایت کرنے کے دعوے دار نہیں ہوسکتے ہمیں اُمید ہے کہ صاحب فہم اشخاص جو اُردو زبان کے دلدادہ ہیں وہ اپنا قیمتی وقت محض لاحاصل مباحثوں میں ضائع کرنے کی بجائے اب اپنے خیالات کو علمی جامہ پہنانے کی کوشش کرینگے۔ اُس وقت اُن کا دعوی اہل ملک کے سامنے قابلِ قدر ہوگا۔ ورنہ کوہ کندن وکاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ بعض اشخاص کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے زبان کے الفاظ بھی اُردو زبان کا مخزن تصور کئے جاتے ہیں۔ اور زنانہ الفاظ کو نظم و نثر میں لانے ہی کا نام نتھری اور ستھری اُردو زبان رکھ چھوڑا ہی ہم نہیں کہہ سکتے کہ انکی رائے کہانتک قابلِ وقعت ہی لیکن اتنا ہم ضرور کہینگے کہ کتابیں ایسے الفاظ کا مخزن ہونی چاہئیں جنسے پڑھنے والے کے ذہن میں مختلف الفاظ مُنکے معانی اُنکے محل استعمال کا پورا نقشہ جم جائے اور اس طرح وہ اس زبان کے ذریعے سے اگر کل علوم میں نہیں تو چند ضروری علوم میں تو ترقی کرسکیں ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اِس ناچیز گذارش کو ہمارے ناظرین غور سے ملاحظہ فرماکر اپنی بیش بہا رایوں کا اظہار کرینگے۔ اور اس زبان کی امداد میں جو مصلحتِ وقت کے لحاظ سے موزوں و مناسب ہی کوشاں ہونگے۔ فقط

ایڈیٹر۔ رونق۔ دہلوی

لکھنے یا بولنے کا دعویدار ہونا ناظرین خود خیال کر سکتے ہیں کہ کہاں تک مان لینے کے قابل ہے۔ ہماری اُردو زبان جو ابھی تک ایشیائی رنگ کے ناظم و ناثر لوگوں کے قبضے میں رہتی چلی آئی ہے۔ دوسری زبانوں کے سامنے مفلس شمار کیجاتی ہے۔ کیونکہ ایشیائی لوگوں نے اِس میں کوئی قابلِ قدر تصنیف کا اضافہ کرکے اِس زبان کے خزانہ کو ترقی نہیں دی ہے۔ بلکہ وہی ناممکن الوقوع فسانے اور خال و خط و زلف و چشم۔ بوس و کنار وغیرہ کی نظمیں مختلف استعارات و تشبیہات سے مزین ملینگی لہذا صرف یہی چیزیں رکھکر اُردو زبان علمی زبان ہونے کی دعوے دار نہیں ہو سکتی ضرورت کیا اشد ضرورت ہے کہ ہم اِس زبان کے خزانے کو دیگر زبان کے الفاظ سے وسعت دیں۔ اور دوسری زبان کے الفاظ کو اگر اپنی زبان میں لینا چاہیں تو اُنکی تراش ایسی خوشنما کریں کہ جمہور بلا حجت و اکراہ اسکو قبول کرلیں۔ یہ کام صرف ایک رسالہ یا ایک شخص کا نہیں ہے۔ بلکہ ہمدردانِ اُردو زبان کی گہری توجہ کا محتاج ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اپنا قیمتی وقت محض فضول مباحثوں میں زیادہ تر ضائع کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن اِس زبان میں وہ بیش بہا تصانیف و تالیف کا ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جس سے اِس زبان کا شمار بھی علمی زبان کی فہرست میں ہو جائے۔ اِس لیئے ہم اپنے معزز ناظرین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ نیچرل مضامین و جدید خیالات کی مفید عام نظمیں و ہم طرح غزلیات جو اپنے ایجاد و اختراع کے باعث نرالے رنگ میں انوکھی ثابت ہونگی اُنکو بھیجکر رسالہ [illegible] فرمائیں۔ علاوہ ازیں دیگر علمی مضامین جو علمی کتابوں کے [illegible] سے اِس کمزور زبان کو تقویت دیں۔ ابتک جتنی کوششیں اِس زبان کے قائم رکھنے اور سنوارنے میں کی گئی ہیں وہ اِن قابل نہیں ہیں کہ جنکو کوشش کہا جا سکے [illegible] ئنس انگریزی میں ایک بڑا بھاری علمی خزانہ ہے۔ علم جر ثقیل۔ علم برق۔ علم نباتات۔ علم حیوانات

عالمِ خیال

عالمِ اجسام کے جاننے والے بخوبی واقف ہیں کہ حضرتِ انسان کل جسم والے ذی روح مخلوق میں بہترین نمونہ اُس خالقِ ارض و سما کی قدرتِ کاملہ و حکمتِ بالغہ کا ثابت ہوتے ہیں۔ اِسکے جسم کی بناوٹ عجیب و غریب حکمت کا پہلو لیئے ہوئے ہے۔ اِنکی ساری طاقتیں کاملیت کا پورا ثبوت دیتی ہیں۔ ساری ذی روح خلقت میں انکو ہی کامل دماغ عطا فرمایا گیا ہے۔ اِنکی ایک ایک ادا میں ہزاروں دلفریبیوں کے راز پنہاں ہیں نگاہِ غور سے دیکھنے والے جسقدر غائر نظر سے دیکھتے ہیں اُتنی ہی تعجب انگیز معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اِس جسمِ انسانی میں بیشمار نعمتیں پوشیدہ ہیں۔ اور یہ ہماری ناواقفیت۔ کم علمی یا جہالت کی ایک روشن دلیل ہے کہ ہم اُن خزانوں سے جو باریتعالےٰ نے ہمیں اپنی بے نظیر فیاضی سے بخشدیئے ہیں فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے۔ اور اس لیئے یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ دن بدن پستی کے عمیق غار کی طرف ہم اپنے آپ کو لیجا رہے ہیں۔

یوں کہنے کو تو یہ مضغۂ گوشت ساڑھے تین ہاتھ کا پُتلا ہے۔ لیکن مجموعۂ خوبی ہائے بیکراں ہونیکی وجہ سے فلک الافلاک سے بھی آگے پہنچنے کی اس میں قدرت موجود ہے۔ خاقانی ہند حضرت ذوق فرماتے ہیں۔ ؎

بشر جو اِس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اسکی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اِسی کے جلوے کی روشنی ہے

اِس قدرت کے لاثانی نمونہ میں سب سے بڑی طاقت جو خالقِ کون و مکان نے عطا کی ہے وہ خیال ہے۔ لیکن یہ اُسکی طاقتوں سے بھی واقف نہیں۔ آج ہزار ہا پڑھے لکھے آدمی ایسے نظر آتے ہیں جو کبھی اپنے خیالات کی پوشیدہ طاقتوں سے واقف ہونیکی

پروا نہیں کرتے۔ اور نہ اُن پر قابو پانیکا ان کو خیال آتا ہے۔ وہ اپنے دل کو ادھر اُدھر بھٹکاتے پھرتے ہیں۔ اور جو خیالات انکو ہر وقت پریشان رکھتے ہیں اُن کے لیئے اُنکی زبان سے کسی وقت بھی یہ نہیں نکلتا کہ میں یہ پریشان خیالات کبھی اپنے دل میں نہ رکھونگا۔ ایسے اشخاص کی کچھ دنوں بعد یہ حالت ہوتی ہے کہ جس قسم کے خیال کو اُنھوں نے اپنے دل میں مستقل طور پر جگہ دیدی ہے وہ اُنکو رفتہ رفتہ لاغر و پژمردہ کردیتا ہے۔ اُس وقت وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اُنکی اِس افسردگی کا باعث کیا ہے۔ جب وہ اِس امر کو محسوس کرلیتے ہیں کہ اِس قسم کے پریشان کرنیوالے خیالات سے ہمکو یہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ اُس وقت اُن خیالات کے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب اِس قسم کے ضرررسان خیال کو دل سے علٰحدہ کرنا چاہتے ہیں تو ان میں اُسکے مٹانے کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ مذہبی ریفارمروں کا قول ہے کہ "شیطان کے کبھی مطیع نہ ہو۔ اور وہ تم سے دُور بھاگے گا" دل کی ایسی قوتیں جن کا استعمال خراب طور پر کیا جائے۔ یہی شیطان ہے اور بجز اسکے دوسرا شیطان نہیں۔ یہ قوتیں ہم کو پریشان کرنے اور اذیت دینے میں بہت کچھ قدرت رکھتی ہیں۔ دل میں بُرے خیالات پیدا ہونا اور اُنکو مستقل طور پر قائم رکھنا مالیخولیا کی حالت پیدا کردیتا ہے۔ اور یہی بیماری علالت اور افسردگی کا باعث ہوتی ہے۔ یہی ہمکو دوستوں سے جُدا کرتی اور مالی نقصان بھی پہنچاتی ہے۔

روپیہ کے ذریعہ سے ہم آرام و آسایش حاصل کرتے ہیں اور تمام حاجات اِسی سے دور ہوتی ہیں۔ بغیر اسکے نہ ہم کوئی کام کرسکتے ہیں اور نہ بہتر زندگی بسر کرسکتے ہیں اور روپیہ کی اُلفت میں جو گناہ کی بات ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ کی وجہ سے جو ضروری باتیں پیش آئیں اُنکو ترک کرکے اُسکی اُلفت زیادہ کریں۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ کسی کام میں نمایاں کامیابی حاصل کریں تو اُسکے لیئے نہایت ضروری ہے کہ ایک وقت معینہ پر بلاناغہ ہم اُس کاروبار کے خیال کو اپنے دل سے بُھلادیں۔ اِس طریقہ سے ہم اپنے قلب کو

آرام پہنچا سکینگے۔ اور دوسرے روز کی جدوجہد کے لیئے ہمارے دل میں تازہ قوت پیدا ہوجائیگی۔ ہر وقت ایک ہی تدبیر و تجویز میں گم رہنا یا ہمیشہ اس خیال میں مبتلا رہنا کہ ہمکو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نکرنا چاہیئے اپنی دماغی قوتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اور جب ہم اس کام کے خیال میں محو ہوتے ہین تو ہم ایک بات بار بار کہا کرتے ہیں۔ ہم ایسا کرنے سے اُس اصلی و غائب جزو اعظم یعنی خیال کی عمارت بار بار ایک ہی ڈھانچہ پر بنا رہے ہیں ایک ڈھانچہ دوسرے کی ایسی نقل ہے جو مطلق کارآمد نہیں ہو سکتا۔

آدمیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ ایک خیال کو اپنے دل میں ہمیشہ رکھا کرتے ہیں خواہ وہ دل خوش کن ہو یا ضرر رساں۔ اکثر تنگدل اصحاب دوسرے اشخاص کی نسبت بُرے خیالات اپنے دماغ میں رکھا کرتے ہیں۔ اور یہ تلوار کی تیز دھار کی طرح دل و دماغ کو کاٹنے والا ہے۔ کسیکی نسبت آپ جیسا خیال کرینگے ویسا ہی آپ کی نسبت وہ خیال کریگا۔ کیونکہ آپکے دل سے نکلنے والے خیالات کی دھاریں دوسرے کے دل میں جسکی نسبت آپکے خیالات اچھے نہیں ہیں پہنچکر اُسکے خیالات کو بھی بدل دینگی یہ ایک باریک نکتہ ہے اور مزید غور کا محتاج ہے۔ صُلح کل کی عمارت اِس طرح تیار ہوتی ہے کہ باہمی اختلافات دُور کیئے جائیں۔ اور سب کو دوست بنانیکی کوشش ہو۔ عوام الناس میں جو خوبیاں ہوں اُنکا اظہار کیا جائے اور اُنکے عیوب کا کبھی ذکر نہ ہو۔ کسیکی برائی کرنا مطلق روا نہ رکھے۔ اور اُسکی بجائے ایسے تذکرات چھیڑے جائیں جو ہر ایک سننے والے کو بھلے معلوم ہوں۔ اور جن سے ہر شخص کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرسکے بہت سے سوانحات زندگی ایسے آدمیوں کے پیش کیئے جاسکتے ہیں۔ اور ایسے قوانین قدرت موجود ہیں کہ جنکو بعض انسان تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن وہ تندرستی۔ بشاشی۔ اور دولت بلا کسی کے ساتھ ناانصافی کیئے ہوئے یا نقصان پہنچانے کے عطا کرتے ہیں۔ جو شخص ایسے قوانین قدرت کا تبلیغ کرنے والا ہوگا وہ بیمار کے پاس دوست

صادق کی طرح بشاشی سے جائیگا۔ کیونکہ قدرتی قانون کے مطابق جو اشخاص بیماریوں میں زیادہ مبتلا رہتے ہیں وہ نہبت بڑے گنہگار ہوتے ہیں۔ کیسا ہی بدنیت مرد یا عورت ہو۔ کتنا ہی مکار دغاباز مخلوق لیکن وہ آپکی نظر رحم اور امداد کا ضرور محتاج ہے۔ کیونکہ یہ مرد اور عورت اگر خیالاتِ بد کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں تو یہ اپنے لیئے امراض کے سبب پیدا کررہے ہیں۔ اگر آپکے ساتھ کوئی شخص ناانتفاقی سے پیش آتا ہے یا آپ کو کچھ ضرر پہنچاتا ہے تو آپ اسکو بُرا خیال کرتے ہیں۔ ایسا خیال آپکے دل میں گھنٹوں بلکہ کئی روز تک جاری رہتا ہے۔ آخرکار آپ اِس خیال سے تھک جاتے ہیں۔ لیکن تاہم اِسکو مٹا نہیں سکتے۔ یہ خیال رفتہ رفتہ آپ کو پریشان اور علیل کرنا شروع کردیتا ہے۔ آپ اس تکلیف دہ خیال میں مبتلا رہنے کے سوا اُسکو اپنے دل سے دُور نہیں کرسکتے۔ یہ آپکی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے اور جو چیز روح کو صدمہ پہنچائیگی وہ جسم کو بھی ضرور نقصان پہنچائیگی۔ اور یہ حالت صرف اِس باعث سے پیدا ہوتی ہے کہ آپ دوسروں کی نسبت خیالاتِ فاسد پیدا ہونیکا بار اپنے اُوپر ڈالتے ہیں۔ اور وہ بھی آپکی نسبت ایسا خیال کیا کرتا ہے جیسا آپ اسکی نسبت خیال کرتے ہیں۔ آپ اس پوشیدہ جزو اعظم کو صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اُسکی عوض خود بھی صدمہ میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ اِس پوشیدہ قوت کی خاموش لڑائی کو کئی ہفتے تک قائم رکھیں گے تو دونوں فریق کو نقصان پہنچے گا۔ اِس قسم کی جنگ بدقسمتی سے ہمارے چاروں طرف جاری ہے۔ اور ہوا میں اِسکی آواز گونج رہی ہے۔ پس اپنے دشمنوں کا خیال دل سے دُور کردینا یا اُنکی نسبت دوستانہ خیال پیدا کرنا۔ یہ فعل آپ کا اُسیقدر باعث تحفظ ہوگا جیسا کہ آپکے اگر کوئی مُکا مارتا ہے تو آپ اُسکو اپنے ہاتھ سے روکتے ہیں۔ دوستانہ خیالات اگر کبھی دل سے نہ مٹیں تو وہ بدخواہی کے خیالات کو دُور کردینگے اور پھر آپ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا۔ مذہب کا یہ حکم کہ ہر ایک کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ قانونِ قدرت کی بنیاد پر ہے۔ اور یہ عام مقولہ ہے کہ بھلائی

سکے خیال میں بہت بڑی قوت ہے۔ ہمیشہ بُرے خیالات سے پیدا ہونیوالے نقصانات کو دُور کرتے رہنا چاہیئے۔ اگر غصّے یا اور کسی باعث سے تمہارے دل میں کوئی خیال پیدا ہو تو فوراً اُسکے فروگذاشت کرنیکا قصد ظاہر کرنا ہی عین دانائی ہے۔ یہ قصد دلکی ایک ایسی حالت ہے جو تمام پوشیدہ قوتوں کو متحرک کر دیتی ہے۔ اور آپکے حسب دلخواہ نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ آپ کسی خیال کے مطیع نہو جائیں۔ جن اثرات میں آپ گھرے ہوئے ہیں اِن میں سے اپنی پوشیدہ قوتوں کا حصّہ حاصل کرنیکا دعوی کرو کیونکہ اُسکے ذریعے سے آپ اپنے دِل پر خاطرخواہ حکومت حاصل کرسکیں گے۔ قوۃ خیال کو بہتر بنانے سے جو استحکام حاصل ہوسکتا ہی اُسکی انتہا نہیں ہے۔ آپ کو ہر ایک غم۔ نقصان سرمایہ دوستوں کی جُدائی اور خراب زندگی بسر کرنیکے صدموں سے نجات ملیگی۔ یہ قوت دل کا وہی جزو یا خیال ہی جو حصولِ دولت اور دوستوں کے پیدا کرنے کے موافق ہی مضبوط دل۔ افسردگی و پیچتاب پیدا کرنے والے خیالات کو مٹا دیتا ہے۔ اِنکو دل سے بُھلاکر کسی اور مفید کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔ کمزور دل اِس قسم کی خرابیوں میں مبتلا رہتا ہے اور ان کا غلام بن جاتا ہی۔ جب خدانخواستہ آپ کو کسی آفت ناگہانی کے نازل ہونیکا خوف پیدا ہو جاتا ہی تو آپ کا جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ اور آپکے چہرہ پر افسردگی چھا جاتی ہے۔ لیکن جب آپ متواتر اس خیال کے دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو خود بخود ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام خوف اور پریشانی کو دُور کردیتی ہی یہی قوت کامیابی کی شارع عام ہے۔ جسقدر آپ اس کا دعوی کرینگے اُسیقدر طاقتور ہوتے جائینگے اور آخر کار آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ خوف کچھ بھی نہیں ہے۔ بیخوف ہوکر مرد اور عورت عجائبات پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ کسی فرد بشر کو یہ قوت حاصل نہیں ہوئی اس امر کا ثبوت نہیں ہی کہ یہ قوت حاصل ہونا ناممکن ہی۔ ہماری قوتِ خیال جسکو بوجہ لاعلمی آج کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ ایک نہ ایک دن اپنے زبردست اثر

اثر کے ساتھ عجیب و غریب مشاہدے دکھاکر دنیا بھر کو حیران کردیگی۔ اور عورت و مرد اس قوت کے استعمال و تربیت سے وہ وہ عجائبات دکھا سکیں گے جو شاید کسیکو اپنے فرضی قصہ میں بھی اس وقت تک دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے + فقط

راقم رشید دہلوی

سنہری باتیں

مفصلہ ذیل دس باتوں سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ +

(۱) اُس گرو (مرشد) سے جو دنیاوی نمایش کا خواہاں ہو۔ +

(۲) بُرے ساتھی۔ دوست۔ رشتہ دار و احباب سے جنکی صحبت سے تمہارے مزاج کے برہم ہونے کا اندیشہ ہو۔ +

(۳) رہگذر۔ مکان۔ و مسکن سے جہاں جانے یا رہنے سے دلکو انتشار و وحشت ہو

(۴) اُس رزق سے جو مناسب و معقول ذریعہ سے حاصل نہ ہو۔ +

(۵) اُن افعال سے جو روحانی ترقی میں سدِ راہ ہوں۔ +

(۶) بے پروائی و غفلت سے جسکی وجہ سے بے عزتی کا خدشہ رہے۔ +

(۷) بے سود سیر و تفریح اور فضول کام سے جن سے کوئی نیک نتیجہ نہ نکلے +

(۸) اپنے قصور کے چھپانے اور دوسروں کے عیب ظاہر کرنے سے +

(۹) ایسی عادات و غذا سے جن سے تندرستی میں فرق آئے +

(۱۰) ایسی محبت سے جس میں خود غرضی و لالچ ہو +

مفصلہ ذیل دس باتوں سے کبھی پرہیز نکرنا چاہیئے

(۱) ایسے تمام خیالات سے جو دل کو صاف و روشن رکھتے ہوں +
(۲) اُن واقعات سے جو اصلیت کے انکشاف میں مدد دیتے ہوں +
(۳) اُن جذبات سے جو آلہیات کی جانب متحرک کریں +
(۴) جائز دولت و نیک طرز معاشرت سے کیونکہ اس سے روحانی ترقی جلد ہوتی ہے
(۵) اُن بیماریوں یا مصائب سے جن سے حق پرستی کا مادہ پیدا ہو +
(۶) دشمن و حادثات سے کیونکہ انکے بغیر اپنے نفس کی آزمایش نہیں ہوتی۔
(۷) عطا و بخشش سے جو بلا طلب حاصل ہوں۔ کیونکہ یہ آسمانی برکات ہیں +
(۸) ہر کام میں عقل سے مدد لینے میں کیونکہ دنیا بھر میں یہی سچا دوست ہے
(۹) ریاضت۔ پرستش و نیک دعا مانگنے سے +
(۱۰) آدمی کیسا ہی کمزور و ننگا کیوں نہ ہو مگر دل میں اوروں کی مدد کی ہمت رکھنے سے پرہیز نہ کرے +

رباعیات

ہے بیم و رجا رنج و آلام کا گھر — چھوڑو بھی اسے نہیں یہ آرام کا گھر
چلکر رہو لامکاں میں اے حضرت مہر — دنیا جسے کہتے ہیں نہیں کام کا گھر

ایضاً

آغوش لحد میں ایک دن سونا ہے — اُسوقت جو پچھتائے تو کیا ہونا ہے
ہے مزرعۂ آخرت یہ دنیا اے مہر — بو لے اسوقت جو یہاں بونا ہے

ایضاً

قمری کو تلاش کو بکو تیری ہے — بلبل کو چمن میں جستجو تیری ہے
ہے عشق مجازی میں حقیقت مخفی — ہر رنگ میں رنگ بو میں بو تیری ہے

انجمن اتحاد سخن

اس انجمن کی زیرنگرانی دہلی کا نامی گرامی شاندار ماہواری مشاعرہ جو ہر انگریزی مہینے کے آخری ہفتہ کو بمکان جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل۔ واقع سڑک جدید پر ہوا کرتا ہے۔ بتاریخ ۲۶ جون ۱۹۰۹ء کو بروز ہفتہ حسب معمول بوقت ۹½ بجے شب کے منعقد ہوا۔ جس میں معزز شعراء و سامعین کی تعداد تقریباً پانسو تھی۔ چونکہ پریسیڈنٹ صاحب بوجہ ایک کار ضروری کے باہر تشریف لیگئے تھے۔ اِس لیئے جناب شیدا صاحب کی تحریک ولالہ سری رام - ایم - اے کی تائید سے اسوقت اِس بزم مشاعرہ کا پریسیڈنٹ جناب آغا شاعر صاحب کو قرار دیا گیا۔ بعد میں مشاعرہ شروع ہوا۔ ابکے خوش قسمتی سے چند معززان لاہور بھی شریک مشاعرہ تھے۔ جن میں خصوصیت کیساتھ پنڈت رام بھجدت صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب قابل ذکر ہیں عموماً ساری غزلیں عمدہ اور پرزور پڑھی گئیں عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو بھی قریب دو بجے شب کے مشاعرہ میں تشریف لائے اور اپنے پُرزور اور دلپسند کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا ہم انکی اِس تصدیعہ فرمائی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

انجمن ہذا نے باتفاق رائے یہ بھی انتظام کیا ہے کہ آیندہ سے بالعموم نامی گرامی شعراء کا کلام زیادہ سے زیادہ ۱۷ اشعار تک منتخب ہو کر درج گلدستہ کمال دہلی ہوا کریگا اور مشاعرہ میں زیادہ سے زیادہ ۲۷ شعر کی غزل پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ اِس غرض سے کہ طولِ کلامی اہلِ بزم کی بے لطفی کا باعث ہوجاتی ہے۔ ہمارے خیال میں اسقدر تعداد اشعار کی کافی و موزوں ہے۔ امید ہے کہ ہمارے معزز شعراء اِس

راے پر خلوص دلی سے اتفاق ظاہر فرمائیں گے۔

جن معزز حضرات کی زیر نگرانی کمیٹی قائم ہوئی ہے انکی کوشش سے بہت سے اصحاب نے مبلغ عہ چندہ سالانہ دینے سے گلدستہ ہذا کی معاونت قبول فرمائی ہے۔ اور اکثر نے سالانہ چندہ عنایت فرما کر ہماری عزت افزائی بھی کی ہے جنکے اسماے گرامی آیندہ نمبر میں بزمرۂ معاونین درج گلدستۂ ہذا ہونگے۔ ہمیں امید ہے کہ دیگر معززین شہر و بیرونجات بھی جلد اس طرف توجہ مبذول فرما کر فہرست معاونین میں اپنا نام نامی درج کرنیکا موقع دینگے +

انجمن ہذا کو جن اعلیٰ اصول پر قائم کیا گیا ہے وہ خاص کر ایک دو شخصوں کا کام نہیں ہے جو اسکے فرائض منصبی کو پورا کر سکے۔ تحفظ زبان کے لیئے یہ امر ضروری ہے کہ عام معززین اسکی معاونت کو اپنا فرض سمجھیں ہمیں یقین ہے کہ ناظرین ہماری اس استدعا کو شرف قبولیت عطا فرما کر اردو زبان کی حمایت میں کافی مدد دینگے۔

جن اصحاب کی غزلیں قبل از مشاعرہ وصول ہوا کرینگی وہ بھی سکرٹری مشاعرہ کے ذریعہ جلسۂ عام میں پڑھی جایا کرینگی۔ کمیٹی مذکور کے اغراض و مقاصد بھی مع قواعد و ضوابط کے آیندہ رسالہ میں بالتصریح ہدیۂ ناظرین ہونگے +

سکرٹری انجمن اتحاد سخن

کمال دہلی

کمال فن کا کیا کہنا کسی نے خوب کہا ہے ؎ کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من۔ مندرجۂ عنوان نام ایک ہونہار سرسبز و شاداب گلدستہ کا ہے جو ماہ جون سے منشی پیارے لال صاحب **رونق** دہلوی و بابو چندے پرشاد صاحب **شیدا** دہلوی کی اڈیٹری میں شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ دہلی میں

اب پھر مشغلہ شعر و سخن چھڑ گیا ہے۔ اور دہلی والوں کو اپنی زبان کے قائم رکھنے کا خیال پیدا ہو چلا ہے۔ پہلا نمبر اسوقت ہمارے زیر نظر ہے مختصر تمہید کے بعد دہلی کے شعرا کا منظوم کلام درج ہے جسمیں مبتدی اور کہنہ مشق ہر قسم کے شعرا کا کلام اکٹھا کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔ صاحبان انتخاب نے بھی حتی الوسع کوئی دقیقہ انتخاب کلام میں اٹھا نہیں رکھا۔ مگر ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے معدودے چند غزلیات کے اور کلام اس پایہ کا نہیں جیسا سخنورانِ دہلی کے شایانِ شان ہونا چاہیئے تھا اس سے سخنورانِ دہلی کی عدم توجہی اور کم مشقی مترشح ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر شعر اصول فن کے مطابق جچا تلا اور تاثیر و دلاویزی میں تیر و نشتر سے بڑھکر ہو منشی پیارے لال صاحب رونق اور جناب چندی پرشاد صاحب شید اکی شہرت و لیاقت ہمیں امید دلاتی ہے کہ بہت جلد یہ گلدستہ آسمانِ سخن پر ماہِ کامل بنکر چمکیگا اور اپنی فرحت بخش اور سرور افزا روشنی سے ایک عالم کی نظروں میں ٹھنڈک پیدا کردیگا خوش قسمتی سے اسکو معاون اور سرپرست بھی ایسے ملے ہیں جنکی سرپرستی اور دستگیری قابل فخر ہے ہمیں امید کامل ہے کہ وہ کسی وقت میں بھی امداد کرنیسے پہلو تہی نکرینگے۔ ہم اس گلدستہ کی کامیابی کے لیئے خدا سے دعا کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ طرحی غزلیں اور مضامین نثر بھیجکر حتی الامکان اسکی معاونت کرتے رہیں گے ✦

راقم ضیا دہلوی

ریویو
فصیح الملک

اس نام کا ایک ماہواری گلدستہ جناب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم کی یادگار میں مارہرہ ضلع ایٹہ سے جناب سید علی حسن صاحب احسن مارہروی کی زیر ایڈیٹری شایع ہوتا ہے اسوقت رسالہ ہذا کا نمبر ۵ جلد ۲ بابت ماہ مئی ۱۹۰۹ء ہمارے زیر نظر ہے جسپر معاصرانہ طریق سے اظہار رائے کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ رسالہ ۲۴ صفحہ کا ہے۔ لکھائی چھپائی روشن و صاف ہے آخر حصہ میں چار ورق فصیح اللغات جلد اول کے بھی ناظرین کی دلچسپی اور لغات کی شہرت

کے لیئے شامل کر دیئے گئے ہیں جو مناسب وقت کے لحاظ سے نئے شاعروں اور زبان
اُردو سے واقفیت حاصل کرنیوالوں کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اول مضمون
شاہِ کبیر کا جناب فیض احمد صاحب کی قلم سے نکلا ہوا ہے۔ گو مضمون اپنی حیثیت سے شاندار
ہے لیکن بعض جملے اُس میں ناظرین کو ایسے بھی ملجائینگے جو ایک فرقہ کی دل آزاری کے
واسطے دانستہ لکھے گئے ہیں تحقیق کے اُصول کی پابندی کا بھی چنداں لحاظ نہیں
کیا گیا ہے جسپر یہ مثل صادق آتی ہے "اسپ ما اسپ ست ہست بگراں چوں اشتر ست"
ایسے مضامین گلدستوں کو ہر دلعزیز بنانیکے لیئے موزوں نہیں ہوتے ہیں۔ سکھوں کے
معزز فرقے کے گرو کا نام بھی بے ادبی کے ساتھ لکھا گیا ہے جسکا لحاظ رکھنا راقم
مضمون کو لازمی تھا۔ اگر دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کرنے لگیں تو کیا رنج کا باعث نہو گا
ایڈیٹر صاحب کا فرض ہے کہ آیندہ سے ایسے مضامین کا خیال رکھیں +

بعد میں ایک طویل مضمون دستور العمل "انجمن اصلاح سخن لکھنؤ" کی بابت ہے جو ہر طرح
قابل قدر ہے ہم بھی کسیوقت اُسکے متعلق اپنی رسلے کا اظہار کرینگے۔ اِسکے بعد
کئی بیش بہا کتابوں پر مناسب ریویو کئے گئے ہیں۔ حصہ نظم میں کئی غزلیں ہیں
جن میں زبان کا لطف۔ الفاظ کی بندش۔ کلام کی صفائی واقعی قابل داد ہے۔
اِس زمانہ کے لیئے درحقیقت اِس گلدستہ کا وجود لبا غنیمت ہے۔ کیونکہ زبانِ اُردو کی
حمایت میں یہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ایڈیٹر صاحب نے اِسکے دلچسپ بنانے
میں بہت کوشش کی ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کوشش روزافزوں ترقی پر ہوگی۔ رسالہ
ہذا کی قیمت سالانہ ؏ اور فی نمبر ۳؍ اسکے سادہ اور خوشنما ٹائٹل پیج پر لکھی ہوئی
ہے۔ شائقین ایڈیٹر صاحب سے طلب فرما کر لطف اُٹھائیں۔ ہم بھی اس رسالہ
کی ترقی کیواسطے دعا گو ہیں +

ایڈیٹر۔ رونق۔ دہلوی

کمالِ دہلی

احسن - جناب سید مہدی حسن صاحب لکھنوی مؤلف واقعاتِ انیس

مجھ سے جواب چاہا عدو کے سوال کا
موقعہ دیا اُنھوں نے مجھے عرضِ حال کا

اُڑ جائے رنگ رُخ ابھی ہر خوش جمال کا
پردہ اگر اُٹھے مری بزمِ خیال کا

دُنیا جسے سمجھتی ہے نیرنگِ حُسن و عشق
ایک شعبدہ ہے میرے طلسمِ خیال کا

چھانٹا ہے وہ حسیں جو زمانے میں فرد ہے
خود حُسن قدرداں ہے مری دیکھ بھال کا

جتنی ہماری عمر بڑھی زندگی گھٹی
پیدا ہوا عروج میں عالم زوال کا

کترا کے سامنے سے نکلتے ہیں شام کو
چربہ اُتارتے ہیں مہِ نو کی چال کا

اب ہر حسیں کو ہے دلِ بے داغ کی تلاش
ناقدریوں سے مول بڑھا ہے یہ مال کا

دوزخ میں دیکھتا ہوں کہ ہر اک گناہ گار
ممنون ہے مرے عرقِ انفعال کا

رفتارِ یار اہلِ زمیں پر گراں نہیں
زلفوں نے بڑھ کے جھوک کو سنبھالا ہے چال کا

بیمارِ ہجر کو نہیں صحت کی اب اُمید
کس نے سُنا دیا اِسے مژدہ وصال کا

محشر میں کر رہا ہوں سویرے سے انتظار
ایسا فریب خوردہ ہوں شامِ وصال کا

روزِ ازل سے ہے مجھے بربادیوں کا شوق
پُتلا بنا ہوں گردِ زمینِ ملال کا

اوروں کا اعتبار ہمیشہ کو کھو دیا
موسیٰ سے ہو سکا نہ نظارہ جمال کا

ہیں منتشر بیاضِ سحر سے نجومِ چرخ
شیرازہ کُھل گیا ہے کتابِ وصال کا

اُسکے نقاب رُخ کا ہر اک تار بزم میں ۔ جادہ بنا ہوا ہے نگاہ خیال کا
احسن ہے بزم شعر میں آنیسے یہ غرض ۔ سُن لیں کلام سائل نازک خیال کا

اختر - جناب حکیم بشیر احمد صاحب دہلوی اڈیٹر اخبار اثنا عشری دہلی

دربار سے دماغ کے قیل و قال کا ۔ دامن ہی اب سمیٹ لیا ہے سوال کا
دیکھا تھا ایک بار کرشمہ جمال کا ۔ اب تک کھلا ہوا ہے گریباں ہلال کا
ہوتی چلی ہیں نزع میں آنکھیں جو بند بند ۔ آنے لگا ہے لطف یہیں سے وصال کا
پردے سے بات چیت ہوئی بھی تو کیا ہوئی ۔ آنکھیں تو ڈھونڈتی ہیں کرشمہ جمال کا
گرد ملال آ جو پڑی اتفاق سے ۔ میں نے جھٹک دیا وہیں دامن خیال کا
تصویریں بن کے رہتے ہیں آنکھوں میں یہ حسین ۔ آباد انکے دم سے ہے عالم مثال کا
قطرے عرق کے پھر تہِ ابرو پہ آگئے ۔ پھر زہر میں بجھا لیا خنجر ہلال کا
اب آیئے خدا کے لئے جلد آیئے ۔ چہرہ اُتر چلا مری شام وصال کا
پیارے تم اپنی زلف پریشان سے پوچھ لو ۔ آئینہ یہ تو صاف ہے اختر کے حال کا

اخلاق - جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل دہلوی

چرچا جگہ جگہ ہے میرے دل کے حال کا ۔ آئینہ بن گیا ہے بتوں کے جمال کا
دل میں خیال ہے جو کسی خوش جمال کا ۔ عالم ہی اور ہے مری بزم خیال کا
دیوانہ تیرا محو ہے تیرے خیال میں ۔ کیا دیکھتا ہے حال تو آشفتہ حال کا
اقرار گر نہیں ہے تو انکار ہی سہی ۔ کچھ تو جواب دیجئے میرے سوال کا
سُن لیں وہ ایک دن تو مری داستانِ غم ۔ موقع تو دیں کبھی وہ مجھے عرض حال کا
ایسا نہ ہو کہ سُنکے پریشانیاں بڑھیں ۔ تُو پوچھ نہ حال تم کسی آشفتہ حال کا
خود رفتگی میں اسکو نہ رو بیٹھنا پڑے ۔ اتنا خیال ہے مجھے اُنکے خیال کا
شادی کی مرگ آنکھوں سے مجکو قبول ہے ۔ مُنہ دیکھنا نصیب ہو شام وصال کا

میری طرف سے گرد کدورت ہے دل میں کیوں
کچھ تو سبب بتائیے اپنے ملال کا

غنچوں سے تم ملاتے پھرے باغ میں اُسے
اتنا پتہ چلا ہے دل پائمال کا

آئی جو یاد میری وفا چپ سے ہو گئے
کچھ بن پڑا جواب نہ میرے سوال کا

تہمت ہے گر تجھے کوئی پردہ نشیں کہے
شہرہ ہے جا بجا تیرے حسن و جمال کا

چھڑکوں گا صوفیانِ تکبر شعار پر
محشر میں کام دیگا عرق انفعال کا

ماہِ صیام جائے تو اُس سے گلے ملوں
کھولیگا یہ گرہ مری ناخن ہلال کا

تم جاؤ گے جہاں وہیں جائیگا یہی ساتھ
ٹوٹا نہ سمجھو پیر ہمارے خیال کا

آنکھیں بھی میری مجھسے دمِ نزع پھر گئیں
ہوتا نہیں شریک کوئی غیر حال کا

اخلاق سچ تو یہ ہے کہ انسان ہے وہی
دنیا میں جو خیال رکھے کچھ مآل کا

اعظم۔ جناب حکیم اعظم علی صاحب۔ دہلوی

عاشق کو قتل کرتے ہو غیروں کے سامنے
سیکھا ہے خوب آپ نے یہ فن کمال کا

لب کیوں نہ چاٹوں لذتِ دردِ فراق سے
شیدا ہوا ہوں اک بتِ شیریں مقال کا

مرغِ نظر کو اس سے بچانا محال ہے
بکھرا ہے دامِ زلف میں دانہ جو خال کا

وہم و گماں فرشتہ کا پہنچے نہ جس جگہ
اُس جا قدم گیا مرے پیکِ خیال کا

کنجِ لحد میں آئی جو خلخال کی صدا
دھوکا سا ہو گیا مجھے محشر کی چال کا

صابر کے در کا جب سے یہ اعظم ہوا فقیر
قائل نہیں رہا وہ کسی قیل و قال کا

بدر۔ جناب منشی بدر الدین صاحب اکبر آبادی تلمیذ حاتم علی بیگ مہر دہلوی

جلنا محال ہے ترے آشفتہ حال کا
اک ایک روز ہجر ہے اک ایک سال کا

روشن ہے نام خلق میں اہل کمال کا
آئینہ راز داں ہے سکندر کے حال کا

دنیا میں آ کے طالب دنیا ہے ہر بشر
سارا جہاں مرید ہے اس پیر زال کا

اک دن امید وصل میں ہو جائیگا وصال
وہ دے چکے جواب ہمارے سوال کا

طوطی خجل ہے کبک دری شرمسار ہے
شہرہ سُنا ہے جب سے تری بول چال کا

کیونکر نہ مجھکو اپنی فقیری پہ فخر ہو
رتبہ گھٹا دیا مرے کمبل نے شال کا

لکھتے ہیں صف زلف میں چوٹی سے شعر ہم
نقشہ اُتارتے ہیں تیرے بال بال کا

سمجھا ہیں سُن کے نالہ کوس رحیل کو
بجتا ہے شادیانہ مرے انتقال کا

اللہ تیری شان کہ بت بن گئے ہیں وہ
دیتے نہیں جواب ہمارے سوال کا

تکتی ہے بار بار مرے دل کو چشم یار
ہوتا ہے اب تو شیر پہ حملہ غزال کا

سارے گناہ آب ندامت نے دھو دیے
دریا جو بہہ گیا عرق انفعال کا

اتنک ہے مفلسی میں وہی شوق میکشی
رہتا ہوں قرضدار ہمیشہ کلال کا

جوش خروش پر ہیں اُمنگیں شباب کی
ساغر چھلک رہا ہے شراب وصال کا

کوئی شب وصال بھی ہے بہار گل
تکیہ ہمارا ہاتھ رہا اُنکے گال کا

آسے تذکر کیا ہو فکر سخن شعر کیا کہیں
جانگاہ ہو گیا ہمیں مرنا ہلال کا

برق - جناب شفاعت احمد صاحب دہلوی

کچھ نور مہر کا نہ مہ باکمال کا
جلوہ ہے سب یہ آپکے حسن و جمال کا

آنسو در یتیم بھی ہو کر حرام ہیں
لخت جگر ہی کیوں نہ ہو ٹکڑا حلال کا

گھر سے نکل کے آئے وطن میں جو غریب
افسانہ کیا کہے کوئی اُس خستہ حال کا

ذکر خزاں ہمیشہ رہے گا بہار میں
فرقت نہ ہو تو لطف نہیں ہے وصال کا

بشر - مرزا محمد فصیح الدین صاحب تلمیذ حضرت بزم اکبرآبادی

دیدار کیا نصیب ہو اُس خوش جمال کا
ہے اِک پہاڑ بیچ میں گرد ملال کا

ہمسر تمہاری سرگیں آنکھوں کی ہوگی کیا
یہ حوصلہ فضول ہے چشم غزال کا

اغیار کو برا وہ کہیں میرے سامنے
بس اِک یہی طریق ہے رفع ملال کا

رہتا ہے اُس حسین کے ہمراہ رات دن
بس کام ہے یہی مرے پیک خیال کا

دست جنوں کا زور دکھاؤں گا ای فلک
پنجہ میں آگیا جو گریبان ہلال کا

کیا ماں لوں گا میں کہ بتوں کے دہن نہیں
ملتا نہیں جواب جو میرے سوال کا

اس حسن چند روزہ پہ کرتے تو ہیں غرور
پچھتائیں گے وہ وقت جب آیا زوال کا

پینے سے مے کے توبہ کروں ناصحا میں کیوں
فتوی دیا ہے پیر مغاں نے حلال کا

بشیر۔ جناب بشیر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

قرآن بھی اٹھا کے جو پیغامبر کہے
انکو کبھی یقین نہ ہو میرے حال کا

عہد وفا پہ بیچتے ہیں اپنا نقد دل
یہ مول تو گراں نہیں کچھ ایسے مال کا

افسوس آنکھ کھلتے ہی تقدیر سو گئی
اقرار ہو رہا تھا کسی سے وصال کا

قاصد کو دیکے ٹکڑے میرے خط کے یہ کہا
کہدینا یہ جواب ہے تیرے سوال کا

زلفوں میں اپنے دیں وہ جگہ جائے رشک ہے
اللہ رے نصیب دل خستہ حال کا

دل [illegible] میں وہ زباں پہ جفائیں نظر میں [illegible]
حاصل ہے ہمکو ہجر میں درجہ وصال کا

اچھا ہے گر عروج نہ ہو تمکو اے بشیر
دشمن یہ چرخ پیر ہے اہل کمال کا

ہیجان۔ جناب محمد سلطان مرزا دہلوی تلمیذ جناب حسن دہلوی

گر یہ اثر نہیں ہے تمھارے جمال کا
کیوں دل میں ولولہ ہے ہمارے وصال کا

لے تو چلے ہیں دل انھیں یہ بھی خیال ہے
انجام کیا ہو دیکھئے چوری کے مال کا

بلبل کی تاب کیا جو کرے تجھسے ہمسری
انداز ہی نیا ہے تری بول چال کا

اب خوش ہے آئینہ کہ میری قدر بڑھ گئی
سایہ پڑا جو اس میں ترے بال بال کا

او مست ناز پھر کے ذرا دیکھ تو ادھر
کنج مزار ہے یہ ترے پائمال کا

ہیجان یہ اضطرابیاں خالی نہ جائیں گی
جلوہ دکھائیں گی تجھے اس خوش جمال کا

برق۔ بابو مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی

بت بنگئے وہ نام جو آیا وصال کا
کہا خامشی جواب تھی میرے سوال کا

کیوں صبر لے رہے ہو کسی خستہ حال کا
کس منہ سے تمنے قول لیا تھا وصال کا

دل میرا آئینہ ہی کسی کے جمال کا
ممنوں میں نظر کا نہ پیکِ خیال کا

اِک ہی جھلک میں طور پہ غش ہو گئے کلیم
جلوہ نظر فریب تھا برقِ جمال کا

بہرِ خدا نہ تم روشِ ناز سے چلو
محشر اٹھا نہ دے کہیں انداز چال کا

فانوس میں نہاں نہیں ہوتا فروغِ شمع
چھپتا نہیں نقاب سے جلوہ جمال کا

آزاد کر دیا ہی غمِ عشق نے مجھے
خود رفتگی سے ہوش نہیں اپنے حال کا

وہ آپ محو شوخیٔ رفتارِ ناز ہیں
انکی بلا کو رنج کسی پائمال کا

رخسارِ آتشیں ہیں شفق گوں ہم عتاب
نقشہ اُتر رہا ہے جمال و جلال کا

وہ آ کے دیکھتے ہیں لبِ بام ماہِ عید
چمکا ہوا ہے آج ستارا ہلال کا

بوسہ لیا ہے خواب میں شاید رقیب نے
پھیکا ہے آج رنگ رخِ بے مثال کا

گستاخیوں پہ وصل میں چیں بر جبیں ہیں وہ
نکلا ہے کس خوشی میں یہ پہلو ملال کا

تصویر بن گیا ہوں دمِ عرضِ مدعا
مہرِ دہن ہے رعب کسی کے جمال کا

خنجر دکھا کے کرتے ہیں وہ پرسشِ مزاج
ٹھوکر سے حال پوچھتے ہیں پائمال کا

اہلِ ہنر کو کیوں نہ ہو حاصل زوال برق
دشمن ہی آسمان ہے اہلِ کمال کا

تابان - عالیجناب نواب مرزا شجاع الدین احمد خانصاحب دہلوی

دیکھا جو چاند دیکھ کے رُخ مہ جمال کا
ابرو کی تیغ دل پہ ہے خنجر ہلال کا

میخانہ میں فروغ ہے اس پیر زال کا
افزوں ہوا ہے نرخ مئی کہنہ سال کا

وعدہ کیا تو وعدہ کا ایفا ضرور ہو
ملتا نہیں جواب ہمارے سوال کا

اچھا گرو ملا کہ ملی مفت کی شراب
پیرِ مغاں کا شیخ بنا آ کے بالکا

رہتا ہے اِس سبب سے کشادہ درِ قبول
افزوں ہو تا کہ حوصلہ دستِ سوال کا

پھسلا کے انکو لایا ہی خط کے جواب میں
قسمت سے نامہ بر یہ ملا ہے کمال کا

خاکِ مزار گردِ رہِ کارواں بنی
خاکستری ہے جسم ترے پائمال کا

کعبہ کی یہ ہوس ہے کہ اس منہ کو چوم لے
بوسہ لیا ہے جسنے ترے رخ کے خال کا

پروانہ خاک ملتا ہے گلہای شمع کی
جس طرح ہو بھبوت ملے کوئی بالکا

تاباں غزل کہیں کہ گلہ بخت کا کریں
طرزِ بیاں سے نے چھوڑا نہ پہلو ملال کا

حسنؔ جناب محمد نظیر حسن صاحب دہلوی تلمیذ جناب آزاد مرحوم دہلوی

الٹا اثر ہوا مرے رنج و ملال کا
بہرہ نصیبِ غیر ہے ساغر وصال کا

پاؤں سے چھوٹ جائے یہ رنگ حنا نہیں
او گلعذار خوں ہے دلِ پائمال کا

کیوں دل میں فرطِ شوق مرا چٹکیاں لے
جلوہ نظر میں ہے ترے حسنِ جمال کا

کھلنے نہ دیگی عقدۂ لب تنگیِ دہن
دفتر کھلا رہیگا سدا قیل و قال کا

مجھ ہی سے مشورت بھی ہے بہرِ وصالِ غیر
اچھا نکالا آپ نے پہلو ملال کا

اچھا نہ بیٹھنا مرے پہلو میں دیکھنا
لیکن علاج کیا دلِ آشفتہ حال کا

قاصد کے آنے تک ہو مری ختم زندگی
سمجھوں قضا کو آیا ہے مژدہ وصال کا

زاہد بھی ہو تو ہاتھ سے دل اپنا تھام لے
مستی میں حسن دیکھ کے مستانہ چال کا

لب پر عبث ہے شکوۂ جورِ فلک حسنؔ
یہ قدرداں سہی نہیں اہلِ کمال کا

حیرانؔ محمد صادق صاحب دہلوی تلمیذ جناب حسنؔ دہلوی

صدقے میں تیری زلف کے دیکھی عدم کی راہ
احساں ہے میرے سر پہ ترے بال بال کا

رہتی ہے شور کرنے میں قیامت لگی ہوئی
شہرہ ہے کیوں نہ فتنۂ محشر کی چال کا

دو دن کے بعد پھر ہے تنزل کا سامنا
بیجا ہے ناز بدر کو اپنے کمال کا

یوسف کہا بھی تمکو تو کیا ہو گیا غضب
شہرہ جہاں میں آج ہے کسکے جمال کا

آئے جو میری قبرِ شکستہ پہ یہ کہا
مرقد ہے بے چراغ یہ کس پائمال کا

کرتا ہے مرغِ دل کو گرفتار دیکھنا
دانہ دکھا کے زلف میں صیاد خال کا

دل توڑیئے نہ ڈال کے اپنی جبیں پہ چیں — آتا برا ہے دیکھئے شیشہ میں بال کا
رُخ سے نقاب اُلٹتے ہی بجلی سی گر پڑی — افزوں تھا برق طور سے شعلہ جمال کا
کیوں ذکرِ غیر پر تمھیں شرمندگی ہوئی — کیوں آگیا جبیں پہ عرق انفعال کا

حیراں - جناب عبدالوہاب صاحب دہلوی

ہر شے میں دیکھتے ہیں اُسی کا ظہور ہے — سارا جہان عکس ہے اُس کے جمال کا
دونوں جہاں کی فکر سے بیفکر ہو گئے — جسدن سے ہمکو شوق ہے اُسکے جمال کا

حالب - جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

طوطی کی ہے زباں پہ ترانہ مقال کا — انداز کبکِ باغ نے سیکھا ہے چال کا
سب میں اُسی کا نور اُسی کا ظہور ہے — جلوہ ہر ایک شے میں ہے اُسکے جمال کا
مطلب ہے جامِ جم سے نہ جمشید سے غرض — دستِ گدا کو چاہیئے ساغر سفال کا
جلتا ہے گل خوں سے بھی بجکر چمن میں آج — اُف رے دماغ حالب نازک خیال کا

رنگ - جناب حاجی محمد وزیر خان صاحب تلمیذ حضرت مولانا ظہیر دہلوی

عاجز ہے مدرکہ مرے وہم و خیال کا — کھلتا نہیں سبب کوئی اُنکے ملال کا
برہم وہ اور بھی ہوئے بزمِ رقیب میں — سُن سُنکے تذکرہ کسی آشفتہ حال کا
اپنے گناہ کا جو مجھے جب آگیا خیال — دریا بہا دیا عرقِ انفعال کا
پہنچا غبار بن کے پس مرگ عرش پر — اللہ رے عروج ترے پائمال کا
مضطر ہیں - جانکنی میں - فشار مزار میں — اُمیدوار ہوں کرم ذوالجلال کا
لیجائیں میری نعش کو حوریں بہشت میں — میں ہوں شہید ناز کسی خوش جمال کا
کسکو دکھائیں رنگ طبیعت کا اپنی رنگ — اب کوئی قدرداں نہیں اہل کمال کا

روشن - محمد امین صاحب دہلوی - تلمیذ جناب گنجور دہلوی

سچ پوچھئے تو جوش میں عہد شباب کے — ہوتا نہیں ہے پاس حرام و حلال کا

معشوق گلعذار ہوا ور کنج باغ ہو
جب آئے لطف جام مے پرتگال کا

کچھ مسکرا کے آنکھیں جھکا کے وہ چپ رہے
تھا کیا جواب اور سوالِ وصال کا

خاکسار پیارے لال رونق دہلوی اڈیٹر رسالہ ہذا

پرتو پڑا جو تیغ پر ان کے جمال کا
زخموں نے میرے چوم لیا منہ ہلال کا

جلوہ بھرا ہوا ہے بتوں کے جمال کا
آئینہ دیکھتا ہوں میں دل کے خیال کا

چمکی وہ تیغ ناز کہ بجلی تڑپ گئی
نکلا غلافِ حسن سے چہرہ جمال کا

ابرو بنا کے دیکھا ہو کس بت نے آئینہ
اترا ہوا ہے چرخ پہ چہرہ ہلال کا

بیہوشیاں بڑھی ہیں وہ شوقِ وصال کی
مشکل ہوا ہے تھامنا پائے مجال کا

واں نازکی سے بار مری بات کا جواب
یاں بند ناطقہ ہے زبانِ سوال کا

چھیدا ہجوم یاس میں بھی دل ٹٹول کر
قائل ہوں تیر یار کی اس دیکھ بھال کا

خورشید لیکے آئینہ اترا زمین پر
شہرہ سنا فلک پہ جو انکے جمال کا

دیکھا رقیب کو بھی تو سمجھا تجھی کو میں
تیرے گماں پہ دھوکا ہو اپنے خیال کا

ہر دم ہے لب پہ مہر خموشی لگی ہوئی
سنہ سی دیا ہے میں نے زبانِ سوال کا

ڈوبے کی ناؤ حشر میں میرے گناہ کی
دریا ہے جوش پر عرقِ انفعال کا

بیتاب آنکھ دل ہے طپاں۔ جان مضطرب
کیا حال پوچھتے ہو مجھ آشفتہ حال کا

پھانسی لگا کے زلفوں نے لی جانِ ناتواں
احسان مند ہوں میں [illegible] بال بال کا

بخشا اثر دعاؤں کو بابِ قبول نے
پلہ گراں ہوا مرے دستِ سوال کا

رونق شناؤں کسکو دُرِ آبدار نظم
جوہر شناس کون ہے میرے کمال کا

ایضاً

زینت ہے سوز غم کی تصور وصال کا
ہر داغ دل چراغ ہے بزم خیال کا

کس مہجبیں نے وعدہ کیا ہے وصال کا
چمکا ہوا ہے بخت دل پر ملال کا

لکھتا ہوں وصف آج کسی کے جمال کا
گھونگھٹ اُلٹ رہا ہوں عروسِ خیال کا

مارے ہیں کس کی شوخ نگاہی نے دل پہ تیر
دُھوکا ہے زخم زخم پہ چشمِ غزال کا

جھومر جبینِ ناز پہ ابرو کے متصل
خورشید کے ہے پنجہ میں ناخن ہلال کا

دل میں ہمارے بادۂ عرفاں کا رنگ ہے
زاہد نشہ نہیں یہ مئے پرتگال کا

کرتا ہے روز کسبِ ضیا روئے صاف سے
خورشید خوشہ چیں ہے تمھارے جمال کا

پھانسا ہے مرغِ دل کو مرے دامِ عشق میں
تارِ نگاہِ ناز بھی ڈورا ہے جال کا

رکھتا ذرا تصورِ مژگاں سنبھل کے پاؤں
ٹوٹے نہ آبلہ مرے پائے خیال کا

تو ہے جہاں فرشتوں کے جلتے ہیں پر وہاں
کیونکر گزر ہو طائرِ وہم و خیال کا

رہنے بھی دیجئے وصل کی شب قصۂ عدو
اچھا نہیں ہے ذکر خوشی میں ملال کا

وہ بھی جفائیں کر لو جو باقی ہیں اور کچھ
کھو دو ملال دل سے ہمارے ملال کا

یاں حسرتوں نے شوق پہ خنجر چلا دیئے
واں لب تک آ کے رہ گیا وعدہ وصال کا

دیکھو تو ٹھوکروں میں کہیں رہ گیا نہ ہو
ملتا نہیں نشان دلِ پائمال کا

رونق بڑھی ہوئی ہے وہ قدرِ سخن
سکہ ہر ایک دل پہ ہے میرے کمال کا

سائل - ابو المعظم جناب نواب مرزا سراج الدین احمد خان صاحب دہلوی

[illegible] حضرت فصیح الملک جناب داغ دہلوی مرحوم

یہ [illegible] طریقہ ہے دل کے سوال کا
فرما رہے ہیں سوال کہو اپنے حال کا

دل میں گزر ہوا ہے بتِ مہ جمال کا
اب عرش پر دماغ ہے میرے خیال کا

آنے لگا جبیں پہ عرق انفعال کا
چہرہ سے مل رہا ہے پتہ دل کے حال کا

محتاج کب ہے حال مرا عرضِ حال کا
مطلب سمجھ لو آپ ہی صورت سوال کا

قصہ سنائے کون انھیں دل کے حال کا
وہ جانتے ہیں یہ بھی ہے پہلو سوال کا

شکوے زباں پہ آپکے غیروں سے سُن چکی
اب عذر کرنے بیٹھے ہو مجھ سے ملال کا

چھانی ہے خاک اُنکی گلی کی دنوں مگر
کچھ بھی چلا نہ کھوج دلِ پائمال کا

نیت تو یہ ہے تیر اگر یاں ہو میرا ہاتھ
باقی خدا کو علم ہے عقبیٰ کے حال کا

احسان وصل خواب ہوا تم پہ کیا
جو کچھ وہ تھا نتیجہ تھا اپنے خیال کا

جلتا رہے گا رشک عدو سے ہمارا دل
روشن رہے چراغ تمہارے جمال کا

پہلے ہی میں سرشک ندامت میں غرق تھا
دریا بھی چڑھ گیا عرقِ انفعال کا

مجھ جیسے باوفا کی ہوا چاہیئے بجھے
بھڑکیگا شعلہ آتشِ حسن و جمال کا

جانے لگا رقیب کی خلوت میں بیدھڑک
کتنا دلیر ہوگیا دیدہ خیال کا

برسوں اسی مزے سے گزاری ہے ہمنے زیست
راتوں کو خواب دیکھا ہے دن کے خیال کا

نقش قدم سے پوچھیئے دل کا مرے نشان
ڈھونڈے سے کیا ملیگا پتہ پائمال کا

پہنچے خبر نہ رند کو ماہِ صیام کی
دلپر لگے گا تیر کمانِ ہلال کا

وصف کمر کے بعد رُخ و لب کی مدح کی
رنگیں خیال ہوگیا نازک خیال کا

زاہد خدا کو مان نہ رکھ تہمتِ شراب
شیشوں میں بھر رکھا ہے عرق انفعال کا

ایجاد ہو رہی ہیں ادائیں خرام کی
نقشہ اُتر رہا ہے قیامت کی چال کا

جب جانیں سائلِ اُنکو وہ حاضر جواب ہیں
سمجھا دیں مدعا بھی ہمارے سوال کا

سعادت - جناب سعادت خانصاحب دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر

اک نوجواں سے وعدہ ہوا ہے وصال کا
ساغر چڑھا رہا ہوں مئی کہنہ سال کا

نقطہ لگا دیا نظرِ انتخاب نے
جلوہ نہیں ہے یہ ترے چہرہ پہ خال کا

کس طرح اپنا دل میں ترے دل میں ڈالدوں
کیونکر مجھے یقین ہو دشمن کی چال کا

میرے جگر کیواسطے وہ زخم چاہیئے
ارمان ہو کبھی نہ جسے اندمال کا

کیونکر نہ تیرے دستِ کرم کی ثنا کروں
یہ بھی تو ایک رنگ ہے حسنِ سوال کا

یکتائیوں کا یہ بھی مدلّل ثبوت ہے
ملتا نہیں نشان تمہاری مثال کا

افشاں چھنی ہوئی ہے جو ابرو کے پاس ہی ہیں
پہلو ہے اختروں سے مزیّن ہلال کا

ہم ختم ہو گئے ہیں سعادت ہزار حیف
دورہ مگر نہ ختم ہوا ماہ و سال کا

سیّد - جناب نواب اکبر مرزا خاں صاحب دہلوی از خاندان حضرت مرزا غالب

ابرو کے پاس چاہیئے نقطہ ہو خال کا
مسجد کے زیر سایہ رہے گھر بلال کا

یہ مقتضائے سن ہے بدلنا خیال کا
دل سے گیا نہ شوق مگر دیکھ بھال کا

کچھ غم نہیں جو ہجر میں گزری تمام عمر
اب آ گیا قریب زمانہ وصال کا

ہیں شیشہ لاکھ جان سے کیونکر فدا نہ ہوں
ہر وقت جو شریک رہے میرے حال کا

ہیں شیخ کا شریک یہ کیوں آب طعام میں
آب حرام جوڑ ہے نانِ حلال کا

ہے خوشنما سی بیل زمیں پر بنی ہوئی
نقشِ قدم دکھاتے ہیں انداز چال کا

چاروں طرف ہیں کشتوں کے پشتے لگے ہوئے
کوچہ ترا نمونہ ہے دشتِ قتال کا

بینی و خط و چشم کو کس سے مثال دوں
یہ کوہ ہے یہ سبزہ یہ مسکن غزال کا

تو میرے جان و دل کا نگہباں ہے یا خدا
پیغام آج آیا ہے رفع ملال کا

کوثر پہ لے تو آیا ہے بخت رسا مجھے
ہے انتظار ساقیِ دریا نوال کا

ایسا نہ ہو کہ آنکھوں میں بھر لائیں اشک وہ
ان تک نہ پہنچے حال مرے انتقال کا

چہرہ اداس ہو گیا خاموش رہ گئے
مرنا سنا جو عاشقِ شوریدہ حال کا

سارے گناہ بخش دیئے میرے وقت نزع
آیا جو ہی جبیں پہ عرق انفعال کا

عاشق ہوئے تو غیرت سادات پھر کہاں
پرساں نہیں ہے کوئی بھی سیّد کے حال کا

شیدا - چندی پرشاد دہلوی اڈیٹر

حیرت فزا وہ رنگ ہے حسن و جمال کا
سکتے میں آئینہ ہے بشر کے خیال کا

لب گر ملے تو جنبشِ ابرو کی بن پڑی
تلوار اک جواب ہے میرے سوال کا

ابروسے کسکے ناخنِ غم کی خراش ہے
کیوں چاک ہو رہا ہے گریباں ہلال کا

ہر لحظہ مشکبار ہے وہ بوئے زلفِ یار
چوٹی کا پھول بن گیا نافہ غزال کا

کھنچ کھنچ کے چل رہی ہے شہید وں کے حلق پر
تلوار میں چلن ہے تیری چال ڈھال کا

رگ رگ میں بس رہی ہے شہادت کی آرزو
مشتاق ہے گلا ترے خنجر کی چال کا

ہمراہ سانس کے ہے فغاں بھی اسیر آہ
پھندا لگا ہے حلق میں زلفوں کے جال کا

عشاق رکھکے آئے ہیں ایمان طاق پر
جوہر ہے یہ نیا ترے ابرو کے خال کا

دلمیں ہے ہر خدنگ ترا زو خدا کی شان
کانٹا لگا ہے موئے مژہ کے خیال کا

مجھسے چھٹی تو بات رقیبوں کی بن گئی
حصے رسد ملا ہے یہ صدقہ ملال کا

گل کر دیا ہے شعلۂ نارِ جحیم کو
کام آگیا ہے آج عرقِ انفعال کا

شاید نظر پڑے تھے وہ ابرو کھچے ہوئے
ناخن بنا ہوا ہے گریباں ہلال کا

تاثیر دیکھئے لب و دندانِ یار کی
تارِ شعاعِ مہر ہے تنکا خلال کا

دل ہیں میں اُنکے عارضِ پُر نور جلوہ گر
کعبہ میں چاندنا ہے بتوں کے جمال کا

گلکاریاں دکھائینگے دامن پہ اپنے ٹھک
جلوہ ہے دل میں شاہدِ رنگیں خیال کا

خونِ جگر یہ شعر ہیں شیدا غزل نہیں
کاغذ یہ رنگ ہے یہ ہمارے کمال کا

شاعر جناب آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی

دامن ہے آسماں پہ ہمارے خیال کا
زیبا ہے اِس قبا میں گریباں ہلال کا

دیوانہ ہو گیا وہ میری عرضِ حال کا
کیا کہنے ہیں مزا ہے یہی بول چال کا

ڈوبی ہوئی نشہ میں وہ آنکھیں الٰہی خیر!
مجکو ڈبوئے دیتا ہے چشمہ غزال کا

تھم تھم کے وہ تڑپ دلِ بے اختیار کی
رہ رہ کے کوندنا تری برقِ جمال کا

اسکی جھلک کہاں نہیں کس میں نہیں بھلا
دیکھو بھرا پڑا ہے یہ عالم مثال کا

ذروں سے خاک کے ہے سمائی گئی یہ شکل
پھر بھر دیا ہے اُس میں کرشمہ جمال کا

جو بخشنا ہی بخشدے اپنے ہی ہاتھ سے
یوں تو بہت دراز ہے دامن سوال کا

وہ دور ہے کہ نعمت عظمیٰ اسے سمجھیے آج
لقمہ جو ایک پائیے اکل حلال کا

رکھتا ہوں اب نہیں کسی محرم سے مرثیۂ عشق
کانٹا نکالتا ہوں زبان خیال کا

رنج و خوشی ہراس و تمنا سب ایک ہیں
چولے بدل رہا ہے یہ پتلا خیال کا

یہ کون آگیا کہ قیامت بپا ہوئی
بکھرا دیا بندھا ہوا دستہ خیال کا

معشوق سرو قد پہ نہ کس طرح جان دیں
مصرع ہے یہ بھی شاعر نازک خیال کا

شمس ۔ تلمیذ جناب آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی

تم ۔ اور تم سے وعدہ وفا ہو وصال کا
آخر نکال ہی لیا پہلو ملال کا

جوش جنوں میں ہوش کسے ہے مآل کا
اب انگلیاں ہیں اور گریباں ہلال کا

ایسا بھی دل ملول نہ ہوگا جہان میں
غازہ ہے میرے چہرہ پہ گرد ملال کا

قسمیں بھی کھا کے دیکھ لیں قرآں اٹھا چکے
کیونکر تمھیں یقین ہو دشمن کی چال کا

ذہن رسا بھی ٹھسکیاں لیتا ہوا گیا
سچ ہے بہت بلند ہے زینہ خیال کا

بڑھتا ہے صرف کرنے سے وہ مال ہے یہ مال
ہر دم بھرا پڑا ہے خزانہ خیال کا

اب بھی اگر تلافیٔ عصیاں نہ ہو تو خیر
دریا بہا چکے عرق انفعال کا

گیسو کھلے ہیں آنکھوں میں آنسو ہیں لب پہ آہ
اب سوگ ہو رہا ہے دل پائمال کا

ابرو کی یاد میں جو ذرا آنکھ لگ گئی
کیا دیکھتا ہوں سر پہ ہے خنجر ہلال کا

دو چار بوسے شمس کو دیکر ٹلاؤ بھی
کیوں سر پہ بوجھ لیتے ہو رد سوال کا

شاد ۔ جناب بابو لالتا پرشاد صاحب میرٹھی ۔ از اجمیر

ایفا کیا نہ ایک بھی وعدہ وصال کا
تو بھی بنا ہوا ہے ستمگر کمال کا

لینے کو آرہے ہیں قدم خضر و مسیح
یہ مرتبہ بڑھا ہی تیرے پائمال کا

پینے نہ دینا واعظو جنت ہی میں ہمیں
دنیا میں ذکر کیوں ہے حرام و حلال کا

نزدیک آرہی ہے شب وصل خیر خیر
اب وقت آگیا ہے یہاں بھی وصال کا

کشتوں کے پشتے کوچۂ قاتل میں لگ گئے
بازار گرم ہے یہ جدال و قتال کا

معدوم ہر دہن ہیں معلوم ہو گیا
یہ بھی جواب ہے کمر بے مثال کا

دل پھنس گیا ہے زلف کے پھندے میں کیا کریں
پہلے سے کچھ پتا ہی نہ تھا اس وبال کا

دل میرا ڈوبتا ہے تمہارے حجاب سے
کیا کام وصل میں عرق انفعال کا

وصل عدو کے ذکر پہ وہ ہنس کے کہہ گئے
دیکھا نہ آدمی کوئی ایسے خیال کا

اے شاد ملک نظم کے تم کیوں ہو مدعی
سکہ تو چل رہا ہے ظہیر و جلال کا

شایق۔ جناب منشی سوہن لال صاحب دہلوی تلمیذ رونق دہلوی

لکھنا ہے وصف چشم بت خوش جمال کا
درکار ہے قلم مجھے شاخ غزال کا

رسوا کریگا آپ کو چاک نقاب شرم
لپکا رہا نظر کو اگر دیکھ بھال کا

کیا پوچھتے ہو کٹتی ہے کس کس مزے سے رات
جب سے گزر ہے دل میں تمہارے خیال کا

آئینۂ خیال میں تصویر حسن ہے
پیش نگاہ رہتا ہے جلوہ جمال کا

وہ گھر تک آ کے میرے شب عذ پھر گئے
دل کا دل ہی میں رہ گیا ارمان وصال کا

وعدہ کی شب یقین یہ شک لیگیا فروغ
دعویٰ ہی غلط رہا مرے وہم و خیال کا

صوفی۔ سید برکت علی صاحب کلرک محکمہ نہر مغربی ڈویژن دہلی

ٹھوکر لگائی ہے تو اسے روندتے بھی جاؤ
پھر جستن ہم کرینگے دل پائمال کا

چھپ چھپا کھڑا رہا تو انہیں رحم آ گیا
خاموشیوں نے کام کیا ہے سوال کا

مرقد پہ میرے فاتحہ پڑھ کر وہ کہتے ہیں
ہمکو بھی ہے ملال تیرے انتقال کا

مرنیکے بعد بھی نہیں آسودگی نصیب
کھٹکا لگا ہوا ہے جواب سوال کا

اکتا نہ جائے جی کہیں اس بزم ناز میں
چلکر تماشہ دیکھئے صوفی کے حال کا

طالب۔ جناب سید علیم الدین احمد خان صاحب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو یادگار غالب

انداز آج اور ہے کچھ آن کی چال کا
دل ہاتھوں بڑھ رہا ہے کسی پائمال کا

ابرو پہ دل نثار ہے شیدا ہے خال کا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے تو وہ دانہ جال کا

آیا جو وقتِ ہجر میں ذوقِ وصال کا
خطِ قضا یہ جانئے حُسن مآل کا

انگڑائی اُنکی پھر گئی میری نگاہ میں
نظارہ شامِ ہجر ہوا جب ہلال کا

جاتا رہے نہ ہاتھ سے یہ لطفِ انتظار
یارب نہ دے جواب وہ میرے سوال کا

بڑھکر ہے جامِ جم سے مرا یہ شکستہ دل
ہر پارہ اِک جہان ہے جامِ سفال کا

شاید کھلا ہے طرۂ عنبر شمیم پھر
جھونکا ہے عطر بیز جو بادِ شمال کا

نسبت شبِ فراق سے روز شمار کو
یاں نام کو حساب نہیں ماہ و سال کا

شرمندہ ہیں کہ آپ یہ کہدیگی خود جبیں
کس جا ٹپک رہا ہے عرق انفعال کا

وصف کمر ہوا اور دہن وہ بھی شعر میں
یاں تنگ قافیہ ہے گمان و خیال کا

رکھتا اگر ہے ظرف پیا کر مدام یار
دل میں نلا خیال حرام و حلال کا

طالبؔ ہیں مست رند جو صہبا اشک سے
ہے شور میکدہ میں ترے انتقال کا

ظہیرؔ جناب مولانا سید ظہیر حسین صاحب دہلوی یادگار حضرت ذوقؔ مرحوم

شہرہ ہے بدر سے بھی زیادہ ہلال کا
پرساں نہیں ہے ایک بھی صاحب کمال کا

تا زندگی رہیگا تقاضا وصال کا
لیکا بُرا پڑا ہے گدا کو سوال کا

سودا زدہ ہے دل خمِ گیسو کے جال کا
تقصیر وار ہوں میں ترے بال بال کا

وہ خواب میں رقیب کے پہنچے ضرور آج
برہم ہے رنگ کچھ مری بزمِ خیال کا

ہے فرش رہگذار جو سبزہ مری طرح
یہ بھی ہے پائمال کسی نونہال کا

وہ مانگتا ہوں جو مری تقدیر میں نہیں
مطلب مرا جواب ہے میرے سوال کا

رہتی کسی کے گھر میں نہیں یہ عروس دہر
داماد اک زمانہ ہے اِس پیر زال کا

اُس نازنین کے حسنِ نزاکت کو دیکھنا
ظاہر ہے رنگِ چہرہ سے دل کے ملال کا

رفت و گذشت کیجئے جو کچھ ہوا ہوا
کس کو دماغ شکوۂ ماضی و حال کا

اُس مہروش کے عارضِ تاباں کے سامنے
جلتا نہیں چراغ کسی مہ جمال کا

سیکھی سپہرِ پیر نے پامالیوں کی چال
خاکا اُڑا اُڑا کے تیری چال ڈھال کا

رخسار سیمگوں پہ نہیں ہے سیاہ تل
زنگی بچہ ہوا ہے نگہبان مال کا

ہونیکو ہے غروب ظہیر آفتاب عمر
پہنچا ہے انتہا کو تنزل زوال کا

عاشق منشی محمد عاشق علی صاحب تلمیذ حضرت راسخ مرحوم دہلوی

مانی ہے معترف مرے رنگِ خیال کا
سودا ہے دل میں بال کا نقشہ ہے خال کا

خوں ہو کے دل میں رہگیا ارمان وصال کا
موقع ملا نہ ہمکو کبھی عرضِ حال کا

اے چرخ کس سے قصد ہے جنگ و جدال کا
خنجر بندھا ہوا ہے کمر میں ہلال کا

محشر میں تیرے دستِ کرم نے بچا لیا
ورنہ ڈوب چکا تھا عرقِ انفعال کا

لب پر ہے ہجو دخترِ رز دل میں آرزو
قائل نہیں ہوں شیخ کے میں حال و قال کا

راحت ملیگی کسکو پسِ مرگ قبر میں
کھٹکا لگا ہوا ہے جواب و سوال کا

اب اُنکو فکر لطف و عنایات کی ہوئی
خوگر جو ہو گیا ہوں میں رنج و ملال کا

اک بوسہ دیکے عاشقِ بیجاں کا دل لیا
تھوڑا ہے مول اتنا بھی مردے کے مال کا

ذکرِ وصالِ غیر نے اُنکو خجل کیا
رُخ پہ جھلک رہا ہے عرق انفعال کا

کیوں کر رہے ہو سامنے عاشق کے ذکرِ غیر
کیوں دل دکھا رہے ہو کسی خستہ حال کا

کیوں نام سنکے وصل کا خاموش ہو گئے
ہاں یا نہیں جواب تو دو کچھ سوال کا

حوروں میں ذکر ہوتے ہیں پریوں میں تذکرے
شہرہ ہے دور دور تمھارے جمال کا

طوبیٰ پہ بھی نہ آنکھ پڑیگی کبھی مری
بوٹا سا قد نظر میں ہے اس نونہال کا

پیرِ مغاں مزا نہیں دیتی نئی شراب
خم لا نکال کر کوئی دس پانچ سال کا

میری زبان پہ تم ہو تمھاری زباں پہ تو
دونوں میں ہے مذاق جدا بول چال کا

وہ شوخ عید کو جو عدو سے گلے ملا
میرے گلے پہ چل گیا خنجر ہلال کا

وہ رند دل شکستہ ہوں سمجھا میں لخت دل
ٹھکڑہ جو ملگیا کوئی جام سفال کا

عاشق سے پوچھتے ہیں وہ وقت خرام ناز
معشوق کوئی دیکھا ہے اس چال ڈھال کا

فیاض - جناب شیخ عبدالغفور صاحب خلف شیخ احسان الٰہی دہلوی

دعوے سے وصف لکھا ہے ابرو و خال کا
ثابت کیا ہے کعبہ میں ہونا بلال کا

عاشق نہیں ہوں آپ کا کچھ دل سے آپ پر
اک شغل ڈھونڈتا ہوں میں یہ رنج و ملال کا

قمر - جناب قمر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

جو چاہیے تم جواب و عرض وصال کا
اللہ رے ہمارے دل خستہ حال کا

اقرار اُس نے کر لیا منہ سے وصال کا
انداز کہہ رہا ہے یہ قاصد کی چال کا

شہرہ ہے اسقدر ترے حسن و جمال کا
بے دیکھے اک زمانہ ہے طالب وصال کا

قسمت سے سنتے سنتے ہوا انکے سر میں درد
موقع ملا جو مجکو کبھی عرض حال کا

وہ آئینہ کو دیکھ کے حیران رہ گئے
آئینہ محو دید ہے اُنکے جمال کا

وہ صبح کے قریب بگڑ بیٹھے وصل میں
عشرت کی رات میں بھی تھا حصہ ملال کا

صحبت میں دشمنوں کی زباں بھی بگڑ گئی
اب ڈھنگ ہی نیا ہے تری بول چال کا

ڈالے تھے میری عقل پہ پردے وہ عشق نے
بھولے سے بھی خیال نہ آیا مآل کا

بھیجا ہے اُسنے شرح لفافے میں مجکو خط
مدت سے انتظار تھا اس نیک فال کا

ہے کس بلا کی تیرگی روز فراق میں
بدلا لیا فلک نے یہ شام وصال کا

اُس کا نشان کیا ہے جسکو مٹائے تو
بنتا مزار خاک ترے پائمال کا

اک اور آسمان تہ آسمان بنا
اتنا اُڑا غبار ترے پائمال کا

پھرتی ہے شکل صبح جدائی کی سامنے
کیا لطف آئے پھر مجھے شام وصال کا

سونے دیا نہ چین سے مجکو فراق میں
اللہ بھلا کرے مرے وہم و خیال کا

اُس مہ جبیں سے ملنے کی توبہ کو ای قمر
عرصہ گذر گیا ہے کوئی تین سال کا

قاصد ۔ جناب محمد اسمعیل خان صاحب ورزش ماسٹر عربک سکول دہلی

شہرہ ہے ہر جگہ ترے حسن و جمال کا ۔ پردے میں ہے خیال ترے خط و خال کا
دھمکی ۔ ادا غرور ۔ تلون مزاجیاں ۔ لشکر ہے صف شکن یہ بت خوش جمال کا
احباب سے امید تھی وہ ہیں کنارہ کش ۔ پرساں نہیں ہے کوئی بھی اب میرے حال کا
مدت سے نام سنتے ہیں پینی نہیں ملی ۔ اک جام تو پلا دے مئے پرتگال کا
دیتا ہے بات بات پہ گالی وہ تند خو ۔ سیکھا ہے اس نے ڈھنگ نیا بول چال کا
قاصد مجھے ہے مہر محبت کی بات سے ۔ ہوں ہیچ سنج سائل شیریں مقال کا

قدر ۔ متو ضلع کالک تلمیذ جناب بدر اکبر آبادی

گاہک نہیں ہے کوئی دل پر ملال کا ۔ اس کا وہ حال ہے جو ہو مردے کے مال کا
پی لے جو ایک جام مئے پرتگال کا ۔ واعظ کرے نہ ذکر حرام و حلال کا
لالچ ہر اک بشر کو ہے دنیا کے مال کا ۔ وہ آدمی نہیں جو نہو اس خیال کا
اے رشک ماہ اور چمک جائے پیرہن ۔ کرتے میں ٹانک لے جو گریباں ہلال کا
تمکو غرور حسن ہے مجکو وفا کا پاس ۔ تم اس خیال کے ہو تو ہیں اس خیال کا
کیوں بے قصور مجھ سے خفا ہو گئے حضور ۔ کچھ تو بتائیے مجھے باعث ملال کا
دیتا ہے قدر لا کے خبر یار کی مجھے ۔ ممنون ہوں میں قاصد فرخ خیال کا

قائل ۔ جناب میر احمد صدیق صاحب لکھنوی

اقرار کر بھی لیجئے ہم سے وصال کا ۔ خدشہ مٹا بھی دیجئے رنج و ملال کا
آیا جو بیکسی میں خیال جمال یار ۔ جمنے لگا فراق میں نقشہ وصال کا
رخنہ نہ کوئی دامن عصمت میں آ پڑے ۔ لپکا برا پڑا ہے انھیں دیکھ بھال کا
مہندی نہیں لگی ہے یہ ناخن پہ یار کے ۔ ڈوبا ہوا شفق میں ہے گوشہ ہلال کا
پیوستہ میرے خامہ سے قرطاس ہو گیا ۔ لکھا جو فرط شوق میں مضمون وصال کا

زیرکؔ۔ جناب علی احمد صاحب قنوجی مقیم حیدر آباد دکن تلمیذ حضرت برہمؔ

بگڑا نصیب اور بھی مجھ پائمال کا — خاکہ اُڑا رہا ہے فلک تیری چال کا

اللہ رے جنوں ترے شوریدہ حال کا — ہے دھجیاں اُڑا ہوا دامن خیال کا

پی لی شراب شیخ نے چھپکے سے اس لیے — کچھ میکدہ مقام نہ تھا قیل و قال کا

اتنی ہیں کیوں جہاں میں قیامت کی شہرتیں — نقشہ اُڑا لیا نہ ہو اُس بت کی چال کا

ملتا نہیں ہے ضعف میں میرا کہیں پتہ — میں بھی مزاج ہوں بت نازک خیال کا

ہاں میں کبھی نہیں ہے نہیں میں کبھی ہے ہاں — پہلو نیا ہے کچھ تری طرز مقال کا

بربادیوں نے اوج پہ پہنچایا اس قدر — ہے عرش پر دماغ ترے پائمال کا

کوسوں ہے اب تو دست و گریباں کا فاصلہ — یہ ضعف بڑھ گیا ترے شوریدہ حال کا

کیوں خار آرزو کی کشاکش ہے اسقدر — اُلجھا ہوا کہیں نہ ہو دامن خیال کا

کرنے لگے وہ حسرت و ارماں کی چھان بین — کچھ ہو چلا خیال انھیں دیکھ بھال کا

زیرکؔ کو بھا گئیں ہیں تری فتنہ خیزیاں — مدت سے منتظر ہے قیامت کی چال کا

ضمیرؔ۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی انسپکٹر میونسپل کمیٹی دہلی

جب سے نظر میں جلوہ ہے اُسکے جمال کا — اُلٹا ہوا ورق ہے کتاب خیال کا

پیری میں جھک کے قد ہے نمونہ ہلال کا — میرے زوال پر بھی گماں ہے کمال کا

اپنے دہان تنگ سے وہ خود ہیں تنگ ہیں — کس منہ سے دیں جواب ہمارے سوال کا

داغ ورم سے ہے یہ سراپا بھرا ہوا — پہلو میں دل ہے یہ کہ خزانہ ہے مال کا

کل پرسوں کرتے کرتے ہی برسوں گزر گئے — ایفا وہ آج کرتے ہیں وعدہ وصال کا

تم ہم سے راز دل کو چھپایا کرو ہزار — چھپتا نہیں چھپانے سے چہرہ ملال کا

چھپ چھپکے ہم سے ملتے رہے غیر سے مدام — مدت کے بعد حال کھلا اُنکی چال کا

بے پردہ آنکھ دیکھ سکے کیا مجال ہے — خورشید ایک ذرہ ہے اُسکے جمال کا

یہ غزل سہواً خلاف ترتیب درج ہوئی۔

دل توڑ کے سے ہی چلے تھے وہاں میں — مٹھی سے حال کھل گیا چوری کے مال کا
جاتا نہ پاس طائر دل زلف و خال کے — گر جانتا کہ دانہ میں دھوکا ہے جال کا
پامال کر چکا ہے بت سنگدل مجھے — اللہ رے مرے دل حسرت مآل کا
آئے تو اور حشر میں اک حشر ہو گیا — ہے کچھ نئے چلن کا چلن انکی چال کا
پیتے ہی مے کے ہو گیا روشن جہاں کا حال — کچھ جام جم سے کم نہیں ساغر سفال کا
جب مے کشی پہ آتے ہیں یہ حضرت قصیر — رکھتے نہیں خیال حرام و حلال کا

گنجور جناب شمس العارفین صاحب دہلوی

نیچی نظر حیا سے نہیں ہے دم خرام — انداز دیکھتے ہیں وہ کچھ اپنی چال کا
جو لطف انتظار میں ہے وصل میں کہاں — عاشق ہوا ہوں اسلیئے اک خورد سال کا
فصل خزاں میں جس طرح بلبل ہو بیقرار — فرقت میں حال یوں ہے دل خستہ حال کا
ہونا سفید بال کا پیغام موت ہے — اب ہے قریب وقت ہمارے وصال کا
بہلا نہ دل بہشت میں حوروں سے بھی مرا — گنجور تھا خیال کسی خوش جمال کا

لائق جناب منشی رام رچھپال صاحب دہلوی ایجنٹ کارخانہ نان

بازار حسن میں ہے کوئی مجھسا جانفروش — سر دیجے مول لیتا ہوں سودا جمال کا
فرمائیے تو رات کو کس کس کے گھر رہے — کچھ تو جواب دیجئے میرے سوال کا
جسکو ہوا عروج اسی کو مٹا دیا — دشمن ازل سے چرخ ہے اہل کمال کا
غافل ہیں وہ کہ کچھ نہیں انجام پر نظر — کیا جانے حشر کیا ہو ہمارے مآل کا
ہر شعر کی زمین کو بنایا ہے آسمان — لائق بلند رتبہ ہے میرے خیال کا

مضطر جناب حکیم اسد علی خان صاحب دہلوی

وعدے سے تم پھرو نہ ہو باعث ملال کا — مجکو مٹائے گا یہ تلون خیال کا
دل سے نجائیگا مرے ارمان وصال کا — سکہ جما ہوا ہے خیال محال کا

عاشق سے کہہ گئی ہے تری شرمگین نگاہ / ارمان نکل چکا دلِ حسرت مآل کا

ناصح کا مدعا ہے محبت سے باز آ / کمبخت عہد لیتا ہے ترکِ محال کا

مرنیکی آ سکے ہجر میں کیونکر خوشی نہ ہو / کرتا ہے فرطِ شوق تقاضا وصال کا

مجھ ناتواں کی لاش کو کیا حاجتِ کفن / سایہ پڑا ہوا ہے کسی مہ جمال کا

کھولی نہ میرے رشتۂ تقدیر کی گرہ / آیا نہ کام خاک بھی ناخن ہلال کا

سو سو طرح ہوا ہے زمانے میں انقلاب / بدلا نہ رنگ حیف ہمارے خیال کا

کھل جائیگی حضور کو بھی قدرِ عافیت / دل پر اثر پڑا جو کسی کے ملال کا

پاس عدو ہے مہرِ خموشی بنا ہوا / دیتا نہیں جواب وہ میرے سوال کا

کہتا ہے جذبِ شوق کی تاثیر پر وہ شوخ / دیکھیں گے اب اثر دلِ حسرت مآل کا

تقدیر سے ہزار میں پستی نصیب ہوں / رتبہ بلند ہے مری روحِ خیال کا

کس سے حدیث تفرقۂ جسم و جاں کہوں / کس سے گلا کروں فلکِ بدخصال کا

یکساں ترے فراق میں گزری ہے زندگی / ماضی بھی میرے حق میں زمانہ ہے حال کا

دشمن کے قرب میں نہ بناؤنگا گھر کبھی / مسکن تمہارے دل میں ہے اُس خصال کا

ٹوٹا تو اک جہان میں پھیلیں گی حسرتیں / شیشہ نہیں ہے دل ہے کسی پائمال کا

مٹنے کا کیا مزا ہے اگر رہ گیا نشان / عنقا ہوا ہے نام ترے پائمال کا

کیا شوخیوں نے خاک میں بھی جان ڈالدی / مضطر ہے ذرہ ذرہ ترے پائمال کا

دیدار حشر میں بھی مجھے تم دکھا چکے / نظارہ کر چکا میں تمہارے جمال کا

پھر دل کو کھینچتا ہے کسی انجمن کا شوق / پھر لے چلا مجھے وہاں آنا خیال کا

اے دل فغاں سے چاہیئے اک برہمی رہے / ساماں نہ ہو سکے جو عدو کے وصال کا

مضطر بس ایک نالہ کا ہے مجمع رقیب / ہوتا نہ پاس اگر تجھے اُس کے ملال کا

مفتوں ۔ جناب محمد عبد الغفار صاحب دہلوی تلمیذ فصیح الملک داغ دہلوی

مفتوں دکھا ریاض وہ رنگیں خیال کا
جس سے ہو باغ باغ دل اہل کمال کا

گر ہو شروع عشق میں کھٹکا مآل کا
نقصان پھر کسی کو نہ ہو جان و مال کا

کیا وصف ہو سکے دہن خوش مقال کا
ہے تنگ قافیہ یہاں نازک خیال کا

دونوں بہوؤں کے بیچ میں نقطہ ہے خال کا
رکھا ہوا ہی طاق میں نافہ غزال کا

کہہ لاکھ وصف حور کے حسن و جمال کا
واعظ میں آدمی ہی نہیں اس خیال کا

اظہار منہ سے کیا کرے شوق وصال کا
کہدیگا چہرہ آپ ہی صورت سوال کا

جس نے جلا یا طور کو اے حضرت کلیم
پروانہ میں بھی ہوں اُسی شمع جمال کا

کوسے اُنکے بڑھ گئی مجھ منتظر کی عمر
ایک ایک روز ہو گیا ایک ایک سال کا

آیا عدو کی گرمی صحبت کا ذکر جب
ٹپکا کسی جبیں سے عرق انفعال کا

یا دِ مژہ میں آنکھ سے آنسو نکل پڑے
کانٹے سے پھوٹا آبلہ پائے خیال کا

گزری ہوئی سے ملگئی آیندہ کی خبر
ہمنے پتہ چلا لیا ماضی سے حال کا

آنکھیں ہیں بند میت ہوں تصور میں یار کے
پتلہ سا ہوں بنا ہوا خواب و خیال کا

اُس بت کو اعتبار محبت نہیں ؟ نہ ہو
اللہ تو علیم ہے اِس دل کے حال کا

خط سیہ نے آتے ہی اندھیر کر دیا
گل ہو گیا چراغ اب اُنکے جمال کا

اظہار شوق وصل کروں میں اور آپسے
موت آئے ۔ منہ سے نام بھی لوں گر وصال کا

پاکر سہارا ۔ لیگا سنبھالا مریض غم
اے درد اُٹھ کہ یہ ہی موقع سنبھال کا

اُس در پہ اژدحام فقیروں کا ہی بہت
پھیلاؤں جا کے کس جگہ دامن سوال کا

چھایا ہی رعب سب پہ بلند آہ کیا ہوئی ۔
جھنڈا اگڑ گیا ہے عشق کے جاہ و جلال کا

اِس سے ہی منکشف ہی ۔ کہ مطلب سمجھ گئے
چندر لکے منہ جو تکتے ہیں صورت سوال کا

بیوجہ مجھسے کیوں ہی مکدر تمھارا دل
آخر کوئی سبب تو بتاؤ ملال کا

ٹھوکریں بھی کھاؤں گالی بھی کھاؤں بجا درست
مجکو تو ایسا شوق نہیں قول چال کا

سنکر کہا آپ اور کہیں جلکے دم نہ دیں
مژدہ سُنا جب اُسنے مرے انتقال کا

پہلے ذرا سی حضرت واعظ اُڑا لیجئے
پھر ذکر کیجیے گا حرام و حلال کا

طوبیٰ جھکے سلام کو ٹبرپن میں تو بھی
بوٹہ سا قد ابھی تو ہے اُس نونہال کا

ہولی ہے آج خون کی پچکاریاں چھٹیں
مقتل کی خاک کام دے قاتل گلال کا

مفتوں کا بال بال گنہگار ہے مگر
اُمیدوار ہے کرم ذوالجلال کا

مشتاق - منشی دیا دیال صاحب دہلوی

جلوہ جو دیکھا یار کے حسن و جمال کا
موسیٰ کو ہوش تک نرہا اپنے حال کا

دو گھونٹ مے کے پی لے جو رندوں میں بیٹھکر
واعظ کرے نہ ذکر حرام و حلال کا

رویا ہوں اسقدر میں گناہوں کے خوف سے
دریا ہے موجزن عرق انفعال کا

ابرو پہ اُسکے زلف جو دیکھی کھلی ہوئی
بدلی میں پرتو نظر آیا ہلال کا

بعد فنا بھی خاک نہوں کوے یار کی
ارماں ہے یہ ازل سے دل پائمال کا

ہردم بغل میں رہتی ہے تصویر یار کی
دل بن گیا ہے آئینہ حسن و جمال کا

رندوں کے ساتھ بیٹھ کے پی محتسب شراب
دل میں نلا خیال حرام و حلال کا

جس سے ملائیں آنکھیں اُسے اپنا کرلیا
جادو بھرا ہوا ہے نظر میں کمال کا

کہتے ہیں بار بار وہ تربت کو روند کر
رتبہ بلند کرتے ہیں یوں پائمال کا

مشتاق ہمنے یار کو لکھا ہے خط شوق
دیکھیں جواب ملتا ہے کیا اس سوال کا

مجرم - جناب حافظ محمد ذکریا صاحب تلمیذ رونق دہلوی

ہے سر کرم ہے خالق عزوجلال کا
شہرہ نہ کیوں جہاں میں ہو میرے کمال کا

لڑ گیا تھا بھوسے اکدن وصال کا
ہمنے پتا چلا لیا اُن کے ملال کا

دم سوال بوسہ پہ اچھی نہیں نہیں
صدقہ بھی دیدیا کرو کچھ جان و مال کا

منظور وصل گر نہیں بوسہ ہی دیجئے
کچھ تو ملے جواب ہمارے سوال کا

دیکھے جہاں میں یوں تو ہزاروں حسیں مگر
پایا نہ ہم نے ایک بھی تیری مثال کا

بیداریوں سے کام لو اے غافلو! ذرا
اب وقت آگیا ہی تمھارے زوال کا

کیوں ہو نہ شوق تیرے گل مضموں پہ دل فدا
مجرم نرالا رنگ ہی میرے خیال کا

مذاق - جناب پنڈت شو نراین صاحب شرما وید دہلوی

ذات و صفات کو کوئی کیا اسکی پا سکے
جس تک گزر محال ہو وہم و خیال کا

شہ کو گدا - گدا کو شہنشہ بنائے تو
قدرت میں تیری دخل کسے قیل و قال کا

وہ عرض مدعا پہ دکھاتے ہیں آئینہ
گویا جواب صاف ہی میرے سوال کا

لکھے ہیں خوب سچے مضامین اے مذاق
ڈنکا بجا دیا ہے جہاں میں کمال کا

نسیم - جناب اکرام الدین صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر قزلباش

آتا ہی جب خیال کسی مہ جمال کا
شعلہ بلند ہوتا ہے شوق وصال کا

اک دل کے ہو گئے ہیں ستمگر ہزار دل
آئینہ پاش پاش ہے رنج و ملال کا

دو دن کے بعد ہے چمن حسن میں خزاں
اے رشک ماہ دیکھ لے نقشہ ہلال کا

کیا بچ سکے گا فتنۂ محشر نگاہ میں
انداز بھا گیا تیری مستانہ چال کا

وعدہ جو تم چرا گئے بس جان آگئی
دل بڑھ گیا وہیں مری شام وصال کا

دنیا میں لوگ کہتے ہیں باغ ارم جسے
گلدستہ سا ہی اک مری بزم خیال کا

یارب مرے نہ کم ہوں ابھی انتظار کے
برسوں میں دیں جواب وہ میرے سوال کا

کس کی نگاہ ناز سے سینہ فگار ہے
کس نے کیا ہے چاک گریباں ہلال کا

یوسف کی دھاک مصر کے بازار تک رہی
شہرہ ہی اک جہاں میں تمھارے جمال کا

ہاتھ آئے کس طرح سے بھلا گوہر مراد
سو سو جگہ سے چاک ہے دامن سوال کا

سچ کہتے ہو نسیم سے واقف نہیں ہو تم
وہ ایک ہی تو شخص ہے اپنے کمال کا

نادر جناب محمد اسحق صاحب دہلوی - تلمیذ حضرت سائل - دہلوی

محتاج کب ہے ابروے جاناں مثال کا
ناخن پہ اُسکے ہوتا ہے دھوکا ہلال کا

اقرار کس طرح سے وہ کرلیں وصال کا
ممکن سے فرق چاہیئے ہونا محال کا

پرتو اگر پڑا ترے حسن و جمال کا
رکھنا پڑے گا نام بدل کر ہلال کا

پس ماندہ میگساروں کی ساقی اُنڈیل دے
ہوں میں ندیدہ بادۂ جامِ سفال کا

لیلی تمھارا نام حسینوں نے رکھ دیا
مجنوں خطاب ہوگیا مجھ خستہ حال کا

آغاز عشق میں ہمیں لازم ہے فکر بھی
آخر کو ہوگا سامنا رنج و ملال کا

بوسہ کے مانگنے پہ جو دیتے ہو گالیاں
سوچو تو یہ جواب ہے میرے سوال کا

تم میہماں رقیب بنے میزباں مگر
رُکنا محال ہے مرے پیک خیال کا

دِل مثلِ نقشِ پا ترے کوچہ میں مرمٹا
آتا نہیں ہے ذکر بھی اِس پائمال کا

کِس سے اُمید بذل و عطا ہو جہاں میں
اہلِ کرم نہ سمجھیں جو مطلب سوال کا

اُس دن سے جوبن اُسکا لٹا ہے دھڑی دھڑی
جب سے کیا ہے چاند نے دعوی کمال کا

آغوش قبر میں مجھے یاروں نے دھر دیا
مطلب پس وصال کھلا ہے وصال کا

حیرت سے پا بگل رہے آزادِ سرو باغ
قامت جو دیکھ پائے کسی نونہال کا

مفلس کہاں سے لائے بلوریں قدح بھلا
ساقی ہمیں تو کافی ہے ساغر سفال کا

آتے ہیں گھر سے غیر کے بگڑے ہوئے ضرور
نادر یہی تو موقع ہے فقرے کا چال کا

التماس

یہ رسالہ جن معزز و نامی گرامی اصحاب کی خدمت میں بلا طلب باُمید قدر افزائی پہنچے وہ صاحب مہربانی فرماکر بواپسی ڈاک خریداری و غیر خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ بصورت عدم وصول جواب نام نامی درج رجسٹر خریداران ہوکر آیندہ نمبر بذریعہ وی پی روانہ ہوگا پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات آنی چاہئیں "ہم سے ملا کر وہ تمھیں دلبر بنائیں گے" دلبر وغیرہ قافیہ طرح ماہ اگست "تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر گئے" - نظر وغیرہ قافیہ

طرح بابت ماہ ستمبر "آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے" ہوا وغیرہ قافیہ

کمرہ کے چند اور کمرے بھی مناسب طور سے وسیع بنائے گئے تھے۔ اِس احاطہ کے جانب جنوب جو کہ دریائے آئی کے کنارے پر خندق سے محفوظ اور خوشنما بنا ہوا تھا ایک چھوٹا سا مہمان خانہ (سرائے) کنگزارم کے نام سے واقع تھا۔ جو اس زمانہ میں بھی صرف قرب وجوار کے ماہی گیروں کے واسطے ہی نہیں بلکہ بر اعظم کے شوقین مچھلی کا شکار کھیلنے والوں کے لیے بھی ایک عمدہ اور آسائش دہ قیام گاہ تھی۔ تمام "ہرٹ فورٹ شائر" میں ایسے شاداب و سبز میدان کہیں نہیں تھے جیسے کہ اِس خوشگوار جگہ میں دریائے لی ج کے کنارے سے ملے ہوئے تھے۔ اور نہ کہیں ایسی خوشنمائی سے بہنے والے چشمے تھے۔ اور نہ کسی جگہ موسم گرما ایسے سبزے پر ایسا مخملی نرم نرم فرش بچھاتا تھا۔ اور نہ موسم بہار باغات اور باڑوں کے درختوں کو اسقدر سُرخ رنگین پھولوں سے آراستہ کرتا تھا۔ ہمنے پُرانے قلعہ رائی ہوس کنگزارم اور اس اراضی کے نظارے کی حالت کو جو ہر دو تعمیرات سے متعلق شاہ چارلس دوم کے عہد میں تھی اپنے ناظرین کو اچھی طرح خیال میں لانے کی کوشش کی ہے نیز یہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ یہ حالت اُس زمانے کی ہے جبکہ ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے اور اگر آجکل اس جگہ کو اس کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بالکل تبدیلی پائی جائیگی۔ اِس وقت قلعہ کا ایک صدر دروازہ باقی ہے حال کے دیکھنے والوں کو بلا شک جیسا کہ قدرتی امر ہے بہت تعجب ہوگا۔ بجائے کشیدنی پل کے اب خندق بذریعہ بوسیدہ چوبی تختوں کے جو اُسکے اُوپر ڈالدیئے گئے ہیں عبور کیجاتی ہے۔ دہلیز اب قائم نہیں رہی ہے۔ لیکن وہ سوراخ قائم ہیں جن میں ہوکر لوہے کی زنجیریں پل اُٹھانے کا کام دیتی تھیں۔ لیکن مخفی زمین دوز رستہ کا دروازہ ابھی اس راز دار جگہ کے مُنہ کو بند کئے ہوئے ہے۔ جو اس زمانے سے جسوقت سے کہ ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے ابتک اندر سے بخوبی دیکھا نہیں گیا

سیاح لوگ اسکی مدوّر سیڑھیوں کو جو اندرونی تاریکی میں چھپی ہوئی تھیں جہانتک کر
دیکھ سکتے ہیں اور مینار کی بوسیدہ اینٹوں کے زینہ پر چڑھ سکتے ہیں۔ محافظ خانہ
کا کمرہ جو رائی ہوس کے باغیوں کے ملنے کی یادگار ہے دیکھا جا سکتا ہے اور مینارہ
کی چوٹی پر پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں سے ناظرین گرم موسم میں خوشگوار نظارہ کو
چاروں طرف پھیلے ہوئے دیکھکر تفریح حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ نگاہ اُن
سبز میدانوں تک جہاں دریائے ٹی لہریں مارتا ہے اور اُن چراگاہوں تک جو
جھاڑیوں اور گپھاؤں سے مملو معلوم ہوتا ہے اور اُن دیہات اور چھوٹے چھوٹے
قزرے اور متفرق آبادیوں تک جو منظر کے نظارہ کو تبدیل کر دیتی ہیں۔ اور
نیوبورتک جو دریائے ٹی کے وادی کے قریب بہتا ہے اور ریلوے تک جو درمیان
میں جاتی ہے پہونچ سکتی ہے۔ مینار سے نیچے اُترکر دیکھنے والے رائی ہوس کے
کھنڈرات کو جو ایک وقت میں مشہور قلعہ تھا۔ پھر دیکھتے ہیں۔ خندق ہر چہار طرف
باقی ہے لیکن چار دیواری کھنڈر ہوگئی ہے۔ اور صدر دروازے سے اندر تک مکانات
قلعہ کی بجائے اب کل باغ ہی باغ ہے۔ احاطہ سے باہر نکل کر دیکھو تو مکانات
بھی مسمار ہوگئے ہیں اُنکی جگہ اور بیرونی مقام جو بطور بیرونی صحن کے تھا اب سبز
ملائم گھاس سے پوشیدہ ہے۔ لیکن دوسری بیرونی عمارت جسکو بطور کارخانہ
شراب جو کے مستعمل ہونا بیان کیا گیا۔ ہے اب تک باقی ہے جسکو امیرانہ دعوتوں کا
کمرہ بنا دیا گیا ہے۔ اور اُن عجائبات اور رازوں سے معمور کر رکھا ہے جو فی الحقیقت
رائی ہوس میں واقع ہوئے تھے۔ خوبصورت منبت اور نقش کاری کے کپڑوں کے
ٹکڑے جن میں سے بہت سے ٹکڑوں کے رنگ کی آب و تاب پہلی ہی سی اب تک
باقی ہے۔ اُس وقت کی نہایت باریک سوزن کاری کی اشیا جو نہایت محنت اور
ہوشیاری سے بنائی ہوئی تھیں اور خود اور ڈھال اور زرہ بکتر اور تلواریں جو

جو اُس زمانہ سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ زرہ بکتر پہننے کا رواج تھا اور طرح طرح کے جھنڈے اور جھنڈیاں جو اُس زمانہ کی مختلف تجاویز اور مختلف رنگ کی تھیں۔ اور پُرانی تصویرات اور دیگر سامان و اسباب زیورات اور اُس زمانے کی مختلف اشیا جمع شدہ اس عظیم الشان کمرہ میں قرینہ سے آراستہ کی گئی ہیں خوشنما بلند سرا ابتک باقی ہے۔ اور عمدہ حالت میں ہے۔ لیکن اب اس کا نام کنگز ارمز نہیں ہے بلکہ اب اِس کا نام گڑھی یعنی مانند قلعہ کی فصیل رکھنے والا مکان جسکو اب ہم بیان کر رہے ہیں ہو گیا ہے۔ جس فصیل کے کھنڈرات متصل پڑے ہوئے ہیں اس پُرانے رائی ہوس دکیونکہ اس سرا کو پُرانا رائی ہوس کہتے ہیں ہے موجودہ مالک کے مذاق کے موافق اُسکے ہاں اُمرا لوگ دعوتوں میں مدعو ہوتے ہیں۔ مہمانسرا ابتک ایک دلپسند اور مقبول جگہ ہے نہ صرف اُنکے لئے جو ایسے شکار کے شائق ہیں جن میں ایک ضعیف آئیزک والٹن خوش رہتا تھا۔ بلکہ بڑا اعظم کی گنجان آبادی کے رہنے والوں کے لئے بھی جو آبادی کی نجاست اور کاروبار کے تفکرات سے علیٰحدہ ہونیکے واسطے اِس جنگل کے نظارہ کی تفریح حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اِس سرسبز میدان میں جسکا ذکر کنگز آرمز کے ساتھ ہو چکا ہے ایک نہایت معقول حصہ میں خوبصورت باغات اور پھول پھل وغیرہ لگا دیئے گئے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علاوہ اُن حالات کے جو بیان ہوئے یہ کھنڈرات اور جگہ تاریخی یادگار کے لئے سیاحوں کے واسطے ویسے ہی دلچسپ اور باعث تفریح ہیں اِس باب کے ختم ہونے سے پیشتر ہم یہ بھی ظاہر کیئے دیتے ہیں کہ رائی ہوس سے ایک میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ندیرصال کے کھنڈرات واقع ہیں جو اس زمانہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایک نواب کا مکان تھا اور چاروں طرف فصیل سے محفوظ تھا لیکن فی الحال اس موقع کا نقشہ ابھی ہم پیش نہیں کرتے ہیں تاوقتیکہ ہمارے

ہمارے قصے میں آیندہ کوئی موقع مناسب اور ضروری ایسے بیان کا پیش نہ آسکے تاہم یہ امر ظاہر کیے دیتے ہیں کہ رائی ہوس کے دیکھنے والے کو ندھال کے کھنڈرات تک دو گھنٹہ دریائے لی کے کنارے پر چلنے سے یا کشتی میں جو سرائے مہیا ہو سکتی ہے بیٹھکر جانے سے بخوبی سیر کا لطف آسکتا ہے۔ سہ فروغ

ہمارا سبزۂ تربت نہ دیکھیں آپ ہنس ہنس کر
یہی جا ہے جہاں مینا و جام و شورِ قلقل تھا

باب دوم

خاندان رمبلڈ

بزمِ بتان و باغِ جہانمیں مخل ہو کون ۔۔۔ پہنچے خبر نہ اِسکی اگر آسمان تک

ہمارا قصہ ۱۶۸۲ء کے درمیان یعنی آخر جون یا شروع جولائی سے شروع ہوتا ہے جبکہ رائی ہوس ایک شخص رمبلڈ نامی کا قیام گاہ تھا جو پنشن یافتہ فوجی افسر تھا اور اس وقت بیر شراب کا کاروبار کرتا تھا۔

اُسنے "اولیور کرومویل"[1] کی مشہور فتحمند جمہوری فوج میں نوکری کی تھی۔ اور اپنی غیر محدود بہادری سے اپنے آپ کو اسقدر ممتاز کیا تھا کہ کرنیل کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ اُسکے پولیٹیکل اُصول ایسے ہی تھے جیسے کہ مضبوط اور مستقل

[1] "روبیو کراموبل" جمہوری سلطنت کے فرقہ کا بانی تھا جسنے چارلس دوم شاہِ انگلینڈ کے وقت میں لڑائیاں لڑی تھیں اور ایک وقت بادشاہت پر غالب پر جمہوری سلطنت قائم بھی کر لی تھی لیکن بعد میں پھر چارلس دوم غالب آگیا۔ اور بادشاہت پھر قائم ہو گئی۔

اسکی تبت تھی۔ اِسی واسطے "اسٹوارٹ خاندان" کی پھر حکومت قائم ہوگئی کرنیل رمبلڈ ایسا شخص تھا کہ اپنی تلوار کی خدمات چارلس کے سپرد کردیتا یا ملازمت کا سلسلہ قائم رکھنے کی غرض سے اِس بادشاہ کی خوشامد کرتا۔ جمہوری سلطنت سے دستکش ہوکر اُسنے ایک لیڈی سے جو اُسکی نسبت زیادہ چھوٹی تھی شادی کرلی تھی اور جو کچھ اُسکے پاس خفیف سرمایہ تھا اُسنے اسکو اس کاروبار میں لگادیا تھا۔ جبکی خواہش اُسکو بہادر اور پُرجوش سپاہی ہونے سے پیشتر تھی۔ اِس لیڈی سے اسکی ایک لڑکی تھی۔ جس کا کرسچن نام "رتھ" تھا اور جسکو اُسکی ماں کی تمام حلیم المزاجی وراثت میں ملی تھی۔ اور چال چلن میں اپنے باپ سے زیادہ فیاض اور بلند حوصلہ تھی۔

لندن میں چند سال تک جو کی شراب کا کاروبار کرنیکے بعد حسب ضرورت غلہ خرید کر رمبلڈ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اُسے صرف تجارت ہی کو وسعت نہیں دینا چاہیئے بلکہ اراضی ملحقہ کی کاشت کو بھی وسعت دیجائے۔ تاکہ اِس مقصد کے واسطے خاطرخواہ جو کی پیداوار حاصل ہوجائے۔ اِن خیالات سے اُسنے "رائی ہوس" میں جسکے متعلق چالیس ایکڑ زمین تھی بود و باش اختیار کی تھی۔ اب ہمارے قصہ ناظرین اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ اراضی خود اُسکی ملکیت نہ تھی بلکہ اُسکے مالک سے کرایہ پر لیگئی تھی۔ فی الحقیقت "رائی ہوس" بطور ایک مستحکم قلعہ کے تعمیر کرایا گیا تھا۔ لیکن عرصہ دراز سے اِس میں جنگی کام لینا بند ہوگیا تھا۔ اور رمبلڈ نے اسکو کرایہ پر لیا تھا۔ اور اُسکے چھوڑنے کے بعد پھر کبھی اِس سے زیادہ متمول شخص کی بود و باش بھی اُس میں نہیں ہوئی۔ گوشۂ شمال و مشرق کی بڑی وسیع عمارت جو کسی وقت ملازمان کے مکانات کے طور پر تھی اب شراب جو کا کارخانہ بنادیا گیا تھا۔ اور دوسری گوشۂ جنوب مشرق کی عمارت جسمیں پیشتر اصطبل تھا

ملہ اسٹوارٹ خاندان شاہی۔

اب دو غیر برابر حصوں میں تقسیم کرکے چھوٹے حصہ کو گھوڑوں کا اصطبل اور دوسرے بڑے حصہ کو اناج کا گودام بنا دیا تھا۔ خاص قلعہ کا یہ حال تھا کہ جو کمرہ اور مکانات اس میں بہت زیادہ تھے اور کاروبار اور خاندان کے لوگ کم تھے صرف ایک حصہ اسکے خاندان کے تصرف میں تھا۔ لہذا غیر مستعمل کمرے بند پڑے رہتے تھے۔ لیکن جن میں بود و باش تھی وہ مناسب آراستہ تھے جنکی ترتیب اور آراستگی سے زنانہ مذاق کی لیاقت اور ہوشیاری ظاہر ہوتی تھی۔ اب اِس میں کوئی فوج نہیں رہتی تھی۔ محافظوں اور پہرہ داروں کے کمرہ ہتھیاروں کی جھنکار سے نہیں گونجتے تھے بلکہ محض بیکار پڑے ہوئے تھے دروازہ بند کرنے اور پل کھینچنے کی مشین ہمیشہ اُوپر کو اُٹھی رہتی تھی۔ اور کشیدنی پل نیچے پڑا رہتا تھا۔ اگرچہ زنجیریں دہلیز کے کمروں کے سوراخوں میں پڑی ہوئی تھیں مگر اُنکو کبھی جنبش بھی نہیں دیجاتی تھی۔ اُسکے عالی شان دروازے پر کوئی سنتری بھی اس طرف سے اُس طرف نہیں ٹہلتا ہوا نظر آتا تھا۔ دروازہ تمام دن کھلا رہتا تھا۔ اور بجائے زرہ بکتر سے مسلح جوانوں کی آمد و رفت کے جو کا کام کرنے والوں اور کاشتکاروں اور مزدور اور پیشہ وروں کی آمد و رفت سے پُر امن تجارت کے پیشہ کی سرگرمی ظاہر ہوتی تھی۔ نہ صدر دروازے پر پہرہ اور نہ محافظ خانہ کا دفتر تھا۔ بلکہ اُب ہاں کرنیل رمبلڈ کا دفتر تھا۔ جہاں وہ اپنے کاروبار کے متعلق خط و کتابت اور کاروباری آدمیوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ اب ہمیں کچھ "رمبلڈ" کے خاندان کا حال بھی ناظرین پر ظاہر کرنا ضروری ہے۔

کرنیل ایک سن رسیدہ آدمی تھا لیکن وہ اپنی عمر کے بہ نسبت زیادہ جوان معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت اسکی عمر جبکہ ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے ۶۸ برس سے کم نہ ہوگی۔ لیکن اسکی راستی قامت اور تناسب اعضا اور قوت بازو اور ثابت قدمی

تیز رفتاری اور حرکات سکنات کے چالاکی اور زبان اور ہاتھوں میں کسی
قسم کی لغزش کا نہ ہونا اور اُسکی تیز نگاہ اور بھورے سپاہی مائل بال اور قابلِ
تعریف منسلک دانتوں کی قطاریہ باتیں اُسکو زیادہ جوان ظاہر کرتی تھیں۔ اُسکی
ایک آنکھ میں ایک سفید داغ لڑائی میں کسی صدمہ سے ہوگیا تھا۔ اگرچہ اُس نے
آنکھ کو بالکل اندھا کر دیا تھا لیکن وہ ایسا بدنما معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آسانی شناخت
ہوسکے۔ حتیٰ کہ دیکھنے والے اُسکی نابینائی کے تمیز بھی نہیں کرسکتے تھے۔ بہادر
آیرن سائڈ[1] کے ہمراہ جسنے کامن ویلتھ[2] کی تمام لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُسکی
زندگی کا سب سے بہترین حصہ صرف ہونیسے کرنیل رمبلڈ کا مزاج زیادہ سخت
ہوگیا تھا اور جس زمانہ میں کہ وہ کیمپ میں رہتا تھا اپنے ذاتی کاروبار میں بھی سخت
تھا۔ لیکن اب وہ اپنے کارخانہ کے کاروبار اور فرائض ادا کرنے میں اپنی طبیعت
سے زیادہ فیاض اور مہربان تھا۔ اپنی بیوی سے بہت اُلفت رکھتا تھا۔ اور اپنی
لڑکی کا زیادہ نازبردار اور مہربان تھا اور جبکہ وہ کسی امر میں اُنکی رائے کے خلاف
اپنی رائے کو زیادہ مناسب اور مصلحت خیال کرتا تھا تو ایسے موقع پر کوئی شخص رمبلڈ
سے زیادہ اپنے ارادے میں مستقل مزاج اور متین نہیں ہوسکتا تھا۔ چونکہ وہ اپنے
کاروبار میں ضابطہ اور مستقل مزاج تھا اپنی تدابیر اور کام کرنے میں زیادہ ضدی
اور خودپسند بھی تھا۔ اور کسی شخص سے مشورہ نہیں لیتا تھا۔ بلکہ صرف یہ ظاہر کردیا
کرتا تھا کہ میرا ارادہ ایسا ایسا کرنے کا ہے۔ اس لیئے تمام کاروبار کا بوجھ
صرف اُسی کی ذات پر محدود تھا۔ مثلاً ایک وقت میں اُس سے اُس کے

---

[1] سپاہی جو زیرکمان جمہوری فرقے کے بانی کرامویل نامی کے تھے۔ اُن کا یہ نام اس وجہ
سے پڑگیا تھا کہ مارسٹن مور کی لڑائی میں اُنھوں نے لوہے کی مانند مضبوطی سے کام لیا تھا۔

[2] کامن ویلتھ نام جمہوری سلطنت کی لڑائیوں کا ہے۔

دوستوں نے بلحاظ نفع و نقصان تجارت زیادہ اصرار کیا - کہ لندن کی تجارت چھوڑ کر ہرٹ فورٹ شائر میں کام کرنا نہیں چاہیئے مگر کوئی بھی اُسکے ارادہ کو ٹس سے مس نہ کرسکا

اِس وقت اسکو رائی ہوس میں دس یا بارہ برس رہتے ہوئے ہوچکے تھے جس وقت سے ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے - اور کاروبار اور ترقی تجارت نے اُسکے خیال اور امید کے خلاف حسب خیال اُسکے دوستوں کے خطرناک حالت کی جانب رُخ پھیر لیا تھا - لیکن وہ ابتک اِس بات کو نہیں سمجھا حتیٰ کہ اُس کا اصل سرمایہ سب ضایع ہوگیا اور کاروبار جاری رکھنے کے واسطے قرض لینے پر بھی مجبور ہونا پڑا - لیکن وہ ابتک اِس رائے پر قائم تھا کہ ہرایک کام زیادہ عرصہ تک جاری رکھنے سے بعد میں ضرور کامیابی حاصل ہوا کرتی ہے - اور بلاشک مستعدی و سرگرمی و قابلیت سے کام کرتا رہا اور آیندہ مشکلات کا مطلق خیال مدنظر نہیں رکھا - اُسکے اِسقدر رضا.ی اور ایک آنکھ میں داغ ہونیکے باعث اُس کے دوستوں نے جو اُس سے زیادہ بے تکلفی اور میل جول رکھتے تھے اُسکا مذاقیہ نام "ہٹی بالڈ" رکھ چھوڑا تھا - اور اس سے وہ ناراض بھی نہیں ہوتا تھا اور اب ہم اپنے خاص شخص کی بابت مختصر طور پر سب بیان کرچکے ہیں جسکا ذکر آیندہ آئیگا

کرنیل رمبلڈ" کی بیوی جس کا کرسچن نام وہی تھا جو اُسکی لڑکی کا تھا - اپنے خاوند سے عمر میں بیس برس کم تھی - پس ۴۸ برس کی عمر میں اِس وقت اُس میں وہ تمام خوبصورتی اور خوبیاں موجود تھیں جنکی عالم شباب میں شہرت ہوا کرتی ہے - یہ ایک صابر حلیم المزاج اور سیدھی سادی عورت تھی - اور جملہ اُمورات میں اپنے خاوند کی اسقدر مطیع اور فرماں بردار تھی کہ اُسنے اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف کرنے کی شاذونادر بھی کبھی جرأت نکی ہوگی - اور یہ سب سے نادر بات تھی

نمبر رجسٹری ایل ۶۸۳

کمال دہلی

نمبر ۳ بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۹ع جلد ۱

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر پیارے لال رونق و چندی پرشاد شہید دہلوی
مقام اشاعت سڑک جدید

سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نرائن
مالک مطبع چھپکر شائع ہوا

ستمبر ۱۹۰۹ء

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب **کنور چندری کرشن** صاحب فروغ وکیل دہلی۔ ولالہ **سری رام** صاحب ایم اے مصنف و مؤلف "تذکرۂ خمخانۂ جاوید" و نواب **سراج الدین احمد** خانصاحب سائل دہلوی۔ ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ۔ زبان اُردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے (۲) قیمت سالانہ عام [illegible] معاونین [illegible] مجہولی [illegible] سابقا [illegible] گو تحفتہً و دیگر لیاں [illegible] سے جو کچھ عطا ہو

(۳) جواب طلب امور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف

(۴) کلام خریدار و غیر خریدار سب کا منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی شعر ۲ اُجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی [illegible] زینت گلدستہ ہوا کریں گے۔

(۶) چندۂ سالانہ بذریعۂ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے پر حاضرِ خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر مع نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق موجودہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہیگا

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور چندری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ہذا سی حرک دہلی ہونی چاہیئے۔

نوٹ یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت بر نقد قیمت مل سکتا ہے۔

[illegible] سالانہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست [illegible] رسالہ ہوگا

پیارےلعل رونق دہلوی و چندی پرشاد شیدا۔ اڈیٹر

رشک

اعلیحضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا لفٹنٹ کرنل ھز ہائینس نواب محمد حامد علیخان صاحب بہادر جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای والی دار السرور ریاست رامپور

اعلیحضرت حضور پُر نور اُن والیانِ ملک میں سے یگانہ روزگار ہیں جنکو موزونیت اشعار کی [illegible] اعلیٰ قابلیت حاصل ہے گو ابھی تازہ ہی شوق ہو لیکن ماشاء اللہ مشاقی سخن محاورات کی صفائی مضمون کی بندش سے اچھے اچھے شاعروں پر فوق ہے اس گئے گذرے زمانہ میں آپکی قدر دانی رامپور جیسے شہر کیلئے جو اس وقت شعر و شاعری کا مخزن سمجھا جاتا ہے حضور خلد آشیان کے زمانہ کی یادگار ہے یک قابلِ قدر اضافہ ہے ایسے نقادِ سخن والی ملک کی قدر افزائی سے اردو زبان کو اپنی خوش قسمتی پر جسقدر ناز ہو کم ہے ہم نہایت فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ناچیز کمالِ دہلی کو جو حضور کے کلام فیض التیام سے اسکے مزین ہونیکا افتخار حاصل ہوا ہے انشاء اللہ توجہاتِ خسروانہ سے آیندہ بھی اسیطرح شرف یاب ہوتا رہے گا

وصی جب ہوئے انتخاب اوّل اوّل
ہوئے منتخب بوتراب اوّل اوّل

نبی نے کہا بوتراب اوّل اوّل
علی کو ملا یہ خطاب اوّل اوّل

حسینوں میں تھے انتخاب اوّل اوّل
غضب تھا تمھارا شباب اوّل اوّل

ترے ننھے ہاتھوں کے قربان ساقی
پلادی تھی جس سے شراب اوّل اوّل

اب آنے لگا خونِ دل آنسوؤں میں
بہی خوب چشمِ پُرآب اوّل اوّل

توسیعِ زبانِ اُردو

تا بدکانِ خانہ در گروی
ہر گز اے خام آدمی نشوی

حضرتِ "ضیا دہلوی" کا زبانِ اُردو کے متعلق ایک مضمون ناظرینِ گلدستۂ
ہذا کی نظروں سے اِس نمبر میں گذرے گا۔ صاحبِ موصوف نے بڑے تکلف
کے ساتھ اُردو زبان کو ایک عروسِ پردہ نشین قرار دیا ہے۔ شاعرانہ خیال سے
اگر وہ زبان کو عروس لکھتے ہیں تو کچھ بیجا بھی نہیں ہے۔ لیکن آج تو انھوں نے
زبان کو ہی پردہ نشین بنایا ہے۔ کل وہ خود پردہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں تو ہمیں
اپنے ایک قابلِ فخر نامہ نگار کا نقصان اُٹھانا پڑے۔ زبانِ اُردو کو بقول حضرتِ
ضیاؔ کے پردہ نشین بنانا نہ ہمارا مقصد کبھی ہو گا۔ اور نہ ہم اُس سے اتفاق کر سکتے
ہیں۔ پردہ نشینی کا مسئلہ کسی مصلحت سے رائج ہو گیا تھا۔ لیکن یہ ایک پردہ ہر شے
کے واسطے موزوں نہیں۔ جو چیزیں واقعی اِس قابل ہیں وہی اِسکی اہل ہو سکتی
ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ کن وجوہات سے ہمارے معزز مہربان نے
زبانِ اُردو کو پردہ نشین بنانے کے لیے تجویز پیش کر دی۔ شاید زبانوں کی
تاریخ ہمارے مہربان کی نظروں سے نہیں گذری ہے۔ اصلی زبانیں اپنے
دامنِ پاک میں بہت سی غیر زبانوں کے الفاظ کو پھولوں کی طرح لیئے ہوئے ہیں
تو ایک مصنوعی زبان کی بساط ہی کیا ہو سکتی ہے جو وہ عار کرے۔ زبانِ اُردو کی
اصلیت تو سب کو معلوم ہے۔ اسلامی عہد میں زیادہ تر اُردو زبان میں فارسی
اور عربی کے الفاظ ملنے شروع ہوئے تھے۔ اب انگریزی راج میں انگریزی کے

مدینہ بنے علم کا جب محمدؐ — توحید رہوے اُسکا باب اوّل اوّل
پڑے ہیں اب آنکھوں پہ غفلت کے پردے — کہ مُنہ سے لگی ہے شراب اوّل اوّل
ہوئے ظلم سہنے کے اُلفت میں خوگر — بہت تھا ہمیں اضطراب اوّل اوّل
گئی جان فرقت کے صدموں سے آخر — ہوا خانۂ دل خراب اوّل اوّل
وہ بچپن وہ بیباکیاں اب کہاں ہیں — نہ تھا اُنکو ہم سے حجاب اوّل اوّل
بسر عمر کی خونِ دل پی کے ساقی — پلائی تھی کیسی شراب اوّل اوّل
وہ ترچھی نظر اور بانکی وہ چتون — اَدا تھی ہر اک لاجواب اوّل اوّل
وہ مکھڑا اور اُسپر سیہ زلف کافر — دکھاتی تھی کیا پیچ و تاب اوّل اوّل
اُبھرتا ہی جوبن نکھرتی ہے رنگت — لڑکپن ہی آخر شباب اوّل اوّل
سلامت رہے میکدہ تیرا ساقی — ملی جس سے ہمکو شراب اوّل اوّل
محبت نے برسوں رُلایا ہے ہمکو — جلایا ہی مثلِ کباب اوّل اوّل
کسی بُت پہ آئیگا جب دل کسیکا — تو سہنا پڑے گا عذاب اوّل اوّل
وہاں قتلِ عشاق اِک کھیل ٹھیرا — اُمنگوں پہ تھا جب شباب اوّل اوّل
بتاؤ تو کیوں ہو گئی ہم سے نفرت — ہمارا تھا عاشق خطاب اوّل اوّل
حسینوں سے ملنے کا لپکا بُرا ہے — اِسی سے ہوئے ہم خراب اوّل اوّل
محبت وہ کرنے لگے آخر آخر — جنھیں تھا بہت اجتناب اوّل اوّل
تری چشم و ابرو سے بچنا ہے مشکل — کھنچی ہی یہ تیغ خوش آب اوّل اوّل
مزا سوزِ اُلفت کا ہم سے نہ پوچھو — ہوا دل تو جل کر کباب اوّل اوّل
نہیں ہی یہ شیوہ محبت کا پیارے — یہ کیوں بے سبب ہے عتاب اوّل اوّل
جوانی کا نشہ اُن آنکھوں میں دیکھا — ہوئے مست پیکر شراب اوّل اوّل
نہایت ہی نازک ہی یہ شیشۂ دل — نہ توڑا سکو مثلِ حباب اوّل اوّل
ابھی ابتدا ہے مگر رشک تم سے — کہی ہے غزل لاجواب اوّل اوّل

لفظ برابر اس زبان میں شامل ہو رہے ہیں اور آیندہ ہونگے۔ بادشاہ کی زبان کا اثر رعایا کی زبان پر ہمیشہ پڑا کرتا ہے۔ اِس قدرتی قانون کو کوئی روک نہیں سکتا اگر ضیا صاحب اپنی زبان کو اچھوتی رکھنا چاہتے ہیں تو براہِ نوازش بتائیں کہ لفظوں نے۔ میز۔ لیمپ۔ انجن۔ سٹیشن۔ پنسل۔ نب۔ رگاڑیون میں)۔ وکٹوریہ۔ فٹن۔ لینڈو۔ وگینٹ۔ (صندوقوں میں) ٹرنک وغیرہ وغیرہ کیلیے کون سے واحد لفظ ایجاد کر رکھے ہیں جو ان کا مفہوم پورا پورا ادا کر دیں۔ یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ سے اُردو زبان کو بالکل علیحدہ رکھا جائے وسیع زبان وہی ہوسکتی ہے جو ہر مطلب کو بیاختگی سے ادا کر دے۔ کثرتِ استعمال الفاظ کو اسی زبان میں داخل کر دیتا ہے۔ جس زبان میں کہ وہ بولے جاتے ہیں۔ اور آخر کار جب کثرتِ استعمال حد کو پہنچ جاتی ہے تو وہ الفاظ اِسکی ملکیت ہو جاتے ہیں۔ آپ ناظرین فرمائیں کہ خزانہ یوں معمور ہوتا ہی کہ اُس میں کچھ جمع ہوتا رہے ہاں خرچ بغیر آمد کے خزانہ کو بھرپور رکھتا ہے۔

دیکھئے دانشمندانِ فرنگ نے اپنی انگریزی زبان کو دوسری زبان کے الفاظ لیکر کتنا شائستہ اور مہذب بنا دیا ہے کہ آج وہ زبان سرعت سے دنیا میں پھیلتی جاتی ہے۔ اگر اُردو کو دلّی ہی کی چار دیواری میں محدود کر دیا جائے تو عجب نہیں بیجا اِسکی خوبیوں کو زمانے کے سامنے پیش نکرسکے اُسے مردہ زبان بنا دیگا۔ افسوس! جو خوبی سمجھی جاتی ہے وہی نقص میں داخل ہے۔ غیر جنس فرنگیوں کی محبت سے تو ایسا پرہیز کر لیتے ہیں لیکن یہ پرہیز کہیں اصلیت کو بھی زائل نہ کر دے۔

اس بات سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند اشخاص اِس بات پر قادر ہیں کہ وہ ہر ایک زبان کے مفید علوم کو اُردو زبان میں لاسکتے ہیں۔ لیکن فرمایئے

کہ اتنے بڑے ملک کیواسطے یہ خال خال اشخاص کیا کر سکتے ہیں۔ ابھی میکنگ علم برق۔ علم جرثقیل۔ کیواسطے اصطلاحیں کیا کیا اُردو زبان میں پیش کی گئی ہیں جو ٹھیک اپنا مفہوم اَدا کرتی ہوں۔ اور بہت سے ایسے علوم ہیں۔ جن کی اُردو زبان کو ضرورت ہی نہیں بلکہ محتاجگی ہے۔ اِس کے واسطے کیا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ زبان شاعری تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیئے بلکہ اسکو علمی خزانہ سے معمور کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر جنسوں کی صحبت سے زبان ہاتھوں سے نہیں جائیگی بلکہ اسکی شان دوبالا ہوکر ملکوں ملکوں اپنا نام پیدا کریگی۔ دیکھیئے انگریزی زبان جاپان تک جا پہنچی۔ اور دنیا کے ۲/۳ حصے میں بولی جاتی ہے۔ کیا اُردو زبان کو بھی یہ ترقی نصیب ہوئی ہے اگر نہیں تو اسکی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی۔ ہمارے خیال میں اسکی سب سے زیادہ قوی وجہ اسی پردہ نشینی کا خیال ہے۔ یہی خام خیالی اسے حدود ہندوستان سے آگے قدم بڑھانے نہیں دیتی۔ اِس سے اب اُردو کے معاونین کو لازم ہے کہ ذرا اپنے خیالوں کو وسیع بنالیں اور نظر غور سے دیکھیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ہماری زبان شائستہ زبانوں کی محفل میں کس درجہ پر جگہ رکھتی ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ناظرین ہمارے اُن مضامین کو جو زبان اُردو کے متعلق ہیں پیش نظر رکھکر اپنی زرّیں رائے سے مطلع فرمائیں گے

رونق دہلوی۔ ایڈیٹر

انجمن اتحاد سخن

یہ صحبت مشاعرہ حسب معمول بتاریخ ۲۸ ماہ اگست ۹ھ کو عالیجناب کنور

بدری کرشن صاحب فروغ وکیل کے مکان پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوئی۔ جناب منشی مہاراج بہادر صاحب برق کی تحریک اور جناب کاظم علیخان صاحب کی تائید سے نواب سید اکبر مرزا صاحب سید دہلوی صدر انجمن قرار دیئے گئے۔ قریب ۹ بجے شب کے مشاعرہ شروع ہوا۔ اس مرتبہ شعرائے نامی و معززین شہر کا ہجوم بہت زیادہ تھا جسکی تعداد تقریباً ۷۰۰ و ۸۰۰ کے ہوگی۔ مشاعرہ کی غیر معمولی رونق ایک عجیب و دلکش سماں دکھا رہی تھی۔ جسکو ہر طرح قابل دید کہہ سکتے ہیں۔ اکثر شعرا نامی کی غزلیں پُر زور تھیں جنکو ناظرین گلدستہ ہذا خود ملاحظہ فرما کر حظ کافی حاصل کرینگے یہ صحبت مشاعرہ صبح کے ۴½ بجے تک اسی خوبی کے ساتھ رہی۔ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو۔ و جناب مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی شاگرد رشید جناب فصیح الملک صاحب داغ دہلوی مرحوم بھی تشریف لائے تھے۔ اور یقین کہ ہمیشہ اسی طرح تشریف آوری سے ممنون فرماتے رہیں گے۔ جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب ذبیح دہلوی کی ظریفانہ غزل سبحان اللہ۔ بزم مشاعرہ پر کشت زعفران کا دھوکا ہوتا تھا۔ ہم عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید و عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انکی گرانبہا اعانت و بیش قیمت توجہ کا باعث ہے کہ اس اُجڑے دیار میں اب بھی بزم مشاعرہ کی صحبتیں گذشتہ زمانے کا منظر دکھا دیتی ہیں۔ افسوس! بیرونجات سے اس مرتبہ کوئی صاحب تشریف نہیں لائے غالباً یہ موسم کے غیر معتدل ہونیکی وجہ سے ہے ورنہ اکثر اصحاب کی نسبت اُمید قوی تھی۔ آیندہ تاریخ مشاعرہ وہی ستمبر مہینے کا آخری ہفتہ ہوگا۔ جس کا مصرع طرح یہ ہے۔

"آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے"

طرح بابتہ ماہ اکتوبر" دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل"

ذیل میں ہم اُن معزز سرپرستان و معاونین کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں جنھوں نے علاوہ ضروری امداد کے بمبلغ ۱۲؎ سالانہ سے اعانت فرمائی ہے یقین ہے کہ دیگر معززین اصحاب شہر و بیرونجات بھی اس طرف توجہ مبذول فرما کر اپنی دریا دلی کے ثبوت میں ہمکو شکریہ کا موقع دینگے۔ کیونکہ اس رسالہ کی قلیل قیمت محض اسی اُمید پر رکھی گئی ہے۔

عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخان صاحب بہادر شبیر خلف الرشید حضور پُر نور نواب صاحب بہادر خلد آشیان ریاست رامپور۔

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیر دار لوہارو

عالیجناب لالہ سری کیشن داس صاحب ساہوکار والے اونریری مجسٹریٹ رئیس دہلی

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اگزکٹو انجینیر درجہ اول دہلی۔

عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب اُونریری مجسٹریٹ رئیس دہلی

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید۔ دہلی

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندر آباد

عالیجناب رائے بابو مل صاحب انجینیر و رئیس دہلی۔

عالیجناب بو المعظم نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی

عالیجناب بابو مہاراج کشن صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی

عالیجناب لالہ رامچند صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی

عالیجناب بابو بھولاناتھ صاحب فخر اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر شہر دہلی۔

عالیجناب محمد حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار حضور فیض گنجور اعلیٰ سرکار ریاست رامپور
عالیجناب پنڈت شو نراین صاحب مذاق سکریٹری (باقی آیندہ)

زبان دہلی

کیا کروں اپنی زباں سے میں بیان دہلی
مٹ چکی روح رواں تھی جو زبان دہلی

اللہ! اللہ!! وہ بھی کیا زمانہ تھا جبکہ نجم الدولہ دبیر الملک مرزا نوشہ، خاقانی ہند حضرت ذوق، حکیم مومن خان مومن، دلی میں بیٹھے ہوئے اپنی نغز گوئی سے زبان اُردو میں نئی روح پھونک رہے تھے۔ اِنکے علاوہ نواب ضیاءالدین احمد خان نیّر فخر الشعراء نظام الدین ممنون، مولانا امام بخش صہبائی، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور مفتی صدر الدین صاحب آزردہ، وغیرہم اپنی ترانہ سنجی سے باغ سخن کی رونق بڑھا رہے تھے۔ افسوس کہ یہ صحبت برہم ہوئے عرصہ ہوگیا اور وہ لطف سخن باقی نہ رہا جو اِن نفوسِ قدسیہ کے ساتھ وابستہ تھا۔

غدر ۵۷ء سے پہلے دلی "دلی" تھی۔ اسکے بعد اُسکے اہلِ کمال نہیں مٹے بلکہ وہ خود مٹ گئی دُنیائے شاعری بالکل تاریک نظر آتی اگر داغ و مجروح سالک و راسخ اور ظہیر و انور کی طلع نقاک روشنی نہ پڑتی۔ اِس میں شبہ نہیں کہ غدر سے پہلے کی صحبت تو اب کاہیکو میسر آسکتی ہے مگر بقول فصیح الملک ۔

میر و غالب و آزردہ سے پھر لوگ کہاں؟
داغ اَب یہ ہیں غنیمت ہمہ دانِ دہلی

اگر یہ آخری صحبت بھی قائم رہتی تو کچھ اشک شوئی ہوجاتی اور زبانِ اُردو کو وہ تنزل نہوتا جو اَب ہوتا نظر آرہا ہے مگر صد حیف کہ (ع) آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

حضرت داغ خود اپنے مطلع میں اِس بربادی کی طرف کس دردناک پیرایہ میں اشارہ کرتے ہیں ؎　　یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمانِ دہلی

تھا بڑا نام ونشان نام ونشانِ دہلی

سچ یہ ہے کہ دلّی کے آخری دَور میں حضرت داغ کا دم بہت مغتنم تھا۔ ہائے ؎ گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ　　وہی دم تھا غنیمت، وہ نہیں ہے مجروح۔ سالک و انور۔ مرزا غالب نوراللہ مرقدہٗ کی زندہ یادگار تھے جو افسوس ہے کہ صفحۂ ہستی سے مثل حرف غلط مِٹ گئے اور مٹنے کا نشان باقی چھوڑ گئے۔ مولٰنا راسخ کو خدا اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ یہ کیا مرے دلّی کی شاعری مر گئی۔ آہ اب کہاں لوگ اِس طبیعت کے؟

لے دیکر حضرت ظہیر (یادگار ذوقِ مرحوم) ہی اِس اُجڑی ہوئی محفل کے نام لیوا باقی رہ گئے ہیں۔ خدا انھیں سلامت باکرامت رکھے اور اس چمن کی آبیاری کا تا صدوسی سال موقع دے۔ خدانخواستہ اِنکی آنکھیں بند ہوئیں تو پھر دلی کی پُرانی مگر پُر لطف شاعری کا چراغ گل سمجھیے۔ دلّی میں غدر سے پہلے بڑے معتم بالشان مشاعرے ہوا کرتے تھے اور شاعروں نے یہانتک ترقی کی تھی کہ اکثر بہادر شاہ ظفر کے دیوانِ خاص میں محفلِ مشاعرہ منعقد کی جاتی تھی اور حضور پُرنور خود اپنی زبان فیض ترجمان سے شعراء کے کلام کی داد دیکر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ غدر کا ہنگامہ برپا ہونیسے مشاعروں کی محفل برخاست ہوگئی اور اُسوقت تک نہ جمی جبتک کہ آوارگانِ وطن کو یکسوئی و طمانیت حاصل نہ ہوئی۔ امتدادِ زمانہ سے اِس مجمع کو پھر پریشانی نصیب ہوئی اور عرصۂ دراز تک بالکل خاموشی رہی۔

خدا کا شکر ہے کہ اب انجمن اتحادِ سخن کے ذریعہ سے دلّی میں پھر مشاعرہ کی بنیاد پڑی اور صحبت برہم کا لطف تازہ ہوگیا۔ اساتذۂ سلف کے ساتھ ساتھ زبان دلی

بھی مٹ چکی تھی۔ لیکن اہل دہلی کو کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل و لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف خمخانہ جاوید و نواب سراج الدین احمد خالصاحب سائل اور منشی پیارے لال صاحب آزوفق دہلوی تلمیذ رشید حضرت راسخ کا مشکور ہونا چاہیئے کہ ان بزرگوں نے رسالہ کمال دہلی کی صورت میں انکی زبان اور شاعری کے بقا و احیا کا مستقل انتظام کر دیا۔ اسکی نمایان حیثیت صوری و معنوی یقین دلاتی ہے کہ یہ پرچہ ایک روز ضرور اسم بامسمّیٰ ہو کر رہے گا۔ ناظرین علم دوست اسکو ضرور قدر کی نگاہوں سے دیکھیں۔ دہلی میں قابل قدر رسالے اور بھی اس وقت موجود ہیں جو دلی کی پیاری زبان کی اشاعت بقدر رسوخ و اثر کر رہے ہیں اور یہ ہر آئینہ قابل قدر ہیں۔

ان میں ایک "مخزن" ہے جو عرصہ دراز سے زبان اردو کی خدمت کر رہا ہے اور ملک میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اسکے لائق مضمون نگار مولوی عبدالراشد الخیری کی زبان ٹھہری ہوئی زبان دلی کا صحیح نمونہ ہے پڑھیئے اور زبان کے مزے لیجئے

دوسرا "وصلائے عام" ہے جو خود جدید ہے مگر جسکے رشحات قلم سے فیض پاتا ہے وہ بہت پرانا سخن طراز اور جادو نگار ادیب ہے جسکی سحر نگاری کے نمونہ تیرہویں صدی اور رسالہ "زمانہ" آگرہ میں بطور تبرک یادگار ہیں۔ اس میخانہ کے بادہ نوش اب بھی اس بادۂ کہن کو منہ سے لیکر پیتے ہیں۔ لٹریچر کے مئی گلگوں سے بہرہ اندوز حلاوت ہونا ہے تو اس کا ایک جرعہ (پرچہ) لیجئے اور پھر کیفیت دیکھئے۔

تیسرا اسم بامسمّیٰ رسالہ "زبان دہلی" ہے جو اپنے لاجواب مضامین نظم و نثر کی اشاعت سے اردو علم ادب کے خزانہ کو مالا مال کر رہا ہے اور اہل زبان کی توجہ اپنی جانب مائل کرتا جاتا ہے۔

الغرض من حیث المجموع یہ آثار اچھے ہیں اور اس بات کا پتہ دیتے ہیں

کہ زبانِ دہلی کے قیام و دوام کا معقول انتظام کیا جا رہا ہے۔ جس سے بڑھکر کسی امر میں کسی ہوا خواہِ اُردو کو خوشی و مسرت نہیں ہو سکتی۔

راقم سیّد دستگیر۔ اکبرآبادی

زبانِ اُردو

کسی پردہ نشین کا درد پنہان ہم بھی رکھتے ہیں
رہے جو دل میں گھٹ گھٹ کر وہ ارمان ہم بھی رکھتے ہیں

زبان اُردو کی تشبیہ کسی پردہ نشین پری جمال سے نا موزوں نہیں محلات کی رہنے والی اور مخدرات عصمت سمات کی ساختہ پرداختہ بھلا ممکن ہے کہ نقاب روئے زیبا اُلٹ کر بے حجابانہ باہر نکل آئے اور دیکھنے والوں کو یہ کہنے کا موقع دے ؎ جو بیحجاب کہیں سینہ تانے جاتے ہیں ؛ کھُلے خزانے وہ جوبن لٹانے جاتے ہیں + یہی وجہ ہے کہ باوصف تقاضائے شدید و انتظار بعید یہ نامحرموں کے سامنے آجتک نہیں ہوئی۔ دلی اور لکھنو ان دونوں مقامات کے رہنے والے اسکے محرم ہیں اِنکے علاوہ اور لوگ جو زبانِ اُردو سے واقف ہونیکے مدّعی ہیں اُن کا رشتہ دور کا رشتہ سمجھیئے۔ مگر محبت وہ چیز ہے جس سے بیگانے یگانے ہوجاتے ہیں۔ اِس لحاظ سے ہم بیرونجات کے ہوا خواہانِ اُردو کو بھی یگانگت کے زمرے میں شامل کر سکتے ہیں۔ آجکل زبانِ اُردو کی محبت کے دعوے چہار سمت سے ہو رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ محبت کے مدّعی اوپری دل سے اِسکی چاہت کا دم بھرتے ہیں دلی محبت جس کا نام ہے وہ نامحرم تو درکنار محرموں میں بھی برائے نام باقی ہے۔ دلی اور لکھنو والے اگر زبان کی ترقی کی طرف متوجہ ہوں تو یہ اُن کا فرض ہے۔ اپنے عزیز کی اصلاح اور تہذیب کا خیال کسے نہیں ہوتا۔ مگر مشکل تو

یہی ہے کہ بہت لوگ اپنے فرائض سے بھی واقف نہیں۔ ہم ماہ اگست کے کمال دہلی میں اسکا اجرا خیر مقدم لکھ چکے ہیں۔ دلّی والوں کو بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے گم گشتہ عزیز کی یاد تازہ ہوگئی ہے اسکو ہم فال نیک سے تعبیر کرتے ہیں خدا چاہے تواب اُردو کے دن پھرینگے "صلائے عام" اور "کمال دہلی" دونوں اپنی اپنی طرز پر اچھے نکل رہے ہیں۔ جناب نوح صاحب دہلوی نے کمال کی گزشتہ اشاعت میں زبانِ اُردو پر اچھا مضمون لکھا۔ ارباب کمال اور ماہرانِ زبان سے شکایت ہے کہ زبان کی توسیع میں امداد نہیں کرتے۔ منشی پیارے لال صاحب رونق کا خیال ہے کہ یہ پردہ نشین محلات کی چار دیواری میں نظر بند رہنے والی ابھی اس قابل نہیں کہ اپنے ہم نشینوں میں تکلف کی باتیں کرسکے یعنی زبان اُردو مثل دیگر السنہ مروجہ کے علمی زبان کہلانے کی قابلیت نہیں رکھتی اسکا لٹریچر زلف و سنبل اور گل و بلبل کے فسانوں تک محدود ہے۔ بناؤ سنگار اور کنگھی چوٹی میں گرفتار رہنے سے اسکی ہمت اتنی نہیں کہ غیر زبانوں کے مجمع میں کسی علمی بحث پر تقریر کرسکے۔ گویا انکے خیال میں ابھی یہ بالکل الّھڑ ہے۔ بقول مرزا داغ مرحوم ؎

جب کہیں جاتے ہوئے تھے ہوشیاں ہوکر ۔۔۔ تمکو جانا ابھی آتا نہیں مہمان ہوکر

اسکے خلاف انکا مقامی ہمعصر "صلائے عام" دعوی کرتا ہے کہ اس عروس باحجاب میں ہرطرح کی قابلیت اور ہر نوع کی خوبی موجود ہے مگر دیکھنے والے اسکی طرف التفات نہیں کرتے۔ ہم منشی ناصر علیخاں بہادر دہلوی ایڈیٹر "صلائے عام" کے ہم خیال ہیں۔ ہمارا کہنا بھی یہی ہے کہ اُردو میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو غیر زبانوں میں تلاش کی جارہی ہیں مگر ہماری کوتاہ بینی ہمیں اُن نعمات سے محروم رکھتی ہے۔ ہم تو زبان سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔ مگر ہمارے بعض احباب اس وقت بھی ایسے موجود ہیں جو اسی زبان میں ہر قسم کا مضمون لکھ سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر "صلائے عام" کو لیجئے۔ عالمانہ۔ مورخانہ۔ فلسفیانہ۔ مضامین کی اس رسالہ میں کمی نہیں پھر اسپر طرّہ یہ کہ سارے مضامین زلف و سنبل میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اور چند مہربان بھی یہ جوہر رکھتے ہیں جن کا نام ضرورت کیوقت بتایا جا سکتا ہے۔ وسعتِ زبان کی طرف جو لوگوں کا خیال ہے اسکی موجودہ حالت میں چنداں ضرورت نہیں۔ اُردو سنسکرت فارسی اور عربی الفاظ کے خزانے سے مالامال ہو چکی ہے اب یورپ کی زبانوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا اسکی سیر چشمی کو شایاں نہیں اگر ضرورت پڑے تو اسکی قدیمی محسنہ زبانیں مدد کرنے کو تیار ہیں۔ انگریزی زبان کے خلط ملط سے یہ زبان اپنی نفاست کھو دیگی۔ ترقی کیسی زبان کے قائم رکھنے کا رونا پڑ جائیگا۔ اس عروس بازینت کی ہمراہی کو اسکی ایشیائی سہیلیاں کیا کم ہیں جو خواہ مخواہ غیر جنس فرنگوں کی صحبت کا شوق دلا کر ہم اسے آزاد خیال بنائیں۔ ڈر ہے کہ اسکے دل میں بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی آزادی کی ہوا کھانے کا شوق نہ پیدا ہو۔ مکان کی چار دیواری کو زندان سمجھ کر باہر نکل پڑے اس کا پردۂ حجاب سے نکلنا قیامت ہے۔ جہاں یہ نکلی ہمارے ہاتھوں سے گئی۔ وضع صورت سیرت سب کچھ بدل جائیگی اور پھر یہ پہچاننا بھی مشکل ہوگا کہ یہ وہی عروس اُردو ہے جسکو ہم خانہ دل اور پردۂ چشم میں چھپائے پھرتے تھے۔ ترقی کی کوشش بُری نہیں ہے مگر جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھنا غضب ہے۔ ہم بھی چونکہ اُردو کی محبت کا دم بھرتے ہیں اس واسطے یہ چند سطور حوالۂ قلم کیجاتی ہیں۔ ناظرین اور بالخصوص منشی رونق صاحب ہمارے جوش کی باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں* ۔ راقم

شمار اپنا بھی ہوتا ہے گنہگاران الفت میں　　تصدق جان جانبازی کا ارمان ہم بھی رکھتے ہیں

بقلم ضیا دہلوی

---

* اسکے متعلق ایڈیٹوریل مضمون ملاحظہ ہو۔ (ایڈیٹر)

ریویو خمخانۂ جاوید

مولفۂ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے

شہر لکھنو کے ایک مشہور مستند شاعر جناب منشی احسن مرزا صاحب منزر نے جو خمخانۂ جاوید کے ریویو تحریر فرمایا ہے وہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے بجنسہ درج گلدستہ ہذا ہے۔

نقش فریادی ہے کسکی شوخئے تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

آج میرے سامنے ایک وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکے آبی رنگ کی جلد پر سنہری حرفوں میں جلی قلم سے لکھا ہے (تذکرہ ہزار داستاں۔ المعروف۔ خمخانۂ جاوید سرورق پر انگریزی وضع کی سنہری بیل اور روپہلی حرفوں میں (تذکرۂ ہزار داستان) خط گلزار میں (خمخانۂ جاوید) تحریر ہے۔

ٹائیٹل پر سُرخ حرفوں میں پھر اس تذکرہ کا نام اور ملان کے کام کی ایک رنگین خوشنما بیل دیگئی ہے اسکے بعد ایک ورق اور ہے جس میں بحضور نظام دکن اس کتاب کے (معنون) ہونیکا تذکرہ سنہری حرفوں میں معہ ایک خوبصورت حاشیہ کے ہے۔ بعد اسکے دو تصویریں ہیں جو اپنی وضع میں مختلف ہیں۔ ایک انگریزی پوشاک میں ہے جسکے نیچے لکھا ہوا ہے "سری رام ۱۸۹۲ء" دوسری ہندوستانی پوشاک میں ہے جو اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی تصویر کمسنی اور طالب علمی کی خبر دیتی ہے۔ دوسری لیاقت اور جوانی کی۔ اب گیارہ صفحوں کا ایک دیباچہ ہے۔ جسکی ابتدا اس شعر سے کی گئی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اِس دیباچہ میں مؤلفِ تذکرہ نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات اپنے تعلیمی زمانہ کے مختصر حالات اور اُسی کے ساتھ ساتھ اِس کتاب کا مواد جمع کرنے کی کاوشیں اور بعض واقعی عذر حوالۂ قلم کیے ہیں۔ بارہویں صفحہ کے تمام ہونیکے بعد تذکرۂ ہزار داستان۔ آباد۔ مرزا مہدی حسن خان خلف مرزا غلام جعفر خان لکھنوی کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ صفحہ ۶۸۹ میں بیہوش۔ لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنو کے نام پر تمام ہوتا ہے۔ اِسکے بعد چھ صفحوں کا ایک صحتنامہ دیا گیا ہے ایک جزو میں فہرست اسمارِ شعرا رِ مندرجۂ تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ ایک سے صفحہ ۷۸ تک میں تقاریظ و قطعات تاریخ لکھے گئے ہیں۔

اِس بڑے تذکرے کے چند جزو میری نظر سے اُسی وقت گزر رہے تھے جس وقت یہ تذکرہ زیرِ طبع تھا۔ اِسکے اعلیٰ پیمانہ پر چھپنے کی خبر نے اور اسکے پروف کے چند اوراق نے جب ہی سے مجھکو اس کتاب کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ آج وہ مبارک دن ہے کہ میری مشتاق نگاہیں اسکے اہتمام و انتظام کی بہار لوٹنے کے بعد نثر و نظم کی دل چسپیوں سے ہم آغوش ہیں۔ میری پُرشوق آنکھیں ہر ہر سطر کو بہت غور سے دیکھ دیکھکر بجائے خود مؤلفِ تذکرہ کو اُسکی کامیابی پر مبارکباد دیتی جاتی ہیں۔ اور میں شعرارِ ماضی کی جیتی جاگتی تصویروں سے اُنکے واقعات سُن رہا ہوں۔ کہیں اُنکی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل کر کے چپ ہو جاتا ہوں۔ کبھی شعرا رحال کی دل آویز نظمیں اور مؤلف صاحب کی واقعہ نگاری میرے دل پر ایسا اثر ڈالتی ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیئے میں بالکل محو ہو جاتا ہوں۔ علی الخصوص وہ بعض خیال جنکو میں اب لکھنے والا ہوں مجھپر حیرت کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔ اور وہ تخیلات لالہ سری رام صاحب ایم اے مصنف دہلوی کے حالاتِ زندگی سے وابستہ ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جو آبائی تمول کے سبب

آرام کا عادی ہو بستر راحت سے اُٹھ بیٹھنا۔ خواب شیریں کو ٹھوکر مار کر زندگی کی پیاری راتیں تعلیم انگریزی کی جی توڑ محنت میں گذارنا۔ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں سرگرم ہونا۔ اپنے ذاتی کاروبار اور صحت قائم رکھنے کے ذکروں سے جان چھڑا کر ایک ایسے بڑے کام کے لیئے مستعد ہو جانا کسی طرح تعجب سے خالی نہیں۔

یہ تذکرہ جو پانچ جلدوں پر منقسم ہے اور جسکی پہلی جلد میرے سامنے موجود ہے جس طرح شعرار ماضی وحال کی دل آویز نظموں سے بھرا ہوا ہے اِسی طرح مؤلفِ تذکرہ کی خوبیوں سے مملو نظر آتا ہے۔

ایک مورخ کے فرائض کی اہمیت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور وہی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل کام کے لیئے قلم اُٹھایا ہو۔ اِس میں شک نہیں کہ لالہ سری رام صاحب نے اپنی خداداد قابلیت سے پہلے ہی وہ فرائض چن چن کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لیئے ہیں اِسکے بعد شاید ایسی دشوار گزار راہ میں قدم مارا ہے۔ اِنکے لکھے ہوئے ہر ذکر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لکھنے کے وقت اُنھوں نے کسی کی جانبداری نہیں کی۔ کسیکی رعایت سے کام نہ رکھا۔ مروّت کو بالائے طاق سمجھا۔ اپنے ارادوں سے سر مو تجاوز کرنے کو عیب جانا۔ اپنے مجوزہ حدود پر برابر نظر جمائے رہے ہیں بلکہ جو خیال دل کی تہ سے نکلا ہے اُسکو بے کم و کاست حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ اُنکے قلم کی آزادانہ روش بتا رہی ہے کہ جو کچھ کیا ہے پاک نیتی سے کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچائی سے لکھا ہے۔ مگر اسے وہ کیا کریں کہ ایک شاعر شہرت سے بھی بے نیاز ہو کر محض اپنے نہ رکنے والے جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی کچھ شعر کہہ لیا کرتا ہے اور اسی وجہ سے تذکرہ نویسوں کی درخواست کو بھی نامنظور کر دیتا ہے۔ تذکرہ نویس چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سچے واقعات

قلمبند کروں مگر جب اُسکو وہ واقعات جو صحت پر مبنی ہیں دستیاب ہی نہوں تو وہ کیا
کرے لیکن یہ عجیب دل شکن مشکل ہے کہ قلم سے نکلنے کے بعد اُن مشہور حالات کی
صحت اور غیر صحت پر ضرور نظر کیجاتی ہے اور یہی باتیں مابہ الامتیاز فرق پیدا کرنیوالی
اہلِ قلم کے لیئے مدح وذم کی باعث ہوتی ہیں۔ ماوراسکے بعض ایسی پیچیدہ رہجانیوالی
باتیں ہوتی ہیں جو اپنی طرف توجہ دلانے پر مجبور کردیتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ تذکرہ کو دیکھتے
دیکھتے میں صفحہ ۵۸۲ تک پہنچا تھا کہ یکایک چونک پڑا اور حکیم مرزا آغا حسن صاحب آزل
مرحوم (جو میرے ہی قرابت داروں میں سے ایک بزرگ تھے) خلف مرزا عباس صاحب
کے ذکر میں بعض ایسے غیر واقعی حالات دیکھنے میں آئے کہ مجکو اچنبا سا ہوگیا۔ اسی صفحہ
کی سترہوئیں سطر میں مسطور ہے (کہ اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے
زمانے میں تبدیلِ مذہب کرکے سُنی ہوگئے تھے۔ مگر مرض الموت میں مذہبِ امامیہ کا اعلا
کرکے انتقال کیا) یہ امر ایک ایسا خلاف واقع معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح دل نہیں چاہتا
کہ ایک یادگار تذکرہ میں ہمیشہ کے لیئے ایسی فاش غلطی نظر انداز کیجائے بلکہ اسکا کسی طور
سے اعلان کردینا مرحوم شاعر اور مہتمم بالشان تذکرہ کے حق میں بہر صورت بہتر و انسب
معلوم ہوتا ہے۔ صحت نامہ میں آغا حسن کی جگہ آغا حسین لکھا گیا ہے حالانکہ صحیح آغا حسن
ہی ہے۔ اب میری نظر صفحہ ۶۵ کی آخری سطر سے چلکر صفحہ ۶۶ کی دوسری سطر تک گئی
ہے وجہ یہ ہے کہ جناب اُنس میر مہر علی صاحب مرحوم کے حالات میں ایک سخت غلطی نظر آئی ہے
جس کا اعلان ضروری معلوم ہوتا ہے مرحوم کے واقعات کی عبارت یہ ہے (اُنس میر مہر علی
لکھنوی۔ خلف میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن۔ صاحب بدر منیر۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد
اور اکثر مرثیہ کہتے تھے۔ آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے۔ انکے بیٹے میر وحید

لہ ہمیں معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ مولف تذکرہ نے آزل صاحب کے شاگرد رشید مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب حفیظ سے آزل مرحوم
کے حالات دریافت کیے تھے چنانچہ [illegible] کے مرسلہ حالات سے جناب آزل صاحب کے حالات اقتباس کرکے مع تذکرہ کیے گئے ہیں۔

و میر تعشق بڑے خوش فکر و شیریں زبان شاعر گزرے ہیں (اِنکے بیٹے میر وحید)
یہانتک تو میری نظر برابر جمی رہی لیکن (میر تعشق) کا نام آتے ہی میری نگاہیں کچھ منتشر
سی ہوگئیں اور میں ہکا بکا ہوکر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیونکہ تعشق جناب سید صاحب مرحوم
کا تخلص ہے جو محمد مرزا صاحب اُنس کے بیٹے اور میاں عشق کے بھائی اور جناب
پیارے صاحب رشید مدظلہ کے حقیقی چچا تھے۔ اور مرثیہ گوئی میں اِن کا بھی ایک
رنگ خاص تھا لِسکے بعد میں بہت تعجب کے ساتھ اس بات پر بھی افسوس ظاہر کرنا چاہتا
ہوں کہ باوجود تلاش صرف چند شعر غزل ہی کے صاحب تذکرہ کو دستیاب ہوئے
حالانکہ جناب اُنس مرحوم کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ مثل مرثیوں۔ سلاموں۔ رباعیوں
کے۔ ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ علی الخصوص پٹنہ عظیم آباد میں
اب میں صفحہ ۲۶۴ کے بعد سے جستہ جستہ کلام دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا اور ورق گردانی میں
مصروف تھا کہ ۵۲۸ پر آکر الف تمام ہوگیا اور امین حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری
کے اِس آخری شعر نے اِس حصہ کو علٰحدہ کردیا۔ ؎ امین

توہی اے دیدۂ خراب کوئی تدبیر بتا　　لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر

اِس صفحہ کا باقی حصہ ایک گلدستہ اور چار گوشوں سے مزین کیا گیا ہے جو مورخ اور مہتمم تذکرہ
کی خوش سلیقگی کی خبر دینے سے خالی نہیں اور جس سے یہ بات ثابت ہے کہ تذکرہ کو بہمہ
وجوہ خوشنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔
صفحہ ۵۲۹ کی ابتدا حرف (ب) سے ہوتی ہے اور میر بادشاہ علی کے اِس شعر سے تذکرہ پھر
شروع ہوتا ہے۔ ؎ بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یوں روز بہار

اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

تذکرہ کی خوبیاں ہمکو اسکے معائب کیطرف نظر اُٹھانیکو مانع ہیں بلکہ گناہ ثابت کررہی ہیں
لیکن افسوس تو یہ ہے کہ گناہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جنکو دنیا کی دلچسپیوں سے

کوئی کام نہ ہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم خمخانۂ جاوید کے متوالے نہ بنیں اور اسکی جرعہ کشی سے
دست بردار ہو جائیں۔ جب ہم تمام ہندوستانی شاعروں کے کلام کا ایک جگہ مدون ہونا
خیال کرتے ہیں اور مورخ کی وہ محنت اور وہ جانفشانیاں جو کسی طرح خیال میں آنیوالی
نہیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو خود ہمکو ہمارے ارادے مضمحل اور ہمت پست نظر آتی
ہے۔ نگاہوں میں حیرت اور دل میں رشک کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس مؤرخ
احسان سے سبکدوش ہونیکا جب کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو مجبور ہو کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ
کاش زبانِ اردو سے ہمکو کوئی تعلق نہ ہوتا اور یہ زبان ہماری زبان نہ ہوتی۔ واقعی اردو
لٹریچر میں یہ پہلا معتد بہ اضافہ ہے جسنے ہمکو گھر بیٹھے ہندوستان کے تمام شاعروں
سے ملنے کا موقع دیا ہم بہت خوشی اور نہایت شکر گزاری کے ساتھ اس احسان کا بار
اپنے سر پر لیتے ہیں کیونکہ بہت سے ایسے خوش فکر شاعروں کا کلام دیکھنے میں آرہا ہے
جنکے کلام سے اسکے قبل کبھی فیضیاب ہونیکا موقع نہ ملا تھا۔ چنانچہ حرف (ب) میں تیسرا
ہی ذکر ایسا دلچسپ اور جناب (بارق) مرزا مظفر حسین بیگ خلف مرزا صفدر علی بیگ رسالدار
کنٹنجنٹ نظام کا کلام اسقدر دل آویز ہے کہ یہاں بے اختیار اُنکے دو چار اشعار نقل
کرنے کو جی چاہتا ہے مگر طول کے خیال سے اپنے ارادہ کو ملتوی کر کے آگے چلتے ہیں۔

چند ورق کے مطالعہ کے بعد ہمارے ایک دوست نواب سید عسکری مرزا خان صاحب
کا ذکر ہمارے سامنے آیا جسمیں علاوہ کمی حالات کے ایک آدھ غلطی بھی نظر آئی ہے۔
جسکی خانہ پری کرنے کو اب پھر ہم قلم اٹھاتے ہیں[له]۔ تذکرۂ ہزار داستان میں آپکے بہت
ہی مختصر حالات اور بعض غیر صحیح باتیں مندرج ہو گئی ہیں جسکے مطالعہ نے اور اکثر احباب کی
فرمائش نے ہمکو اس مضمون کے لکھنے پر مجبور کیا۔ صاحب تذکرہ آپکے واقعات میں ایک جگہ
لکھتے ہیں کہ منشی سید عسکری مرزا خان بلیغ شاید شاگرد مصحفی۔ ایک تو منشی کا لفظ کبھی آپکے

له جناب بلیغ ہنسوی کے مفصل حالات جو جناب شرر نے بعد کو بھیجے ہیں وہ انشاء اللہ طبع ثانی کے موقع پر اس تذکرہ میں ہونگے

نام کے ساتھ نہیں لکھا گیا دوسرے صفی کا شاگرد ہونا بالکل ایک غلط بات ہے آپنے کبھی بھولے
سے ایک شعر بھی جناب صفی کو اصلاح کی نظر سے نہیں سنایا پھر شاگردی کیسی۔ شاید کا
لفظ جو صاحب تذکرہ کی قلم سے نکلا ہے وہ یہ بات ثابت کر رہا ہے کہ یقینی آپ کے حالات
مؤلف صاحب کو صحیح دستیاب نہیں ہوئے جنکو تحقیق کرنے کے بعد اب میں نے
اپنے اس مضمون میں بالتشریح لکھدیا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آیندہ خمخانہ جاوید کی
جلدوں میں جناب سر یرام صاحب ایسے بدنما داغوں سے اپنے تذکرہ کے صفحوں کو
پاک و صاف رکھنے کی کوشش کرینگے۔ کیونکہ ایسی خلاف اُمید لغزشیں ایک تذکرہ نویس
کی قلم کو نقصان پہنچانے کے لیئے بہت وزنی ہیں۔ اور مجکو اپنا ایک بھی خواہ تصور کرکے
ان باتوں پر متنبہ کردینے کے لیئے کوئی بُرا اثر نہ لینگے فقط بر رسولاں بلاغ باشد و بس

محمد احسن مرزا۔ شرر۔ لکھنوی

نوٹ

ہمارے مکرمی جناب شرر صاحب لکھنوی نے جس قابل قدر کتاب کے واقعات کو پیش
نظر رکھکر اُسکی مجموعی حیثیت و سراپا خوبیوں کے ساتھ مؤلف تذکرہ کی نقادی سخن
و منصف مزاجی کی آزادانہ روش پر اظہارِ رائے کے ذریعہ جو سچی روشنی ڈالی ہے
وہ واقعی امر کو انصاف کے ساتھ لیئے ہوئے ہے اس میں شعرائے اساتذہ و حال کی
جیتی جاگتی مُنہ سے بولنے والی بے نظیر تصویریں نہ صرف اپنے گم شدہ حالات کا صحیح
صحیح پتہ دیتی ہیں بلکہ مؤلف کی خداداد قابلیت و جانفشانیوں کی زبانِ حال سے داد
دے رہی ہیں درحقیقت یہ کتاب مشتاقانِ سخن و ماہران فن کے لیئے ایک عجیب و غریب
قابلِ قدر تحفہ ہے اسکی بابت انشاءاللہ آیندہ نمبر میں ہم بھی مفصل طور پر کچھ ضرور لکھینگے

ایڈیٹر

رات کا وقت

رات کا وقت ہے۔ مخلوق کی آسایش کا
رات کا وقت خرابات کی افزایش کا

رات کا وقت خیالات کی آرایش کا
رات کا وقت ہے ظلمات کی گنجایش کا

ساعتِ امن و سکون ۔ رمز و اشارات کا وقت
طاعت ربِّ علیٰ ۔ حمد و مناجات کا وقت

مظہرِ امنیتِ جملہ جہاں ۔ رات کا وقت
محضرِ راحت اندوہ نشاں[1] ۔ رات کا وقت

مصدرِ عافیتِ خواب گراں ۔ رات کا وقت
منظرِ قدرتِ خلاقِ زماں ۔ رات کا وقت

رات کا وقت ملاقات و مدارات کا وقت
دل کشا ۔ رنج رُبا ۔ رُوح فزا ۔ رات کا وقت

خوابِ نوشیں کے لیے ۔ خواب پریشاں کے لیے
در د عصیاں کے لیے ۔ طاعتِ سبحاں کے لیے

بزم عشرت کے لیے ۔ گوشۂ حرماں کے لیے
رات کا وقت دو عملہ ہے ہر انساں کے لیے

عیش و عشرت کے لیے بیش بہارات کا وقت
جیشِ جلوت کے لیے راہ نمارات کا وقت

کُشتۂ ہجر ۔ گرفتارِ جفا ۔ رات کا وقت
یادِ گیسوئے سیہ ۔ کالی بلا رات کا وقت

اشک و اندوہ و الم آہ و بکارات کا وقت
حلقۂ دودِ فغاں ۔ کالی گھٹا رات کا وقت

ہجر کی "تاروں بھری رات" اگر آتی ہے
کالی ناگن ہے کہ جو ڈس کے اُلٹ جاتی ہے

لہ فلاسفہ کا مقولہ ہے کہ دارِ فنا میں سچی خوشی انسان کو کبھی نصیب نہیں ہوتی اِس لیے راحت کو اندوہ نشان ٹھہرایا گیا

رات کا وقت انہے وصلِ دل آرا کی گھڑی — عرضِ معروض کی اظہارِ تمنا کی گھڑی
تابِ تسکین تسلی کی۔ تولا کی گھڑی — مہر و الطاف مدارا کی۔ مداوا کی گھڑی

ہے وہ قسمت کا دھنی جسکو یہ سوغات ملے
دِن پھریں اسکے۔ جسے وصل کی اک رات ملے

رات کا وقت۔ تھکے ماندوں کے ستانے کا — دُکھ اٹھائے ہوئے رنجور کے سکھ پانے کا
ظاہرا ہوش کے کُل جسم سے اُڑ جانے کا — جا کے ناسوت سے آگے بھی پلٹ آنے کا

خوابِ غفلت کا بستر جس میں پڑے رہتے ہیں
جسکو "النوم اخ الموت" بجا کہتے ہیں

گرچہ صحت کے لیے شب کو بجا ہے سونا — شب مگر خواب گراں ہی میں نہ ہرگز کھونا
کشتِ اعمال میں کچھ تخم تضرع بونا — سینچنے کے لیے اِس کھیت کے شب کو رونا

موجبِ کسل و ضرر۔ خوابِ گراں ہوتا ہے
ہے کہاوت کہ "جو سوتا ہے وہی کھوتا ہے"

رات کا وقت مزاروں پہ ہے آجانے کا — نیّتِ صدق سے دو پھول چڑھا جانے کا
سوزِ الفت میں کوئی شمع جلا جانے کا — چار آنسو کسی تربت پہ بہا جانے کا

وقت ہے فاتحہ خوانی کا۔ دعا زاری کا
وقت ہے شہرِ خموشاں میں عزا داری کا

چور رہزن کے لیے وقتِ طرب رات کا وقت — قلبِ فاسق کی شرارت کا سبب رات کا وقت
تاجروں کو سببِ لہو و لعب رات کا وقت — بہرِ بیمار۔ دمِ رنج و تعب رات کا وقت

کالی راتوں سے وہ زنہار نہیں ڈرتے ہیں
پردۂ شب میں جو اعمالِ سیہ کرتے ہیں

رات کا وقت تضرع کا پشیمانی کا — دولتِ زہد و ریاضت کی نگہبانی کا

فکر کا، خوض کا۔ خلوت کا۔ ثنا خوانی کا		دھیان کا۔ مہر نیایش کی درخشانی کا

دن کو ہوتی ہیں اگر اہلِ فنا سے باتیں
کرتے ہیں مردِ خدا شب کو خدا سے باتیں

دن کسی کا اگر انساں کی اطاعت میں کٹے سر بھی کٹتا ہو بشر کا۔ تو عبادت میں کٹے		رات کا وقت مناسب ہے کہ طاعت میں کٹے دن کٹے خیر میں، شب زہد و ریاضت میں کٹے

دل کو چین آ سکے نہ۔ جب تک کہ ادا ہو نہ عشا
جان بھی جائے بشر کی تو قضا ہو نہ عشا

رات کا وقت۔ خوش آیند ہے مر جانے کو بحرِ خاموش میں۔ اُس پار اُتر جانے کو		چپکے چپکے رہِ دُنیا سے گزر جانے کو امن و آمان میں اللہ کے گھر جانے کو

اے اجل شوق سے آنا تو۔ جب آئے جی میں
توڑنا۔ تارِ نفس رات کی تاریکی میں!

طالب بنارسی۔ از بمبی

عالی جناب والا خطاب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب بہادر عرف ننّے صاحب بہادر خلف الرشید حضور نواب خلد آشیان فرماں روائے ریاست رامپور دام اقبالہٗ

خیالِ فتنہ جو ہوا اور میں ہوں فضا ہو باغ ہو سیرِ چمن ہو تری تیغِ نظر یہ کہہ رہی ہے		قیامت رُو برو ہو اور میں ہوں گل و بلبل ہو تو ہو اور میں ہوں ہزاروں کا گلو ہو اور میں ہوں

پییں گے جام سے کمظرف ساقی
کوئی خم ہو سبو ہو اور میں ہوں

"وہ دیوانہ کسی کا جا رہا ہے"
یہ شہرت چار سُو ہو اور میں ہوں

عدو کا دل ہو اور حسرت ہو میری
مرے پہلو میں تُو ہو اور میں ہوں

تقاضا ہے یہ مجھ سے بخیہ گر کا
گریباں ہو رفو ہو اور میں ہوں

مری ذلت ہو اور دشمن ہو میرا
عدو کی آبرو ہو اور میں ہوں

خدا ہو اور محشر اور تم ہو
تمھاری گفتگو ہو اور میں ہوں

تمھارا بیچ میں آنا ستم ہے
مزہ جب ہے عدو ہو اور میں ہوں

یہی حسرت ہے اے شبیر ہر دم
کسی کی آرزو ہو اور میں ہوں

طالب۔ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں صاحب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو

دل سے نگہ ناز جگر میں اُتر آئی
یہ چوٹ کہاں چھوٹی تھی لیکن کدھر آئی

اُس گل کو جو مس کر کے نسیم سحر آئی
خود آتے ہیں گویا یہ ہوا پر خبر آئی

بلبل ہوں جو میں آلِ محمدؐ کے چمن کا
گل کرتے ہیں مرقد پہ مرے نوحہ سرائی

پوچھو نہ مرے کلبۂ احزاں کی حقیقت
یاں شام حزیں آئی تو محزوں سحر آئی

رونا کسے کہتے ہیں دکھائینگے تمھیں ہم
پھر اپنی طبیعت جو کسی روز بھر آئی

جا پہنچے جھپکتے ہی پلک ملک عدم میں
مشکل نہ کوئی پیش سر رہ گذر آئی

بیچاروں کی خدمت نہیں اکسیر سے کچھ کم
پیغام رسالت کا ہے بھیڑوں کی چرائی

شمشاد جو ششدر ہے تو خاموش صنوبر
رفتار تری باغ میں کیا گل کتر آئی

دل جب دیا ہاتھ پہ بیٹھے ہیں دھرے ہاتھ
سچ ہے کہ کوئی چیز نہ ہوا اپنی پرائی

ہم لیتے بدل غیر سے تقدیر کو طالب
ہو سکتی بضاعت یہ اگر اپنی پرائی

[illegible]

کمالِ دہلی

مصرع طرح

تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

آزاد جناب مولانا محمد عبد الحمید صاحب حبیٹر ار بلدہ حیدر آباد تلمیذ جناب داغ

کیا لطف جو مضطر وہ ستمگر نظر آئے
یارب مرے نالوں میں نہ ہرگز اثر آئے

کیا پوچھتے ہیں آپ یہ مجھسے کدھر آئے؟
دل کھینچ کے لایا جدھر اپنا اُدھر آئے

کہتے ہیں تری کوئی نہ اُمید بر آئے
کیا ہو جو یہ کہتے ہی دعا میں اثر آئے

تو غیر کو جب ساتھ لئے میرے گھر آئے
آنکھوں میں مری خون نہ کیونکر اُتر آئے

جلوہ دمِ آخر بھی جو اُس کا نظر آئے
اِس دیدۂ مشتاق کی اُمید بر آئے

ہے دید کا ارمان یہ کس طرح بر آئے
کیونکر اُسے ہم دیکھیں وہ کیونکر نظر آئے

اُس چشمِ فسوں ساز نے پھر آگ لگائی
پھر چھیڑ ہوئی داغِ محبت اُبھر آئے

تو شوخ نگہ شوخ طبیعت بھی تری شوخ
وعدہ کا ترے کسکو یقیں فتنہ گر آئے

سہنے کو ترے ظلم اُٹھانے کو جفائیں
دل لوہے کا پتھر کا کہاں سے جگر آئے

کیوں حالِ دلِ زار کہوں بات بھی کہوں
کہنے کا یقیں جب نہ تجھے فتنہ گر آئے

میں کیوں کہوں بے درد مجھے اِس سے غرض کیا
سُن لو جو تمہیں کہتے ہیں سب اپنے پرائے

یہ کون کہے اُن سے کہ غیروں سے نہ ملئے
ضدی ہیں ہٹیلے ہیں وہ آئے جدھر آئے

عشق آئینہ حسن بنے اتنی ہو تاثیر
سو پردوں سے وہ صورت زیبا نظر آئے

آزاد تری قدر ہو کیا بزم جہاں میں
کوئی نہ کمال آئے نہ کوئی ہنر آئے

اخلاق جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی تلمیذ شوخیؔ مرحوم

جلوے دلِ پُر داغ کے ایسے نظر آئے
تارے نظر آئے انھیں جو چارہ گر آئے

بے پردہ مرا یار سرِ بام اگر آئے
گھر بیٹھے مجھے طور کا جلوہ نظر آئے

کوئی تو نکل آئے ترے وصل کا پہلو
کوئی تو تمنا دلِ مضطر کی بر آئے

فرمایئے اے حضرتِ موسیٰ کہ سرِ طور
کچھ اسکی تجلی کے کرشمے نظر آئے

کیا تجھ سے کہوں اپنی سیہ روزی کی تفصیل
فرقت میں تری دن کو بھی تارے نظر آئے

کی عرض تمنا تو خفا ہو کے یہ بولے
مذکور نہ اس قسم کا بارِ دگر آئے

جس طرح کٹیں جلد شبِ وصل کی گھڑیاں
ایسی ہی شبِ ہجر کی یارب سحر آئے

مجھ سے کیا پیماں تو مجھے دھوکے میں رکھا
دشمن سے کیا وعدہ تو اس سے مکر آئے

اخلاق یہیں تک کے تھے سب ہمدم و مونس
کام آئے پسِ مرگ نہ اپنے نہ پرائے

افسر جناب منشی محمد حامد احمد صاحب رئیس میرٹھ

اے کاش تمنائے دلِ زار بر آئے
بھولے سے اِدھر کو بھی وہ رشکِ قمر آئے

اغیار ہیں افسوس ہم آغوشِ تمنا
آنکھوں میں مری خون نہ کیونکر اُتر آئے

نخلِ تمنائے دلِ کشتۂ حسرت
سرسبز ہو کب دیکھئے کب تک ثمر آئے

یا موت ہم آغوش ہو یا وصلِ پری وش
حسرت دلِ مایوس کی کوئی تو بر آئے

ہم غم سے چھٹے خنجرِ قاتل کا ہوا نام
ہے شکرِ خدا دونوں کے ارمان بر آئے

وا ماندۂ حسرت رہے کیونکر دلِ ناکام
بھولے سے سرِ بام جو تو جلوہ گر آئے

قسمت نے دکھایا نہ رخِ شاہدِ مقصود
ہم گشت ہزاروں ترے کوچہ میں کر آئے

اختر۔ جناب منشی محمد رمضان علیخانصاحب سہارنپوری تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی

دل میری طرح آپ کا بھی جو اگر آ ئے — جب آپ کو چاہت کی حقیقت نظر آئے

تھامے ہوئے دل تم بھی پھرو ڈھونڈتے مجکو — کچھ میری دعا میں بھی الٰہی اثر آ ئے

کیا بات ہے کچھ تو کہو مجھ سے نہ چھپاؤ — یاد آیا تمھیں کون یہ کیوں اشک بھر آئے

کچھ دل میں اثر ہو تو دعا میں بھی اثر ہو — نالے بھی وہاں جاکے مرے بے اثر آئے

شرماتے ہیں کیوں آپ یہاں کس کا ہے پردہ — سینے سے لگا لیجے محبت اگر آئے

جوبن کا ابھار آتے ہی ڈھانے لگے آفت — لو ڈھنگ قیامت کے ابھی سے نظر آئے

پہلے تو بلایا مجھے پھر چھیڑ کے پوچھا — تم آج کدھر اختر شوریدہ سر آئے

اثر۔ جناب مرزا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رفیق۔ ہاپوڑی

دل بھی کہیں رکتا ہے کسی پر اگر آ ئے — آجاتا ہے آندھی کی طرح یہ جدھر آئے

جب لطف ہے اس عشق میں اتنا اثر آئے — جس سمت اٹھے آنکھ تو ہی تو نظر آئے

اے حسرت دیدار بتا دے یہ خدارا — وہ چاند سا چہرہ مجھے کیونکہ نظر آئے

ہو ایک شب ہجر تو کس کس کی ہو مہمان — جائے یہ عدو کے یہاں یا میرے گھر آئے

وہ غیروں میں رہتے ہیں سمجھتے ہیں مجھے غیر — صحبت کا عدو کی نہ کہاں تک اثر آئے

سچ ہے کوئی مرنے پہ کسی کا نہیں ہوتا — دنیا کے چلے آتے ہیں سب اپنے پر آئے

کیا بات ہے اس شوخ نگاہی کے میں قربان — لاکھوں میں ہزاروں میں جو کام اپنا کر آئے

تھا عشق زلیخا میں اثر کیسا کہ جس سے — بکتے ہوئے بازار میں یوسف نظر آئے

رونے سے مجھے کام ہے روتا ہی رہونگا — جبتک نہ اثر آنکھ میں خون جگر آئے

اعجاز۔ منشی نواب علی صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

اتنا تو ہماری بھی دعا میں اثر آ ئے — جب اسکو کریں یاد وہ رشک قمر آئے

حسرت مجھے اسکی ہے وہ جب میرے گھر آئے — رات اتنی بڑی ہو کہ نہ اسکی سحر آئے

اُس زلف کی ہو مار تجھے ای شب ہجراں
دنیا ہی سے اٹھ جائے جو تو میرے گھر آئے

پھر تذکرۂ غیر شبِ وصل میں لائے
پھر چھیڑ دیا آپ نے جب زخم بھر آئے

اکرم ۔ کریم الدین خان صاحب دہلوی تلمیذ جناب حسن دہلوی

جب ہو نہ کوئی رشکِ قمر زینتِ پہلو
پھر کیوں نہ شبِ ماہ اندھیر نظر آئے

بے باک غضب کے تھے ترے ناوکِ مژگاں
آنکھوں میں کلیجوں میں دلوں میں اتر آئے

بیخود ۔ جناب منشی سید وحید الدین احمد صاحب دہلوی تلمیذ حضرت داغ مرحوم

پینے کے یہی دن تو ہیں ساقی اگر آئے
شیشے کی پری ابر میں اڑتی نظر آئے

برچھی سی لگی دل پہ جہاں وہ نظر آئے
ہر وقت کی چوٹوں کو کہاں سے جگر آئے

اب رات ہی کیوں ہو جو وہ دشمن کے گھر آئے
دن چھپنے نہ پائے کہ الٰہی سحر آئے

وہ دیکھ کے بیخود کو یہ بولے کدھر آئے
دیدار بہت دن میں تمھارے نظر آئے

جوہر تری شمشیر نکالے گی وفا کے
اُمید تو ہے میرے لہو کا اثر آئے

اُس دل پہ فدا جان ہے جس میں ترا دھیان
اُس آنکھ پہ قربان جسے تو نظر آئے

قاتل کو ستم کا نہ مزا ہے نہ سلیقہ
لایا ہے نمک پیس کے جب زخم بھر آئے

تم کہتے ہو دل میں نہ کوئی میرے سوا ہو
کیا ٹال دوں اُسکو بھی محبت اگر آئے

دو نور کے بُقعے ہیں وہ رخسار درخشاں
پروانہ ہے حیراں اِدھر آئے اُدھر آئے

اب ترچھی نظر اس میں ہو یا بانکی ادا ہو
دلکش ہے وہی تیر جو دل میں اُتر آئے

بخشی ہے ترے شوق نے وہ منزلِ عالی
برسوں میں جہاں سے مجھے اپنی خبر آئے

تم پھر تو چلے آؤگے بے عذر مرے گھر
لینے کے لیے ہمکو قیامت اگر آئے

نالے کوئی رک سکتے ہیں تھم سکتے ہیں آنسو
کیا ضبط پہ قابو ہے جب دل ہی بھر آئے

دل دے ہی چکا جان بھی دونگا مگر اُسکو
تم ہو کہ اجل وعدے پہ جو پیشتر آئے

آتے ہیں مرے قتل کو وہ باندھ کے تلوار
لو اور سنو گھاتی میں جن کی کمر آئے

دل تھام کے اُٹھنے کا مزہ بزم سے جب ہے
در تک مرے ہمراہ کسی کی نظر آئے

مسجد میں بھلا شیخ و میخوار کا کیا کام
معلوم نہیں آج یہ حضرت کدھر آئے

برقؔ۔ جناب منشی مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر دہلوی

قاتل جو نمک پاش جراحت نظر آئے
پانی دہن زخم میں پھر کیوں نہ بھر آئے

اُس روئے درخشاں کے مقابل اگر کئے
غیرت سے عرق شمع کے رخسار پر آئے

وہ جان سے جائے تو کچھ اُمید بر آئے
ہم گھی کے جلائیں جو عدو کی خبر آئے

درد آشنا اتنا ہوں کہ دل سیر [illegible] آئے
بھرنے پہ اگر خندۂ زخم جگر آئے

تیروں کو جگہ شوق سے دینا جگر و دل
اُٹھ کے کہیں پھر جائیں نہ مہمان گھر آئے

پیری میں غش ضعف سے آئے تو عجب کیا
کیوں نیند کا جھونکا نہ بوقت سحر آئے

دن ہجر کا آنکھوں سے نہ دیکھوں میں دوبارہ
مجکو نہ شب وصل کی یارب سحر آئے

بے فیض سر راہ بچھائے ہوئے آنکھیں
اللہ کرے ناقۂ لیلیٰ اِدھر آئے

ہنس ہنس کے لہو روئیں گے کانٹا جو چبھا
کیوں مُنہ مرے زخموں کے وہ تیغ نظر آئے

کم عمر منہ محشر سے نہیں کوچۂ قاتل
جو آئے یہاں سر سے کفن باندھکر آئے

ہمسر ہوا اگر دیدۂ مخمور سے تیرے
چشم گل نرگس میں بھی پانی اُتر آئے

شکووں سے خجل ہو کے ہوا حسن دوبالا
وہ آور پسینوں میں نہا کر نکھر آئے

دشمن کو وفادار نہ کہنا کبھی ہم سے
ہم جان ہی دیدیں گے اگر بات پر آئے

جب تیرہ ہو دل خاک کھلے رازِ حقیقت
آئینہ جو اندھا ہو تو پھر کیا نظر آئے

ہستی میں کوئی بے سر و ساماں نہیں آتا
غنچے بھی عدم سے لیے مٹھی میں زر آئے

پیدا نہ ہوں کیوں فتنہ و شر ذاتِ بشر سے
جب نام میں اِس خاک کے پتلے کے شر آئے

کیوں بزم میں منہ پھیر لیا برقؔ سے تم نے
آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں جو دشمن بھی گھر آئے

بشیر۔ جناب مولانا بشیر حسن صاحب کانپوری وارد حال دہلی تلمیذ جناب سائل دہلوی

بالیں پہ دم نزع وہ لینے خبر آئے
بیمارِ محبت کے لیے چارہ گر آئے

ہوتی ہے وفاؤں کی مری قدر پسِ مرگ
وہ پھول چڑھانے کے لیے قبر پر آئے

شوخی انھیں اک جا ٹھہرنے نہیں دیتی
آنکھوں میں ابھی تھے ابھی دل میں اتر آئے

بیمارِ محبت کہیں جاں بر بھی ہوا ہے
الزام نہ تجھ پہ کوئی لے چارہ گر آئے

جو شکل دکھانے میں کیا کرتے تھے حجت
حیراں ہوں مرے دل میں وہ کیونکر اتر آئے

بیجان۔ محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی تلمیذ جناب حسن دہلوی

مقتل میں جو وہ تیغ ستم تول کر آئے
جانباز ہتھیلی پہ لیے اپنا سر آئے

اک وہ ہیں کہ جنکے دلی ارمان بر آئے
اک ہم ہیں کہ تری بزم سے با چشمِ تر آئے

مشتاقِ لقا کو نہیں اب زیست کی امید
بیتاب ہے دل جلد کہیں نامہ بر آئے

خاروں نے قدم چوم لیے فرطِ طرب سے
وحشت میں سوئے دشت جو شوریدہ سر آئے

بیتاب۔ جناب عبد الحمید صاحب دہلوی

ممکن نہیں دل کی کوئی امید بر آئے
قسمت ہی نہیں وہ کہ جو رشکِ قمر آئے

اس بت کا یہ شیوہ کہ ستم روز ہو تازہ
دل کی وہ مثل ہے جدھر آئے ادھر آئے

ٹوٹے ہوئے مقتل میں جو خنجر انھیں دیکھا
ہر سو یہ صدا تھی ادھر آئے ادھر آئے

دم آنکھوں میں تھا اور تھا لب پر یہی کلمہ
جلدی سے کہیں وہ بت کافر نظر آئے

بشر۔ جناب مرزا فصیح الدین صاحب گورگانی تلمیذ جناب بزم اکبرآبادی

میں نے جو کہا ہنس کے یہ آئے کدھر آئے
فرمایا کہ مطلب تمھیں کئے جدھر آئے

کیا خلد میں ہے آج کوئی جلسۂ رنداں ؟
کوثر پہ شرابوں کے بھرے خم نظر آئے

آنکھوں سے کریں سجدہ اسے دیکھنے والے
لیکن یہی مشکل ہے وہ کیونکر نظر آئے

حیران ہوں یہ راہ تمھیں کس نے بتا دی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے

بشیر۔ جناب منشی بشیر الدین صاحب تلمیذ جناب بیخود دہلوی

یوں وصل کی شب کیا مری امید بر آئے
چلنے کی اُدھر پڑ گئی اُسکو ادھر آئے

تیر نگہ ناز جگر میں اُتر آئے
مژدہ دل بیمار ترے چارہ گر آئے

دوزخ میں جو ہم اشک ندامت سے تر آئے
بجھ بجھ گئے نزدیک جو اپنے شرر آئے

بیخوف گلا کاٹ دے میں کرتا ہوں ذمہ
محشر میں ترا نام بھی قاتل اگر آئے

اِک میں کہ ترے نام پہ دم جاتا ہے میرا
اِک تو کہ مرے ملنے سے تجکو حذر آئے

یاد آئی تری شان جمالی و جلالی
جب سامنے انسان کے شمس و قمر آئے

امید شفا خاک ہو مجروح ادا کو
پھر چھیڑ دیا اُسنے جہاں زخم بھر آئے

چھپتی نہیں اب اپنی نگاہوں میں کوئی شکل
تو جسکو نظر آئے اُسے کیا نظر آئے

پائی ہے بشیر ایسی محبت میں اذیت
کرتا ہوں دعا دل نہ کہیں عمر بھر آئے

بسمل۔ جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب دہلوی

عاشق کی بھی فریاد و فغاں میں اثر آئے
اِس نخل محبت میں کبھی یارب ثمر آئے

ہے شعر وہی جو کہ نکلتے ہی زباں سے
پڑھ جائے زبانوں پہ دلوں میں اُتر آئے

کچھ کھیل نہیں کوچہ قاتل کی رسائی
آئے وہی یاں کھیل کے جو جان پر آئے

تاریک گھر اپنا بھی ہو یارب کبھی روشن
اِس گھر میں بھی اِک چاند چمکتا نظر آئے

انسان کے اخلاق ہیں وہ چیز کہ جس سے
بیگانے یگانے ہوں اور اپنے ہوں پرائے

تسلیم۔ جناب شیخ امیر اللہ صاحب لکھنوی مدظلہ از ریاست رامپور

یاران عدم کیا کہیں کیا کام کر آئے
خالی دہن گور تھا ہم خاک بھر آئے

قاتل نہ کمی کر یہی امید بر آئے
سر پر مرے تیغ چمکتا اُتر آئے

کیا سیر عدم ہو کہ چلے جاتے ہیں لاکھوں
کوئی نہیں پھرتا نہ کسیکی خبر آئے

اپنے کو نہ دیکھا نہ پرائے کو لڑی بھر ہم عالمِ ایجاد میں مثلِ شرر آئے
دنیا سے غرض تھی طلبِ یار میں کس کو جاتے تھے کہاں بھول کے رستہ کدھر آئے
ہے دورِ شبِ ہجر مجھے غم میں ابھی سے خورشید کی آغوش میں تارے نظر آئے
اس بزم میں دیتے کسے تکلیف پئے قتل سرِ طاقِ عدم میں صفتِ شیشہ دھر آئے
دیکھا کروں کبتک نگہِ شوق سے راہیں اے کاش اجل ہی عوضِ نامہ بر آئے
خاکِ قدمِ یار کا ملجائے جو سرمہ موسیٰ کی طرح طور کا جلوہ نظر آئے
کیونکر رگِ جاں یا رگِ اندیشہ کہوں میں کچھ ہو تو مرے وہم و گماں میں کمر آئے
کیونکر کہوں عشرت کی جگہ ملکِ عدم کو جب روز یہاں چاک گریباں سحر آئے
محرومِ وطن صورتِ بوئے گلِ تر ہیں وحشت میں نہ ہم پھر کے کسی روز گھر آئے
کیا جانئے کیا تم سے کہا ہاتھ اٹھا کر نالے مرے جا جا کے فلک سے اتر آئے
کچھ اور ہی جوبن ہے رخِ شیخ پر اب تو پی کر مئے گلگوں دمِ پیری نکھر آئے
کہتی ہے لحد خاک میں کیا تم نہ ملوگے کیوں آج نہا دھو کے سنور کر ادھر آئے
طفلی سے جوانی سے بڑھاپا ہمیں کیا کیا پیری کی نظر دیکھئے تب بھی اتر آئے
کس کس سے کہیں وادیِ غربت میں پھنسے تھے سب کہتے ہیں تسلیم کہاں تھے کدھر آئے

جوش - جناب پنڈت بھتورام صاحب ملسیانی مدرس اول وگی ضلع جا

اشکوں میں مرے نوکِ مژہ پر جگر آئے یارب کوئی دُمدار ستارہ نظر آئے
پانی ترے خنجر کا اگر تا کمر آئے دریائے محبت کا کنارہ نظر آئے
جب تک نہ مرے لب پہ دلِ آ سے جگر آئے اے جانِ شہر جا کہ کوئی ہمسفر آئے
ہو جائے مرے دل کی کلی دم میں شگفتہ تو باغ میں بنکر جو نسیمِ سحر آئے
رشک آتا ہے اس صید پہ با حسرتِ پرواز جو دام میں صیاد کے بے بال و پر آئے

رندوں کو غرض کیا در و دیوار حرم سے ۔۔۔ ہم شامتِ اعمال سے یارب کدھر آئے

میں برق کے دامن کو کروں دامنِ تربت ۔۔۔ بالیں پہ مری ابرِ بہاری اگر آئے

یہ عرضِ تمنا پہ مری کہدیا اُس نے ۔۔۔ کرتے ہیں دعا ہم بھی کہ اُمید بر آئے

بستے تھے جو اے جوشؔ مرے خانۂ دل میں ۔۔۔ وہ آج مری خاک کو برباد کر آئے

جوگی ۔ دکھنی ایڈیٹر رسالہ گنو ماتا ۔ تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی

صد شکر کہ ہم وادیِ دُنیا گزر آئے ۔۔۔ دو چار مقام اس میں بڑے پُر خطر آئے

اللہ کی صورت کے جو یہ بُت نظر آئے ۔۔۔ تھے بندہ بشر بھول کے ہم سجدہ کر آئے

ہر چند مقابل ترے سینہ سپر آئے ۔۔۔ ناوک نہ اُنکے دل سے جگر میں اُتر آئے

آنکھوں سے چلے اشک مژہ سے گزر آئے ۔۔۔ دریا سے گزر کر یہ مسافر اُتر آئے

آرام کے پہلو جو لحد میں نظر آئے ۔۔۔ ہم تھک گئے دنیا سے تو پھر اپنے گھر آئے

لو تختۂ عالم سے لحد میں اُتر آئے ۔۔۔ اچھا ہوا ہم سیلِ فنا سے گزر آئے

ہے سوزِ دروں سے یہ مرا حال کہ اکثر ۔۔۔ اُڑتے ہوئے آہوں سے شرارے نظر آئے

خاطر تری ملنا پڑا دشمن سے بھی ہمکو ۔۔۔ جو کام نہ کرنا تھا کبھی آج کر آئے

نا اہل کو صحبت کا اثر کچھ نہیں ہوتا ۔۔۔ سوکھے ہوئے دریا کے کنارے نظر آئے

حیران ۔ جناب لالہ رام نرائن صاحب دہلوی

مے پینے جو کل حضرت زاہد ادھر آئے ۔۔۔ رندوں نے کہا آپکے دشمن کدھر آئے

مہمان مرے گھر وہ کبھی بھول کر آئے ۔۔۔ یارب کہیں اُمیدِ دلِ زار بر آئے

صد شکر مری آہ میں آیا تو اثر کچھ ۔۔۔ اغیار سے وہ آج بگڑ کر ادھر آئے

ہر وقت تصور میں مرے ہو تری صورت ۔۔۔ ہر دم ترا جلوہ مرے دل میں نظر آئے

پھر جائے نہ رستے سے وہ کافر کہیں لٹتا ۔۔۔ اُلٹا تو نہ آہوں میں الٰہی اثر آئے

پہلو میں کوئی بیٹھ کے لے دل میں جو چٹکی ۔۔۔ انسان ہے آخر تو نہ کیوں چشم بھر آئے

ہو جائیں گے بھرپاے مرے آج اِسی میں
گھر خیر سے واپس جو مرا نامہ بر آئے

اُس بھولے کو بھولا نہیں کہتا کبھی کوئی
صبح کا گیا شام کو جو اپنے گھر آئے

دل کھینچ کے گیا مجھ سے جو کل بزم میں اُن کی
وہ کھنچ کے مرے دل کی کشش سے اِدھر آئے

اُس وقت ترے بختِ رسا جھک کے قدم لوں
اگر وہ کہیں "لو اب ترے ارمان بر آئے"

لب پر ترے کیوں ذکرِ مئے ناب ہی واعظ
ظالم ترے مُنہ میں کہیں پانی نہ بھر آئے

جب جانتے تھے آپ کہ ہے کوچۂ قاتل
پھر مرنے کو کیوں حضرت حیراںؔ اِدھر آئے

حسنؔ۔ جناب محمد نذیر حسن خاں صاحب دہلوی

پُرسش ہے محبت جوشِ جنوں میں کدھر آئے
دیوانگی سے آئی جہاں ہم اُدھر آئے

وصفِ لبِ جاں بخش زباں پر اگر آئے
پانی دہنِ حضرتِ عیسیٰ میں بھر آئے

مدت میں یہاں آئے ہوئیں جانے بھی دو لگا
جب تک نہ مُرادِ دلِ ناشاد بر آئے

ہم سا کوئی ناکام بھی اِس دہر میں آیا
آنے کو تو دُنیا میں ہزاروں بشر آئے

ابرو تھی بلا قہر تھا مژگاں کا جھپکنا
وہ دل میں سمائے یہ جگر میں اُتر آئے

دیکھا ہے جو عالم دلِ بسمل ہی سے پوچھو
ابرو نظر آئے ہیں کہ خنجر نظر آئے

رہتی ہیں نگاہوں میں جو وہ ابروے خمدار
جب آنکھ لگی خواب میں خنجر نظر آئے

حیراںؔ۔ جناب محمد صادق صاحب دہلوی تلمیذ جناب حسنؔ دہلوی

موجوں پہ یمِ چشم کا طوفان اگر آئے
ڈوبی ہوئی افلاک کی کشتی نظر آئے

پھر نوکِ مژہ پر مرے لختِ جگر آئے
پھر آج سرِ شام سے تارے نظر آئے

رونے کا مزہ جب ہی کہ لختِ جگر آئے
کیا آئے اگر اشک ہی اے چشمِ تر آئے

خالِ ذقنِ یار کا جب جلوہ نظر آیا
یا خضر سرِ چشمۂ حیواں نظر آئے

دل ایسا مجھے دے کہ سمائے نہ کوئی اور
وہ چشم عطا کر کہ تو ہی تو نظر آئے

جب غیر سے ہنستے ستم ایجاد کو دیکھا
بے ساختہ آنکھوں میں مری اشک بھر آئے

بیداد پہ بیداد ہوا اور اُف نکروں میں
ظالم یہ بتا ایسا کہاں سے جگر آئے

پیکانِ ستم کے ترے خالی نہ گئے وار
پہلو سے نکلتے ہی مرے دل میں در آئے

حالب۔ جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

اِس شان سے وہ رشکِ قمر بام پر آئے
دیکھا نہ ہو جو تیں نے وہ جلوہ نظر آئے

کھلجائے ابھی دم میں کل اسرارِ حقیقت
سب کچھ نظر آئے جو ہمیں تو نظر آئے

دیکھوں جو اُنھیں پہلوے دشمن میں سرِ بزم
آنکھوں میں مری خون نہ کیونکر اُتر آئے

اِس رنگ کی دیکھی نہیں حالبؔ کہیں محفل
جلسے جو یہاں بزمِ سخن کے نظر آئے

حیراں۔ جناب عبدالوہاب صاحب نبیرۂ حکیم مومن خاں مومن

ہرجا پہ حقیقت میں وہی جلوہ نما ہے
جو عقل کا اندھا ہو اُسے کیا نظر آئے

وہ ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا
دل کی ہو نظر تیز تو ہر سو نظر آئے

کیا حسرتِ دیدار ہے مدت میں جو دیکھا
آنکھوں میں مرے اشک کے قطرے اُتر آئے

خورشید۔ صاحبعالم مرزا خورشید عالم بہادر خلف الرشید مرزا فتح الملک بہادر ولیعہد بہادر شاہ ثانی

ہر روز یہ پرسش ہو کہ تم کیوں اُدھر آئے
اُمید پہ آتے ہیں جو اُمید بر آئے

جاتے تھے کہیں اَور اِدھر بھول کر آئے
کیا دیدہ و دانستہ وہ خود میرے گھر آئے

جاتے تھے مرے کوچہ سے پوچھا تو وہ بولے
ہم تیری بلا سے جدھر آئے اُدھر آئے

بیچین ہو تم اور مجھے رشک ہے اِس کا
اللہ کرے آج عدو کی خبر آئے

رحم آہی گیا دیکھ کے قاتل کو میرا حال
کام اپنے بُرے وقت میں زخمِ جگر آئے

یاروں سے اشاروں ہی میں کچھ ہوگئیں باتیں
میری اجل آئی ہے کہ پیغامبر آئے

محشر ہو اجل ہو کہ وہ کافر ہو کوئی ہو
ہم منتظر اُسکے ہیں کہ جو پیشتر آئے

اِک حشر بپا اور ہوا روزِ قیامت
محشر میں بُرے حال سے جب وہ نظر آئے

کیا غیر سے لڑ آئے ہیں کہتے نہیں بنتی
گھبرائے ہوئے وہ اِدھر کے اُدھر آئے

دل بھی ہے جگر بھی وہ نظارہ مقابل
معلوم نہیں چوٹ نظر کی کدھر آئے

اُس شوخ نے بالوں میں پروئے ہیں جو موتی
خورشید ہیں ابر میں تارے نظر آئے

خورشید۔ جناب قاضی غیاث الدین صاحب سکندرآبادی

تھم تھم کے اِدھر کو ترا تیر نظر آئے
رہ رہ کے مجھے لذتِ زخم جگر آئے

کیا مہر و محبت میں بھلا قوم کی پرسش
یہ حضرتِ دل ہیں جدھر آئے اُدھر آئے

دیکھوں تو مرے دل سے نکل جاتے ہیں کیونکر
آ بیٹھے جو تصویر ہیں وہ بار دگر آئے

دشوار نزاکت سے تھا آنکھوں میں اُترنا
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

ہے اُنکے اقارب کی ہر اک کو یہی تاکید
بھولے سے نہ پیغام اُدھر کا ادھر آئے

معشوق میں اتنی بھی نزاکت نہیں دیکھی
وہ خواب میں آئے تو پسینوں میں تر آئے

ہو ناہ کی منزل یہ مرا کلبۂ احزاں
خورشید جو وہ چاند کا ٹکڑا ادھر آئے

ذبیح۔ ظریف الطبع جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب دہلوی

جب ابرو اغیار کو دے کر ادھر آئے
کیسے عرقِ شرم میں وہ تر بتر آئے

کیوں لیتا ہو پوسنے یہ حسیں اپنی چلے ہیں
یوسف بھی وہاں جائے تو وہ پانی بھر آئے

رندوں سے یہ زاہد کو ہے تلبی خصومت
مسجد میں گیا ہیں تو کہا تم کدھر آئے

اے لاشِ عدو تو نہ گرانبار ہوا تھی
تابوت اُٹھانے کو کہیں گورخر آئے

اے تکیے کے باشندوں تمہیں مر کے لیا ہے
اِک مٹیا محل لینے کو ہم چار پر آئے

تو ہی تھا دکھایا نہ کبھی جلوہ کسیکو
موسیٰ کی طرح لاکھوں ترے کوٹھے پر آئے

قطعہ

جا بیٹھے جو کل مسجدِ جامع کے تلے ہم
مغرب کی نماز آپ بھی پڑھکر اُدھر آئے

ہم کیا کہیں کس بات میں وہ دولت ہوئی صرف
اِک صرف شبِ وصل کا ہم نام کر آئے

سنہ کو تو یہ دھن تھی کہ دہن اسکا لگے ہاتھ
ہاتھوں کو ٹٹول ایسکی کہ اُن کی کمر آئے

اتنے میں چلی توپ مؤذن نے اذاں دی
وہ گھر کو گئے اپنے تو ہم اپنے گھر آئے

قربان فریح آپ کو ہونے ہی نہ دینگے
ہونا ہی وہ لائیں گے جو تقدیر پر آئے

حضرت رسا شاعر و وکیل دربار رامپور تلمیذ نواب فصیح الملک دہلوی

آنے کو نظر میں مری سو فتنہ گر آئے
تجھسا نظر آیا ہے نہ تجھسا نظر آئے

جو چرخ سے آئے وہ بلا میرے گھر آئے
دنیا میں نہ ہو جس کا ٹھکانا اِدھر آئے

محشر میں بھی بنکر وہ قیامت نظر آئے
کیا میری نگاہوں میں کوئی فتنہ گر آئے

کس طرح یقیں تیرا مجھے نامہ بر آئے
ایسی مری تقدیر کہ وہ میرے گھر آئے

وحشت میں شب و روز ہیں کام یہی ہی
گھر سے کبھی صحرا گئے صحرا سے گھر آئے

کھل جائے بھرم ضبط محبت کا نہ اُن پر
ڈرتا ہوں کہیں آنکھ میں آنسو نہ بھر آئے

اُس دل پہ فدا جس میں تصور ہی تمھارا
اُس آنکھ کے قربان جسے تم نظر آئے

پردہ اِسے کہتے ہیں یہ ہیں شرم کی باتیں
چڑھکر وہ نظر پر مرے دل میں اُتر گئے

اُن سے ہی اُجالا ہے سینہ خانہ میں میرے
اپنے تو بڑے کام یہ داغِ جگر آئے

میخانہ پہ کیا ابر ہے چھایا ہوا یارب
جلوے تری رحمت کے یہاں بھی نظر آئے

صدموں سے ہمارا بھی ہے پتھر کا کلیجہ
تیرِ نگہ یار سنبھلکر اِدھر آئے

کرتا ہوں دعائیں تو یہ آتی ہیں ندائیں
تو ہو کسی قابل تو دعا میں اثر آئے

وہ عرضِ تمنا پہ یہ منہ پھیر کے بولے
اللہ کرے تیری تمنا نہ بر آئے

آئینہ کو ہر وقت مری جان نہ دیکھو
ایسا نہ ہو دل آپ ہی کا آپ پر آئے

یوں لاکھ حسیں ہم کو نظر آئے جہاں میں
جب آنکھ پڑی تم پہ تمھیں تم نظر آئے

کرتا ہے وہی دل میں رسا کے جو ٹھنی ہے
سمجھانے کو سمجھاتے ہیں سب اپنے پرائے

روشن ـ جناب محمد امین صاحب دہلوی تلمیذ جناب کنجور صاحب دہلوی

حوروں کو جو معراج میں حضرت نظر آئے
اِک دھوم ہوئی عرش پہ خیر البشر آئے

کٹتی نہیں کاٹے سے شب ہجر کی گھڑیاں
یارب یہ دعا ہے کہیں جلدی سحر آئے

ایسی مری قسمت تو کبھی ہو نہیں سکتی
بھولے سے مرا بھولنے والا اِدھر آئے

رفیق - جناب ابن علی صاحب ہاپوری

تنہا نہ مریضوں میں ترے درد سر آئے
آئے تو تپ مرگ کو لے کر ادھر آئے

اے ضبط نہ غفلت میں کہیں آنکھ بھر آئے
دیتا ہوا چھینٹے مجھے - منہ کو جگر آئے

جاتے تو ہو تم روٹھ کے اتنا تو بتا دو
کیا اُس سے کہوں یاد تمھاری اگر آئے

مَیں نے جو دعا کی تو کہا کان میں ہنسکر
اُلفت ہی نہ ہو دل میں تو کیونکر اثر آئے

دیدار ترا پردۂ عالم ہے ستمگر
جب تو نظر آئے تو کوئی کیا نظر آئے

ہوگی وہ ترے عاشق ناشاد کی تربت
جس قبر پہ روتی ہوئی حسرت نظر آئے

دنیا ہو مخالف مجھے پروا نہیں اِسکی
مَیں تو اُسی جانب ہوں طبیعت جدھر آئے

ایسا نہ ہو مٹ جائے کہیں درد کی لذّت
اے ناخنِ غم پھر مرے ناسور بھر آئے

کیا دیکھتا ہے آئنۂ دل کو ہمارے
وہ چیز ہے جس میں ترا فوٹو اُتر آئے

تدبیر کے سو جال بچھائے تو ہیں ہمنے
اب فکر یہ ہے دیکھئے کب راہ پر آئے

رحمتؔ - جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب بلند شہری

قاصد مرا پیغام وہاں لے کے گیا ہے
اب دیکھئے موت آئے کہ وہ پیشتر آئے

جو دیدۂ بینا ہیں تجھے دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کے جو اندھے ہیں اُنھیں کیا نظر آئے

یاد آیا مجھے وصل میں جبدم غمِ فرقت
بیساختہ آنکھوں میں مری اشک بھر آئے

تعبیر ہے اسکی کہ تو ہے عاشقِ گیسو
یوں سانپ تجھے خواب میں رحمتؔ نظر آئے

رازؔ - جناب بابو لبھے راج صاحب بی اے متعلم گورنمنٹ کالج اجمیر تلمیذ جناب شاد

اُلفت میں یہ ممکن نہیں راحت نظر آئے
اِس راہ میں جو آئے وہ تھامے جگر آئے

وہ شوخ کسی روز اگر میرے گھر آئے
برسوں کی تمنا مری اِک پل میں بر آئے

دل میں رہے ہر وقت خیالِ رخ و گیسو
تیرا ہی تصوّر مجھے شام و سحر آئے

دربان کی خوشامد بھی تو کچھ کام نہ آئی — آغوش میں دشمن کی وہ بیٹھے نظر آئے
سکانِ فلک پر بھی تو آفات ہوں نازل — طوفان اُٹھانے پہ جو یہ چشمِ تر آئے
مدت ہوئی اسے راز کہ خط لیکے گیا ہے — ہو شکر کا موقعہ جو مرا نامہ بر آئے

رونق۔ خاکسار پیارے لال دہلوی ایڈیٹر و پبلشر

گردش میں شفق چرخ پہ شام و سحر آئے — چکر میں شہیدوں کا جو خونِ جگر آئے
مے پینے پہ زاہد کی طبیعت اگر آئے — ہر جام اُسے چشمۂ کوثر نظر آئے
اِس ناز سے ڈھاتے ہوئے محشر ادھر آئے — ذرے بھی زمیں کے مجھے فتنے نظر آئے
بلبل بھی تو رفتار کے شاکی نظر آئے — چل پھر کے یہ کیا باغ میں تم گل کتر آئے
دل میں تری افشاں کا تصور اگر آئے — ہر داغِ جگر مجکو ستارا نظر آئے
آیا ہوا ہے اب سرِ بالیں وہ مسیحا — کہدو یہ اجل سے کہ سمجھ سوچ کر آئے
بھر جائیں نگاہوں میں کچھ ایسے ترے جلوے — اُٹھ جائے جدہر آنکھ تو ہی تو نظر آئے
چھوڑا نہ گئے گل باغ میں ہنستے رہے بلبل — جب دورِ خزاں آیا تو تارے نظر آئے
ہر سانس کے ساتھ آج کھنچی جاتی ہے کیوں جان — کیا تارِ نفس موت کی دینے خبر آئے
غم ہے تو پسِ مرگ مجھے غم ہے تمھارا — رنج اس کا نہیں ہے کہ چھٹے اپنے پر آئے
کچھ کہہ نہ سکا اُن سے دمِ پرسشِ احوال — آنکھوں میں انھیں دیکھتے ہی اشک بھر آئے
محشر میں کروں شکوۂ بے مہریِ گردوں — الزام اگر اس کا نہ کچھ آپ پر آئے
بکھرے جو وہ گیسو۔ تو جھڑی ماتھے سے افشاں — گردوں پہ گھٹا میں مجھے تارے نظر آئے
پھر چھیڑ دیا بادِ بہاری نے جنوں میں — بھرنے پہ ذرا جب مرے زخمِ جگر آئے
عکسِ رُخِ پُر نور دکھائے جو کرامت — خورشیدِ فلک آنکھ کا تارا نظر آئے
تاثیرِ محبت یہ ہے گر ہاتھ اُٹھا دوں — کھوئے ہوئے آغوش دعا میں اثر آئے
ہر داغِ جگر بن گیا خورشید قیامت — رونق وہ شبِ تار میں جب میرے گھر آئے

سائل - ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب دہلوی تلمیذ جناب داغ دہلوی

کیا آئے کسے لذتِ داغِ جگر آئے
آغازِ محبت ہی میں تارے نظر آئے

حیرت میں ہیں اپنے متعجب ہیں پرائے
عاشق کے ترے رنگ کچھ ایسے نظر آئے

رونے پہ مرے آنکھ شبِ غم اگر آئے
طوفان سا برپا ہو قیامت نظر آئے

یہ بھی کوئی رونا ہے کہ دو آنسو بھر آئے
آنکھوں میں لہو بن کے دل کے جگر آئے

بے پردہ اگر بام پہ رشکِ قمر آئے
ہر داغ مہِ چرخ کی ٹکیا نظر آئے

کب دیکھئے یہ غیر کے گھر سے خبر آئے
کچھ ماتمی رخصت ہوئے کچھ نوحہ گر آئے

فرماتے ہیں ہم وعدے سے جب پیشتر آئے
جانے پہ نہ حجت ہو کہ وقتِ سحر آئے

اب دیر سے ہم سوے حرم جائیں تو کیونکر
اپنا ہے یہ مشرب جدھر آئے اُدھر آئے

دیکھی ہی نہیں صورت آزادی گلشن
کیا آئے اگر قید میں بلبل کے پر آئے

ہو قدر تجھے جب مری بیتابی دل کی
تجکو مری صورت تری صورت نظر آئے

دیکھا نہ گیا تجکو تری بزم میں ہم سے
دُکھ دل میں ہوا ضبط کیا اشک بھر آئے

ظاہر ہوئی یوں غیر کی گرمیِ محبت
سینہ پہ ترے آبلے دل کے اُبھر آئے

حسرت وہ مری ہے کہ نکلتی نہیں دل سے
ارمان ہیں وہ غیر کے نکلے کہ بر آئے

گھر میں نہیں، یا آتے ہیں، یا ٹال بتائی
تسکین تو ہو جائے اگر کچھ خبر آئے

گھر غیر کے تو جائے تو احسان ہے تیرا
تجھپر نہیں احسان کہ ہم تیرے گھر آئے

ناکامیِ قسمت کا تو رونا ہی رہے گا
وہ آکے گھڑی بھر بھی نہ ٹھیرے مگر آئے

دربانوں پہ تاکید ہے دروازے پہ روکو
آئندہ کسی بھیس میں سائل اگر آئے

سیدؔ - جناب نواب سید اکبر مرزا صاحب دہلوی نبیرہ نواب حسام الدین حیدر [?]

امید نہیں پھر کے مرا نامہ بر آئے
سو لب سے یقیں یہ ہے کہ قاصد کا سر آئے

ہم رو دیئے غربت میں جو با چشمِ تر آئے
جو خشک بیاباں تھے وہ جل تھل نظر آئے

* آپ کی پہلی غزل کے اس شعر میں - شکوہ کے چار حرفوں کا شکوہ کو - سہواً کہا گیا [?]

گر محفلِ عشاق میں وہ فتنہ گر آئے
بزمِ طرب ہنگامۂ محشر نظر آئے

کیا جانے لبِ بام کسے دیکھکر آئے
جو ہاتھوں سے تھامے ہوئے دل و جگر آئے

کیا جانیے کیا گزری دلوں پر سرِ محفل
وہ غیر کے پہلو سے جو اُٹھکر اِدھر آئے

عالم میں نہیں مجھ سا کوئی دور رسیدہ
دشمن بھی سُنے حال تو مُنہ کو جگر آئے

تا زیست تو کھُلتا نہیں دروازہ قفس کا
پھر کیا ہے اگر فصلِ بہاری میں پر آئے

کیا مُنہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں
آخر ہوئی جب عمر تو ہم اپنے گھر آئے

گزری ہو یہ جس پر یہ اُسی شخص سے پوچھو
دریا ہو۔ شبِ تار ہو۔ اور پھر بھنور آئے

آنا ہی اُنھیں لوگوں کا۔ جانا ہے اُنھیں کا
جو دارِ فنا میں سے بے کسبِ ہنر آئے

یوں شیشے سے شیشے میں پری بھی نہیں آتی
تم آنکھوں سے جیسے مرے دلمیں اتر آئے

دیدار کے طالب ہی نہ ہونے میں مزہ ہے
کیا جانئے کس شان سے وہ جلوہ گر آئے

سمجھے ہوئے ہیں ہستیِ موہوم کو اِس پر
کیا کیا نہ ہمیں خوابِ پریشاں نظر آئے

یوں روئے گر انسان تو رونے کا مزہ کیا
جب اشکوں کے ہمراہ نہ لختِ جگر آئے

دامن پہ بھی جو دیکھ نہ سکتے تھے کبھی گرد
وہ زیرِ زمیں آج ہمیں دفن کر آئے

سچ مچ انھیں گر کوئی تعلق نہیں مجھ سے
سُنتے ہی مرے حال کو کیوں اشک بھر آئے

کچھ حب الگ دیچ ہر دکھلائیے تقین ہی
اُبھے جو ادھر سیّدِ شوریدہ سر آئے

شررہ جناب احسن مرزا صاحب لکھنوی

آجائے اجل پہلے شبِ غم اگر آئے
یارب نہ مجھے موت کی صورت نظر آئے

ہنستے ہوئے کیوں گل کی طرح باغ سے چلئے
کس بلبلِ ناشاد کے تم پر کتر آئے

واعظ سے غرض کیا ہو تری بزم کو ساقی
کیوں خیر تو ہے آج یہ حضرت کدھر آئے

سو آہوں کا ہو شوق اُنھیں وصل کی شب میں
منظور ہے پچھلے کو نسیمِ سحر آئے

پوچھا دلِ گم گشتہ کا حال اُسنے جو ہنسکر
کچھ کہہ نہ سکا آنکھوں میں پر اشک بھر آئے

صبح شب غم خود یہ ہوئی جاتی ہے ٹھنڈی
کیوں شمع بجھانے کو نسیم سحر آئے

اللہ رے درد دل بیتاب کی شدت
ہونٹوں سے جو لوں سانس تو منہ کو جگر آئے

پردہ جو اٹھا دے وہ بشر چاند سے رخ کا
انسان میں اللہ کی قدرت نظر آئے

شباب۔ جناب منشی بشندیال صاحب تلمیذ حضرت رسا از ریاست رامپور

ملنے کے جب اُس بت سے نہ پہلو نظر آئے
کس یاس سے دل میں مرے ارمان بھر آئے

مسجد کو گئے بھول تو ساقی کے گھر آئے
یہ حضرت واعظ بھی کدھر سے کدھر آئے

جب عیش کے آرام کے پہلو نظر آئے
غمخوار مرے ہو گئے سب اپنے پرائے

کعبہ میں کبھی دیر میں ڈھونڈھا کئے لیکن
وہ دل میں نہاں آنکھ سے کیونکر نظر آئے

مقتل میں جو خنجر لئے قاتل نظر آیا
غل تھا کہ مسیحا ادھر آئے ادھر آئے

پھر سوز غم ہجر سے ہونے لگی سوزش
پھر داغ جگر سینہ میں میرے ابھر آئے

ہم آئے تو جانے لگے تم غیر کے گھر کو
وہ آیا تو لینے اسے دروازے پر آئے

وہ آئے ہیں مجھ کشتۂ انداز کے گھر میں
یا عرش سے دم دینے کو عیسیٰ اتر آئے

کھل جائے حقیقت مری بیتابیٔ دل کی
میری طرح دل اُن کا کسی پر اگر آئے

پھر ہم سے سماتے نہیں آپ پھول چمن میں
پھر فصل بہار آ گئی بلبل کے پر آئے

جب جانے لگی جان مری ہجر صنم میں
رونے دل مجروح کو داغ جگر آئے

آئے نہ شباب آپ کے گھر وہ کبھی تنہا
یوں غیر کے ہمراہ تو شام و سحر آئے

شیر۔ جناب سید علی صاحب اہلکار محکمہ منصرمی ریاست کتہری

آنکھوں کو دکھیوں جو مستی میری نظر آئے
وہ غور سے تکتے ہوئے مجھ کو ادھر آئے

دل تھامے ہوئے خود وہ چلے آئیں مرے گھر
اتنا تو مری آہ میں یا رب اثر آئے

سلک دُر دنداں کے تصور میں ابھی
آنکھوں میں جو اشک آئے وہ بنکر گہر آئے

کہتے ہیں وہ گھبرائے ہوئے گھر سے نکل کر
عاشق ہی نظر آئے جہاں ہم جدھر آئے

شوقؔ - جناب منشی دوارکا پرشاد صاحب ماسٹر اسکول باندا

آتے ہیں مری قبر کو ٹھوکر سے مٹانے
اے بیخبری چونک کہ ارمان بر آئے

پُرساں نہ ہوا ہجر میں کمبخت کا کوئی
اِک حضرتِ دل جان کے گاہک نظر آئے

وہ ہاتھوں سے پکڑے ہوئے آئین جگر و دل
آہوں میں بیاں تک تو الٰہی اثر آئے

شوخؔ - جناب رادھے لال صاحب باندوی

یہ دل جو کسی دیدۂ بدمست پہ آئے
کیا لطف ہو شیشے میں پریوش اُتر آئے

شیداؔ - چندی پرشاد دہلوی - تلمیذ جناب راسخؔ مرحوم دہلوی

تسکیں کے لئے ہجر میں درد جگر آئے
گر دل کی خبر آنسوؤں کے تار پر آئے

آنکھوں سے مرے دل میں الٰہی اُتر آئے
وہ ترچھی نظر چلبلی چتون اِدھر آئے

دیکھو تو ذرا غور سے یہ ذرّہ نوازی
دُنیا کا سماں آنکھ کے تل میں نظر آئے

اِتنی تو رہے عشق میں ہاں مشق تصور
تصویر تری آنکھ کے تل میں نظر آئے

دَم دیکے تمھارے لبِ جاں بخش نے مارا
جلّاد مجھے حضرتِ عیسیٰ نظر آئے

دُنیا سے نرالے رہیں آدابِ محبت
تسلیم ادا یوں ہو ہتیلی پہ سر آئے

اتنی تو کشش تجھ میں ہوای سوز نہانی
پانی کی طرح تیغ گلے سے اُتر آئے

تیروں کے لئے قطرۂ خوں غم نے نہ چھوڑا
پیاسے یہ چلے جاتے ہیں مہمان گھر آئے

بے لطف ہو ساقی مجھے خالی نہ دکھا آنکھ
ساغر میں چھلکتی مئے احمر نظر آئے

چوکا جو نشانہ تو پکارا دلِ ناداں
جاتا ہے کدھر تیر نظر کا اِدھر آئے

یکتائی کا جلوہ مری آنکھوں میں ہے یوں
ہر آئینہ میں شکل تمھاری نظر آئے

یارب یہ اُلٹ جائے کہیں پردۂ دوری
جو دل میں ہے آنکھوں میں بھی وہ فتنہ گر آئے

پھر دل میں خلش ہوتی ہے پھر سینہ میں اُلجھن
پھر تیز چھری کھینچے کسی کی نظر آئے

تاریکیٔ تربت میں اکیلے ہی رہے ہم
کام آئے پسِ مرگ نہ اپنے نہ پرائے

حوروں کے مقابل میں بٹھا دیں انھیں ہم بھی — پھر دیکھیں دلِ حضرتِ زاہد کدھر آئے
وہ عاشقِ شیدا ہوں کہ پہلے ہی دعا سے — باندھے ہوئے ہاتھوں کو تڑپتا اثر آئے

صبر - جناب حاجی محمد اسمعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم

خورشید قیامت بھی جو بنکر قمر آئے — کیا منھ کہ ترے رخ کے برابر نظر آئے
سر آنکھوں پہ قاتل ترا تیر نظر آئے — گھر آنکھوں میں کر لے مرے دل میں اتر آئے
کیا نوکِ مژہ پر مجھے آنسو نظر آئے — یہ اشک نہیں کانٹوں میں موتی نکلنے گہر آئے
تم غیر کی آغوش میں ہو اور میں دیکھوں — دل کس سے بدل لاؤں کہاں سے جگر آئے
زاہد جو نظر بھر کے میری آنکھوں سے دیکھے — واللہ بتوں میں بھی خدا ہی نظر آئے
اتنا تو اثر جذبِ محبت نے دکھایا — اقرار کیا غیر سے اور میرے گھر آئے
آپ بھول کے بھی آہ نہ نکلے گی دہن سے — جبتک نہ خوشامد سے منانے اثر آئے
دل ٹکڑے کیا الفت مژگانِ صنم نے — ہم سمجھے نئے نشتر جنھیں خنجر نظر آئے
آئے تھے جہاں سے وہیں جاتے ہیں یہاں سے — کس واسطے پھرتے ہیں سب اپنے پرائے
تھوڑی سی تو رہ جائے نشانی مری باقی — اب خاک اڑانے کو دادِ سحر آئے
تیر نگہ شوخ کو روکے کوئی کیونکر — خورشید قیامت کی کہاں سے سپر آئے
تیری جو یہ مرضی ہے تو میری بھی دعا ہے — موت آئے مجھے غیر کی امید بر آئے
سویا ہے ابھی غیرتِ گل رشکِ چمن ہے — آئے تو دبے پاؤں نسیم سحر آئے
گر آہ کے ہمراہ دھواں جائے فلک تک — اڑتی ہوئی نخچیر ہوا پر نظر آئے
اے صبر جو آتی ہے تو آئے مجھے کیا غم — مرنے سے جو ڈرتا ہو اسے موت ڈرائے

طالب - عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو

کیا چارہ موافق لے اسے چارہ گر آئے — یہ زخم نہیں وہ کہ جو مرہم سے بھر آئے
گر تشنگیِ قتل مری جذب پر آئے — پانی کی طرح حلق سے خنجر اتر آئے

اُس سروِ صنوبر میں الٰہی ثمر آئے — سب کو تری قدرت کا تماشا نظر آئے
مارا کوئی مجرم ہے جو بہرِ شہادت — قاتل تری شمشیر کے جوہر ابھر آئے
رکھئے ابھی پردہ میں خود آرائی خدارا — صورت پہ ذرا کچھ تو جوانی نظر آئے
یا زہد و ورع وہ تھا کہ تھے ثانیِ صنعاں — یا حضرتِ دل آئے تو دیکھو کدھر آئے
اشکوں میں مرے قطرۂ خوں آئے تو سمجھا — یہ نورِ نظر آئے یہ لختِ جگر آئے
اللہ برا وقت نہ ڈالے کہ بس اُس وقت — کام آئے کسی کے نہ پدر نے پسر آئے
طالبؔ نہ ہو گو زیست میں کچھ قدر تمہاری — رو دیجئے مگر بعد بہت اپنے پرائے

طالب۔ جناب منشی دناتک پرشاد صاحب بنارسی از بمبئی

غربت کے جو دن بھرنے تھے دنیا میں بھر آئے — آغوشِ لحد میں اُتر کے تو گھر آئے
پھولوں میں ہمارے وہ تن گئے سنور آئے — آنے کا ارادہ تو نہیں تھا۔ مگر آئے
بے پَر کی۔ کسی بلبلِ بیکس کو کر آئے — تم جا کے گلستاں میں عجب گل کتر آئے
کیونکر نہ ترے دام میں بندہ بشر آئے — گیسو بھی تو آب نامِ خدا تا کمر آئے
سر لیکے ہتھیلی پہ گئے۔ دیکے سر آئے — کرنا جو ہمیں تھا۔ تری اُلفت میں کر آئے
قسمت وہ بُری ہے کہ وہیں آبلہ ہجائے — گر خواب میں بھی ہاتھ ہمارے گہر آئے
عالم کو مری آہ نے پھونکا ہی تھا ہمدم — صد شکر کہ افلاک سے نالے اُتر آئے
دل سے ہوئے باہر۔ نہ جگر سے ہٹے باہر — آنے کو تو ارماں۔ اِدھر آئے اُدھر آئے
تُو بام پہ بن ٹھن کے چڑھا تھا کہ فلک پر — لینے کو بلائیں تری شمس و قمر آئے
فرقت کی شب تار سے گھٹتا ہے دلِ زار — اِس شب کی کہیں جلد الٰہی سحر آئے
صورت بھی دکھائی تو دمِ نزع دکھائی! — آئے بھی مرے پاس تو وقتِ سحر آئے!
میں خواب میں دیکھوں تجھے یہ بھی نہیں ممکن — جب تو نہیں تو نیند کسے رات بھر آئے
دنیا سے اُدھر چین سے رہتے تھے عدم میں — تھی شامتِ اعمال کہ مرنے اِدھر آئے

طالبؔ ہوس ہے وہ بری ہشیار خبردار — زر کے لیے عزت میں نہ ہرگز ضرر آئے

طپشؔ۔ جناب محمد یوسف صاحب ہردوی شاعر دربار و مصاحب اعلیٰ حضور پُر نور والی رامپور تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی

میں ہاتھ اُٹھا دوں تو یہ ساماں نظر آئے — خود دوڑ کے آغوش دعا میں اثر آئے

بچہ تک بھی شرارت سے نہ یہ فتنہ گر آئے — ہاں تیر تمہارے اِدھر آئے اُدھر آئے

اِس جذبِ محبت سے سب ارمان بر آئے — جو تیر تھے ترکش میں جگر میں نظر آئے

کچھ دیر کہیں حال طبیعت کا کسی سے — کچھ دیر کو قابو میں طبیعت اگر آئے

میں ہوش میں آیا تو وہ بولے شب وعدہ — ہم آپ کے آنے سے یہاں پیشتر آئے

اپنی بھی تو صورت پہ تمہارا ہی گماں تھا — آئینہ جو دیکھا تو تمہیں تم نظر آئے

کہنا تھا ستمگر سے کہ ہم مر کے ملیں گے — ڈوبے ہوئے کیوں خون میں پیغامبر آئے

یہ خیر ہے چھپ جاتے ہیں دکھلا کے وہ جلوہ — عاشق تو حواسوں میں نہ دو دوپہر آئے

تم فکر میں تھے دل کی۔ میں ہیجو دجو ہوتا — پھر دل نظر آیا نہ مجھے تم نظر آئے

وہ روٹھ کے بیٹھے ہیں مجھے دیکھ کے یہ بھی — جو آئے مرے پاس بچھو سو چکر آئے

کی خوف زدہ ہو کے خوشامد جو کسی نے — تارے مرے افلاک پہ چڑھ کر اُتر آئے

اُلٹنے بھی اُسی وقت چنی مانگ میں افشاں — جب کہ کہکشاں میں لگے تارے نظر آئے

کیا کرتے تھے انبیا طواف اُسکے مکاں کا — چکر میں مجھے لے طپشؔ یہ کیوں رات بھر آئے

طالبؔ۔ جناب حافظ عبد الرحمن صاحب عرف قند بخش رامپوری تلمیذ جناب ضیا

تو رخ سے نقاب اپنے اُلٹ کر اگر آئے — کیا تاب کوئی تیرے مقابل نظر آئے

ہیں وہ کہ ترے عشق میں بیتاب ہیں دن رات — تو وہ کہ کبھی رحم نہ مجھ زار پر آئے

وہ جلوہ جسے طور پہ موسیٰ کو دکھایا — ہم بھی تو ذرا دیکھیں ہمیں بھی نظر آئے

دل کی یہ تمنا ہے کہ ہو تیری محبت — آنکھوں کو یہ حسرت ہے کہ بس تو نظر آئے

زندہ ہوں میں جبتک نہیں آرام کی امید
مر جاؤں تو کچھ چین کی صورت نظر آئے

تیر آتا ہو اسکی نگہ ناز کا۔ دیکھیں
دل آئے مقابل کہ مقابل جگر آئے

دیکھا جو مجھے راہِ محبت میں پریشاں
رو کر یہ کہا خضر نے تم کیوں ادھر آئے

آئے وہ عیادت کو خبر مرنے کی سنکر
قربان میں اس آنے کے کس وقت پر آئے

اللہ رے ترے حسن کی یہ شان یہ عالم
پردوں میں اگر لاکھ ہو پھر بھی نظر آئے

طالب سے قیامت تھا شبِ وصل کہنا
ممکن ہی نہیں وصل کی امید بر آئے

عاشق۔ منشی محمد عاشق علی صاحب مہرولوی تلمیذ حضرت راسخ مرحوم

رونے پہ شبِ ہجر اگر چشمِ تر آئے
تا حدِ نظر پانی ہی پانی نظر آئے

موت آئے شبِ وعدہ کہ وہ فتنہ گر آئے
امید تو کوئی دلِ مضطر کی بر آئے

ارماں دلِ مشتاق کا کیا خاک بر آئے
گھر میرے وہ آئے تو قریبِ سحر آئے

بے پردہ اگر حشر میں وہ فتنہ گر آئے
خورشیدِ قیامت بھی ستارا نظر آئے

مل جائے مجھے سایۂ دامانِ محمدؐ
خورشید سوا نیزے پہ جس دن اتر آئے

کعبہ نہ کہیں اسکو تو آخر کہیں پھر کیا
جس دل میں تصور ترا آٹھوں پہر آئے

اس کوچہ میں جانے کا مرا قصد ہوا ہے
اللہ وہاں سے کوئی پیغامبر آئے

جب لطف ہو ہم دونوں ہوں مستِ مئے توحید
میں تجھسا نظر آؤں تو مجھسا نظر آئے

غیروں کو بھی کرتا ہو شریکِ ستم و جور
کیا لطفِ جفا میں تری بیداد گر آئے

گھر اپنا سمجھ رکھا ہے تیروں نے تمہارے
جب دل میں مرے آئے تو وہ بے خطر آئے

الفت کا مزا جب ہو برابر رہیں دونوں
دل میرا بھر آئے تو تیری آنکھ بھر آئے

خط آچکا اس سے تو مجھے ہو چکی تسکیں
پھر پاؤں میں زندہ جو مرا نامہ بر آئے

ہمدرد ہیں عاشق کے فقط مردمِ دیدہ
کی آہ یہاں میں نے وہاں اشک بھر آئے

علیم۔ جناب علیم الدین صاحب مہر کن تلمیذ جناب رونق وسائل دہلوی

وہ چھوڑ کے جب زلف کو رخسار پر آئے
دن رات میں کیا فرق کسیکو نظر آئے

ایمان کا اللہ نگہبان ہے زاہد
دل کی یہ تمنا ہے وہ بت میرے گھر آئے

کیا کیا نہ قیامت ہو بپا روزِ قیامت
محشر میں مزا آئے جو وہ فتنہ گر آئے

زنداں کی ہے دیوار بہت کہنہ و دیریں
الزام نہ سر پر ترے شوریدہ سر آئے

دوری میں مزے وصل کے ملتے رہے ہمکو
کیا کیا نہ تصور ترے شام و سحر آئے

اُس بت سے تجاہل سے علیم آج یہ پوچھا
تھامے ہوئے ہاتھوں سے کلیجہ کدھر آئے

عاجز۔ جناب بھاگیرت لال صاحب ہوشیارپوری از لاہور

خط لائے نہ لائے مجھے اسکی نہیں پروا
واپس کہیں زندہ ہی مرا نامہ بر آئے

ہے چودھویں شب چاند کی کھل جائے حقیقت
بن ٹھن کے جو وہ رشکِ قمر میرے گھر آئے

اب عشق ہوا ہے مجھے اُس زلفِ سیہ کا
کیونکر نہ اُجالے میں اندھیرا نظر آئے

رندوں کی شرارت سے خدا سبکو بچائے
یہ حضرت زاہد کو بھی نیلام کر آئے

عابد۔ جناب سید محمد عابد صاحب۔ دہلوی

ہم سن چکے سب طالب دیدار کے قصے
جس طرح اُسے طور پہ جلوے نظر آئے

خلوت میں وہ پابند حیا کے رہے ایسے
جیسے کوئی زنجیر میں جکڑا نظر آئے

عشرت میں یہ حسرت کہ رہے رات ہی تا زیست
فرقت میں تمنا۔ کہیں جلدی سحر آئے

قصیر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی انسپکٹر میونسپل دہلی

فرقت میں جو یہ دیدۂ تر جوش پر آئے
ہر سمت سمندر ہی سمندر نظر آئے

جس رات مرے گھر وہ بت فتنہ گر آئے
اُس شب کی الٰہی نہ جہاں میں سحر آئے

محشر میں جو بن ٹھن کے بتِ فتنہ گر آئے
اِک اور قیامت میں قیامت نظر آئے

دل میں مرے ارمان یہی عمر بھر آئے
بھولے سے بھی اک دن دیکھیں وہ ادھر آئے

وہ نزع میں بھی بہرِ عیادت اگر آئے
ہمکو ملک الموت مسیحا نظر آئے

مسترور۔ جناب سیّد مختار احمد صاحب دہلوی تلمیذ جناب بیخود دہلوی

دیکھی تھی کہیں ابروے پُرخم کی جھلک سی
سوتے میں مہینوں مجھے خنجر نظر آئے

وہ فتنۂ خوابیدہ کہیں جاگ نہ اُٹھے
شامت نہ کہیں تیری نسیم سحر آئے

کیا خاک کوئی آئے تری بزم میں ظالم
اتنا بھی تو پُوچھا نہ کسی سے کدھر آئے

اللہ نگہبان ہے اب قبر میں تیرا
جاتے ہیں مجھے چھوڑ کے سب اپنے پرائے

دھوکے میں رہیں پھر نہ کبھی شیخ و برہمن
اے پردہ نشیں آنکھ سے گر تو نظر آئے

کب مرتے کیا ہے وفا وصل کا وعدہ
کب نخلِ تمنا میں ہماری ثمر آئے

مبتلا۔ جناب سراج الرحمن صاحب تلمیذ جناب سائل دہلوی

اب تو مرے نالوں میں الٰہی اثر آئے
آنسو کے عوض آنکھ میں لختِ جگر آئے

کیونکر نہ بُری وضع تمھاری نظر آئے
گھر شام کے نکلے ہوئے وقتِ سحر آئے

ہمسے ہی مخالف دل و دیدہ بھی ہمارا
چاہت سے تمھاری ہوئے اپنے بھی پرائے

شوخی و حیا میں تری بے طور چھڑی ہے
یہ دیکھنا ہے دونوں میں اب کون ور آئے

دلدادہ ہزاروں ہیں کوئی ایک تو کہدے
دل لیکے کسی کو وہ دوبارہ نظر آئے

اِک تو کہ کبھی کلبۂ احزاں نہیں دیکھا
اِک ہم درِ دولت پہ ترے عمر بھر آئے

کیا تم نے جنم ماہِ محرم میں لیا تھا
جب دیکھا تمھیں مبتلا روتے نظر آئے

مضطر۔ جناب جگن ناتھ پرشاد صاحب سکندرآبادی تلمیذ جناب رونق دہلوی

بن ٹھن کے جو وہ رشکِ قمر بام پر آئے
گردوں سے قمر بہرِ تصدق اُتر آئے

تھے دیدۂ مشتاق میں تم صورتِ مردم
اب آنکھ سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

میری طرح تو بھی کہیں شیدا ہو کسی پہ
جو حال ہے میرا وہی تیرا نظر آئے

منظورِ نظر کیوں نہ ہو آئینہ اب اُنکو
جوبن کا اُبھار آیا جواں ہونے پر آئے

مہلت سے اِتنی کہ ذرا بات تو کر لوں
جب حشر کے دن سامنے وہ فتنہ گر آئے

دل چیز ہے کیا جان کروں اُس پہ تصدق
مہمان وہ دم بھر کو اگر میرے گھر آئے
پڑ جائیں جو اُس شوخ کی دزدیدہ نگاہیں
پہلو میں نہ ہرگز دلِ مضطر نظر آئے

میکش۔ جناب حبیب احمد صاحب دہلوی تلمیذ جناب بیخود۔ دہلوی

وہ تیغ مرے قتل کو جب کھینچکر آئے
میں کیا کہوں کیا کیا مجھے عالم نظر آئے
آئے وہ کہیں قتل ہی کرنے مجھے ظالم
ممکن ہے کہ یوں ہی مری اُمید بر آئے
مدت سے اُسے ڈھونڈ رہی ہیں مری آنکھیں
اللہ کرے آج تو وہ بُت اِدھر آئے
دیتی نہیں کچھ کام محبت میں نصیحت
ناحق مجھے سمجھاتے ہیں یہ اپنے پرائے
دم لینے کی مہلت اُسے دشمن نہیں دیتے
جب یہ کہیں غارت ہو تو وہ میرے گھر آئے
ہوتا ہی نہیں ختم کبھی غیر کا رونا
پھر آج بھی وہ لیکے وہی دردِ سر آئے
بیخوف ہیں شانِ رحیمی نے کیا ہے
واعظ کوئی ہم ڈرتے ہیں تو لاکھ ڈرائے

مرزا۔ جناب سید علی مرزا صاحب محرر جنگی۔ دہلی

وہ وعدے کو بھولے تو نئی شکل سے بھولے
آنا تھا یہاں شام کو وقتِ سحر آئے
اب اُنکی ملاقات کو گذرا ہے زمانہ
جلد اُنکے یہاں آنے کی یارب خبر آئے
کیونکر در و دیوار کو حسرت سے نہ دیکھوں
اللہ کی قدرت ہے کہ وہ میرے گھر آئے
گر جذبۂ اُلفت میں اثر ہے تو کسی دن
ہم تمکو دکھا دینگے وہ تھامے جگر آئے
چہرے سے نقاب اپنے اُٹھائے جو وہ مرزا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

مشتاق۔ جناب محمد مرزا صاحب دہلوی تلمیذ جناب بدرا کبر آبادی

آنسو جو بہا لے پہ مری چشمِ تر آئے
ایک پل بھی نہ گزرے کہ سمندر نظر آئے
جب دل میں مرے حسرت و ارمان نظر آئے
سمجھا چہ بابل میں فرشتے اتر آئے
دل میں جو خیالِ رخِ رشکِ قمر آئے
اللہ کے گھر میں بھی اُجالا نظر آئے
تیرِ نظرِ یار نہ خالی سے گئے ہرگز
نکلے جو کماں سے مرے سینہ میں در آئے

محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیل خان

آہِ شرر آمیز میں کیونکر اثر آئے — جلتے ہوئے پودے میں کہاں سے ثمر آئے

غافل تجھے یاں دیکھنا کچھ بھی اگر آئے — ہر ذرّے میں خورشید کا جلوہ نظر آئے

دی کیسے نزاکت نے اجازت یہ سفر کی — تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے

پھر لذتِ ایذا کی ہوئی دل کو تمنّا — اللہ کرے وہ بتِ بیداد گر آئے

محفل میں تری شمع بھی روتی ہوئی آئی — اک ہم ہی نہ اس بزم میں باچشمِ تر آئے

ق

اے منعمو! جاؤ گے تہیدست جہاں سے — جس طرح کہ اس دہر میں بے سیم و زر آئے

لے جاؤ یہیں تم نے لیا ہے جو یہاں سے — قاروں کی حکایات سے عبرت اگر آئے

دھنس جاؤ نہ حسرت سے زمیں میں دمِ رحلت — اور بارِ چہل گنج نہ بالائے سر آئے

محروم تصنّع کی ضرورت نہیں مجکو — میری یہ تمنّا ہے غزل میں اثر آئے

محشر - جناب منشی کاظم حسین صاحب لکھنوی

یوں آئے شبِ وعدہ کبھی وہ اگر آئے — جس طرح سے گلزار میں بادِ سحر آئے

اے دورِ فلک ہجر میں دیکھا ترا انصاف — جو کوئی بلا آئے وہ میرے ہی سر آئے

للہ سدھارو مری جاں مرتا ہے عاشق — ہوتا ہے یہ وسواس مجھے تم کدھر آئے

نالے کیے تا حدِ پریشانیِ خاطر — اب بھی ہے قیامت جو نہ جلدی اثر آئے

اے حیرتِ شوق ایسا اٹھا دے کوئی پردہ — اک دوست کو اک دوست کا جلوہ نظر آئے

اب منتظرِ دوست میں جاں اتنی ہے باقی — جس وقت نظر کی سوئے در اشک بھر آئے

خاکہ نہ تصور کا مٹا اے دلِ مضطر — تھم جا کہ کسی شوخ کی تصویر اتر آئے

جب کھینچی کوئی آہ چھلے زخمِ جگر کے — جب اشک پیے قلب کے ناسور بھر آئے

جو کام کہ نالوں کا تھا وہ ہو چکا محشر — اب کیا یہ تمنّا ہے کہ منہ تک جگر آئے

مذاق - جناب پنڈت شونراین صاحب شرما وید دہلوی

بن ٹھن کے اگر بام پہ وہ فتنہ گر آئے
آنکھوں کو نئی شان کا جلوہ نظر آئے

مانع تھی نکلنے کو نزاکت بھی حیا بھی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

روکا نہ دمِ تیغ کسی نے بھی اجل کو
کام آئے بُرے وقت میں اپنے نہ پرائے

پر غیر کے جلتے رہے شمشیر سے تیری
مقتل میں جب آئے ہمیں سینہ سپر آئے

ہیں ان سے سیہ خانۂ تربت میں اُجالا
کام اپنے پسِ مرگ یہ داغِ جگر آئے

دیکھا جو گلی میں مجھے بھرتے ہوئے آہیں
بولے کہ نداق آج کدھر بھول کر آئے

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ حضرت قمر رئیس بدایوں

زلفوں کو وہ ڈالے ہوئے رخسار پہ آئے
یا شمس و قمر آج گہن میں نظر آئے

لو میری قسم کھا کے مجھے صاف بتا دو
جاتے تھے کہاں اور کہاں سے ادھر آئے

جب وار ہوا موت کا روکا نہ کسی نے
عیسیٰ بھی تو ہٹتے ہوئے پیچھے نظر آئے

تیور بھی ہیں کچھ اور نگاہیں بھی ہیں کچھ اور
کیا دل میں ارادہ ہے کہاں تھے کدھر آئے

انعام بھی دوں اور پھر احسان بھی مانوں
تو ساتھ انھیں لیکے جو ای نامہ بر آئے

تم رخ سے ہٹا دو جو ذرا زلفِ سیہ کو
گردوں کو زمیں پہ مہِ تاباں نظر آئے

کچھ حد بھی ہے آخر ستم و جور کی ظالم
غم سہنے کو ہر وقت کہاں سے جگر آئے

نعیم۔ جناب حکیم محمد نعیم بیگ صاحب دہلوی

اعجاز یہ رفتار نے تیری کیا پیدا
کنکر جو زمیں کے تھے وہ اختر نظر آئے

کس کام کا وہ دل نہ ہو جس دل میں محبت
وہ آنسو ہی کیا جس میں نہ خونِ جگر آئے

آسان سمجھ رکھی ہیں کیا عشق کی راہیں
بھٹکا کرے برسوں اگر اس میں خضر آئے

کچھ کھیل نہیں کوچۂ قاتل سے گزرنا
جو آئے یہاں رکھ کے ہتھیلی پہ سر آئے

دنیا سے نعیم اپنا کبھی دل نہ لگانا
اک دم میں یہاں ہوتے ہیں سب اپنے پرائے

وجاہت۔ جناب منشی وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی اڈیٹر رسالہ اصلاح سخن تلمیذ جناب داغ

خود شوخیاں اس شوخ کی ہیں فتنہ بر انداز
وہ لاکھ مرے سامنے منہ ڈھانک کر آئے

عزم صنمخانہ تھا تو کعبہ میں پہنچے
جاتے تھے کہاں اور بہک کر کدھر آئے

مٹ مٹ ہی گئے نقش کف پا پہ حنا دل
رفتار سے گلشن میں وہ کیا گل کتر آئے

میں زندگی و موت کا جھگڑا ہی چکاؤں
لیکن تو جواب آج کہیں نامہ بر آئے

اس کا نہ پتہ کعبہ و بتخانہ میں پایا
ظاہر میں تو دونوں جگہ پتھر نظر آئے

اللہ رے اس بت کے یہ چہرہ پہ نمک ہے
منہ دیکھتے ہی زخم جگر میرے بھر آئے

کیوں حال مرے عشق کا دنیا میں ہے افشا
بن بیٹھے جو یوں دشمن جان اپنے پرائے

گو لگتے تقدیر سے وہ راہ میں ہمکو
یہ بھی تو نہ پوچھا کہ کہاں تھے کدھر آئے

کوچہ میں محبت کے کوئی پوچھے تو آج
یہ حضرت دل آئے تو کیا دیکھکر آئے

نادانی ہے اس بحر محبت میں قمر آپ
ڈوبے تو بہت سے تھے مگر اچھے ابھر آئے

قمر جناب منشی قمرالدین صاحب دہلوی تلمیذ جناب بیخود دہلوی

وہ وعدہ شکن خواب میں جس شب نظر آئے
ممکن ہے کہ پھر نیند مجھے رات بھر آئے

غش دیکھنے والوں کو جسے دیکھکر آئے
کیونکر نہ غرور اپنے اُسے حسن پر آئے

دم بھر کو نہ تو آٹھ پہر میں نظر آئے
چین آئے تو کیونکر مجھے بیداد گر آئے

حسرت سے تری بزم کو یوں دیکھ رہا ہوں
اپنا کوئی ہمدم بھی شاید نظر آئے

دل پر تو ستم ٹوٹ پڑے آنکھوں کی بدولت
ایسا نہ ہو اب دل کی بلا جان پر آئے

ہم جان بھی دیدینگے تجھے وصل میں لیکن
پہلے وہ گھڑی تو کہیں بیداد گر آئے

دم بھر کی جدائی نے تری دم پہ بنادی
مر جاؤں گھڑی بھر نہ اگر تو نظر آئے

ہر ایک سے میں پوچھتا تھا یہ شب وعدہ
وہ بھی کہیں آئے ہو سے تک نظر آئے

پیدا ہوئی طرز ہر اک تیر ادا میں
ہر بار نئی لذت زخم جگر آئے

سکتے ہیں جلانے کو مرے وہ شب وعدہ
جانا تھا کہاں بھول سے ہم کسکے گھر آئے

میں تیرے سوا غیر کو آنکھوں سے نہ دیکھوں
اُٹھ جائے جدھر میری نظر تو نظر آئے

پڑتے گئے چتون پہ بل اُتنے ہی زیادہ
نزدیک مری قبر کے وہ جسقدر آئے

ناصح ترے دم جھانسوں میں ہم آتے نہیں کوئی
تو موت سے اُلفت میں ہمیں لاکھ ڈرائے

کہتے ہیں وہ ہم پھینکدیں دل چیر کے اپنا
جس روز ترس ہمکو ترے حال پر آئے

قمرؔ - جناب قمر الحسن صاحب رئیس بدایوں

نالہ وہ نہیں سُن کے جسے دل نہ بھر آئے
وہ اشک ہی کیا جس میں لخت جگر آئے

دیکھا جو مجھے محو دعا ہنس کے وہ بولے
پہلے یہ دعا کر کہ دعا میں اثر آئے

جو دیکھ نہ سکتے تھے مجھے اپنی گلی میں
اللہ کی قدرت ہے کہ وہ میرے گھر آئے

ٹھیرو تو سہی - داد تو لو - وار بھی کرنا
میں اپنی اجل کو تو بُلا لوں اگر آئے

قاصد جو انھیں لے کے خطِ شوق گیا ہے
اب دیکھئے خود آئے کہ اُسکی خبر آئے

اِک وہ کہ خوشامد سے بھی بوسہ نہیں دیتے
اِک ہم ہیں کہ بے مانگے ہی دل نذر کر آئے

اغیار سے باتیں تو بہت ہوتی ہیں لیکن
پچتاؤ گے کہنے میں تم اُنکے اگر آئے

لازم ہے قمرؔ - ضبط بھی کچھ عشق تباں میں
یہ کیا کہ ذرا بات ہوئی اشک بھر آئے

کمال - جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب طبیب و مصاحب حضور پُرنور والی رامپور دام اقبالہم

اتنا تو محبت میں کسی کی اثر آئے
تصویر بنے اور وہ دل میں اُتر آئے

اشک آنکھ سے نکلیں تو تڑپ میں اثر آئے
سینے میں جلے دل تو جگر کی خبر آئے

کیوں اسکی خبر ہی نہیں غافل ہوا ابھی تک
لپٹا کے تمھیں خواب میں ہم پیار کر آئے

اے ضبط فغاں بڑھ کے لگا مُہر خموشی
لب پر نہ مرے شکوۂ دردِ جگر آئے

رہ رہ کے محبت میں یہ کھینچتے ہو عبث تم
ناوک اُسے کہتے ہیں جو دلمیں اُتر آئے

لکھا جو خطِ شوق تو بولی مری تقدیر
ناکام وہاں سے نہ کہیں نامہ بر آئے

جو تجھ سے کہوں اسکی کسیکو نہ خبر ہو
رکتا ہوا یارب نہ دعا میں اثر آئے

حسرت مری پوچھے وہ تمنا نہیں اُسکو
اُمید نہیں یہ کوئی اُمید بر آئے

پھر چھیڑ دیا ہے کسی سفاک نے شاید
چھالے جگر و دل کے جو ایسے نظر آئے

رو کے کہیں کیا کوئی اس آتے ہوئے دلکو
جو شوق میں کہتا ہو ہمیں پیشتر آئے

اِس خوف سے فرقت میں تری رو نہیں سکتا
اشکوں میں کہیں ملکے نہ خونِ جگر آئے

اس طرح بسر ہو نہ کسی کی شبِ فرقت
یارب نہ کبھی چاک گریباں سحر آئے

پیری نے کہا آکے جوانی ہوئی رخصت
اُمید نہ رکھنا کہ یہ بارِ دگر آئے

اے چارہ گرو کوئی نہ پھایا کبھی رکھنا
پھر جائیگا دل اُسنے اگر زخم بھر آئے

پُوچھا جو کسی نے کبھی کیسی ہے طبیعت
گو ضبط کیا آنکھ میں پھر اشک بھر آئے

کہتے ہیں کہ اس کا کوئی شاہد بھی کہیں ہے
تم ہمکو سُنانے کو جو دردِ جگر آئے

درد اپنا کمال اُسنے جو کہنے کبھی بیٹھیں
دل کھینچنے لگے سینے سے مُنہ کو جگر آئے

کلیم۔ جناب حفیظ الکبیر صاحب۔ پھلواری

اے حضرتِ دل نے تو چلے اُنکی گلی میں
ایسا نہ ہو پھر آفتِ تازہ نظر آئے

فرقت میں تری شب کو عجب حال رہا ہے
اللہ کی قدرت کے تماشے نظر آئے

اے خضرِ رہِ عشق میں کیا ووگے مرا ساتھ
تم جیسے مرے ساتھ کئی راہبر آئے

تھی لاگ ترے تیرِ نظر کو مرے دل سے
کمبخت کلیجے میں یہ کیونکر اتر آئے

تیغ نگہ ناز نے مرہم کا کیا کام
لو آج مرے زخم کلیجے کے بھر آئے

مفتوں۔ جناب منشی محمد عبد الغفار صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب داغ دہلوی

مشتاق ہیں آنکھیں کہ وہ جلوہ نظر آئے
اللہ کبھی اُنکی تمنا بھی بر آئے

میت سے لئے مدفن کو چلے اپنے پرائے
مہمان کو تو قبر سے پہنچانے گھر آئے

یوں صبر مجھے کس طرح اے نامہ بر آئے
وہ آئیں۔ نہ خط آئے۔ نہ اُنکی خبر آئے

زندہ ہے تو یارب مرا پیغامبر آئے
سر اُس کا اُڑا گیا تو اُڑ کے سر آئے

کام آنکھ سے لب کا لیا جب وہ نظر آئے
ہم دور سے ہی آج انھیں پیار کر آئے

افسوس لگی دل کی بجھائی نہیں آتی
آنسو ہی بہانے تجھے اے چشم تر آئے

جو چوٹ ترے دل میں لگی عشق عدو کی
اللہ کرے سینہ پہ وہ چوٹ ابھر آئے

سب نقش برآب عالم ہستی کے ہیں سامان
سب کھیل یہ بن بن کے بگڑتے نظر آئے

آئیں جو نظر فرقت ساقی میں گھٹائیں
آنسو مری آنکھوں میں اسیوقت بھر آئے

ہیں خانماں برباد۔ ہیں کیا غم مہمان
جب گھر ہی نہیں رکھتے تو کیا کوئی گھر آئے

تعظیم کو لے درد تو اٹھیو مرے بدلے
وہ عیسیٰ نفس آج عیادت کو گر آئے

چھیڑوں جو ذرا بھی تو بگڑ کر وہ لپٹ جائیں
غصہ بھی اگر آئے تو انھیں اسقدر آئے

کعبہ کے سفر کی۔ کہیں کیا شکر کی جا ہے
اللہ کے گھر سے پھرے۔ اور اپنے گھر آئے

جو شام کو تھا حسن۔ وہی صبح شب وصل
آئینہ کے آگے گئے۔ جھٹ بن سنور آئے

لو شبہ میں دشمن کے پڑیں مجھ پہ وہ نظریں
یہ چوکڑی بھولے ہوئے آہو کدھر آئے

للکار کے مفتوں کہو تم لوٹنے کی چوٹ آج
یورپ میں جو ہو اہل زباں وہ ادھر آئے

مجرم۔ جناب محمد زکریا صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب رونق دہلوی

قاصد کی زبانی کوئی اچھی خبر آئے
یارب مری حسرت مری امید بر آئے

وہ وعدہ فراموش شب وعدہ گر آئے
امید کسے ہے کوئی امید بر آئے

وہ دیکھ کے میرے دل پر داغ کو بولے
اس نخل تمنا میں یہ کیسے ثمر آئے

وہ بعد فنا مجھ سے جتلاتے ہیں محبت
مرقد پہ مرے آئے تو با چشم تر آئے

بکھرے جو جبین عرق آلودہ پہ گیسو
لہراتے ہوئے پانی میں کالے نظر آئے

کیا کیا نہ کلیجے پہ چلیں رشک سے چھریاں
وہ پہلوئے دشمن میں جو بیٹھے نظر آئے

موسیٰ کی طرح گر پڑے غش کھا کے زمانہ
گر بام پہ اس شوخ کا جلوہ نظر آئے

مجرم کی دعا ہے یہ شب وصل الٰہی
آواز اذانوں کی نہ وقت سحر آئے

دونوں ترے برتاؤ کے شاکی نظر آئے
تنگ آ گئے ہیں چھٹتے ہیں اپنے پرائے

ہستی سے سوئے ملکِ عدم کوچ کر آئے
آنا تو نہیں چاہتے تھے ہم۔ مگر آئے

پوشیدہ ہے آنکھوں ہی میں وہ نور کا پتلا
ممکن نہیں پتلی جو نظر کو نظر آئے

راہِ طلبِ یار میں ہم چل بسے آخر
یوں پیش کسی کو نہ سفر میں سفر آئے

اُس شوخ نے مجکو یہ لکھا ہے کہ خبردار
خط آئے نہ تار آئے نہ اب نامہ بر آئے

زلفیں تو بڑھالی ہیں مگر مجھ کو یہ ڈر ہے
ایسا نہ ہو اب پیچ میں اُن کی کمر آئے

ملکِ عدم آباد میں ہے سخت حکومت
پرچا کوئی نکلے تو وہاں کی خبر آئے

صیاد نے کلیوں ہی پہ مقراض چلادی
آنے کو تو اکثر مرے بازو میں پر آئے

ہم عشق کی بازی میں لگا بیٹھے دل اپنا
تقدیر یہ ہے اب یہ جتائے کہ ہرائے

حاصل ہوا مر مر کے ہمیں گوشۂ تربت
جب جاں سے جاتے رہے ہم اپنے گھر آئے

جلتے رہیں اغیار تری بزم میں مجھ سے
جنت میں جہنم کا نمونہ نظر آئے

تشریحِ عدم یہ ہے کہ جائیں گے اِدھر سے
ہستی یہ ہے اپنی کہ اُدھر سے اِدھر آئے

آجائے مرے ہاتھ کسی بُت کی کمر ہی
اُلفت میں مجھے کچھ تو سہارا نظر آئے

دیکھا نہ وجاہت نے کوئی داغ سا شاعر
تک بند تو دنیا میں ہزاروں نظر آئے

ہوش۔ جناب منشی محمد حیدر علی خانصاحب رامپوری

وہ غیر کے پہلو میں جو ہمکو نظر آئے
کیوں خون نہ آنکھوں میں ہماری اُتر آئے

صبر و خرد و ہوش گئے یوں مرے دل سے
پھر لوٹ کے ہرگز نہ کبھی عمر بھر آئے

جب حرفِ تمنا کو سُنا بولے بگڑ کر
یہ لفظ کبھی لب پہ نہ بارِ دگر آئے

وہ ایک ہیں اور اُن کے طلبگار ہزاروں
آئے بھی جو وہ شوخ تو کس کس کے گھر آئے

جو میری تمنا ہے کہوں اُن سے میں کیونکر
وہ مجھ سے یہ فرماتے ہیں کہیے کدھر آئے

میں کیا کہوں جو ہجر میں گزری ہے مرے دل پر
وہ حال تھا دن میں مجھے تارے نظر آئے

اے ہوش ذرا کہہ تو سہی بیٹھے بٹھائے | کس واسطے آنسو تری آنکھوں میں بھر آئے

یکرنگ - جناب منشی محفوظ الرحمن صاحب اہلکار ریاست جھالاوار تلمیذ حضرت بیرنگ

آنکھوں میں جو رہتے تو تصور میں نہ آتے | اس واسطے وہ آنکھوں سے دل میں اتر آئے

عاشق کا جنازہ جو اٹھا خلد بریں سے | حوروں کو لئے ساتھ ملائک اتر آئے

بیمار محبت کو شفا ہو نہیں سکتی | گر چرخ چہارم سے مسیحا اتر آئے

وہ مائل رفتار اگر بزم میں ہو جائے | پھر اور قیامت میں قیامت نظر آئے

ہر دن ترے آنے سے مجھے عید کا دن ہے | ہر شب کو شب قدر کا عالم نظر آئے

بنجائے خضر راہ محبت میں ہمارا | ایسا کوئی اللہ کا بندہ نظر آئے

یہ محفل رنداں ہے کہیں گت نہ بنائیں | پوچھو تو ذرا شیخ سے حضرت کدھر آئے

التماس

جن معزز اصحاب نے ابتک رسالہ ہٰذا کی سالانہ قیمت ادا نہیں کی ہے اُنکی خدمت میں التماس ہے کہ براہِ مہربانی زرِ چندہ آخر ماہِ اکتوبر تک بھیجکر ممنون فرمائیں کیونکہ ہم نے اِس مرتبہ ناظرین کی حسب خواہش رسالہ کو دلچسپ بنانے میں خاص طور پر اضافہ دیکر گذشتہ نمبروں سے زیادہ ضخیم بنا دیا ہے۔ اِس میں طرحی غزلیات سے ہی حجم زیادہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ آیندہ علمی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ تنقیدی۔ نیچرل۔ مضامین و نظمیات وغیرہ بھی زمانۂ حال کے مذاق کے مطابق موقعہ موقعہ سے ایک معقول حصہ میں شائع ہوا کرینگے۔ اکثر قدردانان رسالہ کی رائے ہے کہ ان تمام کوششوں اور جانفشانیوں کو مدنظر رکھکر اسکی قیمت میں بھی اضافہ کردینا مناسب ہے کیونکہ اسقدر ضخامت اور ایسے مضامین جنکو اُردو علم ادب کا ایک جزو اعظم کہہ سکتے ہیں۔ اسکے مقابلہ میں یہ قلیل قیمت کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اِس قابل قدر تجویز کے منظور کرنے میں ہمیں ابھی کچھ تامل ہے کیونکہ ہمارا مقصد ایشیائی شاعری کو فروغ اور اُردو لٹریچر کو ترقی دینا ہے۔ البتہ اخراجات کی ضرورت اس امر پر مجبور کرتی ہے۔ جسکی بابت دیگر معزز اصحاب کی بھی گرانبہا آراء کا انتظار ہے۔ اگر ذی حوصلہ ناظرین کی یہی قابل شکریہ قدر افزائی رہی تو آیندہ سے اسکی قیمت بجائے عہ کے عہ سالانہ کردی جائیگی۔ لیکن چندہ دہندگان جو ماہِ جون سے اسکے خریدار ہیں مستثنیٰ سمجھے جائینگے۔ بشرطیکہ وہ بلد جلد ترسیل زر سے مطلع فرماکر مشکور فرمائیں انتظا آخر اکتوبر تک ہوسکتا ہے۔ پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل میں غزلیات بہت جلد آنی چاہیئیں۔ ۱۰ تاریخ کے بعد آنے والی یا کارڈ پر لکھی ہوئی غزلیں داخل دفتر کردیجائیںگی مصرع طرح [illegible] آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے" خدا سدا۔ وغیرہ قافیہ (بابت ماہ اکتوبر) دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل" بجائے وغیرہ قافیہ (بابت ماہ نومبر) رشک خورشید ہے سایہ تری دیوار و کا" اقرار وں۔ یاروں وغیرہ قافیہ (بابت ماہ دسمبر) دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب" گل بلبل وغیرہ قافیہ

اُس شخص کی تلاش اِس وجہ سے نکر سکا کہ مجھے پتہ ونشان کیواسطے اُس کا حلیہ معلوم نہیں ہوا۔ تاہم میں نے اِس سنگین صدمہ کے لیئے قسم کھائی ہے کہ اگر مجھے کبھی بھی کوئی موقع اُس شخص کی سراغ رسانی کا ملگیا تو میرا دایاں بازو ضرور خوفناک انتقام لے گا۔ کیونکہ میرے باپ نے اپنی وفات کیوقت "ہیرنٹا" کو میرے سپرد کردیا تھا۔ اور جسوقت کہ اُسنے عاجزی سے میری بہن کی غور و پرداخت اور خاص اپنا بچہ سمجھنے کے واسطے خواہش کی تھی۔ اور میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ایسا ہی کیا اب تم خود خیال کرسکتی ہو کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس سے میں مثل اپنی لڑکی کے محبت کرتا تھا اور جسکی پرورش کے لیئے نہایت نیک اور بیہودی کے طریق کا انتظام کیا گیا تھا ایک بدمعاش کا شکار ہوگئی تو کسقدر رنج عظیم مجھے ہوا ہوگا وہی رنج اور نیز انتقام کا خیال جو ابھی تک پورا نہیں ہوا مجھے اِس وقت بھی ہے رمبلڈ یہ کہکر ذرا ٹھیر گیا۔ اور رتھ جو اُسکی کرسی کے برابر کھڑی تھی اور اپنا ایک بازو اُسکی گردن پر رکھے ہوئے تھی ذرا جھکی اور اُسکے رخسار کا بوسہ لیا جو رتھ کے آنسوؤں سے کسی قدر نم ہوگئے تھے۔ اور چونکہ اُسکی ماں بھی رو رہی تھی کچھ منٹ تک کسی سے ایک لفظ بھی نہ بولا گیا۔ آخر کار رتھ یہ سمجھکر کہ اُس کا باپ اِس غم افزا اور درد انگیز قصہ کو بیان کرنے پر جسقدر باقی رہگیا ہے پھر اصرار کرے گا جلد ختم کرنے کی غرض سے آہستہ سے کہا" اور تم نے پھر کچھ خبر آجتک اُس بدقسمت بہن کی نہیں سُنی

رمبلڈ "ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ" اُسکے بھاگ جانیکے ایک برس بعد گرین وچ میں ایک خط ایک روز شام کو چاچی بیوہ کے مکان پر پہنچا تھا جس قاصد نے یہ خط دیا تھا وہ فوراً بھاگ گیا۔ یہ تحریر ہیرنٹا کی دستخطی تھی۔ اور اُس کا مضمون مختصر لیکن بہت پردرد تھا۔ جس میں اپنی بدقسمتی اور بےعزتی کی اطلاع اور اپنی بدنامی اور اپنے مہربان بھائی وشفیق محافظوں کی عنایتوں کے عدم شکرگزار ہونے کی بابت لکھا تھا۔ ہم دونوں سے معافی کی التجا کی گئی تھی اور یہ لکھا کہ کاتب نے اب دنیا سے

دستکش ہونیکا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور وہ کسی تنہائی کی جگہ گوشہ نشین ہو کر تمام زندگی اپنے گناہوں کی جو اس سے اِس دنیا میں سرزد ہوئی ہیں معافی طلب کرے گی ختم کردیا گیا تھا۔ یہ آخری اطلاع تھی جو گم شدہ ہیرنٹا کے نسبت آج تک پہنچی تھی ۲۳ برس کا عرصہ گزر گیا کہ جب سے مَیں نے اُسکی بابت کچھ نہیں سُنا کہ آیا وہ مرگئی یا زندہ ہے۔

رتھ (آہستہ سے رنج آمیز لہجہ میں) میرے پیارے باپ کیا تمنے اُسے اپنے دل میں معافی نہیں دی۔ کیا تم نے اُسے معاف نہیں کیا۔

ضعیف العمر رمبلڈ۔ ہاں ہاں میں نے اُسے معاف کردیا ہے۔ صرف ظاہری طور سے نہیں بلکہ تہِ دل سے۔ خدا کرے وہ زندہ ہو اور میرے پاس واپس چلی آئے۔

رتھ۔ اگر تمائید ایزدی شامل حال ہے تو وہ بے شک ضرور آپکی پھیلی ہوئی گود میں آجائیگی۔ رمیں مُردوں کی مانند اُسکے لیئے دعا مانگوں گی۔ کیونکہ اگر وہ زندہ بھی ہے تو دنیا میں مُردہ کی برابر ہے۔

اِس اثنا میں دفعتًا کمرہ کا دروازہ کھلا اور ایک ملازم جو بیرا خانساماں کی خدمت انجام دیا کرتا تھا یہ اطلاع کرنے کے لیئے اندر آیا کہ ایک شخص کرنیل رمبلڈ سے کسی خاص اور ضروری معاملہ کی گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ ۵ فروغ

مدت سے یاد تھی جو مرے دلمیں آپکی ۔۔۔ لے آئی آج تم کو مرے آستان تک

باب سوم

عرصۂ دراز کا گم شدہ

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۔۔۔ کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کرنیل رمبلڈ کمرہ سے نکلکر اور رستہ میں جہاں کہ ایک لمپ بھی جل رہا تھا۔ اپنے خدمتگار سے) فلپ کون شخص ہے؟ اور تم نے اُسکو کہاں چھوڑا ہے؟

نمبر رجسٹرڈ ایل ۹۸۳

کمال دہلی

جلد ۱ — بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء — نمبر ۵

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر — پیارے لعل - آشوب - و چندی پرشاد شید دہلوی

مقام اشاعت سڑک جدید دلی

سنہ ۱۹۰۷

سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نرائن

مالک مطبع چھپکر شائع ہوا

قواعد وضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی۔ ولالہ سری رام صاحب ایم اے۔ مصنف ومؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید و نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی عہ/ معاونین سے عہ/ مربیان و روسا و عظام سے للعہ/ گورنمنٹ ووالیان ملک سے جو کچھ عطا ہو۔

(۳) جواب طلب امور کے لیئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب پہنچنے کی شکایت معاف

(۴) کلام خریدار وغیر خریدار سب کا منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی شعر ۱/ اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات وقیمتی اصلاح وغیرہ بھی زمانۂ حال کے مذاق کے مطابق درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعہ منی آڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیوپے ایبل کی اجازت ہو

(۷) نمونہ کا پرچہ ۲/ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) مضامین وغزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف وخوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر معہ نام وپتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق موجودہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنام کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ تہانی سٹرک دہلی ہونی چاہیئے۔

نوٹ

یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت بنقد قیمت دینے پر مل سکتا ہے کم از کم مبلغ عہ/ سالانہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج ہوا کریگا

پیارےلعل رونق دہلوی۔ و چندی پرشاد شیدا۔ اڈیٹرز

رشک

اعلیحضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا لفٹنٹ کرنل ہز ہائینس نواب محمد حامد علیخان صاحب بہادر جی سی آئی ای۔ دام اقبالہم فرمان روای دار السرور ریاست رامپور

دل آیا تو پھر آیا۔ دل آنے کو کیا کہیے
بے موت اجل آئی مر جانے کو کیا کہیے

زخمِ دلِ بسمل پر کیوں ہنس کے نمک چھڑکا
مارا تو اُسے مارا تڑپانے کو کیا کہیے

بتخانہ تو بت خانہ تھا کعبہ بھی بت خانہ
اب کعبہ کو کیا کہیے۔ بتخانہ کو کیا کہیے

کیا چیز ہے اُلفت بھی دل جس سے سلگتا ہے
اس آگ کو کیا کہیے۔ جل جانے کو کیا کہیے

زلفیں نہیں سلجھائیں۔ دل اور بھی الجھایا
سلجھانے کو کیا کہیے۔ الجھانے کو کیا کہیے

آنکھوں سے تری ساقی آنکھوں میں خمار آیا
بے مے کے یہ مستی ہے۔ میخانے کو کیا کہیے

ناکام کیا ہم کو۔ کیا کام کیا تم نے
ناحق ہمیں ترسایا۔ ترسانے کو کیا کہیے

ہاتھوں سے چلا وہ دل۔ نازوں کا جو پالا تھا
قابو میں نہیں اپنے چھن جانے کو کیا کہیے

پھل عشق کا یہ پایا۔ دل خاک ہوا جل کر
اس غم نے ہمیں کھایا غم کھانے کو کیا کہیے

اب صدمۂ فرقت سے بچنا ہی بہت مشکل
سینے میں پھر اس دل کے گھبرانے کو کیا کہیے

کلیاں جو چٹکتی ہیں۔ بلبل بھی چہکتے ہیں
صیاد کے پھندے میں پھنس جانے کو کیا کہیے

کچھ جوش جنوں ہے پھر۔ کیا فصل بہار آئی
وحشت کی ہیں سب باتیں دیوانے کو کیا کہیے

فرہاد نے تیشہ سے۔ جاں اپنی گنوائی تو
کیا رسم وفا تھی یہ مر جانے کو کیا کہیے

اے رشک مصیبت میں۔ کوئی بھی نہیں اپنا
اپنا نہیں جب اپنا۔ بیگانے کو کیا کہیے

اُصول شاعری

سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر ۳

شاعری کا فن بھی عجیب و غریب دلچسپیوں کا مخزن مانا گیا ہے۔ اور کچھ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر زبان میں اسکے کرشمے نمایاں ہیں۔ شاعر ایک حکیم حاذق کی طرح کلام کا نباض ہوتا ہے۔ الفاظ میں قدرت کی طرف سے ہر قسم کی طاقت ودیعت کی گئی ہے۔ اِنکو وہ اپنی خداداد لیاقت سے کچھ ایسی خوبی کے ساتھ موزوں کرتا ہے کہ سُننے والوں کے دلوں میں۔ جوش۔ غیرت۔ ہمت۔ مردانگی۔ غم۔ خوشی۔ وغیرہ وغیرہ طرفۃ العین میں پیدا کر دیتا ہے۔ بڑے بڑے ملکی کام۔ بڑے بڑے معرکے اِس شاعری کی بدولت انجام پا گئے ہیں لڑائی کے وقت سپاہیوں کا جوش۔ محفلوں میں رنگین ترانوں کا شوق غم کی مجلسوں میں سامعین کے درد کو انتہا تک بڑھا دینے والا کون ہوتا ہے؟ وہ شاعر کا خیال ہوتا ہے۔ جو اپنے زور طبیعت کے رنگ میں ہر ایک دل کو رنگ دیتا ہے۔ کلام کی خوبی اس میں ہے کہ الفاظ کچھ اس ترکیب سے مصرع میں موزوں کیئے گئے ہوں کہ سُننے والے کے دلوں میں شاعر کی زبان سے نکلتے ہی ایک بھینی۔ لطف یا جوش پیدا کر دیں۔ کلام ہر قسم کے عیوب سے پاک ہونا چاہیئے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ بھرتی کے الفاظ سے ہر طرح کلام کو مبرا و صاف رکھنے کی کوشش کیجائے اور حتی الامکان ایسے الفاظ مصرع میں ترتیب دیئے جائیں کہ انکی بجائے دوسرے لفظ نہ رکھے جا سکتے ہوں۔ اور اگر دوسرے الفاظ منتقل کر دیں تو مصرع یا شعر میں وہ لُطف نہ رہے۔ یہی استادی ہے

اور اسی کو کمال کہتے ہیں۔ موجودہ وقت کی شاعری میں یہ بات کم پائی جاتی ہے
زبان کی پیروی نے معانی کے خیال کو ہوا بنا کر اڑا دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا
کہ شعر میں الفاظ کے قالب معانی کی روح سے خالی نظر آتے ہیں حسن بندش
بہت کم پایا جاتا ہے۔ بقول شبیر شکوہ آبادی۔

خالی ہے حسن بندش مضموں سے اسقدر ہر بیت گویا کوٹھری مفلس کے گھر کی ہے

ہم یہ نہیں کہتے کہ بعض لکھنوی شاعروں کی طرح لفظی رعایتوں کے پابند
ہو کر نفس مطلب ہی کو سلام کر لیں۔ یا بعض زبان لکھنے والوں کی طرح کورے الفاظ
ہی کی بھرتی بھر دی جائے۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ شعر میں لطف ہو۔ جو سننے والوں
کو مزا دیجائے۔ دوسرے شاعری سے نوجوانانِ ملک کے اخلاق پر اتنا خراب اثر
نہ پڑے کہ وہ خال و خطِ معشوق کے وہم میں پڑ کر دنیا ہی کو خیرباد کہدیں۔ بلکہ
اسکے علاوہ عمدہ نصیحتیں۔ بیش قیمت مثالیں۔ اخلاقی کمزوریوں کو رفع کرنے
والے مضامین ہوں جن میں طالب علموں کو واقفیت کا بیشمار خزانہ ملجائے۔
معلومات کا دائرہ روز مرہ وسیع ہوتا رہے۔ جس طرح فارس کے شعرا نے اپنے
خیالات کی پاکیزگی کو نفاست کے ساتھ دکھایا ہے۔ اسی طرح اردو شاعری کو
بھی لطافت سے جدا نہ رکھنا چاہیئے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے
شعرا ہماری اس ضروری گذارش پر کافی توجہ فرمائیں گے اور اپنے اشعار کو کم از کم
اتنا تو قابل تعریف بنانے کی کوشش کرینگے کہ اسکے کلام سے ہر شخص حسب استعداد
خود مستفیض ہو سکے۔ ورنہ ایسے مخرب اخلاق مضامین کا غزل میں بھر دینا گذشتہ
زمانے کے شعرا کے چبائے ہوئے نوالوں کو چبانا لوگ خیال کرتے ہیں۔

"مزا اے بندہ پرور خاک ہے جھوٹے نوالوں میں"

افسوس کہ زبان کی پیروی کرنے والوں نے شاعری کے دور کو اسقدر گھٹا دیا

ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مہذب آدمی اسکو قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے اس سے ہمکو لازم ہے کہ اپنے کلام کو اسقدر وسیع بنائیں کہ ہر شخص کی مرغوب خاطر ہو کر قبولیت عوام کا فخر حاصل کرے۔

اگر ہماری اس رائے میں غلطی ہو تو ہمارے معزز ناظرین اس معاملہ کو باحسن الوجوہ صاف کرنے کی کوشش فرمائیں۔ کیونکہ ہمنے صرف اپنے خیالات کو پبلک پر ظاہر کردیا ہے۔ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو خطا و نسیان سے خالی نہیں۔ اس لیئے ہمارا یہ دعویٰ کبھی نہ ہوگا کہ جو کچھ ہمنے لکھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہی اس میں ترمیم و تنسیخ کی گنجایش نہیں۔

ہمارے بعض احباب جو مشہور شعرا میں سے خیال کیئے جاتے ہیں۔ اکثر دبتے ہوئے الفاظ لکھ جاتے ہیں جن سے نو مشق شاعروں تک کو احتراز لازم ہے۔ جنکی شکایات ہمارے پاس پرائیوٹ طور پر آئی ہیں۔ اس لیئے ہمارا ارادہ ہے کہ انتخاب میں بے مروّد رعایت سختی سے کام لیا جائے تاکہ دوسرے صاحب کو ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ ہم حتی الوسع ایسے اشعار اپنے گلدستہ میں چھاپیں گے جو لفظی و معنوی غلطی اور گرتے پڑتے ہوئے الفاظ سے پاک ہونگے ✦

انجمن اتحاد سخن دہلی

روئداد دہلوی ایڈیٹر

اس انجمن کا ماہواری مشاعرہ حسب معمول ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء کی ۲۵ تاریخ اخیر ہفتہ کو مکان معینہ واقعہ سڑک جدید پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ چونکہ یہ مشاعرہ عین رمضان المبارک کے مہینے میں تھا اس لیئے شعرا اور سامعین کی تعداد کم تھی۔ تاہم تقریباً ڈھائی تین سو اشخاص کا مجمع

ہو گیا تھا۔ جناب شیدا صاحب کی تحریک و جناب کنور بدری کرشن صاحب وکیل کی تائید سے عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیر دار ریاست لوہارو صدر انجمن قرار دیئے گئے۔ قریب دس بجے شب کے مشاعرہ شروع ہوا۔ جناب صدر انجمن صاحب نے دو غزلیں فرمائیں جو نہایت پُرزور اور قابل تعریف تھیں۔ آپکی شیریں کلامی و فصاحتِ بیانی سے سامعین کو عجیب لُطف ملا۔ اس مشاعرہ میں اگرچہ شعراکی تعداد میں کمی تھی۔ لیکن اسپر بھی پُرزور غزلیں پڑھی گئیں جنکی خوبی ناظرین خود رسالہ ہذا میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی تلمیذ رشید حضرت فصیح الملک داغ دہلوی بھی رونق افزائے مشاعرہ تھے۔ آپکی پیش طرح و طرح مشاعرہ کی دونوں غزلیں زوردار تھیں۔ محاورات کی صفائی۔ بندش کی چستی۔ زبان کی شستگی اور نشست الفاظ کی طرز حضرت فصیح الملک صاحب سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ ہم عالیجناب طالب صاحب و بیخود صاحب دہلوی کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اسی طرح ہمیشہ تشریف آوری سے بزم مشاعرہ کی زینت کو دوبالا کرتے رہیں گے۔

فہرست سرپرستان و معاونین رسالہ

عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب خلف الرشید حضور پُرنور نواب صاحب بہادر خلد آشیاں ریاست رامپور

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیر دار ریاست لوہارو

عالیجناب رائے بابو ل صاحب انجنیر رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکزکٹو انجنیر درجہ اول رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید۔ دہلی

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندرآباد۔

عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی

عالیجناب لالہ سری کشن داس صاحب ساہو گوڑ والے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خان صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔
عالیجناب بابو مہاراج کشن صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ رامچند صاحب آنرن مرچینٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب پنڈت شو نرائن صاحب وید دہلی۔
عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔
عالیجناب لالہ برجموہن لعل صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار و مصاحب اعلی سرکار ریاست رامپور

آیندہ مشاعرہ ماہ اکتوبر کے اخیر ہفتہ بحسب دستور سابق ہوگا۔ مصرع طرح
بابت ماہ اکتوبر "دل میرا آشنا ہے نہیں آشنائے دل"
بابت ماہ نومبر "رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا"
بابت ماہ دسمبر "دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب"
سکوٹری

مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ

پیدائش ہز ہائنس مہاراجہ سیاجی راؤ سوئم مہاراجہ گائیکواڑ بڑودہ ۱۸۶۳ء میں خاندیس کے ایک موضع میں پیدا ہوئے تھے۔ اِس گاؤں میں مدت دراز سے "پیلاجی" راؤ گائیکواڑ کے خاندان کی ایک شاخ آباد تھی ✦

تخت نشینی جب بد قسمتی سے بڑودہ میں بدنظمی پھیلی اور اس وجہ سے ماہ جنوری ۱۸۷۵ء میں سابق مہاراجہ گائیکواڑ مسند سے اتار کر معزول کیئے گئے تو سرکار انگلشیہ نے یہ

کوشش کی کہ راجہ کے خاندان میں کوئی منتظم اور صاحب تدبیر وارث تاج و تخت نکل آئے آخر مہارانی جمنا بائی (جو مہاراجہ کھانڈے راؤ کی بیوی تھی) خاندان خاندیس کے سپر ثانی کو راج گدی پر جلوہ افروز ہونیکے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ آپ سیاجی سوم کے لقب کے ساتھ ۲۷ مئی ۱۸۷۵ء میں مسند نشین کیے گئے۔

مہارانی اول

ہز ہائنس مہاراجہ گائیگواڑ نے ۱۸۸۰ء میں خاندان تنجور کی ایک راج کنیا (شہزادی) سے شادی کی۔ یہ خاتون نہایت صاحب سلیقہ باکمال اور علم و ہنر کے زیور سے آراستہ تھی اور کنور فتح سنگھ راؤ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ۲۸ مئی ۱۸۸۵ء میں جمنا بائی نیا مندر (جو اس وقت ارادہ تھا کہ جمنا بائی مارکٹ کے نام سے مشہور ہو) کے بنیادی پتھر کے قائم کرنے کے موقعہ پر جو تقریر یہ مہاراجہ گائیکواڑ نے کی تھی اُس میں پہلی مہارانی کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ قابل قدر ہیں۔

"میرا منشاء یہ ہے کہ مہارانی مرحومہ کے اوصاف اور قدر و منزلت کی یاد کو جو میرے دل میں اُس نیک دل حلیم الطبع اور با اخلاق خاتون کی نسبت جاگزین ہیں اِس (مندر) کے ذریعے سے زندہ رکھوں۔ .... اور میں آجکے دن کی یاد میں ریاست کے باقیماندہ محاصل راہداری موقوف کرتا ہوں"۔

موجودہ رانی

پہلی رانی کی وفات کے بعد حضور مہاراجہ گائیگواڑ نے حکمران مرہٹہ خاندان "دیوا" کی ایک راج کنیا کے ساتھ شادی کی۔ اِس مہارانی کے چار بچے ہوئے تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ یہ مہارانی صاحب سلیقہ سگھڑ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہیں یہ ہز ہائنس مہاراجہ گائیگواڑ کے ساتھ یورپ کی سیر کر چکی ہیں۔ اور حال میں وہ مہاراجہ ممدوح کے ساتھ امریکہ بھی گئی تھیں۔ مہارانی صاحبہ کو رفاہ عام کے کاموں میں خاص دلچسپی حاصل رہی ہے انھوں نے بچوں کے جلسے میں شہزادہ کی شادی کے متعلق ایک لکچر دیا تھا۔ اور حال میں کلکتہ کی نمائش اور کانفرنس میں خاتونوں کے ساتھ شریک

ہو کر ایک دلچسپ ترجیح دی تھی۔

۲۸ر دسمبر ۱۸۸۱ء میں حضور مہاراجہ گائیکواڑ کو جمیع اختیارات ریاست عطا ہوئے اور اب اُنکی زندگی کا وہ حصہ شروع ہوا جس میں اُنھوں نے بیشمار رفاہ عام کے کام کیئے اور رسمیات قبیحہ کا استیصال کیا۔

ابتدائی تعلیم | ابتدا ہی سے اِس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ مہاراجہ گائیکواڑ ہونہار اُٹھیں اور اس قابل ہو جائیں کہ خوش قسمتی سے جو ریاست اُنکو ملنی تھی اُسکا انتظام باحسن الوجوہ کر سکیں۔ ہم نہیں جانتے کہ شہزادگی کیحالت میں اِس بات کی کیوں احتیاط کی گئی اور کس اُمید پر آپ کو وہ تربیت دی گئی جو مہاراجوں کے شایانِ شان ہے۔ شاید آپکے والدین اور سرپرستوں کو پہلے ہی سے یہ خیال ہوگا کہ ممکن ہے کہ ریاست کی حکومت کا بار آپکے ذمے آپڑے۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت ایک اعلیٰ درجے کے پیمانے پر شروع کی۔ آپ کو راج کمار کالج میں نہیں داخل کرایا گیا۔ جہاں عموماً شہزادوں اور راج کنوروں کو بڑی بے پروائی سے پڑھایا جاتا ہے۔ بلکہ آپکے پڑھانے کے لیئے ایک نہایت ہی لائق و فائق استاد تجویز کیا گیا۔ معلم سولین تھا۔ اور نام اُس کا مسٹر۔ ایف۔ اے۔ ایچ۔ ایلیٹ۔ سی۔ آئی۔ ای۔ تھا۔ مہاراجہ کے چند ہمجولی آپکے ساتھ پڑھنے میں شریک ہو گئے۔ اِس طرح ایک بہت ہی مختصر تعداد کے طلبہ کا مدرسہ بن گیا۔ یا یوں کہو کہ یہ ایک چھوٹا سا گلدستہ تھا۔ جس میں بہت ہی نایاب اور خوشرنگ پھول لگے ہوئے تھے۔ اب مہاراجہ صاحب نے چھ سال تک ایسی جانفشانی کے ساتھ شبانہ روز محنت کی کہ بہت جلد غیر متوقع قابلیت اور لیاقت حاصل کر لی۔ آپ روزمرّہ صبح کے ساڑھے دس بجے سے شام کے ۵ بجے تک مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے تھے اور صبح شام جسمانی ورزشوں اور جسم کو مضبوط اور قوی بنانے والے مشغلوں میں گزارتے تھے۔ غرض دن کا ہر وقت اور ہر لمحہ

جسمانی اور دماغی اصلاح اور تادیب میں گزرتا تھا۔

خاص خاص لکچر جب آپکی مسند نشینی کا وقت قریب آیا تو سلطنت کے اہم معاملات کی نسبت آپکے روبرو خاص خاص لکچر دیئے گئے۔ جن میں آپ کو یہ سمجھایا گیا کہ ریاست کا کام کس طرح کرنا چاہیئے۔ اور کون کون سے رفاہِ عام کے کام اس وقت سخت ضروری ہیں اور عدل و انصاف اور فوجداری کے قانون وغیرہ کی نسبت آپ کے روبرو خاص خاص لکچر دیئے گئے۔ جن میں آپ کو یہ سمجھایا گیا کہ ریاست کا کام کس طرح کرنا چاہیئے اور کون کون سے رفاہ عام کے کام اس وقت ضروری ہیں اور عدل و انصاف اور فوجداری کے قانون وغیرہ کی نسبت یہ بات قرار واقعی طور پر آپکے ذہن نشین کیگئی یہ لکچر روزمرہ دو یا تین گھنٹہ تک دیئے جاتے تھے اور حضور مہاراجہ گائیکواڑ نہایت ہی توجہ اور غور سے سُنتے رہتے تھے۔

المختصر آپ کو راجگدی پر بٹھانے سے پہلے حکومت کے ہر کام اور ہر پیچیدہ معاملہ سے واقف اور آگاہ کر دیا تھا۔

ابتدائی اوصاف | اوائل عمر ہی سے حضور مہاراجہ گائیکواڑ کی عادات و خصائل کی بنیاد ایسی پڑی تھی کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آیندہ زندگی میں وہ نہایت ہی عظیم الشان شخص ہونگے۔ آپ باقاعدہ طور پر مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے تھے اور اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے روز افزوں ترقی کرتے گئے۔ ابھی آپ کو پڑھتے ہوئے پورے دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ آپ انگریزی میں بخوبی بات چیت کرنے لگے۔ آپ ابتدا ہی سے نہایت منکسر المزاج ہیں۔ آپکی خود انکاری اور مہذبانہ طریق و اطوار نہایت ہی قابل تعریف ہیں۔ آپ مستقل مزاج اور صلح جو ہیں اور قدرتاً غور و خوض کی طرف مائل رہتے ہیں۔ جو خوبیاں آپکے علمی اور انتظامی کاموں میں دیکھی جاتی ہیں اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہر کام نہایت باقاعدہ طور پر کرتے ہیں۔ آپ

method (طریقہ) اور ترتیب پر مفتون ہیں سب سے زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ میں استقلال اور برداشت کا مادہ ایسا ودیعت کیا ہے جسکی وجہ سے آپ اہم سے اہم معاملات اور مایوسی بھری دقتوں کو اپنی کامیابی کی راہ سے دور ہٹا دیتے ہیں۔

عہد حکومت | حکمرانی کے فن اور اخلاقی تعلیم اور تربیت کے زیور سے آراستہ ہو کر ہز ہائنس مہاراجہ گائیکواڑ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ آپ کو آج پورے اختیارات کے ساتھ حکومت کرتے ہوئے تقریباً ۴۸ سال گزر رہے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپنے اس عرصہ میں اپنے فرائض منصبی باحسن الوجوہ انجام دیئے ہیں۔ اور رعایا کے ہمیشہ خوش اور مرفہ الحال بنانے میں کوشش کی ہے۔ وہ رسوم قبیحہ جو مذہبی پابندی کی آڑ میں عام طور پر مروج ہو گئی تھیں آپنے اُنکا قرار واقعی طور پر نہایت مردانگی سے قلع قمع کیا۔ اور آج تمام ہندوستان میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک آپکی شہرت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

آپ عام طور پر موجودہ والیان ریاست میں سب سے زیادہ بیدار مغز۔ روشنضمیر۔ عقلمند۔ قابل منتظم اور مستند مانے جاتے ہیں۔ آپکی قدرومنزلت اور محبت ہندوستان کے ہر فرد بشر کے دل میں نقش کالحجر ہے۔

آپکی تقریریں اور تحریریں ایسی عالمانہ ہیں کہ اُن کو چھپوا کر لوگوں کو علم ادب کی کتاب کی طرح پڑھنا چاہیئے۔

آپکی مصروف زندگی | ۱۹۰۰ء میں یورپ کے دورہ کے بعد حضور مہاراجہ گائیکواڑ کی زندگی کا وہ سین پیش نظر ہوتا ہے جو مصروفیت اور اہمیت کے لحاظ سے نہایت ہی مہتم بالشان ہے۔ اس حصۂ زندگی میں آپنے وہ وہ ملکی اور تمدنی اصلاحیں کیں جنکی وجہ سے صرف بڑودہ ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان آپکا گرویدۂ احسان ہے۔ انھیں دنوں میں

آپنے بہی خواہ ملک اور لکچرار ہونیکا نام پایا ۱۹۰۲ء میں آپنے احمد آباد میں ملک کی صنعت وحرفت کی نسبت ایک نہایت ہی دلچسپ تقریر کی ۱۹۰۳ء میں آپ دہلی دربار کے موقع پر دہلی میں تشریف لائے اور آپنے نہایت ہی کشادہ پیشانی سے ہندو کالج دہلی کے سالانہ جلسہ کا میر مجلس ہونا منظور فرمایا۔ آپنے اپنے دست مبارک سے طلبار کالج کو انعام دیا اور ایف اے پاس شدہ طلبار کو یونیورسٹی سرٹیفکٹ عنایت فرمائے۔ اِسی موقعہ پر راقم مضمون کو بھی شرف باریابی حاصل ہوا اور ہم سے ایک مختصر سی گفتگو ہوئی جو چند سوالات اور جوابات میں ختم ہوگئی۔ اِس مختصر سی گفتگو سے ہمنے اتنا نتیجہ ضرور نکال لیا کہ آپ نہایت ہی ملنسار اور خلیق ہیں۔ اِس موقع پر بھی آپنے نہایت عالمانہ تقریر کی ۱۹۰۴ء میں آپنے بمبئی میں انڈین نیشنل سوشیل کانفرنس میں ایک نہایت ہی دلچسپ لکچر دیا اور گزشتہ سال ۱۹۰۵ء میں کلکتہ کی انڈسٹریل (صنعتی) کانفرنس میں آپ نے افتتاحی تقریر کی۔ اِن تمام اسپیچوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو زمانۂ حال کی ضرورتوں کے مضامین سے کماحقہٗ واقفیت حاصل ہے اور ان تقریروں سے یہ بھی عیاں ہے کہ آپ ہندوستان کا سدھار سوشیل اور حرفتی اصلاحوں پر مبنی خیال کرتے ہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جب تک یہاں صنعت وحرفت کو ترقی نہ ہوگی ہمارا افلاس ہرگز رفع نہیں ہوسکتا۔ اگر دیگر والیانِ ریاست بھی آپکے قدم بقدم چلیں، اور اپنی ریاستوں میں صنعت وحرفت کے متعلق کالج اور مدرسہ کھولدیں تو پھر یہاں بھی ایسی ایسی ایجادیں ہوسکتی ہیں کہ دنیا کے لوگ حیران وششدر رہجائیں۔ لاہور کے آرٹ سکول کے طلبا اپنے ہاتھ سے ایسی ایسی چیزیں بناتے ہیں کہ انکو عجائب خانوں میں رکھا جاتا ہے اور لوگ اُن چیزوں کو دیکھکر متعجب ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں میں لیاقت۔ قابلیت اور ذہانت ہر ملک کے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اُس لیاقت اور قابلیت کے دکھانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اگر ہماری گورنمنٹ عالیہ اور والیان ریاست یہاں کے لائق اور قابلِ قدر

لوگوں کی نیک نیتی سے سرپرستی کریں تو اسی سرزمین میں بہت سے اسٹیفنسن اور نیوٹن پیدا ہو سکتے ہیں ہمارا افلاس ہماری تمام لیاقتوں پر خاک ڈال رہا ہے بقول ڈاکٹر جانسن۔

"Slow rises worth by poverty depressed."

"افلاس کیوجہ سے قابلیت کی نشو و نما کی طاقت سُست پڑ جاتی ہے" ہمارے افلاس کی عمارت کا انہدام ہمارے صنعتی اور حرفتی جوش و خروش پر منحصر ہے جبتک اِس مضبوط عمارت کو صنعت اور حرفت کا طوفان پامال نہیں کریگا۔ ہم کبھی دولتمند اور کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن صنعت و حرفت میں ہمیں کامیابی اُس وقت ہی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہماری گورنمنٹ اور والیان ریاست دل و جان سے اِس امر کی کوشش اور ہر طرح سے ہماری سرپرستی کریں۔

ہز ہائنس مہاراجہ گائیگواڑ نے ۱۹۰۵ء میں یورپ کی سیر و سیاحت کے موقع پر انگلستان میں ہندوستانی تجارت اور صنعت و حرفت اور تعلیم وغیرہ پر سوسائٹی آف آرٹس میں تقریر کی اور ایک اور لکچر میں آپنے ہندوستان کے والیان ریاست اور برطانیہ کے پولیٹیکل افسروں کے باہمی تعلقات نہایت فصاحت سے بیان کئے تھے

مطالعہ۔ آپ خاص طور سے تواریخ اور فلسفہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنا بہت سا وقت علم نباتات اور سنسکرت کے مطالعہ میں اور ریاست کی دو زبانوں کے حصول میں صرف کیا ہے۔

راقم۔ ڈپٹی لال نگم۔ دہلوی۔

اُردو ہندوؤں کی زبان ہے

عالیجناب نواب مرزا اکبر علیخان صاحب نے جو اپنی رائے کا اظہار زبان اُردو کے بارے میں فرمایا ہے ہم اسکو نہایت شکریہ کے ساتھ بجنسہ درج رسالہ کرتے ہیں نواب صاحب موصوف نہایت سچ

خیال اتحاد پسند اور قابل رُو سار شہر میں سے ہیں جنکی تحقیق اور معلومات ناواقفوں کے لیئے ایک عمدہ سبق ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آیندہ بھی اسی طرح آپ مفید مضامین سے اِس رسالہ کی مدد فرماتے رہیں گے۔ یہ مضمون آپ نے انجمن اتحاد سخن کے جلسۂ عام میں سنانیکے لیئے تیار کیا تھا۔ لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ناظرین رسالہ کو بھی اسکی دلچسپی سے محروم نہ رکھا جائے۔ اڈیٹر

ہیں مسلمان ہندو دونوں ایک — کیونکہ یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم زباں۔ ہم سخن و ہم قسمت — حق تو یہ ہے کہ بھائی بھائی ہیں

بزرگانِ قوم و ملک! آپ صاحبوں کو جو دلّی کے برگزیدہ اور منتخب ہندو مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ اِس مشاعرہ یعنی علمی جلسہ میں جہاں نہ صرف نظم کا چرچہ ہے بلکہ نثر بھی جو ہماری مادری ہندی زبان جس کا دوسرا نام اُردو ہے بحث مباحثہ دیکھ کر بے اختیار دل چاہتا ہے کہ اُردو کے متعلق جو ہندوستان کی عام زبان اور ہر طبقہ و مذہب و ملت کے لوگوں کے اظہار مطالب و تبادلہ خیالات کا ذریعہ ہے بلکہ ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک و اقالیم والے بھی اِس اُردو کو ہندوستان کی عام زبان جانکر سیکھتے اور بولتے اور سمجھتے ہیں۔ کچھ عرض کروں۔ کیونکہ ہماری پھوٹی تقدیر نے یا ملک کی بدقسمتی سے آجکل بعض خود غرضان قوم و ملک کے دشمنوں نے اُردو زبان کو جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد و میل جول رسم و رواج کا سچا ذریعہ ہے اِسکو خاص کسی غرض سے جسکو زبان پر لاتے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بات کا بتنگڑ نہ بنجائے اِس تعصب آمیز جملہ کے ساتھ کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے ہم اپنے ملک میں کیوں جاری رکھیں مٹانا چاہتے ہیں سے

بریں عقل و دانش بباید گریست" افسوس ہے اِس زمانۂ تاریک میں بعلمی کا وہ گوم بازار ہوا کہ ہمکو تاریخ بھی یاد نہیں۔ تعصب اور خود غرضی و کوتہ اندیشی سے ایسے خود رفتہ ہوئے کہ اپنی مادری زبان بھول گئے۔ بھائیو! خدارا انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر حق کے طرفدار اور ساتھی بنو۔ بھلا یہ کہاں سے اور کیونکر معلوم کیا کہ اُردو

مسلمانوں کی زبان ہے حضرت اُردو تو کجا فارسی بھی مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اُردو فارسی کی سگی بہن نہیں تو سوتیلی بیٹی ضرور ہے۔ جب فارسی ایشیائی زبان ہوئی جس میں ہندوستان کابل قندھار بھی شامل ہے تو اُردو کیونکر مسلمانوں کی زبان ہوئی۔ تمام ایشیا میں ہزارہا برس سے زنّار بند۔ آتش پرست۔ آفتاب مہتاب پرست آباد ہیں۔ جہاں مسلمانوں کا نام بھی نہ تھا۔ اِس جملہ کو سُنکر آپ یہ ضرور کہیں گے کہ آتش پرستوں زردشتوں کی اگر فارسی زبان ہوئی تو ہمکو اس سے کیا تعلق۔ مگر نہیں مَیں خاص ہندوستان کے ایک بڑے حصہ یعنی کشمیر وغیرہ کو پیش کرتا ہوں۔ جہاں کشمیر سے لیکر دشت خفچاق تک کئی سو میل میں ہزارہا برس سے برہمن۔ چھتری کھتری۔ جاٹ بلکہ ہر قوم کے اہل ہنود آباد ہیں۔ فارسی ہی اُنکی مادری زبان ہے اور قدیم سے اُنکی کتب مذہبی۔ مدارس۔ دفاترملکی۔ ساہوکاری بہی کھاتہ۔ خانگی خط و کتابت کُل کی کُل فارسی میں ہوتی ہے۔ میں نے سیاحت اُتر کنڈ کوہ شمالی میں بچشم خود پائین حمزہ (پرگنات کشمیر) میں برہمنوں کو بزبان فارسی مندروں میں پرستش کرتے دیکھا ہے جن پر اوّل اوّل مجکو عجمی مغل ہونیکا گمان ہوا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ قدیم برہمن فارسی داں ہیں۔ پھر بھلا غریب مسلمانوں کی اُردو زبان کہاں سے ہوگئی۔ مسلمانوں کی تو عربی۔ ترکی زبان ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ سلاطین اسلام جب ہندوستان پر مسلط ہوئے تو اُنھوں نے اپنی بے تعصبانہ عادت اور خسروانہ خلق و رعایا پروری کی وجہ سے جو خاص ان کا حق و حصہ تھا یہاں کی قدیم زبان ہندی کو قائم رکھا مگر بسبب اسکے کہ ہندی زبان مختلف نغمات ہند میں مختلف طور سے بولی جاتی تھی جسکے افہام تفہیم کی ایک شہر سے دوسرے شہر والوں کو دقت تھی یعنی مدراس والے بنگالی و بنگال والے گجراتی و سرحد شمالی والے جنوبی نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اس وقت تک نہیں سمجھتے چنانچہ کل کی بات ہے کہ سوامی دیانند سرستی جی مہاراج اور انکے نامی گرامی چیلوں اور ہری ہر

مہاراج پرمہنس سوامی اس زبان کو میں نے راجپوتانہ پنجاب بھی مدراس میں بزبان اُردو بھاشن (لیکچر) کرتے سُنا اگر اُردو مسلمانوں کی زبان ہوتی تو ایسے نامی گرامی پرم ہنس سوامی اس زبان کو ہرگز استعمال نکرتے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ شاہان اسلام نے فارسی و بھاشا سے ملتے جلتے قریب المخرج الفاظ چھانٹ کر اُردو ترتیب کردی جسکے سبب تمام ہندوستان یعنی ہمالہ سے لنکا اور بنگال سے کرناٹک تک کے لوگ اُردو کی بدولت تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔ ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر والے بھی جب یہاں آتے ہیں تو اسی اُردو کو سیکھتے اور بولتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری عادل و منصف گورنمنٹ برطانیہ نے بھی جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو اسی زبان اُردو کو ملکی و قومی زبان تصور کرکے کل دفاتر و مدارس و کتب قوانین میں جاری کردیا اور اس وقت تک جاری ہے

بعض متعصب حضرات یہ سوال بھی پیش کرتے ہیں کہ جس طرح سلاطین اسلام نے جبراً لاکھوں آریہ ورتی مخلوق کو مسلمان بنالیا۔ اسی طرح ہماری زبان کو اُردو سے بدلدیا میرے عزیز دوستو یہ بالکل سفید جھوٹ ہی نہیں بلکہ شاہان اسلام پر سخت تہمت ہے اُنھوں نے حکومت ہندوستان میں ہرگز جبر نہیں کیا جس طرح میں نے مندرجہ بالا الفاظ میں فارسی اُردو کو حضرات آریہ اور ہندوستان کی زبان تسلیم کیا ہے اسی طرح اس سوال جبر کا بھی جواب ملاحظہ کراتا ہوں۔ واضح ہو کہ شاہان اسلام نے جب سے ہندوستان پر قبضہ پایا کبھی جبر و ظلم کی کاروائی نہیں کی۔ یعنی باوجود اعلیٰ ملک گیری و ملک داری جسکے جلال و جبروت کا ستارہ مثل آفتاب نصف النہار عہد ہا کتب تاریخ میں روشن و ہویدا ہے کبھی یہاں کی رعایا و رعیت پر جبر نہیں کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بادشاہ ایسا نہیں گزرا کہ جسنے ہندوں کو اپنے دربار میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے اور منصب و خطاب عنایت نہیں فرمائے۔ حتیٰ کہ عہدہ سپہ سالاری جو بہترین خدمات و منصب سلطنت و ملک کی جان شمار ہوتا ہے ہندوؤں کو عطا ہوا اور وزارت صوبہداری

قلعہ داری۔ منصب ہائے وخطاب ہائے راجہ مہاراجہ بست ہزاری وہفت ہزاری
بڑی بڑی جاگیریں عطا فرمائیں اور محکمہ جات سیف وقلم میں کوئی خدمت ایسی نہ تھی
جو مسلمانوں کو دیگئی ہوں اور ہندو اُس سے بے فیض رہے ہوں۔ محض واسطے
تالیف قلوب ہندو رعایا اس مذہبی رسومات کو خاص ہندونکی رسومات شادی بیاہ
موت زیست سے بدلدیا۔ چنانچہ جہاں عید بقرعید کا دربار ہوتا تھا۔ ہولی۔ دیوالی۔
بسنت نوروز کا بھی دربار ہوتا تھا۔ اور وہ مراسم جو ہندو مہاراجوں کے ہاں تہوار
میں ہوتی ہیں اُنکے ہاں بھی برتے جاتے تھے۔ لباس بھی ہندوؤں کا اختیار کیا
گیا۔ پگڑی۔ سیلہ۔ مندیل۔ گریبان دار انگرکھہ (قبا) پہننا شروع کردیا۔ سب سے زیادہ
اُنکی محبت وشفقت واخلاق کی یہ دلیل ہے کہ یہاں کے شاہزادوں ورئیسوں یعنی
راجہ ہائے سورج بنسی چندر بنسی کو اپنا داماد بنانا چاہا جسکے عوض میں مہاراجگان نے
بادشاہونکی بیٹیوں کا لینا مناسب نہ جانا سورادبی تصور کرکے خود بیٹیاں برضا ورغبت
دیں اور ہمیشہ شیر و شکر ہوکر شاہانِ مغلیہ کی رفاقت و وفاداروں میں حاضر رہے۔
اور ان راج کنور رانیوں کے بطن سے کیسے کیسے نامی گرامی بادشاہ پیدا ہوئے
بھلا ایسی نازک وشرم وحیا کی رشتہ داریاں کہیں جبر سے ہوسکتی ہیں۔ اور پھر کسکے
ساتھ شیرانِ ہند یعنی راجپوت جنکی بہادری وسودما پنے کی دہاک مشرق سے مغرب
تک تھی بقول ایک مورخ کے کہ راجپوت کی تلوار سے نہ پرندکو امان ملی نہ درندکو جائے
گریز اُسوقت کے تمام ہندوستان کا بچہ بچہ ہتھیار بند سام و نریمان ورستم واسفندیار
تھا۔ ایک مٹھی بھر مسلمانوں کا جبر وظلم منظور کرسکتے تھے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔
شاہانِ اسلام نے محض اپنی بے تعصبانہ عادت اور رعایا پروری سے ہندوؤں کو
رام کیا۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں سے ایک زبان بنام نہاد اُردو بمشورہ راجہ
مہاراجگان وپنڈت و دیوتاؤں سے ترتیب دلاکر اپنی زبان مقرر کی اور اپنی مادری

زبان عربی ترکی کو ایسا چھوڑا کہ آج عام مسلمان تو کیا مسلمانوں کے مذہبی پیر و بھی
یعنی مولوی ملا عربی ترکی ایسی بھولے کہ اسوقت ہندوستانی بڑے بڑے مولوی
بھی عربی ترکی میں گفتگو تو کجا ترجمہ کرتے بھی گھبراتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر
مسلمان بادشاہوں کو ذرا بھی اپنی زبان کا خیال ہوتا اور کم ازکم عربی ترکی زبان
دانی کی قید دفاتر کے ملازمین کے لیئے لگا دیتے تو آج لاکھوں عربی دان ہندی مسلمان
ہندوستان میں نظر آتے مگر نہیں اُنکو تو یہاں کی زبان کو قائم رکھنا تھا اپنی مذہبی
و ملکی زبان عربی ترکی کو چھوڑا کر اُردو فارسی رائج کر دی۔ خیر وہ تو پچھلے قصہ ہیں مسلمان
بادشاہوں کی بے تعصبی حال کے زمانے میں آپ کو دکھاتا ہوں جس سے پانچ برس
کے بچے سے لیکر اسی برس کا بوڑھا تک واقف ہے سلطنت دکن اور حضور نظام خلد اللہ
ملکہ کو دیکھو اس وقت وہاں وزیر اعظم سری سری اکیسو آٹھ سری مہاراج کشن پرشاد
بہادر ہیں۔ اور جو اخراجات مسجدوں کے لیئے مقرر ہیں وہی مندروں کے لیئے اسیطرح
اور مسلمانوں کی با اختیار ریاستوں میں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو اعلیٰ ادنیٰ عہدوں پر ہندو
مامور و ممتاز ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ جیسے مسلمان رؤسا سب بے تعصب ہیں اسی
طرح ہندو رؤسا بھی مسلمانوں کے ساتھ مثل ہندو رعایا برتاؤ رکھتے ہیں نظیر کے لیئے
ریاست ہائے جیپور جودھپور گوالیار۔ بڑودہ۔ اندور وغیرہ وغیرہ کو پیش کیا جاتا ہے جہاں
برابر مسلمانوں کو عہدہ ہای وزارت و سپہ سالاری و قلعہ داری دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ
جیپور میں اسوقت آنریبل نواب سر فیاض علیخاں بہادر وزیر اعظم ہیں۔ ان ہندو مہاراجوں
کے دربار وں میں رسوم مذہبی اہل اسلام اُسی حشمت و شوکت سے ظاہر کیجاتی ہیں۔
جیسے مسلمانی سلطنتوں میں اگر یقین نہ ہو تو جا کر دیکھ لو کہ گوالیار اور بڑودہ میں محرم
کس دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ اسیطرح اودیپور جے پور۔ جودھپور و چھترپور میں عیدین کے
قاضی کی سواری کا جلوس۔ توپوں کی سلامی کسی طرح مسلمانی ریاستوں سے کم نہیں

غرضکہ عام ہندو مسلمانوں کا میل جول تو قدیم سے ہے اور ہمیشہ رہیگا - مگر اسوقت
چند چھوٹے خیال کے لوگوں - امن میں خلل ڈالنے والوں نے خواہ مخواہ کا جھگڑا اٹھاکر
بیچاری اُردو کو مٹانا چاہا ہے سو وہ مٹتی معلوم نہیں ہوتی - پس سنئے میرے پیارے
ہم وطنو - ای چولی دامن کے ساتھیو - ای بھوک پیاس رنگ روپ بلکہ قسمت کے شریکوں
بیوجہ و بلا سبب اپنی متفقہ مادری زبان کو توڑ تاڑ کر کیا کروگے - وہ زبان جو تمھاری
تصانیف و تالیف کا عظیم الشان خزانہ ہے - وہ زبان جو تمھاری نظم و نثر انشا
پردازی بلکہ علوم حکمت ہندسہ ہیئت ریاضی طبیعیات فلسفہ جر ثقیل وغیرہ وغیرہ کس
کسکو یاد دلاکر روؤں بہت بڑا سرمایہ ہے یہانتک کہ تمھاری لاکھوں مذہبی کتب بھی
دوسری زبانوں سے زیادہ اس وقت اُردو میں موجود ہیں اور نصف اہل ملک اسکو
بولتے ہیں اور کل سمجھتے ہیں - اس پیاری زبان کو اپنے ہاتھ سے کھوکر ایسے زمانہ میں
کہ ہمکو علوم جدیدہ کی تحصیل و تلاش کی ضرورت دن بدن مجبور کرتی جاتی ہے اس دولت
لازوال کو کہاں سے پاؤگے کیا باہمی اتفاق و حقیقی میل جول اسی کا نام ہے کہ ایک
بھائی ایک بھائی کی زبان کو گدی کی طرف سے کھینچے لیتا ہے اور دوسرے بھائی تماشہ دیکھتے
ہیں - نہیں نہیں ان جھوٹے قصہ و فضول فسانوں کو بھول جاؤ ماں جائے بھائیوں کی
طرح شیر و شکر ہوکر رہو اور اپنی مہربان عادل اور خلق مجسم گورنمنٹ سے کل ہندو مسلمان
ایک زبان ہوکر عرض کرو کہ اُردو فارسی ہماری قومی ملکی زبان ہی ہمارے ملک کے دفاتر
و مدارس سے ہرگز علیحدہ نہ کیجائے بلکہ جہانتک ہوسکے علوم جدیدہ مختلفہ کے اہم
مسائل جنکو بسبب مغائرت زبان (انگریزی) ہم جلد حاصل کرنے سے مجبور ہیں یا جنکے
حاصل کرنے میں ہمارا عزیز وقت و عمر ضرورت سے زیادہ صرف ہوجانے سے ہمکو محض نوکریاں
ہی نہیں ملیں بلکہ وہ تمام ڈگریاں بیکار ہوجاتی ہیں اور ہم بیکاری و خانہ نشینی کے سبب
نیم وحشی پکارے جاتے ہیں یہانتک کہ بعضوں کی بھوک پیاس سے عزیز جانیں ضائع
ہوجاتی ہیں اسلیئے ان کتب علمیہ کے تراجم اردو فارسی میں ہوکر مدارس کی تعلیم میں داخل کردیئے جائیں اور

یہ ہو جائے تو راجہ راج پر جا سکھی کے مثل ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ بزرگان قوم۔ اس مضمون میں مجکو عرض کرنا تو بہت تھا مگر بمصداق "کجا بود اشہب کجا تاختیم" یہاں لف وسنبل و ہجر و وصل کے مضامین جو ہمارے پیاری غزلوں میں ظاہر ہونیکو تھے بیں تے اِس بکواس میں لکھ دیئے معافی چاہتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں اب سب آمین کہو کہ اے مسبب الاسباب ای بگڑی کے بنانیوالے ای بھولے بھٹکوں کو راہ پر لانے والے ای اندھے بہرے گونگوں کی مراد بر لانے والے ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو زیر سایۂ عاطفت اعلیحضرت ایڈورڈ ہفتم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اور اُنکی عادل گورنمنٹ کے باہمی میل جول امن و اتفاق کے ساتھ ایسے ایسے مجالس علمی کے لیئے زندہ سلامت رکھ اور تعصب بداخلاقی و نا اتفاقی کو ہم سے دور کر۔ آمین۔

نواب مرزا اکبر علیخان دہلوی

جناب سید محمد نقی صاحب لکھنوی کا خط

بجواب خط جناب سائل صاحب دہلوی

رسالہ نیرنگ نمبر ۱ جلد ۱ بابت ماہ جولائی سنہ رواں غزلیات کے ۴۲ صفحہ کے بعد صفحہ ۱ سے یہ جواب شروع ہو کر ۳۲ صفحہ پر ختم ہوا ہے۔ لایق اڈیٹر صاحب نے اِس جواب کو ایک نوٹ کے ساتھ شائع فرمایا ہے جس میں خصوصیت سے اِس بات کا اظہار ہے کہ یہ دونوں تحریریں مجھے بعلی معلوم ہوئیں اور کسی طرح جی نچاہا کہ ناظرین نیرنگ کو اُنکے نظارے سے محروم رکھا جائے کیونکہ یہ علمی بحث ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تحریر منصف مزاجوں کی رائے میں اڈیٹر صاحب کی صحیح

خیالی کا اچھا ثبوت دیتی ہے۔ جناب سائل صاحب دہلوی شعرا کے پیشوا نہیں۔ استاد نہیں۔ مستند نہیں مانے جاتے۔ اُنکی تحریر ایک پرائیوٹ تحریر تھی۔ اسکو پبلک میں لانا شاید اسی لیے مستحسن خیال کیا گیا ہوگا کہ جناب سید محمد تقی صاحب کی علمیت اور معلومات کو روشنی میں لایا جائے۔ لازم تو یہ تھا کہ اسی طرح اُن سے پرائیوٹ خط وکتابت ہوتی۔ لیکن طالبانِ شہرت اسے کب پسند کرتے۔ اِس لیئے نیرنگ کے صفحوں پر یہ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ بہت بہتر ہے۔ ہم سائل صاحب کو ایک شاعر کی حیثیت سے تو ضرور دیکھتے ہیں لیکن جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ اُنکو اُستاد یا شاعروں کا پیشوا نہیں مانتے۔ نہ اُنکی تحریر اُستادوں کی تحریر کے سامنے کچھ وقعت رکھتی ہے نہ ہمیں ابھی تک اِس کا کچھ پتہ ملا ہے کہ نوجوانانِ محرور المزاج کون ہیں اور اُنکی فوج کس چھاؤنی میں قیام پذیر ہے۔ جناب سید محمد تقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے۔ اُنکی تحریر سے علمیت اور واقفیت دونوں کا پتہ بخوبی چلتا ہے اُنھوں نے مولانا عزیز صاحب کے اِس جملہ کی جو حضرت تعشق صاحب لکھنوی مرحوم کی مدح سرائی میں انکے قلم سے نکل گیا ہے کہ "یہی وہ شاعر ہے کہ جسکو ہم تمام خوشگویانِ دہلی کے مقابلہ میں تن تنہا پیش کرتے ہیں" نہایت باریک بینی کے ساتھ معانی آفرینی کی ہے جو فی الواقع قابلِ تعریف ہے۔ اِس جملہ پر سائل صاحب کے خط کی عبارت درحقیقت کسیقدر سخت ہے کیونکہ دنیا میں ہمیشہ اُن لوگوں سے مقابلہ کرنیکی کوشش کیجاتی ہے۔ یا اُنکے مقابلے میں کسیکو پیش کیا جاتا ہے جو اپنے آپ سے بہتر خیال کیئے جاتے ہیں اور اس معنی میں یقیناً مولانا عزیز لکھنوی دہلی والوں کو اس وقت بھی بہتر خیال کرتے ہیں۔ جب ہی تو اُنھوں نے اپنے ہاں کے تمام اساتذہ ماضی وحال کو چھوڑ کر جناب تعشق کو مقابلۃً پیش کیا۔ ہمیں کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ سائل صاحب اِس جملہ سے اتنے برافروختہ کیوں ہوگئے

ہمیشہ تشبیہ بڑھ کر ہی سب دیجاتی ہے۔ معشوق کے عارض کو شعلہ طور یا شمع نور لکھتے ہیں۔ جسپر موسائیوں کو حرارت آجانی لازمی ہے۔ رشک مسیحا" کہدینے سے عیسائیوں کو لڑمرنا چاہیئے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ ایڈیٹر صاحب معیار جب میر و غالب دہلوی شاعروں کی پیروی کرتے ہیں اور انکو آفتاب و ماہتاب بناکر معیار کے ٹائیٹل پیج پر شائع کیا ہے تو ان کے مان لینے کی دلیل اور بھی روشن ہوگئی۔ ہمکو اُن سے شکایت کی کوئی گنجایش نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن بعض خیالات کا اظہار جو ضمناً اِس جواب میں کیا گیا ہے وہ البتہ کسیقدر تحقیق کی کاملیت کو زیادہ وسیع نہیں ثابت کرتا ہے۔ مثلاً " دہلی کا روزمرّہ پنجابی زبان سے ملکر بگڑ گیا ہے " یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ لکھنؤ جو ٹھیٹھ پورب میں واقع ہے وہاں کی زبان میں زیادہ تر پوربی الفاظ جن کا لہجہ بھی سخت ہے البتہ شامل ہیں جیسے بروقت کلام " ارے صاحب" یا " ارے بھیّا" وغیرہ وغیرہ۔

دوم دہلی کے سربرآوردہ شاعروں کو ایران والوں پر ترجیح دینا حضرت کو ناگوار معلوم ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی محض اُن کا قیاس ہے۔ کوئی معقول وجہ نہیں پیش کی گئی کہ غیر زبان سیکھنے پر جب کوشش کیجائے تو کیوں نہ اہل زبان کی طرح وہ مشہور اور مستند ہو۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے حضرت امیر خسرو دہلوی کو مانا ہے جبکہ غیاث الدین بلبن نے انکو ہندوستان میں بلانیکی خواہش ظاہر کی تھی حضرت سعدی کا صاف یہ جواب تھا " جبکہ امیر خسرو سے شاعر دربار میں موجود ہیں تو میری کوئی ضرورت نہیں" اب بھی بعض ہندوستانی انگریزی دانوں کو لندن والوں نے مان لیا ہے کہ یہ انگریزی زبان ایسی کاملیت کے ساتھ بول اور لکھ سکتے ہیں جیسے کہ ہم۔ اگر مرزا غالب مرحوم کی نسبت مولانا حالی نے یہ فقرات لکھدیئے تو کوئی اخلاقی جرم نہیں ہوسکتا کہ انکا قصیدہ انوری اور خاقانی سے ٹکر کھاتا ہے غزل

عرفی وطالب کی غزل سے سبقت لیجاتی ہے وغیرہ وغیرہ یا "ایران کے کسی مسلّم الثبوت استاد سے وہ کم نہ تھے۔ مرزا بیدل کو ایران والے بھی مانتے تھے" یہ خیال وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاسکتا کہ اہل ایران ہی فارسی زبان کے استاد ہیں۔ ہندوستانی ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ بلکہ حضرت امیر خسرو دہلوی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان وہ ملک ہے کہ یہاں کے باشندے ہر غیر ملکی زبان کو اگر وہ شوق سے سیکھیں تو اہلِ زبان کی طرح بول اور لکھ سکتے ہیں برخلاف اِسکے کوئی غیر ملکی ہندوستانی زبان ایسی صفائی اور صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں بول سکتا۔ چنانچہ عرب والے۔ ڑ۔ گ۔ ڈ۔ ٹ۔ کا تلفظ صاف ادا نہیں کرسکتے۔ ایران والے۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ اور بعض انگریز۔ ع غ ا ح خ۔ نہیں بول سکتے اس لیئے یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہی حال دوسرے ملکوں کا بھی ہندوستان کے سامنے ہے۔ اور اس لیئے ہندوستان کو سب پر فوق ہے۔ حقیقت میں وہ تعریف جس میں دوسروں کے واسطے ذم کا پہلو نکلتا ہو منصف مزاجوں کے خیال میں اچھی نگاہوں سے دیکھی نہیں جاتی۔ جہاں تک ہوسکے اِس اخلاقی پہلو کو کمزور نہونے دینا چاہیئے۔ اور اب جبکہ اُردو زبان کی ترقی کے لیئے جا بجا کوششیں کی جارہی ہوں۔ انجمنیں قائم ہوں اُس وقت ایسی بحثوں میں پڑکر اَوقاتِ گرانبہا کو مفت صرف کرنا ہے۔ جس کا نتیجہ سوائے آپس کی اتحاد شکنی کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

ہمیں اُمید ہے کہ اب اِس معاملہ کو زیادہ طول نہیں دیا جائے گا۔ اور کسی مضمون کا میں کوشش کیجائے گی۔ رسالہ نیرنگ موجود ہے اگر جناب سائل صاحب مناسب سمجھیں گے تو اس طول طویل خط کا جواب دینگے۔ جب وہ پہلے شاگرد کے پیچھے اپنی ناک نہیں کٹواتے تو دوسرے کیوں اُن کی خاطر بیچ میں ٹانگ اڑائیں۔

ایڈیٹر

تکذیب الاعتراضات

رسالہ نیرنگ نمبر ۸ جلد ۱ بابت ماہ اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲ دفع المغالطہ کی سرخی سے ہمارے نئے عنایت فرما جناب سید یوسف مسیح صاحب لکھنوی نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے ہم ذیل کی سطور میں اُس مغالطہ کی نسبت ناظرین "کمال دہلی" کی خدمت میں عرض کرتے ہیں یقیناً انصاف پسند اصحاب فیصلہ فرمائیں گے کہ جناب سید صاحب نے کہانتک منصفانہ طریق سے ہمارے ناچیز پرچہ پر ریمارک کیے ہیں ۔ وہو ہذا

جناب سید صاحب نے اپنے مضمون میں دبی زبان سے یہ تو اقرار کرلیا ہے کہ اس طرح کسیکی مدح کرنا جس میں دوسروں کیواسطے ذم کا پہلو نکلتا ہو مستحسن نہیں ہوسکتا ۔ لیکن اپنے قول کی تائید میں اُسی متنازعہ فیہ جملہ کی تائید کچھ اس طریق پر کررہے ہیں کہ اقرار میں انکار کے بھی پہلو نکلتے ہیں ۔ اول تو جناب سائل صاحب کی غزل جس نوٹ کے ساتھ شائع کی گئی ہے اُسکے یہ معنی نکالتے ہیں کہ جناب تعشق مرحوم کی غزل کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے ۔ دوم جناب مولانا راسخ صاحب کے نام کے ساتھ اُن دوچار الفاظ کا لکھدینا جنکو ہم دونوں اڈیٹران بحیثیت شاگرد ہونیکے اُنکے اسم مبارک کے ساتھ عموماً لکھدیا کرتے ہیں اور دنیا میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ اپنے اُستاد کو ہر شاگرد کچھ بڑھا کرہی پبلک میں پیش کرتا ہے ۔ حضرت تعشق صاحب مرحوم کی سرخی کچھ ناموزوں نہ تھی کیونکہ اہل لکھنو بھی ۔ خاقانی ہند حضرت ذوق یا دبیر الملک مرزا غالب اِن دونوں نامی استادوں کے ساتھ نہیں لکھتے ۔ نہ اور دوسرے اُستادوں کے ساتھ کچھ بڑھا چڑھا کر خطاب یا الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ فصیح الملک حضرت داغ کو صرف حضرت داغ ہی جہنے تو اکثر گلدستوں میں لکھا دیکھا ہے ۔ حضرت کے اعلیٰ خطاب پر حضور نے غور نہیں فرمایا جو پیغمبر آخرالزمان کے اسم گرامی سے عموماً بولا جاتا ہے اور خالص حضرت سے بھی یہی مُراد

لیجاتی ہے۔ ہمارا کوئی قصور ثابت نہیں ہو سکتا اگر ہمنے ایسا کیا حضرت سائل کی غزل چونکہ فی البدیہہ کسی موقعہ کے لئے لکھی گئی تھی اسلیئے ہمنے بھی تکلفانہ الفاظ کے ساتھ درج گلدستہ کردی دوم حروف تہجی کی نسبت جو سید صاحب نے ارقام فرمایا ہے کہ اسکی پیروی نہیں کی گئی جواباً عرض ہے کہ حضرت تعشق صاحب کی غزل کے مقابلہ میں ہمنے کسی غزل کو پیش نہیں کیا جو مقابلۃً درج گلدستہ کرتے بلکہ جس طرح ہمنے مولانا راسخ صاحب مرحوم کی غزل درج گلدستہ کی تھی حضرت تعشق صاحب کی بھی غزل بطرح ملجانے کے لحاظ سے اِسکو بھی درج کردیا لیکن گلدستہ لکھا جاچکا تھا اور حروف تہجی کی پابندی نہیں ہو سکتی تھی اسلیئے اسکو آخری حصے میں جگہ ملی۔ اسکی نسبت ہمارے محترم دوست کی شکایت غیر صحیح ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جو کچھ سید صاحب موصوف نے انصافاً تحریر فرمایا ہے اُسکی ہم بھی تائید کرتے ہیں۔ اب ہم اُن اعتراضات کو مع اپنے جوابات کے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جو سید صاحب موصوف نے جناب سائل صاحب و جناب مولنا راسخ صاحب و جناب طالب صاحب کے کلام پر تنقید کے بعد میں کیئے ہیں۔ انصاف پسند غور فرمائیں۔ سائل صاحب کا مطلع۔

میرے نالوں سے ملا دیکھو فغانِ عندلیب ہو چمن میں آج مجھ سے امتحانِ عندلیب

اعتراض۔ ملانا۔ ملا لینا۔ ملا دیکھنا۔ اگرچہ مقابلہ کرنیکے معانی میں مستعمل ہیں۔ مگر مرئیات (دیدنی) کے مقابلہ کرنے میں ملا دیکھنا علی الخصوص بولا جاتا ہے۔ اور یہاں بے محل نظم ہوا ہے۔ اور دوسرے مصرع کے کوئی معنی نہیں۔ میرا اور اُس کا امتحان ہو جائے بولتے ہیں۔ نہ کہ مجھ سے اُس کا امتحان ہو جائے۔ دلی والوں سے پوچھا وہ بھی انکار کرتے ہیں

جواب۔ ملانا۔ ملا لینا۔ ملا دیکھنا۔ مقابلہ کرنے کے معنی ہیں بیشک مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ کچھ فرض نہیں کہ (دیدنی) جو چیز نظر آسکتی ہو علی الخصوص اُسکے واسطے ہی بولا جائے بلکہ جو چیز قابل حس ہوتی ہے اُسکے ساتھ بول سکتے ہیں۔ شاید آواز اہل لکھنو محسوس نہیں کرتے ہونگے ستار اور سارنگی کے تاروں کی آواز ایک دوسرے سے نہیں ملاتے ہونگے

کیونکہ آواز (اور میل) نہ ہے اُسکے ساتھ ملانیکا لفظ بے محل ہوتا ہی حضرت نظر۔ کان۔ قوتِ لامسہ جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں وہ ضرور آپس میں ملائی جا سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جو چیزیں نظر نہیں آتیں وہ بھی ملائی جا سکتی ہیں ورنہ سارے راگ بے سُرے ہو جائینگے "ہو چمن میں آج مجھ سے امتحان عندلیب" سے صاف ثابت ہی کہ سائل صاحب اپنے ہی نالوں سے بلبل کا امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے کا لفظ اِس بات کو ثابت کر رہا ہی کہ چمن میں اور بھی نالے کرتے ہیں لیکن بلبل کے نالوں کا امتحان مجھ سے ہی فقط ہو جائے۔ خبر نہیں وہ کون سے دہلی والے ہیں جو ہمارے مہربان سیّد صاحب کی نگاہ میں مستند اور دلی والوں سے پوشیدہ ہیں۔ اور وہ مجھ سے امتحان ہو جانیکو غلط فرماتے ہیں۔

گن گیا صیاد اک اک آشیانِ عندلیب	آئیں ماتم کے لیئے اب نوحہ خوانِ عندلیب

اعتراض۔ ایک ایک آشیانہ بلبل کا صیّاد گن گیا۔ عندلیب کا من تاؤں (شاید اُردو میں اسکے لیئے کوئی لفظ نہ ہوگا جو انگریزی لفظ ترقیم فرمایا گیا ہی) کلامن نہیں ہے تو اِس جملہ کے یہ معنی ہوئے کہ کسی ایک بلبل کے جتنے آشیانے تھے سب صیاد گن گیا ایک بلبل کے بہت سے آشیانے نہیں ہونے۔ مقصود شاعر ادا ہونیکے لیئے یوں ہونا چاہیئے بلبلوں کا ایک ایک آشیانہ صیاد گن گیا پھر ماتم اور نوحہ خوانی کسی مردے پر کیجاتی ہے۔ گھر کے لیئے نوحہ خوانی خلاف رسم و عادت ہی۔

جواب۔ ناظرین انصاف پسند ملاحظہ فرمائیں "گن گیا صیاد اک اک آشیانِ عندلیب" ہمارے سید صاحب لفظی معنے لیتے ہیں۔ رواج۔ اصطلاح۔ محل کلام سے کچھ سروکار نہیں رکھا لکھنو والے کسیکو سزا دیتے وقت محاورتاً بولا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی گردن ناپ دو اگر لفظی معنی لیئے جائیں تو شاید کالر یا گریبان کیواسطے درزی گردن ناپا کرتا ہے۔ ورنہ گردن ناپ دینے سے اور کیا معنی نکلتے ہیں۔ لیکن محل کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی گردن پکڑ کر نکالدو۔ یا گھونسے وغیرہ سے اسکی گردن کو سزا دو۔ اِسی طرح یہاں گن گیا

کے لفظوں سے مُراد ہے کہ صیاد بلبلوں کو پکڑنے کے لیئے اُن کا ایک ایک آشیانہ گن گیا۔
اسیطرح بعض اسم واحد و جمع میں بعض اوقات یکساں بولے جاتے ہیں۔ یہ رواج زمانہ ہے
اِصطلاح ہے۔ محل کلام ہے۔ بہت سے بلبل ہمنے باغ میں دیکھے۔ صیاد نے بہت سے
عندلیب پکڑ لیئے۔ گو اِن دونوں کیواسطے جمع کا لفظ بھی موجود ہے۔ لیکن واحد بھی جمع کے
معنوں میں بولے جاتے ہیں۔ اب دوسرا مصرع لیجیے "آہیں ماتم کے لیئے اب نوحہ خوان عندلیب"
آپ فرماتے ہیں ماتم اور نوحہ خوانی کسی مُردے پر کیجاتی ہے گھر کیلئے نوحہ خوانی نہیں کیجاتی۔ خلاف
رسم و عادت ہے۔ بہت خوب حضرت گھر کی ویرانی یا خانہ برباد ہوجانے پر اگر کوئی ہائے واسے نکرے تو
سخت تعجب ہے۔ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر شاید اہل لکھنو اظہار مسرّت کرتے ہونگے اور داد عیش
دیجاتی ہوگی۔ افسوس تنقید غور سے نہیں کی گئی ہے۔

رات دن گلشن میں ہے شور و فغانِ عندلیب ختم کب تک ہو چکے گی داستانِ عندلیب

اعتراض۔ شور و فغاں کو داستان کے ساتھ نہیں معلوم کیوں تعبیر کیا ہے۔ پھر نہ معلوم
داستانِ عندلیب کے ختم ہونیکا کیوں انتظار ہے۔

جواب۔ اکثر قضیے کے وقت امن پسند آدمی کہدیتے ہیں کہ اجی توق توق بق بق کی داستان
کب ختم ہوگی۔ یہ شور و فغاں جو مسلسل ہو رہا ہے۔ بمنزلہ ایک داستان کے ہو گیا یہ ختم کب ہو گا
جو ذرا باغ میں امن ہوجائے۔ رات دن یہی گل و بلبل کا قصہ باغ میں ہے یا کوئی اور بھی دلچسپی
ہوگی۔ پس اعتراض درست نہیں ناجائز ہے موقعہ محل کو دیکھکر معترض صاحب نے اعتراض نہیں
کیا ہے۔ نہ لہجہ دیکھا گیا جس سے ہر جملہ میں معنی پیدا ہوتے ہیں۔

غرض تمام اعتراضات اسی طرح کے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ اپنے بیش بہا وقت کو محض لفظی
بحث میں بیجا صرف کریں لہذا بالفعل اسکو یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور اب خلاق معانی حضرت
مولٰنا سیّح صاحب دہلوی مرحوم کے کلام پر جو اعتراضات کیئے گئے ہیں اُن کا جواب بھی منصف
مزاج ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ اعتراض کس حد قابل وقعت ہیں

غزل جناب راسخ معترض صاحب نے **حضرت عشق لکھنوی** لکھنے پر تو یہ اعتراض کیا ہے کہ "دو چار لفظ ادب کے کیوں نہ شائع کیئے محض حضرت ہی پر کیوں اکتفا کیا گیا۔ اور اسکے علاوہ کلوخ انداز را پاداش سنگ است کے مقولہ کی نامعقولیت پر بحث کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دینا چاہیئے" لیکن خود ہی اسکی تردید کر رہے ہیں۔ جناب مولنا راسخ صاحب دہلی کے مسلم الثبوت استاد مانے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں عربی و فارسی میں بھی اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھنے کیوجہ سے واجب التعظیم تھے جن کا خصوصیت کے ساتھ ہر شخص ادب کرتا تھا یہ حضرت معترض صاحب کی خوش اخلاقی کا ادنیٰ ثبوت ہے جس سے بے نظیر تہذیب مترشح ہے کہ فقط "جناب راسخ" ہی لکھکر ختم کر دیا۔

ہم صورت رقیب جبیں پر بنائیں گے　　تدبیر بن پڑی تو مقدر بنائیں گے۔

معترض صاحب فرماتے ہیں۔ غزل کیا چیز ہے اُن معاملات وواقعات وخیالات ولوازم عشق ورسوم وعادات کا موافق روزمرہ نظم کرنا جو درمیان عاشق ومعشوق ہوا کرتے ہیں اب اِس امر کے لحاظ سے جو ہم دیکھتے ہیں تو کسی خوش نصیب کا ایسا نصیب بنا کر دینے کے لیئے کہتے ہیں کہ آؤ ماتھے سے ماتھا رگڑ لیں شاید تمھارا ایسا ہمارا بھی مقدر ہو جائے۔ یہ کیا تخیل ہے کہ رقیب کی صورت جبین پر بنائیں گے۔

جواب غزل کی تشریح واقعی درست کی گئی ہے اِس میں تو کوئی شک نہیں لیکن اپنا اپنا تخیل جُدا ہی۔ دیکھیئے لفظی معنی میں آپنے فرمایا ہی کہ کسی خوش نصیب کا ایسا نصیب اپنا کر دینے کے لیئے یا شاید تمھارا ایسا ہمارا بھی مقدر ہو جائے۔ دلّی والے آپ کی جگہ صرف سا بولتے ہیں۔ جو مثل کے معنی دیتا ہے۔ خیر یہ تو اپنے اپنے شہر کا محاورہ۔ روزمرہ۔ بول چال ہے۔ لیکن اِس بات کی باریکی پر غور نہیں کیا گیا کہ لوگ نصیب سنوارنے کے لیئے تو ماتھا رگڑتے ہیں لیکن اس میں جدت یہ ہی کہ ہم کیوں ماتھا رگڑیں بلکہ رقیب کی صورت ہی اپنے ماتھے پر نہ بنا لیں

کیونکہ معشوق رقیب کو دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہے اور جب اسکی شکل ہماری پیشانی پر ہوگی تو
اس شکل کے ذریعے سے ہی اُسکی نگاہیں ہماری طرف رہیں گی۔ دوسرا مصرع "تدبیر بن پڑی
تو مقدر بنائیں گے" لیکن یہ کام ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ رقیب کی صورت جبین پر بنالیں
خیر اگر یہ تدبیر کسی طرح ممکن ہوگئی تو اپنا مقدر بنائیں گے یا قسمت کو سنواریںگے۔ اب فرمایئے
تدبیر بن پڑی کا لفظ بے محل کیوں ہے۔ ناممکن کو ممکن بنانیکے واسطے ایسا اکثر بولا کرتے ہیں
کہ اس کام کے کرنیکو اگر بن پڑا تو یوں کرینگے۔ جیسے کہ ہمارا خیال ہے کہ صورت رقیب کو جبین پر
بنالیں۔ اگر یہ خیال یا بات بن پڑی تو اس طرح اپنے مقدر کو بنالیں گے۔

دریا میں عکس عارضِ آتش فشاں سے وہ پانی کے بلبلوں کو سمندر بنائیں گے

اعتراض۔ اگرچہ تشبیہ میں ادنی ملاسبت کافی ہوتی ہے۔ مگر سمندر جو ایک جانور ہے اور آگ
میں سکونت ہوتا ہے۔ اور بلبلوں میں ادنی ملاسبت بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر تشبیہ کیونکر صحیح ہوگی
مزید براں اس شعر کو غزل سے کیا تعلق ہے۔ وہ کے بے محل ہونے نے مصرع کی بندش کو سست
کردیا ہے۔ "وہ عکس عارض شرر افشاں سے بحر میں"۔

جواب۔ منیر شکوہ آبادی کا مصرع ہے "بلبل بنے جو بلبلہ اُٹھے گلاب میں" شاعری میں اس
طرح کی تشبیہیں اکثر پائی جاتی ہیں جن میں ادنیٰ ملاسبت بھی نہیں ہے۔ شعر پر ذرا غور فرمائیں
دریا میں جو معشوق عارضِ آتش فشاں کا عکس ڈالے تو پانی کے بلبلے بھی اُسکے اعجاز سے
سمندر بن جائیں۔ یہ ایک نئی بات ہے اور عکس عارضِ آتش فشاں کی تعریف ہے کہ اُس میں یہ تاثیر
ہے کہ ناممکن کو ممکن بنادے حضرت مولانا صاحب نے دریا میں لکھا ہے آپنے بحر کی صورت
میں دریا کو تبدیل کرکے وہ کو مقدم کردیا نہ وہ کے مؤخر سے فصاحت جاتی رہی نہ مقدم ہونے سے
بڑھ گئی۔ دونوں یکساں ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا صاحب نے سمندر کی رعایت سے دریا کو فروغ دیا ہے۔

بیکار جلانے دیجئے نہ اسے گردشِ قدم تجکو بھی ہم نصیب کا چکر بنائیں گے

اعتراض۔ گردش قدم کو اگر نصیب کا چکر نہ بنائیں گے تو بیکار کیوں جائیگی گردش

قدم سے مارے مارے پھرنا ثابت ہے۔ نصیب میں چکر ہونگے تو بھی مارے مارے پھرنا پڑے گا بلکہ گردش قدم سے تو مارے مارے پھرنا بالفعل ثابت ہے۔ گردش تقدیر اور قسمت کا پھیر تو سُنا تھا نصیب کا چکر سُننے میں نہیں آیا۔ کسی محاورۂ فارسی کا ترجمہ اُردو میں اُسوقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ترجمہ اُردو میں نہ بولا جاتا ہو۔

جواب۔ گردش قدم اور گردش تقدیر آپ دونوں کو یکساں ثابت کر رہے ہیں۔ ماشاءاللہ کیا باریک بینی ہے۔ گردش قدم سے تو انسان چلتا پھرتا ہی ہے اگر یہ نہو تو لکھنو کے چنڈو بازوں کی طرح چنڈو خانے میں انسان پڑا کپیاں جھلا کرے۔ گردش تقدیر صرف مارے مارے پھرنے پر نہیں موقوف ہے بلکہ اس کا فعل اِس سے کچھ آگے بڑھکر بھی ثابت ہوتا ہے۔ اِس لیئے گردش قدم سے گردش تقدیر کو ترجیح ہے۔ اور یہی ہمیں ثابت کرنا تھا۔ نصیب کے چکر کو جو خلاف محاورہ کہا گیا ہے یہ بھی غلطی ہے۔ فارسی کے محاورہ کا ترجمہ اُردو میں جس شخص نے پہلے کیا وہ اس کا موجد ہے اور بانی جو اُسے بولنے لگے وہ مقلد ہوئے۔ یہ نا ممکن ہے کہ ترجمہ ہونے سے پہلے لوگ بولنے لگیں۔ اِس لیئے اگر مولانا صاحب مرحوم نے نصیب کا چکر لکھدیا تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ نہ اِس میں ثقالت ہے نہ بولنے میں مکروہ اِس لیئے ہم اسکو ضرور جائز اور صحیح مانینگے لہذا اعتراض غلط ہے

ٹھانی ہے اب رہیں گے نہ بوسے لیئے بغیر　　　بگڑیگی گر وہ زلفِ معنبر بنائیں گے

اعتراض۔ تخیل اور نظم دونوں غیر متین ہیں۔ مصرع ثانی کی بندش نہایت سُست ہے

جواب۔ ہم کہتے ہیں تخیل اور نظم دونوں متین اور مصرع ثانی نہایت چست ہے۔ آپنے کوئی دلیل نہیں دی اِس لیئے آپ کا دعویٰ مہمل ہے۔

دلکو خلش جگر سے جگر کو ہے دل سے لاگ　　　ناوک تری نظر کے کہاں گھر بنائیں گے

اعتراض۔ اگر دل کو خلش جگر سے یا جگر کو دل سے لاگ ہے تو ناوک کو کیا۔ وہ خواہ یہاں رہے یا وہاں رہے۔ مصرع اول کا مضمون اگر یوں ہوتا تو مضمون ادا ہوجاتا۔ جگر سے دل۔ اور دل سے جگر زیادہ شائق تمھارے تیر نظر کا ہے۔ اب مصرع ثانی کو ربط ہوگیا۔

جواب - آپنے شائق کا لفظ خود ہی لکھدیا جو لاگ سے ثابت ہے - دل وجگر میں کیوں لاگ ہے اسلئے کہ دونوں آنکے تیر نظر کے بیحد شائق ہیں اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے - یہی الفاظ ہیں اور یہی معانی جو باریک بینوں سے پوشیدہ نہیں ؛

کمسن ہیں جب چڑھائیں گے بھوں عرض وصل پر	وہ نیچوں کو کھینچ کے خنجر بنائیں گے

اعتراض کمسن ہیں اس ٹکڑے کا فائدہ نہیں - کیا جوان ہوتے تو راضی ہوجاتے - عرض وصل کے بدلے خواہش وصال یا تمنائے وصال یا سوال وصل ہونا چاہیئے عرض وصل کے معنی بیان وصل کے ہیں مثل عرض مدعا وعرض حال وغیرہ کے تاک بھوں چڑھانا اور تیوریاں چڑھانا تو سنا تھا صرف بھوں چڑھانا گوش زد نہیں ہوا - شاید دلی کا محاورہ ہو - کھینچنے سے کوئی چیز اور بڑھ جاتی ہے - جب نیچے بڑھ گئے تو خنجر کیونکر ہونگے - گو بھویں کھینچنے سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہوجاتی ہوں - یہی وجہ ہے کہ تعشق مرحوم نے اپنے شعر میں دونوں جگہ دو فعل اختیار کئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ برمحل ہیں -

کہتے ہیں وہ یہ سرمہ کا دنبالہ پونچھ کر	اس نیچہ کو توڑ کے خنجر بنائیں گے

سرمہ کے لئے پونچھنا اور نیچہ کے لئے توڑنا کیسا مناسب ہے برخلاف مصرع سائل کے (سائل نہیں راسخ کہئے) کہ نیچوں کے ساتھ کھینچنا کہنے سے قباحت لازم آتی ہے پھر بھوں کو بصیغہ واحد نیچوں کو بصیغہ جمع شے واحد جمع کیونکر ہوسکتی ہے - **جواب** یہ کمسنی ہی کی وجہ ہے کہ ذکر وصل پر جب بھوں چڑھائیں گے تو یہ بھویں کھنچکر بشکل خنجر بنجائینگی - بعض اوقات لفظ واحد بولا جاتا ہے لیکن جمع کے معنی دیتا ہے جیسے اسی نمبر میں کمال - جناب محمد مہدی صاحب فرماتے ہیں -

دل بگولوں کا دھر کے اور غم سے بیٹھ جائے	خار تک روویں جو دیکھیں آبلہ پائی مری

دل واحد اسکے ساتھ فعل بھر آئے اور بیٹھ جائے دونوں واحد اور بگولوں جمع - عرض وصل غلط نہیں - وصل کی نسبت کچھ بیان کرنا عرض وصل ہے -

ہم ہیں وہ تشنہ کام مئی شعلہ ریز عشق	محشر میں میکدہ لب کوثر بنائیں گے

اعتراض کوثر چشمہ بہشتی ہے محشر میں کہاں ملیگا جو اسکے کنارے میکدہ بنے گا اس شعر میں

شعلہ ریز کا کوئی فائدہ نہ نکلا **جواب** محشر میں یعنی محشر کے دن جبکہ خلقت کا انصاف ہوگا ہم چونکہ تشنہ کام مئی شعلہ ریز عشق ہیں۔ ہم اپنا میکدہ لب کوثر بنالیں گے۔ ہم کو محشر سے علاقہ ہی نہیں شعلہ ریز کیواسطے اتنا بڑا میکدہ نظر میں نہ آیا۔ تعجب ہے۔

حالت فریب وصل سے بھی گر یہی رہی ہم تجکو ٹھیک اے دل مضطر بنائیں گے

اعتراض۔ فریب وصل سے دلکو کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے۔ پھر کیوں اُسپر ظلم کرینگے۔ اگر ظلم ہی مقصود ہے تو فریب وصل کی بھی ضرورت نہیں یونہی اسے ٹھیک بنایئے تو آپ کو کون منع کرتا ہے مزید براں ٹھیک بنانا بازاری محاورہ ہے۔ فصحا اور مہذبین کی زبان نہیں۔

جواب۔ اگر فریب وصل سے دلکو اطمینان نہو گا تو کیا فریب ہجر سے ہوگا۔ اور ٹھیک بنانا آپکے نزدیک بازاری محاورہ ہوگا ہمارے نزدیک نہیں سوم موقع اور محل کلام بھی متقاضی ہے کہ اگر دلکی یہی حالت رہی اور سکون نہوا تو ہم ٹھیک بنائیں گے

ہے خون حسرتوں کا تو ارمان شہید ہیں ہم دل میں دو مزار برابر بنائیں گے

اعتراض۔ حسرت کے معنی پشیمانی۔ دریغ۔ پچھتاوے کے ہیں۔ اُردو والے آرزو کے معنی میں نظم کرسکتے ہیں اور ارمان کے معنی خود آرزو کے ہیں۔ پھر ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ لفظ اول عربی ہے اور ثانی ترکی۔ بعض اور شعراء نے بھی ان دونوں کو دو چیزیں سمجھا ہے مگر معلوم کس دلیل سے **جواب** حسرت عربی ہے ارمان ترکی سہی لیکن جسطرح اُردو والے اپنی زبان میں ان دونوں کو استعمال کرتے ہیں ویسا ہی یہاں بھی مستعمل ہیں۔ اکثر لفظ اپنی زبان میں اور معنی دیتا ہے اور دوسری زبان میں جاکر دوسرے معنی دینے لگتا ہے اسمیں دلیل کی ضرورت نہیں حضرات ناظرین معترض صاحب کے اعتراض دیکھ لیجئے اور ہمارے جواب بھی ملاحظہ فرمایئے ذرا غور کریں کہ کس طرح ناانصافی کو کام میں لایا گیا ہے۔

غزل طالب

اے متعصب تیرا خانہ خراب باوجودیکہ خود تہذیب کے مدعی بنتے ہیں اور مولویانہ بحث بھی کی ہے اور پھر نقش لکھنوی کے ساتھ تو حضرت اور جناب کا لفظ بھی ہے یہاں خیریت سے یا آپکی عنایت سے

وہ بھی ندارد۔ خیر یہ بھی کوئی ادا ہو گی "پورا کبھی لیتے ہی نہیں نام ہمارا"

خاراشگاف آپ جو خنجر بنائیں گے ہم دل کو آپ کے لیے پتھر بنائیں گے

اعتراض۔ خاراشگاف جنگجویان رزم کے خنجر کی صفت میں استعمال کرتے ہیں نہ معشوق کا خنجر البتہ اگر غمزۂ معشوق کے خنجر کے ساتھ استعمال کر کے پھر صفت خاراشگاف لائی جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے کیونکہ مراد معشوق کی ان سب سے بڑھکر ہوتی ہے۔ دست نازک میں خنجر بھی نازک ہی ہونا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ دل کو پتھر بنانا جماد بنانا نہیں بلکہ محاورہ ہے۔ دلکو پتھر بنانیکے معنی از روئے محاورہ دلکو سخت کر لینے کے ہیں یعنی کسی دوست یا عزیز جس سے کہ ناخوشی ہو کے مکروہ پر متاثر نہ ہونا۔ پھر یہ معنی یہاں کیونکر چسپاں ہونگے **جواب** کوہ کندن وکاہ برآوردن اسے ہی کہتے ہیں اعتراض میں تو امیر حمزہ کی داستان ختم کی گئی لیکن بات کچھ نہ بنائی گئی۔ یہ مطلع طنزاً ہے۔ عاشق طنز سے کہتا ہے کہ اگر تم خنجر کو خاراشگاف بھی بنالو گے تو ہم اپنے دلکو سختی میں پتھر کے مقابل کا بنادینگے۔ اور یہ کیا فرمایا کہ کسی عزیز سے ناخوش ہو کر اُسکے مکروہ سے متاثر نہونیکا نام دلکو پتھر بنانا ہے۔ غم کھاتے کھاتے رنج اُٹھاتے اُٹھاتے صدمے سہتے سہتے دل پتھر نہیں ہوتا۔ پتھر ہونا سخت ہونیسے مراد ہے خواہ کسی صورت سے سخت ہو۔

اِس دار بے ثبات میں کیا گھر بنائیں گے اور جو بنائیں گے ترے در پر بنائیں گے

اعتراض۔ بہت ہی سست نظم اور مضمون ہے۔ آپ کہیں گے یہ کیا کہدیا کرتے ہو کہ سست ہے چونکہ یہ بات منجملہ کیفیات ہے اور کیفیات بیان میں نہیں آسکتے ایسے اُمور کو ذہن مستقیم و طبع سلیم ہی خوب سمجھتی ہے۔ **جواب** یوں کہیے کہ صاف ہے سیدھے سیدھے الفاظ نظم کیئے گئے ہیں اگر سیدھے الفاظ ہی نظم کرنا سست ہے تو ایسے اشعار اہل لکھنو نے بھی لکھے ہیں۔ دوم کیفیات بیان میں نہیں آسکتے تو ہم اس شعر کو سمجھتے ہیں وہ بھی بیان میں نہیں آتا دعوی بلا دلیل ہے اعتبار سے ساقط ہے۔

مسرور تا ہو بزم مَی دلفروز سے حسن سخن کو ساقی و ساغر بنائیں گے

اعتراض تا بغیر کاف کے فارسی صورت ہے اُردو کی زبان اور روزمرہ کے خلاف ہے آپ ضرور دوسرے شعرا کے کلام سے اسکی سند پیش کرینگے اور سمجھیں گے کہ مَیں نے حجت ختم کردی

حالانکہ میرے لیئے حجت نہیں کیونکہ میں خلاف روزمرّہ اُردو کہتا ہوں شعر بناکے دیکھ لیجئے پھر آپ تا نہ لکھ سکیں گے۔ **جواب** اگر آپ اسکو خلاف روزمرہ اُردو کہتے ہیں تو کہا کیجئے۔ ہم ایک آپ کو سبب ترجیح نہیں دیسکتے ؎ برسات میں یہ گریہ خونیں سبب بتائیں ٹھوڑلیسی یا بادۂ احمر بتائیں گے

اعتراض یہ فقرہ سبب بتائیں کسقدر بے تکا نظم ہوا ہے۔ **جواب** واللہ کتنا بھونڈا اعتراض کیا گیا ہے۔ قائل کہتا ہے۔ برسات میں یہ گریۂ خونیں۔ اس کا سبب ہم ہی بتائیں۔ وہ یہ ہے کہ ٹھوڑیسی یا بادۂ احمر بتائیں گے۔ یہ فقرہ بادۂ احمر بتائیں گے ہمارا محاورہ ہے اور اسیطرح بولا جاتا ہے۔ آپ اگر نہیں مانتے تو ہمارا کیا نقصان ہے ؎ آئے حریم دل میں جو تیر نظر ہے آج ✦ زوّار یہ وہی ہیں جو یاں گھر بتائیں گے ✦ **اعتراض** عاشق کے دل کو کعبہ سے استعارہ کرنے سے۔ اور اُسکے لیئے حریم قرار دینے سے غرض کیا۔ اِسمیں شک نہیں کہ دل کعبۃ اللہ اصلی ہے مگر اس قسم کے مضامین عشق حقیقی کے لیئے مناسب ہیں اور وہ بھی جبکہ عاشق نبی یا ولی ہو۔ دوسرے اُسکے لیئے کہیں قائل اپنے دلکو خود کعبۃ اللہ کہنے والا ہو کعبہ کے جانیوالے حجاج کہلاتے ہیں اور وہ اِس مقام پر نظم نہیں ہے۔ زوّار مشاہد مقدسہ و قبور اولیاء اللہ پر جانیوالوں کو کہتے ہیں لہذا یہ لفظ خلاف محل صرف ہوا ہے **جواب** یہ کچھ فرض نہیں کہ کعبۃ اللہ خاص خاص لوگوں کا دل ہی ہو۔ بلکہ ہر شخص کا دل ہے اور ہو سکتا ہے یہی تو ایک عضو لطیف قدرت کی طرف سے ہر انسان کو نیک و بد پہچان کے لیئے عطا ہوا ہے اب یہ انسانوں کا اختیار ہے چاہے اسے کعبۃ اللہ بنائیں چاہے خانۂ ابلیس۔ دوسرے زوّار پر اعتراض ہے۔ زوّار معنی زیارت کرنیوالے اور زیارت کسی مقدس مقام کو پاک نگاہوں یا ادب کی نظروں سے دیکھنا۔ کعبہ کا جب حج کرتے ہیں تو کیا اِسکی ادب کی اور پاک نگاہوں سے زیارت نہیں کرتے ہیں۔ جینرل سینس میں عموماً جو امر ہو اُسے دیکھئے۔ لفظی بحث زیادہ مفید نہیں ہوتی ہے

دل تھا جو ایک پہلو میں زندہ دلی کی جان وہ مرچکا تو اب کسے دلبر بتائیں گے

اعتراض۔ پہلو کا واو تقطیع سے ساقط ہے۔ الفاظ فارسیہ کے آخر سے حروف علّت گرانا خلافِ اصول ہے۔ اُردو کے الفاظ میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ مرچکا بے محل ہے مر گیا چاہیئے

(۳) ایک صفت دل ہو اس مصرع میں بے محل ہونے سے پہلو کی صفت معلوم ہوتا ہو۔ مجھے اس سے
انکار نہیں کہ نظم کی وجہ سے الفاظ ادھر سے اُدھر ہو جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہو کہ مشاق جہاں چارہ
نہیں ہوتا وہاں رد و بدل کرتا ہو اور کم مشق سے زیادہ تر نظم ایسی ہی ہوتی ہو یہاں کوئی دقت نہیں
بہت آسانی سے نظم ہو سکتا ہو ؎ زندہ دلی کی جان تھا پہلو میں ایک دل ٭ وہ مر گیا تو اب کسے
دلبر بنائیں گے ٭ کوئی اور دلبر بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے سچے عاشق تو دوسرے کا خیال بھی
دل میں نہیں لاتے کیونکہ منافی عشق صادق ہے۔ **جواب**۔ حروف فارسیہ سے حرف علت گرانا
خلاف اُصول ہو۔ لیکن متقدمین کے کلام میں بھی ایسے ایسے اعتراضات پائے جاتے ہیں ہمارے
نوابصاحب مدظلہ پرانے شاعروں کا تتبع فرماتے ہیں۔ حال کے متروکات وغیرہ کو ہی نہیں مانتے
اُنکی شاعری پرانے اُصول و قواعد کے مطابق ہے اور ایسی ایسی لغزشیں مستند استادوں کے ہاں بھی موجود ہیں

اُسکی گلی میں خضر مشوش تھے ایسے آج ٭ گویا کہ آپ سدِ سکندر بنائیں گے

اعتراض۔ سدِ سکندر کی تشویش کیا کوئی تاریخی واقعہ ہے۔ سبب تشویش خضر بھی اس شعر
سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر یہ مضمون ادا کرنا مقصود ہے کہ خضر باوجود رہبر کامل ہونیکے معشوق کی
گلی میں آکر سب رہبری بھول گئے اور سخت مشوش ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نہایت
اہم کام کی فکر میں ہیں تو اُسکے لیئے یہ الفاظ موجودہ کافی نہیں۔ ہاں اب مجھے معلوم ہوا کہ خضر و سکندر
کا جمع کر دینا مقصود تھا۔ **جواب** باریک بینی اور شے ہے اور اعتراض کرنا دوسری چیز ہے۔ جو
مطلب تھا وہ تو آپ سمجھ گئے اب تجاہل عارفانہ فرما رہے ہیں۔ یہ بھی لکھنؤ کی کوئی ادا ہو گی۔

افشاں جبین پہ تمنے چنی جس اُصول سے ٭ اِس شکل سے فلک پہ بھی اختر بنائیں گے

اعتراض۔ کون بنائیگے ؟ فارسی میں البتہ یہ قاعدہ ہو کہ جب فعل جمع ہو اور فاعل ظاہر نہو تو اُس
فعل کے فاعل کارکنان قضا و قدر یا عامۂ خلائق ہوتے ہیں۔ ردیف یہاں بے معنی ہو۔ کیونکہ افشاں
چنی جاتی ہے بنائی نہیں جاتی۔

جواب۔ مقصد یہ ہے کہ قضا و قدر نے تو جیسے اختر فلک پر بنائے ہیں بنا دیئے ہیں لیکن ہم
(جو محذوف ہو) آپکے افشاں چُننے کے اُصول پر اختر کی ترتیب دینگے۔ تاکہ آپکی جبین کی افشاں
اور فلک کے اختر یکساں نظر آئیں۔ اور دونوں مرغوب طبع عشاق ہو جائیں۔
جبین کی افشاں کے واسطے چنا اور اختر کے لیئے بنانا دونوں فعل الگ الگ معنی دے رہے ہیں
بیکار نہیں ہیں ٭

دہوتا نہیں بُجھا تا ہے پانی غبار کو روئے تو اور اُنکو مکدر بنائیں گے

اعتراض رو کے ساتھ وقت سے معنی بنتے ہیں۔ آنسو اس سے بہت صاف ہیں اور نظم بھی ہے کیونکہ آنسو پانی ہیں رونا پانی نہیں۔ یہاں اور کے معنی زیادہ کے ہیں اور صفت مکدر ہے۔ مکدر سے پہلے بہت آسانی سے نظم ہے۔ مصرع آنسو تو اُنکو اور مکدر بنائیں گے۔

جواب یہ اعتراض بھی اور اعتراضات کی طرح لچر ہے۔ رونا فعل ہے جس کا نتیجہ آنسو ہیں آپ فعل سے پہلے نتیجہ ثابت کر رہے ہیں۔ آپکی لیاقت پر ہمارا بھی ڈبل صاد ہے۔ اسی لیئے روتے کے ساتھ وقت سے معنے بنتے ہیں۔ معنی بننا بھی عجیب محاورہ ہے۔ مکدر بنا دیا۔ (مصرع) اس آئینہ کو اور مکدر بنا دیا" کیوں صاحب مکدر کے ساتھ بنا دیا چسپاں ہے یا اور سند کی ضرورت ہے۔

دریا میں ڈوب کر بھی نہ مانیں گے بادہ خوار پانی کو مے حباب کو ساغر بنائیں گے

اعتراض یہ بادہ خوار دریا برد کیوں ہو گئے۔ کیا یہ کوئی حد شرع ہے کہ دریا میں ڈبو دیئے گئے اور اگر شرم سے ڈوبے ہیں تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے ہوتے۔ ڈوبکر بیچارے کیسے مے و ساغر بنائیں گے۔ اُنکو اپنی جان کی پڑی ہوگی **جواب** یہی تو اس میں لطف کی بات ہے کہ اگر بادہ خوار کسی صورت سے بھی کیوں نہ ہو دریا میں ڈوبنے لگیں تو بجائے جان کی فکر کرنے کے پانی کو مے اور حبابوں کو ساغر بنا کر اپنی بادہ کشی کا ثبوت دینگے کہ اُنکا شوق ایسی خطرناک حالت میں بھی جاری ہے۔

ہمارے فاضل اجہل و عالم اکمل دوست سید یوسف مسیح صاحب لکھنوی نے جن خوبصورت الفاظ کے ساتھ اپنے اعتراضات میں اعجاز مسیحی دکھایا ہے وہ بجنسہ ناظرین والاتمکین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے حضرات باریک بین خود انصاف کرلیں گے۔ چونکہ عدیم الفرصت زیادہ ہوں لہذا ہر جگہ اختصار سے ہی کام لیا گیا ہے۔ باقی اعتراضات کا جواب انشاءاللہ آیندہ ماہ کے گلدستہ میں عرض کیا جائیگا۔ واقعی گلدستہ نیرنگ میں ہمارے مکرم و معظم نے عجیب عجیب رنگ دکھا کر اسم بامسمّیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور عاقلاں پیروی الفاظ نکنند کو برعکس ثابت کر دکھایا ہے۔ خیر انشاءاللہ پھر جناب والا سے ملاقات کا فخر ہمیں حاصل ہوگا ÷

شیدا۔ دہلوی۔

مقراض الاعتراض

رسالہ نیرنگ رامپور کے اگست و ستمبر نمبر میں ایک صاحب سید یوسف مسیح لکھنوی نے حضرت طالب ساغر اور مولنا ظہیر و راسخ کے کلام پر کچھ گل افشانیاں فرمائیں ہیں ہمیں جہانتک معلوم ہے "کمال دہلی" میں تعشق مرحوم کے کلام پر کبھی حرف گیری نہیں کی گئی اگر راسخ و سائل کی غزلیں کلام تعشق کے مقابلہ میں شائع کی گئی تھیں جیساکہ حضرات لکھنو کا خیال ہے تو اسکا مجملاً یہ جواب کافی تھا کہ دونوں غزلیں کلام تعشق سے لگا نہیں کھا سکتیں۔ اگر اعتراض کرنا ہی ضرور تھا تو دہلی کے زندہ شاعروں پر کیا ہوتا۔ بیچارے راسخ مرحوم پر کیوں مہربانی فرمائی گئی۔ آہا ہم اب سمجھے کہ مضمون نگار صاحب کا نام نامی خیر سے یوسف مسیح ہے۔ مسیح کا کام ہے مُردوں کو زندہ کرنا۔ مگر یہ خصوصیت مسیح ابن مریم تک تھی۔ آپکے بعد جو مسیح ہوئے اُن سے مُردہ تو زندہ ہو نہیں سکتا البتہ مسیح کے نام کا اتنا اثر باقی ہے کہ وہ برسوں کے گڑے دبے مُردوں کی ہڈیاں قبر سے نکال لائے ہیں۔ جیساکہ یوسف مسیح صاحب مولانا راسخ کی لاش (ابھی انکی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا) ٹانگ پکڑ کر قبر سے گھسیٹ لائے ہیں۔ افسوس! اسکے جواب میں کوئی نام کا عیسیٰ مسیح تعشق مرحوم کی ہڈیاں بھی لحد سے نکال کر چوراہے میں رکھدیگا جب یہ امر مسلم ہے کہ بحیثیت انسان کوئی شخص غلطی سے نہیں بچ سکتا۔ تو راسخ مرحوم پر اعتراض کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا تعشق مغفور معصوم تھے اُن کا کلام اسقام سے بالکل خالی ہے مسیح لکھنوی نے دونوں مقدس مُردوں کی ہڈیاں خراب کیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب ہم راسخ مرحوم کی غزل پر مسیح کے اعتراض مع جواب ذیل میں درج کرتے ہیں۔ شعر ؎

ہم صورتِ رقیب جبیں پر بنائیں گے　　　تدبیر بن پڑی تو مقدر بنائیں گے

اعتراض ۔غزل کیا چیز ہے اُن معاملات و واقعات و خیالات و لوازم عشق و رسوم و عادات کا موافق روزمرہ نظم کرنا جو درمیان عاشق و معشوق واقع ہوا کرتے ہیں۔ آپ اِس امر کے لحاظ

سے جو ہم دیکھتے ہیں تو کسی خوش نصیب کا ایسا نصیب بنا کرنے کے لیئے کہتے ہیں کہ آؤ ماتھے سے ماتھا رگڑ لیں شاید تمھارا ایسا ہمارا بھی مقدر ہو جائے یہ کیا تخیل ہے کہ رقیب کی صورت جبین پر بنائیں گے "تدبیر بن پڑی" یہ فقرہ بھی بے محل صرف ہوا ہے۔ تدبیر تو پہلے بیان کر دی لہذا مصرع اس طرح ہونا چاہیئے "اس طرح سے ہم اپنا مقدر بنائیں گے"

جواب۔ فصیح الملک جہاں استاد مرحوم کے دو شعر ملاحظہ طلب ہیں ؎

جسکے پہلو میں ہو تم اُس کا نصیب اچھا ہے ۔۔۔ میری دانست میں تم سے بھی رقیب اچھا ہے

تصویر یار اپنی جبین پر بنائیں گے ۔۔۔ بگڑا ہو ہم اپنا مقدر بنائیں گے

ماتھے سے ماتھا رگڑ کے تقدیر چمکا لینے کا قدیم مفروضہ قاعدہ درست سہی۔ مگر یہ کوئی ضرورت نہیں کہ جملہ شعراء کولھو کے بیل کی طرح ہمیشہ ایک ہی دائرے میں گردش کرتے رہیں۔ مولانا راسخ سے پہلے داغ مرحوم جبین پر تصویر یار بنا کر مقدر سنوارنے کی ترکیب بتا گئے ہیں یہی مضمون راسخ مغفور نے باندھا ہے۔ رقیب کے خوش قسمت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ ملنے سے ماتھا کاہے کو رگڑوانے دیگا۔ اسلیئے عاشق ناکام اُسکی تصویر اپنی پیشانی پر بنا کر بگڑا ہوا مقدر درست کرنا چاہتا ہے یہ ایک اچھوتی اور لطیف جدت ہے جو معترض صاحب کے خیال میں نہیں آئی۔ "تدبیر بن پڑی" یہ فقرہ بے محل ہرگز نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبین پر صورت رقیب کس طرح بن سکتی ہے اسکے بنانیکی تدبیر بن پڑی تو مقدر بن جائے گا۔ اصلاح اس سے بھی زیادہ نور علی نور ہے۔ معترض صاحب فرماتے ہیں پورا شعر اس طرح ہونا چاہیئے ؎

ہم صورت رقیب جبیں پر بنائیں گے ۔۔۔ اس طرح سے ہم اپنا مقدر بنائیں گے

دونوں مصرعوں میں "ہم" کی تکرار سے شعر میں جو خوبی پیدا ہو گئی ہے سخن شناس ناظرین اُس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ؎

دریا میں عکس عارض آتش فشاں سے وہ ۔۔۔ پانی کے بلبلوں کو سمندر بنائیں گے۔

اعتراض۔ اگرچہ تشبیہ میں ادنی ملاسبت کافی ہوتی ہے مگر سمندر (جو ایک جانور ہے

اور آگ میں متکوّن ہوتا ہے اور بلبلوں میں ادنی ملاسبت بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر تشبیہ کیونکر صحیح ہوگی۔ مزید براں اس شعر کو غزل سے کیا تعلق ہے۔ وہ کے بے محل ہونے نے مصرع کی بندش کو سست کر دیا ہے ؎ وہ عکسِ عارضِ شرر افشاں سے بھریں۔

جواب۔ بلبلوں کو سمندر (آگ کے جانور) سے تعلق نہ سہی مگر سمندر (پانی) سے تو واسطہ ہے شاعر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ اگر عارضِ آتش فشاں کے عکس سے بلبلوں کا جانور بن جانا قرینِ قیاس نہیں تو ایک لکھنوی شاعر کے اِس شعر کی نسبت کیا کہا جائیگا ؎

جان پڑ جاتی ہے زیور میں پہننے سے ترے ۔ اُڑ نہ جائے کہیں جگنی تری جگنو ہو کر

یہی اعتراض یہاں بھی وارد ہو سکتا ہے کہ جگنی میں جان کیونکر پڑے گی۔ جگنو کی طرح پر کہاں سے آئیں گے۔ دُم کیونکر پیدا ہوگی۔ قطع نظر اسکے جگنو رات کیوقت اُڑتا اور چمکتا دکھائی دیتا ہے کیا جگنی میں بھی یہی خصوصیت ہوگی۔ جگنی اور جگنو میں جو مناسبت ہے وہی سمندر اور بلبلے میں بھی پائی جاتی ہے اگر جگنی کا جگنو بن جانا ممکن ہے تو بلبلے کا سمندر ہو جانا بھی تسلیم کرنا پڑے گا شاعر نے جو واقعہ بیان کیا ہے اُس کا کافی ثبوت دیا ہے۔ یعنی سمندر۔ آتش۔ دریا۔ بلبلہ وغیرہ جملہ ضروری لوازم شعر میں موجود ہیں۔ اِس شعر کو اسلیئے تو واقعی غزل سے کوئی تعلق نہیں۔ کہ "آئی۔ او۔ یُو" کے مضمون سے خالی ہے مگر کیا کسی شاعر کی غزل میں کوئی ایسا شعر نہیں ہوتا یہ انوکھا اعتراض ہے۔ وہ۔ کا بے محل استعمال آپ کو کھٹکتا ہے مگر اساتذہ گزشتہ و موجودہ کے سینکڑوں شعر پیش کیئے جا سکتے ہیں اصلاح یہاں بھی نورٌ علیٰ نور ہے پہلے مصرع میں جب تک آتش کا لفظ نہ ہوگا سمندر سے مناسبت نہ ہوگی کیونکہ سمندر آگ میں رہتا ہے شرر میں نہیں رہتا۔

بیکار جانے دینگے نہ اسے گردشِ قدم ۔ تجھ کو بھی ہم نصیب کا چکر بنائیں گے

اعتراض۔ گردشِ قدم کو اگر نصیب کا چکر نہ بنائینگے تو بیکار کیوں جائیگی۔ گردشِ قدم سے مارے مارے پھرنا ثابت ہے۔ نصیب میں چکر ہونگے تو بھی مارے مارے پھرنا پڑیگا بلکہ گردشِ قدم سے تو مارے مارے پھرنا بالفعل ثابت ہے۔ گردشِ تقدیر یا در قسمت کا پھیر تو سُنا تھا۔

نصیب کا چکر سُننے میں نہیں آیا۔ کسی محاورۂ فارسی کا ترجمہ اُردو میں اُس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ ترجمہ اُردو میں بولا نہ جاتا ہو۔

جواب۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ گردش جب تک نصیب کا چکر نہ بنے گی۔ بیکار جائیگی یعنی وہ نصیب کا چکر بنا کر گردش قدم کو خاص عزت دینا چاہتا ہے نہایت بلیغ مضمون ہے۔ گردش تقدیر یا قسمت کا پھیر یا نصیب کا چکر ایک ہی بات ہے۔ ہر سہ الفاظ رجسٹری شدہ سمجھنے چاہئیں۔ کیا معقول اعتراض ہے کہ گردش تقدیر تو سُنی مگر نصیب کا چکر نہیں دیکھا۔ معترض صاحب بتائیں کہ وہ اُردو میں گردش تقدیر کا کیا ترجمہ کرینگے جب نصیب کا چکر کہیں گے تو یہی اُردو زبان ہے پھر اعتراض کس بات پر ہے ؎

ٹھانی ہے اب رہیں گے نہ بوسے سیئے بغیر
بگڑے گی گر وہ زلف معنبر بنائیں گے

اعتراض۔ تخیل اور نظم دونوں غیر متین ہیں مصرع ثانی کی بندش نہایت سُست ہے۔

جواب۔ بخیال معترض صاحب ایسے ہی اشعار غزل جزو اعظم ہو سکتے ہیں مگر اس شعر میں یہ قباحت لازم آئی کہ مضمون غیر متین ہے۔ کیا بوسے اور وصل کا مضمون جس شعر میں بندھے گا وہ متین اور مہذب بھی کہا جائیگا؟ پھر یہ اعتراض کیسا؟ مصرع ثانی کی بندش نہایت سُست ہے۔ یہ زبانی بات ہے۔ اسیطرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مصرع ثانی کی بندش نہایت چست ہے ؎

دل کو خلش جگر سے۔ جگر کو ہے دل سے لاگ
ناوک تری نظر کے کہاں گھر بنائیں گے۔

اعتراض۔ اگر دلکو خلش جگر سے یا جگر کو دل سے لاگ ہے تو ناوک کو کیا؟ وہ خواہ یہاں رہے یا وہاں رہے۔ مصرع اول کا مضمون اگر یوں ہوتا تو مضمون ادا ہو جاتا۔ جگر سے دل اور دل سے جگر زیادہ مشتاق تمہارے تیر نظر کا ہے۔ اب مصرع ثانی کو ربط ہو گیا۔۔

جواب۔ واقعی بجا ارشاد فرمایا۔ مگر معترض صاحب! آپ نے جو مضمون بنایا ہے یہی خرابی اُس میں بھی موجود ہے "جگر سے دل اور دل سے جگر زیادہ شائق ہے" تو تیر نظر کی بلا سے اُسے کیا وہ خواہ یہاں رہے یا وہاں رہے۔ دل و جگر کے اشتیاق سے ناوک کو گھر بنانے میں

کیا دقت پیش آسکتی ہے۔ اسکی خوشی ہے دل میں در کئے یا جگر میں۔ اسکے برخلاف راسخ مرحوم کا مضمون نہایت اعلیٰ درجے کا ہی۔ یعنی دل وجگر آپس میں خلش رکھتے ہیں نگاہ کا ناوک دل میں در آ ئیگا تو جگر کو رشک ہوگا اور وہ کچھ نہ کچھ خرابی ڈالے بغیر نہ رہیگا۔ اسی طرح جگر میں ناوک کا گھر بنانا دل کو ناگوار گزرے گا۔ غرض دونوں طرح مشکل ہے ؎

کم سن ہیں بھوں چڑھائینگے جب عرضِ وصل پر   وہ نیچوں کو کھینچ کے خنجر بنائیں گے

اعتراض۔ کم سن ہیں۔ اِس ٹکڑے کا کوئی فائدہ نہیں کیا جوان ہوتے تو راضی ہوجاتے عرضِ وصل کے بدلے خواہش وصل یا تمنائے وصل۔ یا سوال وصل ہونا چاہئیے۔ عرض وصل کے معنی بیانِ وصل کے ہیں مثل عرضِ مدعا وعرضِ حال وغیرہ کے۔ ناک بھوں چڑھانا اور تیوریاں چڑہانا تو سنا تھا صرف بھوں چڑھانا گوش زد نہیں ہوا۔ شاید دلّی کا محاورہ ہو۔ کھینچنے سے کوئی چیز اور بڑھ جاتی ہے جب نیچے بڑھ گئے تو خنجر کیونکر ہونگے گو بھویں کھینچنے سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو جاتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب تعشق مرحوم نے اپنے شعر میں دونوں جگہ دو فعل اختیار کئے جو اپنی اپنی جگہ پر برمحل ہیں۔ ؎

کہتے ہیں وہ یہ سرمہ کا دنبالہ پونچھ کر   اِس نیچے کو توڑ کے خنجر بنائیں گے

سرمہ کے لیئے پونچھنا اور نیچہ کے لیئے توڑنا کیسا مناسب ہی برخلاف مصرع جناب سائل کے (سائل نہیں راسخ فرمایئے) کہ نیچوں کے ساتھ کھینچنا کہنے سے قباحت مذکور لازم آتی ہے۔ پھر بھوں کو بصیغۂ واحد لائے اور نیچوں کو بصیغہ جمع۔ شئی واحد جمع کیونکر ہوسکتی ہے۔

جواب۔ کم سن ہیں" یہ ٹکڑا ہرگز فضول نہیں۔ کم سنی کیوجہ سے بھویں بھی چھوٹی ہونگی جو نیچہ سے تعبیر کی گئیں۔ جوان ہونے پر بھوں پوری تلوار بن جائیگی نیچہ نہ رہیگی۔ جو الفاظ شعر کی جان ہیں انھیں کو معترض صاحب بیکار بتاتے ہیں۔ ممکن ہے معترض صاحب نے ناک بھوں تیوری چڑھانا سُنا ہو صرف بھوں چڑھانا نہ سنا ہو۔ اب سنیں اور دیکھیں کہ ناک بھوں چڑھانا دو جداگانہ فعل ہیں یعنی ہر شخص کو اختیار ہے خواہ ناک بھوں ایک ہی دفعہ چڑھائے خواہ ناک

علیحدہ اور بھوں علیحدہ وقت میں چڑھائیے۔ عرض وصل پر صرف بھوں ہی چڑھائی جائے گی کیونکہ معشوق اِس جرم میں عاشق کو قتل کر ڈالنا چاہے گا اُسکے لیئے تلوار کی ضرورت ہے اِس موقع پر ناک چڑھے گی تو کیا تیز ماریگی۔ شاعر نے جو بات کہی ہے بچی تُلی باون تولہ پاؤ رتی ہے باقی رہا یہ جملہ کہ نیچے بڑھ گئے تو خنجر کیسے ہو گئے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ نیمچہ چھوٹی تلوار کو کہتے ہیں جب یہ کھنچے گی تو بڑھ کر اسکے خنجر ہو جانے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ شاعر نے نیمچے سے نہایت آبدار خنجر بنایا ہے معلوم نہیں معترض صاحب کیوں کٹے جاتے ہیں۔

جناب تعشق مغفور کے شعر میں نیمچے کو توڑ کر خنجر بنانیکی جو خوبی ہے میں اُسکی نسبت کچھ عرض کرنا بے ادبی سمجھتا ہوں۔ سارا شعر اُردو ادب کا بے بہا نمونہ ہے۔ بھوں کھینچنے سے چھوٹی ہوگی یا بڑی اِس بات کا تجربہ کرنیکے لیئے ہمنے خود اپنے سامنے آئینہ رکھا اور بھوں کو مختلف حرکتیں دیں۔ کوئی لکھنوی شاید اس ادا کو بہتر طریق سے ادا کرتا۔ بہرحال ہمیں جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ جب ہم نے بھوں کو پیشانی کی طرف کھینچا تو بھوں کا موٹا حصہ جو ناک کے خاتمے پر ہے اُوپر اُٹھ کر تلوار کی پوری شباہت پیدا ہو گئی۔ اِس شعر میں شاعر کو یہی بات ثابت کرنی تھی جو بوجہ احسن ثابت کر دیگئی۔ عرض وصل یا سوال وصل کا اعتراض بھی فضول ہے کیونکہ اس سے کسی شاعر کا کلام خالی نہیں۔ البتہ واحد و جمع کی گرفت کڑی ہے ممکن ہے کاتب نے غلطی سے نیمچے کو نیمچوں لکھدیا ہو

ہم ہیں وہ تشنہ کام مئی شعلہ ریز عشق
محشر میں میکدہ لب کوثر بنائیں گے

اعتراض۔ کوثر چشمۂ بہشتی ہے محشر میں کہاں ملیگا جو اُسکے کنارہ میکدہ بنے گا۔ دوسرے اِس شعر میں شعلہ ریز کا کوئی فائدہ نہ نکلا۔

جواب۔ یہ بھی تو فرمایئے کہ کوثر میدانِ محشر سے کتنی دور ہوگا اور اُس فاصلے کو طے کرنیکے لیئے اللہ میاں سواری کا کیا بندوبست کرینگے۔ محشر سے کوثر تک ریلوے لائن نکالی جائیگی یا گھوڑے گاڑیاں مسافروں کو پہنچائینگی قرآن و حدیث سے اِس کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہم تو یہی سمجھتے ہیں سب چیزیں ایک ہی جگہ ہونگی۔ شعلہ ریز کا اس شعر میں خاص فائدہ ہے یعنی ہم

عشق کی مے شعار رند کے ایسے پیاسے ہیں کہ اس آگ کو بجھانے کیلئے شراب سمجھ کر آب کوثر کا استعمال کرینگے۔ عجیب پر معنی و لطیف مضمون ہے۔

حالت فریب وصل سے بھی گر یہی رہی　　ہم ٹھیک تجھ کو اے دل مضطر بنائیں گے

اعتراض۔ فریب وصل سے دل کو کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے۔ پھر کیوں اس پر ظلم کرینگے اگر ظلم ہی مقصود ہے تو فریب وصل کی بھی ضرورت نہیں یوں ہی اُسے ٹھیک بنایئے تو آپ کو کون منع کرتا ہے۔ مزید براں ٹھیک بنانا بازاری محاورہ ہے۔ فصحا اور مہذبین کی زبان نہیں۔

جواب۔ مرزا غالب کا شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں　　اُنکی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

معترض صاحب شعر کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔ شاید اب سمجھ جائیں۔ فریب وصل کے مفہوم پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ٹھیک بنانا بازاری محاورہ ہوگا۔ مگر اب راسخ مرحوم لکھ گئے ہیں تو ٹھیٹھ گھریلو سمجھنا چاہیئے۔ ؎

ہے خون حسرتوں کا تو ارمان شہید ہیں۔　　ہم دل میں دو مزار برابر بنائیں گے

اعتراض کا خلاصہ۔ بعض اور شعرا نے بھی ان دونوں کو دو چیزیں سمجھا ہے مگر نہ معلوم کس دلیل سے۔

جواب۔ پھر یہ تان راسخ مرحوم ہی پر کیوں ٹوٹتی ہے۔ جب اور شاعروں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اعتراض غلط ہے۔

راقم انصاف پسند از لاہور
معروف - جوگی دکنی۔

کمال دہلی

مصرع طرح

آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

آزاد۔ جناب محمد ابوالحمید صاحب جسٹرار بلدہ حیدر آباد تلمیذ نواب داغ دہلوی

غارتگری غضب کی ستم کی بلا کی ہے	دل لوٹ لیجیے او وہ دہائی خدا کی ہے
وعدے پہ بار بار قسم تو خدا کی ہے	اسکی قسم بھی کھاؤ کہ نیت دغا کی ہے
مشہور ہے جہان میں مظلوم کون ہیں	کس کی جفا کی دھوم تمھاری جفا کی ہے
آنے سے تیرے بزم میں اتنا ہے مدعا	ہمکو تلاش اپنے دل مبتلا کی ہے
دل تیرا اور میری محبت زہے نصیب	یہ شان کبریا کی ہے یہ رحمت خدا کی ہے
وہ بانی جفا ہے۔ تو ایذا پسند دل	مجکو عبث تلاش کسی با وفا کی ہے
عہد وفا سے اُس کا بدلنا بعید ہے	یہ بات آزمائی ہوئی بارہا کی ہے
کچھ وہ ستم شعار بھی ہے مائل وفا	کچھ کارسازی اپنی بھی آہ رسا کی ہے
آزاد ابھی سے سوچ رہے ہو مآل عشق	کیوں ابتدا میں فکر تمھیں انتہا کی ہے

اختر۔ جناب رمضان علی صاحب سہارنپوری تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی

دل پر چڑھائی غمزہ و ناز و ادا کی ہے۔	آفت اکیلی جان پہ کس کس بلا کی ہے
سب سے نرالی طرز تمھاری ادا کی ہے	شوخی میں شرم شرم میں شوخی بلا کی ہے
جنت نہ رند کی نہ کسی پارسا کی ہے	چاہے جسے وہ دے۔ یہ عنایت خدا کی ہے
دل بھی نہیں رہا کہ ہمیں جس پہ ناز تھا	اپنے بھی غیر بنگئے قدرت خدا کی ہے
انصاف سے کہو تمھیں کسکی ہو دل سے قدر	میری وفا کی ہے کہ عدو کی وفا کی ہے
بس ہوچکی جفائیں بہت کچھ ستا چکے	کچھ انتہا بھی اس ستم ناروا کی ہے
اختر اسی بہانے سے جنت میں جاؤنگا	تصویر میرے ہاتھ میں اک پارسا کی ہے

ازل۔ جناب عبد المجید صاحب تلمیذ جناب داغ دہلوی۔ از لاہور

* گزشتہ نمبر میں آپکا نام بجائے ابوالحمید کے عبد المجید اور تیسرے نمبر میں ادھر اُدھر اور ہر کسے کی جگہ عدو ہرا نا اور ہر سو درج ہو گیا تھا۔

وہ آگئے ہیں اُٹھ مرے بالیں سے چارہ گر
حاجت دوا کی اب نہ ضرورت دعا کی ہے

ناداں ہے۔ بیوقوف ہے۔ کم فہم ہے بڑا
اُس بیوفا سے جسکو توقع وفا کی ہے

سہتا ہوں ظلم۔ میرا بھی شکوہ نہیں فضول
مجبور وہ بھی ہیں اُنھیں عادت جفا کی ہے

انجم۔ جناب سردار بہادر صاحب رامپوری تلمیذ جناب رسا

پھیلا کے گود کو بس لو مجکو ہزار بار
پھر بھی دعائیں دونگا کہ عادت دعا کی ہے

ہوکر جوان دیکھئے ڈھائیں وہ کیا ستم
شوخی ابھی سے اُن میں جب اس انتہا کی ہے

اثر۔ جناب شیخ عنایت حسین صاحب رامپوری

درماں کی آرزو نہ تمنا شفا کی ہے
مجکو فراقِ یار میں خواہش قضا کی ہے

پتھر پڑے ہیں ایسے محبت میں عقل پر
اِک بیوفا سے ہمکو تمنا وفا کی ہے

ملکر چلی ہے کیا یہ کسی مستِ ناز سے
مستانہ آج چال جو بادِ صبا کی ہے

غیرت سے منہ چھپاتا ہے خورشید ابر میں
وہ روشنی تمھارے رخِ پُر ضیا کی ہے

آنکھوں سے اشک گرم نکلتے ہیں ہمنشیں
سوزش ہمارے زخمِ جگر میں بلا کی ہے

ہم رہروانِ راہِ محبت کو اے اثرؔ
رہبر کی جستجو نہ طلب رہنما کی ہے

اُنس۔ جناب شاکر علی صاحب

مستانہ آج چال جو بادِ صبا کی ہے
ہاں چاہ اِسکو بھی کسی رنگیں ادا کی ہے

مے نوش شاد شاد ہے پیرِ مغاں کے ساتھ
آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

بیخود۔ جناب سید وحید الدین احمد صاحب دہلوی تلمیذ حضرت داغ دہلوی

ایسا بنا دیا تجھے قدرت خدا کی ہے
کس حسن کا ہے حسن ادا کس ادا کی ہے

چشم سیاہِ یار سے سازش حیا کی ہے
لیلی کے ساتھ میں یہ سہیلی بلا کی ہے

تصویر کیوں دکھائیں تجھے نام کیوں بتائیں
لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے

انداز مجھ سے اور ہیں دشمن سے اور ڈھنگ
پہچان مجکو اپنی پرائی قضا کی ہے

مغرور کیوں ہیں آپ جوانی پہ اسقدر
یہ میرے نام کی ہے یہ میری دعا کی ہے

دشمن کے گھر سے چل کے دکھا دو جدا جدا
یہ بانکپن کی چال یہ ناز و ادا کی ہے

رہ رہ کے لے رہی ہے میرے دلمیں چٹکیاں
پھسلی ہوئی گرہ ترے بندِ قبا کی ہے

گردن مڑی نگاہ لڑی بات کچھ نہ کی
شوخی تھیر۔ آپ کی تمکیں بلا کی ہے

[illegible]

خم بھی۔سبو بھی شیشہ بھی۔خالی ہیں دیکھئے
اتنی سی یہ گلاس میں زاہد دوا کی ہے

بٹنے لگے تھے انکے وہ سب دل سے دھل گئے
چھپی ہوئی نگاہ تلافی جفا کی ہے

چھپتا ہے خون بھی کہیں مٹھی تو کھولئے
رنگت یہی حنا کی۔یہی بو حنا کی ہے

کہدو کہ بے وضو نہ چھوئے اسکو محتسب
بوتل میں بند روح کسی پارسا کی ہے

میں امتحان دیکے انھیں کیوں نہ مر گیا
اب غیر سے بھی انکو تمنا جفا کی ہے

دیکھو تو جا کے حضرت بیخود نہوں کہیں
دعوت شراب خانے میں اک پارسا کی ہے

برق۔جناب بابو مہاراج بہادر صاحب تلمیذ جناب شاعر دہلوی

مشکل طریق عشق میں اہل وفا کی ہے
بدلا ستم کا ہے۔ نہ تلافی جفا کی ہے

آیا شباب۔عمر یہ ناز و ادا کی ہے
شوخی کا دور دورہ ہے رخصت حیا کی ہے

بچپن ہی سے پڑی ہوئی عادت جفا کی ہے
یہ خو تمھاری آج کی ہے؟ ابتدا کی ہے

اُف کر دیا ہے پھونک کے سوز فراق نے
سینے میں اب تو خاک دل مبتلا کی ہے

گلہائے نوبہار سے بہتر ہیں داغ عشق
یہ پھول وہ ہیں جن میں کہ خوشبو وفا کی ہے

اڑتے ہیں اسکے نام سے ہوش آسمان کے
ایسی ہوا بندھی ہوئی آہ رسا کی ہے

میرے پیامبر کی رسائی ہو کس طرح
کوچے میں فتنہ گر کے منادی ہوا کی ہے

دل رکھنا غمزدوں کا بڑی بات کچھ نہیں
اِک پیار کی نگاہ تلافی جفا کی ہے

مشق ستم تمھارے لیئے کھیل ہو گئی
کبتک مٹا کروں کوئی حد بھی جفا کی ہے

سارے شہید زندہ جاوید ہو گئے
کیا دھار آب تیغ میں آب بقا کی ہے

دونوں میں کون دیکھئے ثابت قدم رہے
مجکو وفا کی خو۔انھیں عادت جفا کی ہے

کرتے ہیں دیکھا دیکھی مری سجدہ غیر بھی
مٹی خراب آپکے ہر نقش پا کی ہے

ای برق پاک گرد کدورت سے دل نہیں
ابتک اِس آئینہ کو ضرورت جلا کی ہے

بدر۔جناب شیخ بدرالدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ مرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی

رنگت جو ماتمی تری زلف دوتا کی ہے
کیا یہ بھی سوگوار کسی مبتلا کی ہے

ترچھی لحد بھی جو ترے مبتلا کی ہے
پہچان یہ بھی کشتۂ تیغ ادا کی ہے

آتے ہیں آسماں سے فرشتے پئے سجود
تصویر جس زمیں پہ ترے نقش پا کی ہے

حد سے بڑھی ہوئی ہیں پریشانیاں مری
الجھن خیال زلف میں دلکو بلا کی ہے

مرتے نہیں ہیں جیتے ہیں قاتل ترے شہید
تاثیر آب تیغ میں آب بقا کی ہے

آغاز میں خیال ہے۔ انجام عشق کا
تشویش ابتدا میں مجھے انتہا کی ہے

پھرتے ہیں سیم و زر کے لئے خاک چھانتے
برباد ہیں وہ جن کو ہوس کیمیا کی ہے

گلشن میں چل کے بادۂ گلگوں کا دور ہو
آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

اے بدر یہ غزل تری مقبول ہو گئی
آواز ہر طرف سے یہاں مرحبا کی ہے

بزم جناب مرزا عاشق حسین صاحب اکبر آبادی مصاحب حضور پرنور والی رامپور دام اقبالہ

منظور مشق گر ستم ناروا کی ہے
میں بھی نہیں ہوں اور بھی خلقت خدا کی ہے

پھر بار ایسی کیوں ستم ناروا کی ہے
سفاک کوئی حد بھی مقرر سزا کی ہے

جھنڈے گڑے ہیں دونوں کے میدان عشق میں
انکی جفا کی دھوم۔ ہماری وفا کی ہے

نالہ کی سنتے ہی وہ صدا دوڑے آتے ہیں
اچھی ہوا بندھی ہوئی آہ رسا کی ہے

گر بیٹھنے کو تخت سلیمان ملا تو کیا
کہتے ہیں آب و تاب جہاں میں ہوا کی ہے

بیٹھے ہیں جتنے سایۂ دیوار میں ترے
مٹی خراب انکی میں تو ظل ہما کی ہے

افسوس ہے کہ چشم حقیقت نما نہیں
صورت ہر آئینہ میں اسی خود نما کی ہے

پڑھتے ہیں بزم شوق سے سب شک کا کلام
کیسی نفیس فکر مری بادشا کی ہے

جوش جناب پنڈت لبھو رام صاحب ملسیانی۔ اول مدرس مدرسہ نکودر ضلع جالندھر

بعد فنا بھی یاد جو زلف دوتا کی ہے
چادر ہماری گور پہ کالی گھٹا کی ہے

حالت اگر یہی ترے جور و جفا کی ہے
مر جاؤں گا قسم مجھے ذوق فنا کی ہے

دل پارہ پارہ حرف بھی دل کے الگ الگ
الفت ہمارے دل میں یہ کس بیوفا کی ہے

ہم کو ملا نہ بار تری بارگاہ میں
شوخی کو دخل ہے کبھی باری حیا کی ہے

کہتے ہیں وہ کہ دل میں ترے آئیں کس طرح
اک بھیڑ سی لگی ہوئی رنج و بلا کی ہے

بے پر ہے عندلیب سخن مدتوں سے جوش
ہم کو اڑائے پھرتی ہوا واہ وا کی ہے

حالت۔ جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

تصویر حسن سامنے جس دلربا کی ہے
جلوے میں اسکے شان نمایاں خدا کی ہے

رہتا ہے الجھنوں میں پریشانیوں میں دل
شیدا ئے زلف یار پہ آفت بلا کی ہے

بن آئی اب تو رندوں کی ساقی شراب لا
آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

برجستہ تمنے خوب حالب غزل لکھی
سچ تو یہ ہے تمہاری طبیعت بلا کی ہے

حضرت رسا۔ شاعر و وکیل دربار دارالسرور رامپور

انداز دلفریب ہیں شوخی بلا کی ہے
ہر بات لاجواب مرے دلربا کی ہے

بے انتہا طپش ہے خلش انتہا کی ہے
حالت خراب اپنے دل مبتلا کی ہے

یارب ترے کرم پہ ہیں دست دعا بلند
اب تیرے ہاتھ شرم ہماری دعا کی ہے

اللہ رے جمال کہ آئینہ دیکھکر
وہ خود یہ کہہ رہے ہیں کہ قدرت خدا کی ہے

ہم اور تری جفا کی شکایت زبان پر
لے بیوفا یہ شان ہماری وفا کی ہے

جس پر مٹا اسی نے مٹایا غریب کو
تقدیر ہی خراب دل مبتلا کی ہے

کہیئے تو رات کس نے کیا تم کو بیحجاب
نیچی نگاہ آج تمہاری حیا کی ہے

برباد کر رہے ہیں بتان ستم شعار
ان کافروں کے بس میں خدائی خدا کی ہے

ہوں خاک بھی تو خاک وہاں جائے کس طرح
اسکی گلی میں جائے یہ قدرت ہوا کی ہے

برباد کر دیا ہے زمانے کو بے گناہ
لے بانی جفا کوئی حد بھی جفا کی ہے

یہ حال اب تو ہے ترے بیمار ہجر کا
کہتے ہیں چارہ گر بھی کہ مرضی خدا کی ہے

سچ پوچھئے تو جذب محبت ہے اس کا نام
محفل میں انکی آج رسائی رسا کی ہے

رضا۔ جناب حامد رضا خاں صاحب رامپوری تلمیذ حضرت رسا

پہنچی جو چرخ پر تو اسے بھی ہلا دیا
تاثیر دیکھیو یہ مری آہ رسا کی ہے

جب یہ کہا کہ مرتے ہیں ہم تیری چاہ میں
بولا کہ پھر میں کیا کروں مرضی خدا کی ہے

ہے برہمن پہ حصر نہ موقوف شیخ پر
اچھا وہی ہے جسکو محبت خدا کی ہے

ہمکو ہے شاعری کا سلیقہ کہاں رضا
شفقت یہ ساری ہمپہ جناب رسا کی ہے

رحمت۔ جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب بلند شہری

شہرت ہر ایک سو ترے قہر و جفا کی ہے
اور دھوم ہر طرف مرے مہر و وفا کی ہے

رکھتا نہ میکدے میں قدم بے وضو کبھی
تاکید ساقیا ہمیں اک پارسا کی ہے

کعبے سے کل نکالے گئے تھے جو بت وہ آج
ہیں وہ بھی خدائی کے قدرت خدا کی ہے

رہتی ہے تاک جھانک حسینوں کی رات دن
عادت بہت بری سی یہ دل مبتلا کی ہے

پڑ جائے ایسی دل میں تو نکلے نہ عمر بھر
جیسی کہ یہ گرہ ترے بند قبا کی ہے

پھرتی ہے کیوں یہ بلبل شیدا اِدھر اُدھر
آمد چمن میں کیا کسی گلگوں قبا کی ہے

رحمت پڑے ہیں عقل پہ پتھر یہ آپ کی
اُمید ان بتوں سے جو مہر و وفا کی ہے

روشن - جناب محمد امین صاحب تلمیذ جناب گنجور دہلوی

کعبہ سے آرہی ہے گھٹا جھوم جھوم کر
لا ساقیا شراب کہ رحمت خدا کی ہے

رونق - خاکسار پیارے لال دہلوی - اڈیٹر رسالہ ہذا

وقف نگاہ جان ترے مبتلا کی ہے
تیغ اَدا کے قبضہ میں گردن قضا کی ہے

تقدیر کا گلہ۔ نہ شکایت قضا کی ہے
مارا ہمیں بتوں نے دُہائی خدا کی ہے

پیسا ہوا ہوں یار کی چشم سیاہ کا
گردش نصیب میں نگہ سرمہ سا کی ہے

مرتا ہوں اِس اُمید پہ زندہ کرینگے آپ
تاثیر دیکھنی لب معجز نما کی ہے

دل پر چھڑک رہی ہے نمک یادِ زلف یار
لذت ہمارے زخم جگر میں بلا کی ہے

ہستی دکھا رہی ہے ہمیں منزلِ عدم
آئینہ بقا میں بھی صورت فنا کی ہے

جو لگئی نگاہ کلیجہ نکال کر
اب تاک اُس نظر کو دلِ مبتلا کی ہے

تڑپا رہے ہیں پھر خلش درد کے مزے
پھر دل کو کچھ طلب ترے تیر ادا کی ہے

خود بن گئی ہے پردہ بر انداز رخ نقاب
اُنکی نگاہِ ناز میں شوخی بلا کی ہے

دل کی یہ آرزو ہے کہ قرباں ہوں پہ جان
میں چھین لوں سلیے یہ تمنا قضا کی ہے

ہے میری زندگی کی جہاں میں وہی بساط
ہستی جو اس زمین پہ ترے نقش پا کی ہے

زاہد نہ توڑ اِسکو کہ ٹوٹے گا دل ترا
شیشے میں بند روح کسی پارسا کی ہے

لیتا ہے سوز غم میں بکھر کر جو لمبیاں
تاثیر دود آہ میں زلف رسا کی ہے

پاتا ہوں آن راحت رگ دل میں ہر گھڑی
تاثیر آہ کی ہے کرامت دعا کی ہے

منہ سے نکل رہے ہیں جو شعلہ نفس کے ساتھ
رونق یہ دل میں آگ تمہارے بلا کی ہے

زیرک - جناب علی احمد صاحب قنوجی حال مقیم حیدر آباد تلمیذ جناب برتر

ہے کام زندگی سے نہ خواہش قضا کی ہے
راضی ہیں ہم اسی میں جو مرضی خدا کی ہے

اُٹھتی نہیں نگاہ تماشائے دہر پر
مٹی مرے خمیر میں شرم و حیا کی ہے

پابوسیوں کا لطف میسر ہے رات دن
تقدیر کیسی اوج پہ دزد حنا کی ہے

کہتے ہیں وہ قصور کہاں تک معاف ہو
کچھ انتہا بھی آپکے جرم و خطا کی ہے

آتی نہیں ہے راہ پہ تقدیر کیا سبب؟ — اِس میں بھی کچھ کجی تری زلفِ دوتا کی ہے

جتنے تھے اہلِ بزم سب آئینہ بن گئے — کیا آب و تاب اُس رُخِ حیرت فزا کی ہے

کھنچتا ہے مجھ سے دامنِ تدبیر دور دور — بے صرفہ جستجو میرے دستِ دعا کی ہے

آئی ہے جاں لبوں پہ ترے انتظار میں — حالت خراب کشتۂ ناز و ادا کی ہے

پروانے جل بجھے تو عنادل ہوئے ہلاک — مٹی خراب عشق میں اہلِ وفا کی ہے

بیدلؔ - جناب نواب اکبر مرزا صاحب دہلوی نبیرہ نواب حسام الدین حیدر

آفت کی کھل بلی ہے تو ہل چل بلا کی ہے — محشر میں آمد اب جو کسی فتنہ زا کی ہے

دل میں مکیں ہے اُس پہ بھی دوری بلا کی ہے — سب سے الگ اوا ترے نا آشنا کی ہے

دونوں طرح عذاب میں ہوں اُنکے ہاتھ سے — غصہ بھی قہر کا ہے ہنسی بھی بلا کی ہے

زلفیں ہٹانے جلتے ہیں انگشتِ دست سے — چھوٹی سی یہ دعا کوئی ردِّ بلا کی ہے

سب کچھ تھا ایک دم میں جو دیکھا تو کچھ نہیں — کُل سیر آئینہ میں بقا اور فنا کی ہے

روزِ ازل سے اِس میں گریباں ہی نہیں — سب سے نئی تراش ہماری قبا کی ہے

یہ قافلہ عدم کا کدھر سے نکل گیا — نقشِ قدم کہیں نہ صدا یاں درا کی ہے

کوئی تو ایک ماننے والا ضرور تھا — وحدت میں ابتدا سے جھلک ما سوا کی ہے

ہیں جا بجا شراب کی چھینٹیں پڑی ہوئیں — یہ دلق بے ریا کسی مردِ خدا کی ہے

فرعون کا محل بن عمران کی پرورش — جو دیکھتا ہے کہتا ہے قدرت خدا کی ہے

ہم مرتے ہیں یہ شن کے کس انداز سے کہا — میں کیا کروں اُسے یہی مرضی خدا کی ہے

بیدلؔ یہ سن تمہارا اور اسیرِ بتوں کا عشق — صد آفریں ہے آپ کو رحمت خدا کی ہے

شمیمؔ - جناب بابو چھنگل صاحب منیجر دفتر اسپورٹ تلمیذ جناب شیدا

ساقی ہلا بہارِ مئی جاں فزا کی ہے — آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

مصروف انتظام فضا ہیں نسیم و گل — آمد چمن میں اک بتِ رنگیں ادا کی ہے

خونِ شہیدِ ناز سے رنگیں ہیں دست و پا — حیلہ تراشتے ہیں کہ سُرخی حنا کی ہے

کیا پوچھتے ہو رنجِ محبت شمیمؔ سے — بس اک نگاہِ لطف تلافی جفا کی ہے

شتابؔ - جناب بشن دیال صاحب رامپوری - تلمیذ حضرت رسا

سمجھی رہی کہ مجھکو شکر وفا پر وفا کی ہے — لو ہے کہ تجکو تاک جفا پر جفا کی ہے

یاد اُنکی آرہی ہے مجھے آج بار بار
رہ رہ کے میرے دل میں کسک انتہا کی ہے

یہ تو نہ مجھے خوشی ہے کہ دیں تم نے گالیاں
غم یہ ہے دشمنوں کو خوشی انتہا کی ہے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں کچھ دن کیواسطے
مرنے پہ شان ایک ہی شاہ و گدا کی ہے

آندھی خزاں کی آکے اُڑا دیگی رنگ و بُو
تھوڑے دنوں بہار گل جانفزا کی ہے

ہے لاکھ لاکھ شکر نہ گھبراؤ اے شباب
کچھ ان مصیبتوں میں بھی رحمت خدا کی ہے

شاد - جناب منشی للتا پرشاد صاحب میرٹھی - از اجمیر شریف

پھر دل کو یاد ہجر میں زلف رسا کی ہے
ہو خیر یا خدا کہ چڑھائی بلا کی ہے

شہرت مچی ہوئی ترے طرز جفا کی ہے
کیا بنے ہی حشر بانکی یہ بھی ادا کی ہے

خاموش کیوں ہو مجمع عشاق دیکھکر
ساری قطار اک نگہ فتنہ زا کی ہے

میں ہوں مریض ہجر ملے شربت وصال
خواہش طبیب کی نہ ضرورت دوا کی ہے

غیروں سے اختلاط ہے بیحد بڑھا ہوا
مجھ پر زیادتی ستم ناروا کی ہے

ہم ہیں گناہگار تو غفار ہے خدا
کچھ حشر کی ہے فکر نہ روز جزا کی ہے

کس کسکی وصل میں میں سہوں اب زیادتی
شوخی کی ہے حیا کی ہے ناز و ادا کی ہے

اے خضر سچ تو یہ ہے کہ ٹیڑھی ہے راہ عشق
حاجت جناب کو بھی یہاں رہنما کی ہے

اے شاد شکر یہ ہے کہ احباب سب ہمیں
عزت سے دیکھتے ہیں عنایت خدا کی ہے

شوق - جناب سید اسد صاحب بنارسی

داں چھین لے وہ شکل مرے دلربا کی ہے
شوخی غضب کی ہے تو شرارت بلا کی ہے

دامن پہ مچلے جاتے ہیں رہ رہ کے طفل اشک
افسوس ان یتیموں میں کیا ہٹ بلا کی ہے

شیدا - خاکسار چندے پرشاد دہلوی ایڈیٹر گلدستہ ہذا

پھیکی سی آبرو دم تیغ قضا کی ہے
جنبش غضب کی ابروئے خنجر نما کی ہے

منصور کی زبان پہ لذت فنا کی ہے
یہ ایک چھیڑ جام حقیقت نما کی ہے

وہ محویت ہے عشق میں ہر اشک خون بھرا
تصویر ناز شاہد رنگیں ادا کی ہے

چمکے ہیں داغ دل نفس سرد سے مرے
پھولوں میں چاندنی سی یہ ٹھنڈی ہوا کی ہے

کیوں منتظر ہے ابر کی بادہ کشی مری
تصویر اپنے جام میں کالی گھٹا کی ہے

پردے سے جھانکتی ہے عروس نگاہ یار
موئے مژہ نہیں ہیں یہ چلمن حیا کی ہے

معدوم کیوں ہو نقش ہمارے وجود کا
تصویر ینہی نہیں ہستی قضا کی ہے

جلتا ہے داغ دل نفسِ سرد سے مرا
گرمی اِس آفتاب میں ٹھنڈی ہوا کی ہے

ہم جان دیکے کرتے ہیں محشر کا انتظار
وعدے میں اُنکے شرط جو روزِ جزا کی ہے

دن رات آنسوں کی جھڑی ہی لگی ہوئی
پتلی ہماری آنکھ میں کالی گھٹا کی ہے

وہ منتِ رقیب کریں میرے سامنے
آنکھیں جو دیکھتی ہیں یہ قدرت خدا کی ہے

وحدت سے ہی رقیبوں کی کثرت جہان میں
ساری یہ چھیڑ ایک ترے نقشِ پا کی ہے

ماتھے میں چین آگئی ہے آستیں چڑھی
بگڑی ادا محبت رنجش نما کی ہے

طوطی حنا کا بول رہا ہے جہان میں
قبضے میں سلطنت جو ترے دست وپا کی ہے

بیشندا آنچھ اِس مزے سے چھڑکتے ہیں دم نمک
ہر زخم کی زباں پہ صدا مرحبا کی ہے

صرصر۔ جناب محمد شفیع صاحب دہلوی تلمیذ جناب گنجور دہلوی

صرصر شب فراق تصور ہیں ہر گھڑی
تصویر سامنے مرے اُس دلربا کی ہے

صابر۔ جناب لالہ ہیم چند صاحب بی۔ اے۔ دہلوی

آمد جو آج بزم میں اُس مہ لقا کی ہے
چہرہ پہ ہر بشر کے خوشی انتہا کی ہے

مانا یہ ہمنے آپ میں عادت جفا کی ہے
لیکن اُمید آپ سے ہمکو وفا کی ہے

کیونکر نبھے گی اُن سے رقیبوں کی دیکھیے
ناز و ادا ستم کے ہیں شوخی بلا کی ہے

اُنکی بلا سے جنھیں مطلب سے کام ہے
مٹی خراب دہر میں اہلِ وفا کی ہے

طالب۔ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو

روحِ رواں بتائیں جو ارض و سما کی ہے
وہ ذاتِ پاک وہ ہے جو رحمت خدا کی ہے

اُنکی جفا میں چاشنی کچھ کچھ ادا کی ہے
طرزِ ستم غضب ہی لگاوٹ بلا کی ہے

جد و جہد فضول بس اب ناخدا کی ہے
ہوگا یہ بیڑا غرق مشیت خدا کی ہے

واعظ حدیثِ عشق و مئے ناب کر بیان
معلوم سب خبر ہمیں خوف و رجا کی ہے

گٹا پڑا ہوا ہے جبین نیاز پر
اپنی ہے یہ نماز جو ہر وقت ادا کی ہے

دلّی میں صرف باقی ہے صحت زبان کی
ورنہ عیاں ہی شکل جو آب و ہوا کی ہے

روزِ شمار ہوگا عریض و طویل۔ ہاں!
لیکن شب فراق میں وسعت بلا کی ہے

جذب کشش بھی اُس میں وہی ہو تو بات ہے
قسمت سے جسکی شکل بنی کہربا کی ہے

ظالم خدا کے واسطے ترک جفا نہ کر
اُجرت یہی تو ایک ہماری وفا کی ہے

گویا زبان لال ہوں اور سبز بخت ہوں
پھر بھی مجھے امید قبولِ دعا کی ہے

شاید ہے پاس منزلِ مقصود کاروان
کچھ گونج آج اور ہی بانگِ درا کی ہے

ہیں مبتلائے درد تو بس چند اہلِ بزم
ورنہ یہاں بھری ہوئی خلقت خدا کی ہے

پھر بھی کمی نہیں ہے متاعِ سخن میں آج
آدم کے وقت سے یہ برابر لٹا کی ہے

بدلا کریں ہمیشہ حریم حرم کو ق
پروانۂ دل بھی طائرِ قبلہ نما کی ہے

طالب سقیم حال ہے فرطِ گناہ سے
اک آس بس شفاعت خیر الوریٰ کی ہے

طالب - جناب حافظ و قاری محمد عبد الرحمن صاحب رامپوری

اچھا درِ رقیب پہ بھی سر جھکائیں گے
ہم بھی ہیں آپ ہمیں خوش جو خوشی دلربا کی ہے

دل دیدیا تمہیں تو مجھے اس کا غم نہیں
دوں جان کس طرح یہ امانت خدا کی ہے

ہونیکو یوں تو اور بھی دنیا میں ہیں حسیں
لیکن تمہارے حسن میں شوخی بلا کی ہے

عاشق - جناب سوداگر منشی خدا بخش صاحب برہانپوری

ساری خدائی حضرت خیر الوریٰ کی ہے
دونوں جہاں میں شاہی امام ہدیٰ کی ہے

حوروں نے دیکھکر شب معراج یہ کہا
کیا پیاری پیاری شکل حبیب خدا کی ہے

نعلین مصطفیٰ نے جو بخشا شرف اُسے
رونق کچھ آج اور ہی عرش علا کی ہے

گالوں کا عکس ہے جسے کہتے ہیں مہر و ماہ
سب روشنی جہاں میں رخِ مصطفےٰ کی ہے

عاشق سنائی نعت محمد میں کیا غزل
آواز ساری بزم میں صلِ علیٰ کی ہے

قمر - جناب منشی قمر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود

ظاہر کسی کی شکل سے قدرت خدا کی ہے
تصویر اک کھچی ہوئی حسن و ادا کی ہے

کیوں فکر تمکو ہے پرسشِ روز جزا کی ہے
اُف بھی کریں مجال یہ اہلِ وفا کی ہے

یا اُنکے کوستوں ہی کی تاثیر اُڑ گئی
یا منتظر اجل مرے دستِ دعا کی ہے

رونا پڑے نہ پھر شب وعدہ لہو مجھے
عادت پڑی ہوئی انھیں عذر حنا کی ہے

افسوس بات پوچھنے والا نہیں کوئی
یہ قدر اُنکی بزم میں اہلِ وفا کی ہے

سامان حشر جمع ہیں سب اُنکی بزم میں
باقی کسر جو ہے سو ہماری دعا کی ہے

تڑپا رکھا ہے وعدۂ دیدار نے مجھے
بیحد خوشی لگی ہوئی روز جزا کی ہے

مجھسے تو پوچھتے ہو وفا کا مری سماں
کچھ تمہیں بھی یاد کچھ اپنی جفا کی ہے

شب کچھ دیا حسینوں کو اُسنے وفا نہ دی	ہم جانتے ہیں اِس میں جو حکمت خدا کی ہے
پھوٹے ہوئے نصیب کا رونا ہے صبح و شام	اُن کا مجھے گلہ نہ شکایت خدا کی ہے
عاشق بنادیا مجھے معشوق آپ کو	اس میں کسی کا زور ہے قدرت خدا کی ہے

قصیر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب انسپکٹر میونسپل کمیٹی تلمیذ ظہیر [illegible]

ہر اک ادا انوکھی مرے دلربا کی ہے	شوخی غضب کی ہے تو شرارت بلا کی ہے
تیرے مریضِ غم کو تمنا قضا کی ہے	حاجت دوا کی ہے نہ ضرورت دعا کی ہے
ہر دم خیال سلسلۂ زلف و خال ہے	کس کس بلا میں جان دلِ مبتلا کی ہے
اُس بت کا ذکر تم بھی تو کرتے ہو بلا تحو	بندوں خدا کے یہ بھی تو قدرت خدا کی ہے
مٹھی سے کھلتے کھلتے نہ اُڑ جائے دیکھنا	پرواز تیز طائرِ رنگِ حنا کی ہے
مضمون آبدار سے دندانِ یار کے	ہر بیت میری سلک در بے بہا کی ہے
اُنکی جفا کا غل ہے جہاں میں اگر قصیر	شہرت بھی ساتھ ساتھ ہماری وفا کی ہے

[illegible]

کلیم۔ جناب حفیظ الکبیر صاحب بھوپالی

کمبخت اِسکو چاہ ہر اک مہ لقا کی ہے	عادت بُری ہمارے دلِ مبتلا کی ہے
افسوس ذکرِ وصل کوئی اُسنے کیا کرے	پہلے ہی کہتے ہیں مجھے عادت حیا کی ہے

مفتوں۔ جناب منشی امو جان صاحب منصرم لوکل ریاست مالیر کوٹلہ

جادو ہے بات بات میں چتون بلا کی ہے	چلتی ہوئی چھری ترے ناز و ادا کی ہے
ٹپکیگا بات بات میں خونِ شہیدِ ناز	گو پردہ پوش ہاتھ پہ رنگت حنا کی ہے
آنکھیں ملا کے سینے سے دل لیچلا کوئی	چوڑے میں لُٹ گیا ہوں دُہائی خدا کی ہے

محروم۔ جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیل خان

پھر تیرے دل میں یاد کسی بیوفا کی ہے	پھر جانِ مبتلا کو تمنا جفا کی ہے
پھر میں ہوں اور جوشِ محبت کے ولولے	پھر دل میں اور یاد کسی دلربا کی ہے
جلوے دکھا رہا ہے تصور مجھے کہ پھر	تصویر روبرو مرے اک مہ لقا کی ہے
پھر میں خدا کو بھول کے یادِ صنم میں ہوں	محروم کیا کروں یہی مرضی خدا کی ہے

مرزا۔ جناب سید علی مرزا صاحب دہلوی

دولت عنب کے ہاتھ سے قدرت خدا کی ہے	مٹی خراب آج بڑے پارسا کی ہے

انکار اور آج کے دن؟ واہ شیخ جی
آیا ہوا ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

ٹھوکر لگا کے میری لحد کو وہ غیر سے
کہنے لگے یہ قبر بڑے باوفا کی ہے

حاضر ہوں میں وہ ظلم کریں چاہیں جس قدر
میں کیا کروں کہ مجھ میں تو عادت وفا کی ہے

مسرورؔ - جناب مختار احمد صاحب دہلوی شاگرد حضرت وحید الدین صاحب بیخودؔ

پڑھنا نظر یہ موت دلِ مبتلا کی ہے
قاتل کی آنکھ تاڑنے والی بلا کی ہے

دنیا میں ایک دھوم تری ہر ادا کی ہے
شوخی غضب کی ہے تو شرارت بلا کی ہے

بخشا خدا نے حسن تو ہم نے بھی دل دیا
تقصیر اس میں کونسی اہلِ وفا کی ہے

دشمن کی بے وفائی کا شاید یقین ہوا
یہ چھان بین آج جو میری وفا کی ہے

سینہ پہ آپڑی کبھی رُخ پر بکھر گئی
تقدیر اوج پر تری زلفِ رسا کی ہے

محشر میں ہم جفاؤں کا اُنکی کریں شمار
وہ ملتجی ہوں ہم سے یہ قدرت خدا کی ہے

تصویر تیری بات بھی کرتی نہیں کبھی
مغرور اپنے حسن پہ یہ کس بلا کی ہے

سُنکر وہ میری آہ یہ بولے رقیب سے
دل ہل گیا ہے اُف یہ فغاں کس بلا کی ہے

تصویر اپنی دیکھکے کہتے ہیں ناز سے
تم جانتے ہو اسکو یہ کس دلربا کی ہے

مجھسے کرینگے آپ وفا جی بجا درست
مجکو امید آپسے بیشک وفا کی ہے

وعدہ ہوا ہے وصل کا یا وصل ہوگیا
مسرورؔ آج تمکو خوشی انتہا کی ہے

مجرمؔ - جناب حافظ محمد زکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونقؔ دہلوی

حالت یہ فرطِ غم سے ترے مبتلا کی ہے
شکوہ ہے جور کا نہ شکایت جفا کی ہے

ہم جن پہ مٹ رہے ہیں وہ اللہ رے نصیب
غیروں سے ملکے شاد ہوں قدرت خدا کی ہے

ہر روز کی نہیں سے نکلتی ہے میری جان
انکارِ وصل چھوڑ دو یہ ضد بلا کی ہے

اقرار شام وصل کی ہے نہ دو سحر
تمکو قسم تمھاری ہی زلفِ دوتا کی ہے

تیرا طریق وہ ہے یہ میرا شعار ہے
تجھ میں جفا کی خو ہے تو مجھ میں وفا کی ہے

ساقی ہے جی ہے یار ہے مطرب ہے باغ ہے
ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں آمد گھٹا کی ہے

کچھ بے سبب فراق کی بیتا بیاں نہیں
مجرمؔ کے دل میں یاد کسی دلربا کی ہے

مذاقؔ - جناب پنڈت شیو نراین صاحب شرما وید - دہلوی

تیرا قصور ہے نہ خطا کچھ قضا کی ہے
مارا مجھے ادا نے - یہ قدرت خدا کی ہے

ہیں وہ مریضِ ہجر ہمیں جسکو جہاں میں — حاجت دوا کی ہے نہ ضرورت دعا کی ہے

ہو جائے ہر اداپہ تری دل نہ کیوں فدا — شوخی غضب کی ہے تو شرارت بلا کی ہے

ہے جس پری کے حسن پہ دل میرا شیفتہ — مرتے ہیں سب اسی پہ یہ قدرت خدا کی ہے

کیوں دہر بے ثبات میں ہے زندگی پہ ناز — ملنے کو آئے مذاق یہ صورت بقا کی ہے

مضطر۔ جناب سورج بلی صاحب نگم باندوی از ہمیر پور

جو نہی ہمارے ہاتھ میں فکر رسا کی ہے — لکھتے ہیں وصفِ زلف طبیعت بلا کی ہے

آنکھوں میں نیند بن کے وہ آتے ہیں رات کو — دیکھو تو انتہا بھی کچھ انکے حیا کی ہے

کبتک امیدوار وفا منتظر رہیں — آخر کچھ انتہا بھی تمھاری جفا کی ہے

سب تو کہاں ہے برق میں شوخی نگاہ کی — تھوڑی سی ملتی جلتی شرارت ادا کی ہے

سنتا نہ عندلیب کی فریاد و زاریاں — پھونکی ہوئی یہ کان میں گل کے صبا کی ہے

جس طرح ہو حباب کوئی دم کا میہمان — حالت یہ ہجر غم میں ترے آشنا کی ہے

مضطر کی آرزو کے بر آنے میں شک نہیں — ہے دیر اسے کریم تو تیری عطا کی ہے

مضطر۔ جناب جگناتھ پرشاد صاحب سکندر آبادی تلمیذ جناب رونق

چاہت ہمیں جہاں میں جس مہ لقا کی ہے — زاہد بھی اسپہ مرتا ہے قدرت خدا کی ہے

دل جس اداکے ساتھ چرایا ہے آپنے — ہم جانتے ہیں جا [illegible] کی ہے

کیا کیا ستم کرے گا وہ عہدِ شباب میں — اس کم سنی میں خو جسے جور و جفا کی ہے

دنیا سرائے فانی ہے اس میں بقا کہاں — ہستی جسے سمجھتے ہیں صورت فنا کی ہے

مضطر کسیکا کوئی جہاں میں نہیں انیس — دنیا سے تو اٹھی ہوئی مہر و وفا کی ہے

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ حضرت قمر رئیس بدایون

گو جانتا ہوں میں تری عادت دغا کی ہے — پھر بھی مجھے امید ستمگر وفا کی ہے

کتنے دلِ نزار کو ڈالا دبال میں — تقدیر کی خطا ہے کہ زلفِ دوتا کی ہے

وعدے تو آپکے چلے جائینگے حشر تک — امید کسکو زندگی بے وفا کی ہے

ہاجر۔ جناب رگھناتھ سنگھ صاحب دہلوی

کیوں مرغ دل اسیر نہ ہو دام زلف میں — گو بات ہر کہ ڈور کمند قضا کی ہے

ہیں نغمہ زن طیور تبسم کناں ہیں گل — آمد چمن میں آج کسی دلربا کی ہے

بیخود - جناب سید وحید الدین احمد صاحب دہلوی تلمیذ رشید فصیح الملک داغ دہلوی

سنتے سنتے وصفِ دشمن جان اپنی جل گئی — پھر بلا دیتی ہے اُن سے چل گئی جب چل گئی
گرم نالوں سے اِدھر منقارِ بلبل پھل گئی — آتشِ گل سے اُدھر غنچہ کی چھاتی جل گئی
بیکسی میں تھا تو لے دے کر سہارا اُس کا تھا — موت بھی آ کر کفِ افسوس مجھ پر مل گئی
تو نے بھی سلے آسماں دیکھا جلانے کا مزا — آشیانے سے مرے بجلی بہت بیکل گئی
پیتا تو آبرو کا ہے محبت میں سبھے — جان کی پروا کسے آخر گئی - اوّل گئی
میکدے میں رُوح زاہد کی کہیں آتی نہ ہو — کل تو اک ساغر تھا غائب آج اک بوتل گئی
تیر جو کا اُن کا میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے — مر گیا بے موت میں آئی ہوئی جب ٹل گئی
اُس کی اِک ٹھوکر میں سیدھی ہو گئی اٹھتی ہیں — اب قیامت سے کوئی پوچھے کدھر چل بل گئی
نوجوانو لطف ہے جوانی چار دن کی چاندنی — آج جانے سے اگر یہ رُک گئی تو کل گئی
لے گئی ہوش و خرد - صبر و تحمل چھین کر — کیا نظر اُسکی چھلاوہ تھی کہ مجکو چھل گئی
ہائے اب اتنی تسلّی کا سہارا بھی گیا — ہاتھ جب دل پر رکھا اُسنے ہتیلی پھل گئی
اُن کی شوخی پر عجب انداز سے نکلی ہے جان — ڈھونڈتا ہی رہگیا میں تو کدھر چھل گئی
بول اُٹھے حشر میں اُس شوخ کو سب دیکھکر — حسن کے سانچے میں سر تا پا قیامت ڈھل گئی
بن گئی بزمِ عدو میں شمع بھی میری رقیب — مجکو جلتا دیکھ کر محفل میں یہ بھی جل گئی
گر چھپاؤ مجھ سے بیخود تو یہ میرا لہو — کس کی دعوت کے لیے پھر آج یہ بوتل گئی

حضرت رسا - شاعر و وکیل دربار ریاست رامپور

پھر کوئی بات ہم سے وہ کیونکر بنائیں گے — اک گھر عدو کے گھر کے برابر بنائیں گے
یارب جو تو بھی اُن کا طرفدار ہو گیا — ہم اور کس کو داورِ محشر بنائیں گے
عشاق کو نہ کوچے سے اپنے نکالیے — یہ خانماں خراب کہاں گھر بنائیں گے
غیروں سے ہو وفا کبھی ممکن ہی یہ نہیں — باتیں ہزار آپکے منہ پر بنائیں گے
توبہ کے واسطے ہو ٹھکانا کوئی ضرور — مسجد بھی میکدے کے برابر بنائیں گے
ہے دم میں دم تو راہ پہ لائینگے ہم تجھے — زندہ رہے تو دل میں ترے گھر بنائیں گے
اکدن تجھے انھیں کے حوالے کرینگے ہم — وہ تجکو ٹھیک لے دلِ مضطر بنائیں گے
جاتے ہی اُسکے ہوگا قیامت کا سامنا — دم بھر کو آ کے وہ مرے دم پر بنائیں گے
سو پہلوؤں سے لکھیں گے اک حرفِ آرزو — ہم اپنے خطِ شوق کو دفتر بنائیں گے
چاہیں گے ہم جسے اُسے چاہیں کے سینکڑوں — دل دینگے ہم جسے اُسے دلبر بنائیں گے
ششدر بنے گا آئینہ صورت کو دیکھ کر — پتھر کو آپ اور بھی پتھر بنائیں گے
جب جستجوئے یار میں رکھیں گے ہم قدم — نقشِ قدم کو یاد کے رہبر بنائیں گے
زاہد جو تجھ سے گو نہیے کسی روز می پرست — ظرفِ وضو کو توڑ کے ساغر بنائیں گے
آئینہ بھی ہے سامنے دل بھی ہے سامنے — یہ دیکھنا ہے کسکو وہ ششدر بنائیں گے
ہم اور اُن سے شکوۂ بیداد سلے رسا — اتنی سی بات کہہ کے ستمگر بنائیں گے

یہ حضرت بیخود صاحب کی وہ غزل ہے جسکی علاوہ سامعین کے خاص نواب صاحب طالب دہلوی نے بہت تعریف کی بعد فرمایا کہ ضرور درج رسالہ کیجائے تاکہ ناظرین بھی اس حظ سے محروم نہ رہیں

فلپ ۔ صاحب ایک عورت ہے اور میں اُسکو محافظ خانہ میں پہنچا آیا ہوں ۔
(کیونکہ کرنل رمبلڈ کے خانگی دفتر کا نام ابھی تک اصلی ہی نام سے مشہور تھا)
اور اُس نے مجھسے اصراراً درخواست کی تھی کہ میرا پیغام حتی المقدور بہت تھوڑے
اور مختصر الفاظ میں یہ دیا جائے کہ " ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے "
کرنیل زینہ پر چڑھ گیا اور ایک برامدہ میں ہوکر محافظ خانہ میں پہنچا جس کے
اُس وقت دو راستے تھے ایک تو اس برامدہ میں سے سکنی مکانات کو جاتا تھا
اور دوسرا زینہ صدر دروازہ کی دہلیز سے چکردار سُرخ اینٹوں کا بنا ہوا تھا ۔
اور مناسب سامان ضروری و تصاویر وغیرہ سے آراستہ تھا ۔ یہ کمرہ ۳۰ فٹ طول
میں تھا ۔ اور عرض میں کل صدر دہلیز پر واقع تھا اور ۱۸ فٹ بلند تھا ۔ گول زینہ کے
لئے اُس کا ایک گوشہ گولائی میں کٹا ہوا تھا اور اُس کا صدر دروازہ بلوط کی لکڑی کا
کیلوں سے خوب مضبوط جڑا ہوا تھا ۔ اور دوسرے راستے کے دروازہ کی تمیز زیادہ لاگت کی
نہیں تھی ۔ اِس کمرے میں تین کھڑکیاں تھیں ۔ جن میں سے دو سامنے کے رُخ جانب شرق
کُھلی ہوئی تھیں ۔ اور تیسری جانب جنوب تھی ۔ اُس میں سے نیو مارکیٹ اور لندن
کی سڑک دکھائی دیتی تھی ۔ چمنی یعنی آتشدان کا مُنہ بہت کشادہ تھا ۔ لیکن نیچا تھا ۔
اور اُسکے اُوپر کوئی خوشنما جالی دار کارنش نہ تھی ۔ بلکہ اُسکی جگہ ایک پتھر بیقاعدہ
تراشا ہوا کنارہ دار لگا ہوا تھا ۔
فلپ " جو ملاقات کنندہ کو گول پیچدار زینہ سے پہنچا گیا تھا میز پر ایک جلتا ہوا
لیمپ بھی چھوڑ گیا تھا ۔ لیکن یہ عورت روشنی سے اسقدر زیادہ فاصلہ پر بیٹھی تھی
جسقدر کہ کمرے کی وسعت اُسکو اجازت دے سکتی تھی ۔ اور جبکہ رمبلڈ کمرہ میں
داخل ہوا وہ رنج اور تکان کے باعث نہایت شکستہ حالت میں پڑی ہوئی
تھی [illegible] بیٹھے ہوئے تھی جس [illegible]

گرد آلود قمیص سے معلوم ہوتا تھا کہ اُسنے ابھی رائی ہوس تک ایک دُور دراز سفر
کیا ہو۔ اُس وقت اُسکی شکل کے دیکھنے سے اُسکی عمر کا اندازہ آسان نہ تھا۔
بال بالکل سفید ہو گئے تھے اور جھکی ہوئی کمر اس امر کو ظاہر کرتی تھی کہ برسوں تک اُسنے
بہت کچھ صدمے اور سختیاں جھیلیں ہیں۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ غلپ کے پیغام دینے
سے پیشتر جس وقت کہ اُسکی بہن کا ذکر ہو رہا تھا کرنیل رمبلڈ کو بہن کا کچھ خیال بھی ہوا
تھا یا نہیں اُسکے یہ مخفی راز کی ہوشیاری کا نتیجہ تھا۔ لیکن کچھ بھی ہو یہ ضرور تھا کہ
کرنیل کے دل میں بہت بڑا شبہہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ملاقاتی کون ہے۔ اور اب جبکہ
وہ کمرے میں داخل ہوا اور چند لحہ تک کھڑا رہا اُسکے دُبلے پتلے اور غمگین چہرہ کو
جو اُسکی جانب دردناک التجا میں اُونچا اُٹھا ہوا تھا دیکھا کیا۔ اگرچہ وہ تبدیل نہ ہوا تھا۔ بلکہ
ایک وحشت انگیز تغیر ہو گیا تھا۔ تاہم اسقدر تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی کہ اُسکے خط و خال
سے کافی یقین کے ساتھ اپنے شک کو جو ابھی پیدا ہو گیا تھا رفع نہ کر سکے۔ اگرچہ اُسکی
شکل پر لیمپ کی بہت دھیمی روشنی پڑتی تھی۔ لیکن بلا شک کرنیل اُسکو بخوبی پہچان
گیا۔ اگرچہ وہ قوی دل تھا۔ ور کوئی اثر اُسکو یکایک مغلوب نہیں کر سکتا تھا۔
اسپر بھی چند قدم ڈگمگایا اور غشی سی طاری ہونے لگی۔ لیکن بمشکل اپنے آپ کو
قابو میں کیا۔ اور اُسکی طرف بڑھ کر کہا "ہیرنٹا۔! بہن تم ہو۔! میری غریب ہیرنٹا
مبارک۔ مبارک !!!۔
(بدقسمت عورت) یہ بہت زیادہ مہربانی ہے۔ یہ کہکر اپنے آپکو بھائی
کے قدموں میں ڈالدیا اور اپنا چہرہ سوکھی ہوئی پتلی اُنگلیوں سے چھپا لیا۔ اور
آواز سے سسکنا شروع کیا۔ آنسو اُسکی خشک آنکھوں میں سے باہر نکل رہے
تھے۔ رمبلڈ نے اُسکو اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ اور صرف معافی ہی کا یقین نہیں
دیا بلکہ اس بات سے کہ وہ گنہگار اُسکے پاس آگئی نہایت خوشی اور اطمینان

ظاہر کیا۔ ناخوش عورت نے اپنی نسبت سخت ملامت کی اور ظاہر کیا کہ اُس نالایق نے کیسی مہربانی اپنے بھائی کی جانب سے حاصل کی۔ اُس کے گناہ کیسے عظیم تھے کہ جنکے لیئے کوئی سزا برابر نہیں ہو سکتی تھی۔

رمبلڈ۔ ہیرنٹا یہ قدرتی امر ہے کہ جس کا ذکر آج شام کو تھا۔ یعنی اُسی وقت جبکہ تمھارا پیغام مجکو دیا گیا تھا تمھارا ہی ذکر تھا۔ ہاں میں اپنی بیوی اور دختر سے آپکا ہی ذکر کر رہا تھا میری بیوی کو مدت سے اور سالہاے گزشتہ سے ہر ایک امر معلوم تھا لیکن میری دختر کو جو میری بہت عزیز ہے یہ قصہ شام کو اسی وقت معلوم ہوا تھا۔

ہیرنٹا (نا اُمیدی سے ہاتھ ملکر) آہ! مجکو یہاں سے چلا جانا چاہیئے مجکو بھاگ جانا چاہیئے۔ ایک کمبخت گنہگار کی موجودگی جیسی کہ میں ہوں اُس موقع پر جہاں نیک اور پاکباز عورتیں اور نوجوان رہتی ہوں مناسب نہیں ہے۔ آپکی بیوی مجھ سے نفرت کریگی۔ آپ کی دختر مجکو حقارت سے دیکھے گی

کرنیل رمبلڈ۔ (استقلال کے ساتھ لیکن اصرار سے) نہیں ہیرنٹا۔ اگر تمکو میری دختر کا حال معلوم ہوتا اور تم یہاں علانیہ رہا کرتیں تو آپکی نعلگیری کے ساتھ تعظیم دیجاتی۔ آپکو اُسکی ملاقات سے پہلے فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

بد قسمت ہیرنٹا۔ رچرڈ تب تو تمھاری فرشتہ سیرت اور فیاض اور مہربان لڑکی ہے۔ (اور آنسو اُسکے رخسارے سے ٹپکنے لگے)

بھائی۔ فوراً اُنکے پاس چلو۔ تمکو آرام کرنیکی ضرورت ہے تم ماندگی سے تباہ ہو گئی ہو

ہیرنٹا۔ ہاں میں تھک گئی ہوں اور قریب المرگ ہوں لیکن مجکو کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایک نیک شخص سے آج دوپہر کو کھانا مانگ لیا تھا یہاں سے چند میل کے فاصلے پر رہتا ہے مجکو یہاں چند لمحہ ٹھہرنے کی اجازت

دیجیے۔ اپنی زوجہ اور دختر کے مقابل ہونے کی اُس وقت تک مجھ سے درخواست نہ کیجیے جب تک میری تکلیفات کو تسکین نہ ہو اور اُسوقت تک اُنکو بھی اس ملاقات کے لیئے تیار ہو جانے دیجیے۔

رمبلڈ (اُس کرسی کو بڑھاکر جسپر اُسکو بٹھانے کیلئے اصرار کیا تھا) میری غریب ہیرنلڈا اسپر بیٹھ جائیے۔ اور پھر ایک چھوٹے سائڈ بورڈ کو کھولا جو کمرہ کے گوشہ میں کھڑا تھا اُسنے شراب اور روٹی نکالی جو وہاں پر اُن ملاقاتیوں کے شغل کے لیئے تیار رہتی تھی جو معاملات تجارت کیواسطے اُسکے پاس آیا کرتے تھے اُسنے اُس سے کھانے اور پینے کے لیئے اصرار کیا اور مہربانی کے ساتھ اپنے طریقہ کے مطابق راستی آمیز الفاظ میں گفتگو کی اُس تجربہ کار نے ثابت کر دیا کہ اُسکے خیالات ہمدردی لڑائی کے موقعہ جات کیوجہ سے اور جھگڑے اور فسادات سے جس میں اُسکی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف ہو چکا تھا اُس سے علحدہ ہو چکے تھے۔ لیکن جوں ہی کہ اُسنے اپنی سوتیلی بہن پر نظر ڈالی وہ اُسکی موجودہ پوشاک کو نہایت رنج کے ساتھ اُسکے مقابلہ میں نہیں دیکھ سکتا تھا جوکہ وہ اُس وقت پہنے ہوئے تھی جبکہ اُسنے اُسکو آخر مرتبہ دیکھا تھا جسکو ۲۴ سال سے زیادہ عرصہ ہوا۔

اُسوقت ایک شاندار عورت نوخیزی اور اعلیٰ درجے کی خوبصورتی کے زمانہ میں دکھائی دیتی تھی۔ اور اب ایک بہت کریہ منظر اور اصلی عمر سے بھی ۲۰ سال زیادہ عمر کی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ ہنوز ۴۸ موسم گرما بھی اُسکے سر پر منقضی نہیں ہوئے تھے تاہم معلوم ہوتا تھا کہ ستر سالہ موسم سرما کے طوفان نے اپنے برف کا سایہ اُسکے ابروں پر ڈالا تھا اور اپنے بغض اور کینہ کا بدلہ اُسکے چہرہ اور شباہت سے لیا تھا۔

ہیرنلڈا (شکستہ آواز سے) آپ مجھکو خوف و خطرناک حالت میں مبتلا دیکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتی تھی یا گمان کر سکتی تھی کہ اُسکے بھائی کے دل میں کیا کیا خیال گذرے

ہو سکے) لیکن آہ یہ امر کہ میں اس طرح تبدیل ہو گئی ایسا تعجب خیز امر نہیں ہے جیسا کہ میرا اُن عذابات روحانی سے زندہ بچ جانا ہے جس میں مَیں نے بسر کی ہے۔

لیکن اے رچرڈ تم مجکو معاف کرو۔ مجکو معاف کرو۔ یہ امر کہ میں آخری مرتبہ اپنے آپکو تمھاری حاضری میں بعد اسقدر عرصہ غیر حاضری و زنانہ سکوت کے کھینچکر لائی ہوں صرف اس لیئے ہے کہ مَیں تمھارے لبوں سے اُن عذابات کے یقین ہونیکے الفاظ سنوں۔ اُسنے جواب دیا ہیرنٹا مَیں نے تجکو اُسی وقت معاف کر دیا تھا جبکہ تیری بے عزتی مجکو معلوم ہوئی تھی۔ ہاں میں اَب بھی تجکو معاف کرتا ہوں۔ کیونکہ مجکو معلوم ہوا تھا کہ کوئی معمولی فریب تیرے قدموں کو راہِ راست سے گمراہ کرنے کے لیئے استعمال نہیں کیا گیا ہوگا۔ مجکو اچھی طرح یقین تھا کہ کسی ناہموار چال چلن کی آزمایش نے یا کسی کچھ خوشنما منظر شیطانی سیرت نے تمھارے قدرتی طریق راستی پر نظر تشکیک ڈالی ہوگی۔

ہیرنٹا۔ ہاں ہاں ایسا ہی تھا۔ کسی ذی عزت عورت کو مرد کی بیوفائی سے ایسی بیرحمی کے ساتھ دھوکا نہ دیا گیا ہوگا۔ کبھی ایسی خراب بے حرمتی نہوئی ہوگی اور کبھی ایسی دل شکستگی سے تباہ نہ کی گئی ہوگی۔

بھائی۔ (جس کا چہرہ بد انفعالی سے سیاہ ہو گیا تھا) آہ کیا یہی قصہ تمھاری ذلت کا ہے۔ کیا وہ مجرم ہنوز زندہ ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھ سے کہو کہ میں اُسکی تلاش کروں اور اُس سے انتقام لوں اور جسکی سزا کے لیئے میں نے عمل فرائض مذہبی کے خدا سے منت مانی ہے۔

مایوس عورت۔ مجکو نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے۔ مَیں اُس کا اصلی نام بھی نہیں جانتی۔ ہر ایک مرحلہ اُسنے کیا یا کہا جھوٹ تھا۔ اور مجکو کب معلوم ہوا افسوس بہت دیر بعد کیسی سختی سے میرے ساتھ دغا کی گئی ہے۔

کرنیل - میرزا ہم صرف ابھی ایک مرتبہ تمھاری ذلت کے گزشتہ ایام کا ذکر کرینگے اور صرف ایک ہی مرتبہ اُسکے بعد ہمارے مابین اُس کا کبھی ذکر نہ ہوگا لیکن اُس دغابازی کا جو تمھارے ساتھ کی گئی ہے اس طرح پر مفصل بیان کرو کہ شاید جلد یا دیر میں اُس بدمعاش کے ظاہر ہو جانیکا سراغ مل سکے - اگر ابھی تک وہ اِس دنیا میں زندہ موجود ہو - جلدی کرو - اور بیان کرو ! اگرچہ بلاشک یہ قصہ نہایت درد آمیز ہے - لیکن بہت جلد اس کا ذکر چھوڑ دیا جائیگا - تمکو اُسکے مکرر بیان سے جو تکلیف ہوگی وہ بہت جلد رفع ہو جائیگی -

بدقسمت عورت - میں نہیں جانتی کہ آیا میں اپنی تکالیف کو سوائے آپ کی متابعت کے اور کسی طرح پر تسکین دے سکتی ہوں اور میرا خدا گواہ ہے کہ میں آپکی اُس شکرگزاری کے ثابت کرنے میں جو میری ملاقات میں آپ نے مہربانی ظاہر کی ہے - میں ہر ایک کام جو میرے اختیار میں ہوگا کرونگی - ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے جو میرے اوپر مؤثر ہو جس میں مشغول ہو کر برداشت نکر سکوں - لیکن جب کہ میں اپنی غلطیوں کا خیال کرتی ہوں تو وہ مجکو پاگل بنانے کے لیئے کافی ہیں جبتک کہ میری ملاقات اُس آدمی سے نہیں ہوئی تھی اُس وقت تک میرا دل نہیں جانتا تھا کہ محبت کیا چیز ہے - تاہم وہ ذاتی جذبہ یا کشش نہ تھی جو وہ رکھتا تھا کیونکہ وہ سب ماضی تھے لیکن اُسکی گفتگو میں مفتون کرنے کی طاقت تھی اُسکے طریق عمل کی لطافت اُسکی جانفشانیاں اُسکے افکار اُسکے مذہبی وعدے - اور تمام لفظ و اقعی جو وہ بیان کرتا تھا - اُسکی خوشامدیں جو وہ میری خوبصورتی پر کرتا تھا اور میں ایک ادنی لڑکی کا رستہ [illegible] مجکو گمراہ کیا گیا میرا دماغ پھٹ گیا [illegible] اس [illegible] کی تحقیقات سے پہلے کہ کیا ہوتی ہے میں نے اُس سے محبت کی اور ایسے شخص کی محبت میں میں نے میری عصمت کی دولت کی [illegible] تباہ ہو گئی -

وہ اس سختی کی تیزی کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی۔ اور اسی طرح پر اپنی تمام تنہائی اور
دغا باز دوست کی جانب دل ملامت اور اپنی نسبت طعنہ زنی کر کے اُس سے
پھر اپنے دست افسوس کو ملا اور پھر اشکبار ہو کر سسکنے لگی۔ گویا کہ وہ ایک نوجوان
لڑکی ہے جو اپنی ابتدائی تباہی اور صرف محبت پر افسوس کر رہی ہے۔

اُسنے جبکہ اُسکی جگر سوزی کی زیادتی فرو ہو گئی تھی پھر کہا کہ یہ معاملہ اُس وقت
واقع ہوا جبکہ میں گرین وچ کے آس پاس ٹہل رہی تھی اور میرا اوّل مرتبہ اُس
آدمی سے مقابلہ ہوا۔ میری مہربان محافظ اُس وقت بیمار تھی۔ اور دن بھر کئی دن
اُسکی محنت سے حفاظت کرنے کے بعد اُسکے بیماری کے گرم کمرہ سے تر و تازہ ہونے
کے لیے شام کو بہار کے موسم میں باہر چلی جاتی تھی۔ اُس وقت میں اُسکی توجہ کا نشانہ
بن گئی۔ لیکن اوّل موقع پر وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ اُس کو
زیادہ جرأت ہوئی اور مجھ سے ہمکلام ہونیکا حوصلہ ہو گیا ۔ آہ مجھکو اپنی کمزوری کے حالات
بیان کرنے میں زیادہ عرصہ تک بہنے کو مجبور کرنا چاہیے۔ میں از خود رفتہ ہو گئی تھی یہاں
وہ شیر کی عظمت کی بادشاہت پر قادر رہنے کی تاب نہ رہی تھی۔ میں نے اُس کی
بات کو منظور کر لیا۔ خدایا میرے کانوں میں جنہوں نے اِس طرح پر اُسکی مدارات اور
اُسکی خوشامدوں کو سنکر تکلیف اٹھائی گرم سیسہ بھر دیا جاتا۔ [illegible] شام کی شام ہم
ملے [illegible] لیکن [illegible] تنہائی میں کہ جہاں کوئی نہ دیکھے۔ اُسنے
مجھ سے کہا [illegible] جارج [illegible] ولیم [illegible] بہت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سحر سے جو اُس شخص نے عجیب طاقتِ فریفتگی سے میرے دل پر مؤثر کیا تھا تباہ
ہوگئی۔ میں گر پڑی اور آخرکار اپنے آپ کو اُس حالت میں پایا کہ میں کسی بیچارگی
بنوں اور خوف تھا کہ مبادا میری مہربان محافظ میری حالت سے واقف ہو جاوے
یا آپ دفعتاً واپس آجائیں۔ میں اپنے دغاباز کے ساتھ بھاگنے کے لیے مستعد
ہوگئی۔ لیکن دیکھو رچرڈ میں نے اپنی فریفتگی کی حالت میں بھی اُن اصولوں کو نہیں
چھوڑا تھا جس میں کہ میں نے اپنے آپکو اسکی خوشی پر بشرطیکہ نباہ کر لیا جبر سے
اُسنے مجکو پورا یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے عہد کو بجا لائیگا۔ اور مجکو اپنی زوجہ بناسکیگا
اُسنے یہ اقرار کیا تھا کہ لیکن انگلینڈ میں نہ ہوگا۔ بلکہ ہمارے ہاتھ فرانس میں باہم ملا دیے
جائینگے۔ اُس وقت میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر میرا اعزاز بذریعہ نکاح کے قائم
ہوگیا تو میں اپنے آیندہ مکان سے ملوث ہوکر نکلونگی اور تمام امور ظاہر کردونگی جو واقع
ہوئے تھے۔ پس میں نے اسکے ساتھ بھاگنے کا اقرار کر لیا۔ ہماری روانگی نہایت
پوشیدگی کی حالت میں تاریک رات کو ہوئی۔ میں مکان سے چھپکر چلی اور
اُس جگہ پر چلی جو معین ہوگئی تھی۔ ایک کشتی دریا کے کنارے پر انتظار میں تھی۔
جسمیں ہم داخل ہوئے اور پھر وہاں سے ایک جہاز میں سوار ہوئے جو فوراً روانہ
ہوا اور دو دن میں ہم ڈیپ پہنچ گئے اس قصبہ کے گرد و نواح میں ایک چھوٹا
پوشیدہ مکان اُس شخص نے کرایہ پر لیا جو اپنے آپ کو جارج فنٹس ولیم کہتا تھا۔
مجکو اُس وقت معلوم ہوا کہ وہ بالکل غریب تھا۔ اور ہماری حالت اُس حالت
محتاجگی میں مبدل ہوگئی اور اس وجہ سے بمقابلہ اُن تکالیف کے جو میں نے اُن
حیلہ جات الفافیہ سے برداشت کی تھی جو وہ تجاویز نکاح میں کسی غرض سے تساہل کرتا تھا
میں نے کچھ خیال نہیں کیا۔ آخرکار اُسنے مجکو یکایک بارادہ سفر چھوڑ دیا اور اقرار
کیا کہ وہ چند ہفتوں میں واپس آجائیگا۔ وہ قریب تین ماہ کے غائب رہا۔ اور اس

دھوم کس شان پہ رعنا کی ہے بازاروں میں | حسنِ یوسف بھی ہے جنسِ گلِ بازار کے بیچ

کہاں ہیں مشتاقانِ سخن ؟ دہلی کی صاف اور ستھری زبان میں شیریں کلام کی چاشنی چکھنے والے۔ کدھر ہیں عیارانِ کامل الفن معیار طبع موزوں پر زرِ سخن پرکھنے والے ؟ اِدھر تشریف لائیں **دیوان رونق سخن** ملاحظہ فرمائیں۔ مصنف کی عالی دماغی و پاکیزہ خیالی اور چلبلی طبیعت کے بے تکلفانہ انداز نے الفاظ معنی کے قالب میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ روزمرہ کی صفائی محاورات کے جوڑ توڑ۔ الفاظ و معانی کو نئی زندگی بخشی ہے۔ الفاظ موتیوں میں تولنے کے قابل اور معانی بیاضِ دلِ عشاق میں درج کرنے کے قابل۔ دیوان کیا دل کا نادر تحفہ اور دل لگی کا ایک نایاب مجموعہ ہے۔ اور کیوں نہو اسکے مصنف عالیجناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی مصنف دیوان مرآۃ الخیال و شارح مثنوی مولانا روم کے تلمیذ رشید **منشی پیارے لال رونق دہلوی** ایڈیٹر کمال دہلی ہیں۔ لکھائی چھپائی صاف۔ کاغذ عمدہ شفاف۔ بایں ہمہ قیمت صرف ۸ علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ

مینیجر کمال دہلی گلی شرک

اشتہار دینے کا ایک نایاب موقعہ

ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء و جنوری ۱۹۱۰ء میں جبکہ پنجاب کے دار الخلافہ شہر لاہور ایک بڑی عالیشان نمائش مع عالیشان کانگریس کیوجہ سے لاکھوں اعلیٰ طبقہ کے رؤسا نامدار و تجاران ذی وقار کا مرکز بننے والا ہے اس لیے ہم بھی ہندوستان کے قدیم دار السلطنت شہر دہلی کا مشہور و مستند ہر دلعزیز رسالہ **کمال دہلی** جو ہر مہینے اعلیٰ پیمانہ پر نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے کم از کم تیس ہزار شائع کر کے اس بے نظیر مجمع کی یادگار کے لیے مفت تقسیم کرینگے۔

اس میں موجودہ ہندوستان کے تمام نامی گرامی شعرا و نیز مشاہیر اہل زبان کا کلام مصداق کلام الملوک ملوک الکلام کے علاوہ مفید عام پر زور نثر مضامین بھی طبع کیے جائینگے اشتہار دینے والے تجارت پیشہ اصحاب کو یقیناً ایسا عمدہ موقعہ پھر جلد دستیاب ہونا قطعی ناممکن ہے کیونکہ اس طریق پر انکا اشتہار لاکھوں آدمیوں کی نظر سے گذر جائیگا۔ لہذا ہم بذریعہ نوٹس ہذا اطلاع دیتے ہیں کہ ضرور ایسے موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ قیمت پورے صفحہ کی ۱۲ نصف صفحہ کی ۷ مقرر ہے نصف صفحہ سے کم کا اشتہار نہ لیا جائیگا جو صاحب اپنا اشتہار دینا چاہیں ۱۵ نومبر تک معہ نصف قیمت کے بھیجدیں دیگر باقی قیمت پروف دکھانے پر ادا کرنی ہوگی تاکہ ابھی سے رسالہ کے ساتھ اسکی اشاعت کا کافی انتظام کیا جائے ہمیں یقین ہے کہ تجارت پیشہ اصحاب اس موقعہ کو ہاتھ سے نجانے دینگے اور اپنے اپنے اشتہار بھیجکر ہمیں ممنون فرمائینگے **مینیجر کمال دہلی**

جلال لکھنوی مرحوم

داغ و امیر پہلے ہی دنیا سے چل بسے
اب تازہ غم یہ اور ہوا ہے جلال کا
زیر زمیں چلے گئے سب صاحب ہنر
دشمن مگر زمانہ ہے اہل کمال کا

ہندوستان میں حضرت داغ و جناب امیر کے بعد لے دے کر ایک صاحب کمال حضرت جلال لکھنوی موجود تھے۔ چرخ کینہ پرور زمانۂ دوں پرست اُن کو بھی ندیکھ سکا۔ اہل لکھنو کو اِس مستند شاعر کے داغ مفارقت دے جانے پر جتنا رنج و غم ہو کم ہے۔ مگر اہل دہلی بھی اِس صدمۂ جانکاہ پر جسقدر آنسو بہائیں زیبا ہے۔ آہ بدقسمت ہندوستان نے ایک ایسے نامی گرامی مسلم الثبوت شاعر کا اِس منحوس مہینے میں نقصان اُٹھایا کہ جس کا نعم البدل پانا عرصۂ دراز تک محال کیا بلکہ ناممکن ہے۔ افسوس اب وہ ناہنجار وقت آگیا ہے کہ دنیا سے اہل کمال کم ہوتے جارہے ہیں۔ پہلے ہی شاعری کی دنیا میں گنے چُنے تھوڑے سے صاحب ہنر تھے۔ آہ وہ بھی اب نہ رہے۔ ایشیائی شاعری کی ناؤ منجھدار میں رہ گئی۔ نازک خیالی کا خاتمہ ہوگیا۔ معانی آفرینی کا ماتم کیوں نہو جب ایک بھی استاد فن نہ رہے۔ دلّی میں فصیح الملک حضرت داغ و خلاق المعانی جناب مولنا راسخ تھے۔ اب ایک طوطی شکرستان خوش مقالی حضرت ظہیر رہ گئے ہیں۔ خداوند ذو الجلال انکو ہستی دنیا تک قائم رکھے۔ لکھنو میں فاضل اجل حضرت امیر مینائی کے بعد اہل کمال میں جناب جلال کا دم غنیمت تھا۔ وہ بھی خلد بریں کو تشریف لیگئے۔ سچ پوچھئے تو رہی سہی جو کچھ شاعری میں ایک رمق جان باقی تھی وہ بھی نہ رہی۔ اب ہر طرف اہل کمال کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ ہم نہایت رنج و قلق و دلی افسوس کے ساتھ جناب جلال کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے خالق مطلق سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جلال لکھنوی مرحوم

داغ و امیر پہلے ہی دنیا سے چل بسے — اب تازہ غم یہ اور ہوا ہے جلال کا
زیر زمیں چلے گئے سب صاحب ہنر — دشمن مگر زمانہ ہے اہل کمال کا

ہندوستان میں حضرت داغ و جناب امیر کے بعد یہی دے کر ایک صاحب کمال حضرت جلال لکھنوی موجود تھے۔ چرخ کینہ پرور زمانہ دوں پرست اُن کو بھی نہ دیکھ سکا۔ اہل لکھنو کو اِس مستند شاعر کے داغ مفارقت دے جانے پر جتنا رنج و غم ہو کم ہے۔ مگر اہل دہلی بھی اِس صدمہ جانکاہ پر جسقدر آنسو بہائیں زیبا ہے آہ بدقسمت ہندوستان نے ایک ایسے نامی گرامی مسلم الثبوت شاعر کا اِس منحوس مہینے میں نقصان اُٹھایا کہ جس کا نعم البدل پانا عرصہ دراز تک محال کیا بلکہ ناممکن ہے۔ افسوس اب وہ ناہنجار وقت آ گیا ہے کہ دنیا سے اہل کمال کم ہوتے جا رہے ہیں۔ پہلے ہی شاعری کی دنیا میں گنے چُنے تھوڑے سے صاحب ہنر تھے۔ آہ وہ بھی اب نہ رہے۔ ایشیائی شاعری کی ناؤ منجدھار میں رہ گئی۔ نازک خیالی کا خاتمہ ہو گیا۔ معانی آفرینی کا ماتم کیوں نہو جب ایک بھی استادِ فن نہ رہے۔ دلّی میں فصیح الملک حضرت داغ و خلاق المعانی جناب مولٰنا راسخ تھے۔ اب ایک طوطی شکرستان خوش مقالی حضرتِ ظہیر رہ گئے ہیں۔ خداوند ذوالجلال انکو ہستی دنیا تک قائم رکھے لکھنو میں فاضل اجل حضرت امیر مینائی کے بعد اہل کمال میں جناب جلال کا دم غنیمت تھا۔ وہ بھی خلد بریں کو تشریف لیگئے۔ سچ پوچھئے تو رہی سہی جو کچھ شاعری میں ایک رمق جان باقی تھی وہ بھی نہ رہی۔ اب ہر طرف اہل کمال کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ ہم نہایت رنج و قلق و دلی افسوس کے ساتھ جناب جلال کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے خالق مطلق سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اب ہم ذیل کے قطعہ تاریخ کے ساتھ اس دلسوز واقعہ کو ختم کردیتے ہیں جو مرحوم مغفور کی یادگار میں لکھا گیا ہے۔

دنیا سے کوچ کر گیا وہ صاحب ہنر　　اہل سخن میں آج غنیمت تھا جس کا دم
سال وفات عیسوی رونق نے کہا　　ضامن علی جلال کا مرنا بھی ہے ستم

۶　۱۹　۰　۹

انجمن اتحاد سخن دہلی

اس انجمن کا معمولی مشاعرہ حسب دستور بتاریخ ۳۰ اکتوبر ۹ء کو مکان معینہ پر اُسی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ پیارے لال رونق کی تحریک و چندی پرشاد صاحب شیدا کی تائید سے جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی صدر انجمن قرار پائے۔ قریب ۱۰ بجے شب کے شمع کو گردش دیگئی۔ اس مرتبہ تعداد شعراء و سامعین کسیقدر کم تھی۔ جسکی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ اول تو عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ وکنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل یہاں تشریف فرما نہ تھے۔ دوسرے حسن اتفاق سے عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب بغرض شمولیت تقریب جشن سالگرہ بمقام ریاست مالیر کوٹلہ تشریف لیگئے تھے۔ نیز نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل بوجہ علالت شریک مشاعرہ ہو سکے کچھ موسمی بیماری کی عام شکایتوں کا سبب تھا۔ تاہم مشاعرہ پُرلطف ہوا۔ تقریباً ڈہائی تین سو کے معزز شعراء و سامعین کا مجمع تھا۔ غزلیں بھی عمدہ اور پرزور پڑھی گئیں۔ اکثر اصحاب بیرونجات سے بھی تشریف لائے تھے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ جناب عطا محمد صاحب عطا وکیل و رئیس بدایوں تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی قابل ذکر ہیں۔ ہم آپ کی اس تصدیعہ فرمائی کے تہ دل سے مشکور ہیں۔ اُمید ہے کہ آیندہ بھی اسی طرح کرم فرمائی کا اعزاز بخشینگے۔ آپ نے ہم طرح غزل اور ایک خمسہ فصیح الملک داغ دہلوی کی غزل پر نہایت پُرلطف فرمایا۔ جس سے سامعین کمال محظوظ ہوئے۔ جناب صدر انجمن صاحب کی طرح و غیر طرح غزلوں کا

سیّد سے نے بھی عجب عجب پھڑکا دینے والے اشعار پڑھے۔ برق و تصبیر وغیرہ اصحاب کی غزلیں بھی اچھی تھیں۔ غرض صحبت مشاعرہ ہر طرح قابل دید تھی۔ آیندہ مشاعرہ ماہ دسمبر کے اخیر ہفتہ کو ہوگا۔ جسکے لیئے حسب ذیل مصرعۂ طرح اعلان کیا گیا۔ "دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب"

فہرست اسمار سرپرستان و معاونین رسالہ

عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب خلد آشیان ریاست رامپور

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو

عالیجناب رائے بابو بل صاحب انجینیر رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکزکٹو انجینیر درجۂ اول رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اسے۔ مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید۔ دہلی۔

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندر آباد۔

عالیجناب سیّد وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی۔

عالیجناب لالہ سری کشنداس صاحب ساہوگوڑ والے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب شفار الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔

عالیجناب بابو مہاراج کشن صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ رامچند صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب پنڈت شو نرائن صاحب وید دہلی۔

عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔

عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی

عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار و مصاحب علی سرکار ریاست رامپور

مصرع طرح بابت دسمبر "دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب"

سکرٹری

تذکیر و تانیث

زبان اُردو کی اصلاح و ترقی کرنے والوں میں آجکل جہاں بہت سے سوالات حل طلب درپیش ہیں وہاں گورکھپور کے اخبار مشرق میں جو حکیم برہم صاحب کی اڈیٹری میں شائع ہوتا ہے عربی الفاظ کی تذکیر و تانیث کے بارے میں بھی بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اخبار مشرق کے کئی نمبر ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ جن میں مسلسل طور پر اس بحث کا ہی ذکر دیکھا گیا۔ "رسالہ فصیح الملک" ابریرہ نے اس بحث میں معقول حصہ لیکر جدا گانہ کچھ لکھا ہے۔ اُدھر لاہور کے گلدستہ "اصلاح سخن" ماہ ستمبر کے نمبر میں بھی اس بحث کے متعلق ایک مضمون نظر سے گزرا۔ ہمیں بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جناب حکیم برہم صاحب کی رائے سے کلی اتفاق نہیں ہے جیسا کہ "اصلاح سخن" کے لائق اڈیٹر نے ظاہر کیا ہے کہ عربی زبان کے مؤنث الفاظ بحالت جمعیت مذکر استعمال کیئے جائیں یا مؤنث۔ حکیم برہم صاحب اور اُنکے ہم خیال مصر ہیں کہ ایسے الفاظ مذکر استعمال ہونے چاہئیں۔ مگر اہل دہلی اس رائے کی تائید نہیں کرتے۔ نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل۔ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ۔ جناب احسن مارہروی نے تو قطعی اختلاف ظاہر کیا ہے۔ البتہ مولٰنا حالی۔ مولٰنا ذکاء اللہ۔ اور ڈپٹی نذیر احمد۔ ان صاحبان نے بعض الفاظ پر اس قاعدے کا مؤثر ہونا تسلیم کیا ہے۔ مگر یہ اصحاب بھی کلیہ قرار نہیں دیتے جس سے بہر طور ثابت ہوتا ہے کہ اہل دہلی عربی کے مؤنث الفاظ کو بحالت جمعیت مؤنث ہی لکھنا پسند کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں بھی اس قسم کا کلیہ قائم کرنا درست نہیں۔ کیونکہ بہت سے الفاظ مؤنث بولے جاتے ہیں اگر اُن کو اس کلیہ کے مطابق مذکر بولا جائیگا تو کانوں کو اچھے معلوم ہونگے اور جب کانوں کو اچھے معلوم نہیں ہوئے تو فصاحت سے خارج ہو گئے۔ اور یہ کچھ ضروری بات نہیں ہے کہ بعض الفاظ کو دہلی کے مستند اُستادوں نے مذکر باندھ دیا ہے تمام شعرائے دہلی اُنکی پیروی کریں۔ بہت سے ایسے الفاظ بھی ان کی تصانیف میں مل سکتے ہیں جو مؤنث باندھے گئے ہیں [illegible] لیئے۔ کلّا قائم نہ [illegible]

تمام ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو جو دلّی کے مقلد ہیں اِس رائے سے اتفاق نہ ہوگا۔ اہل لکھنؤ نے لفظ کی جمع لفظیں بنائی شعر کی جمع شعریں مقرر کی لیکن لکھنؤ والوں میں سے بعض اشخاص اسکے قائل نہیں۔

ہمیں تعجب ہے کہ اِس کلیہ سے نا اتفاقی ظاہر کرنے پر حکیم برہم صاحب کیوں دلّی والوں سے برہم ہوئے جاتے ہیں۔ دُور کیوں جائیں خدا ہی پر جب کل کا اتفاق نہیں ہوسکا تو یہ اُردو زبان میں عربی الفاظ کی تذکیر و تانیث کی بحث کیا وقعت رکھتی ہے البتہ وہ مؤنث الفاظ جو حالتِ جموع میں مذکر ہی پیشتر سے لکھے اور بولے جاتے ہیں وہی فصیح اور مان لینے کے قابل ہیں۔ یہ قطعی درست نہ ہوگا کہ تمام الفاظ مؤنث جو حقیقی مؤنث نہوں وہ بحالتِ جموع اُردو میں مذکر لکھے اور بولے جائیں۔ اِس طریق پر زبان میں غیر مانوس الفاظ شامل ہوکر کچھ عمدہ نتیجہ پیدا نکرسکیں گے۔ اور زبان کی ترقی کے واسطے یہ کچھ چنداں مددگار بھی ثابت نہیں ہوسکتے۔ اِس لیئے یہ بحث ایک غیر معمولی طوالت کیوں پیدا کرے جس سے دلدادگانِ اُردو زبان میں شکر رنجی ہوجانیکا خدشہ ہو۔ ہم زور سے سفارش کرتے ہیں کہ حکیم برہم صاحب کو چاہیئے۔ کہ اِس ناخوشگوار اور غیر ضروری بحث کو اب بالکل ختم کردیں۔ کیونکہ یہ کوئی زبردستی نہیں کہ لڑ لڑ کر لوگوں کو اپنا ہمخیال بنایا جائے۔ جب ایک چیز واحد ہونیکی حالت میں مؤنث بولی اور لکھی جاتی ہے تو جمع کیحالت میں اُس کو مذکر لکھنا یا بولنا کسی نوع بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اِس خلافِ عقل کلیہ سے ہمکو تو بالکل اتفاق نہیں۔ ذی فہم انسان کا خیال کتنا پوچ اور لچر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی عقل و تمیز کو تو پاگل خانے میں بند کردے اور دوسروں کی تقلید پر تضیعِ اوقات کرے۔ ہمکو زیادہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمارے دوست اڈیٹر "اصلاح سخن" نے بہت وضاحت کے ساتھ اِس پر بحث کی ہے جسکی رائے سے ہمیں بھی پورا پورا اتفاق ہے ❊

ایڈیٹر

بقیہ تکذیب الاعتراضات

گلدستہ نیرنگ رامپور نمبر ۳ جلد ۱ صفحہ ۱۷ ہمارے نادیدہ دوست سید یوسف مسیح صاحب کے اعتراضات تنقید کے لباس میں خاقانئے ہند جناب ظہیر دہلوی کی اُس غزل پر شائع ہوئے ہیں جو جناب موصوف نے (ع) ہم سے ملا کرو تمھیں دلبر بنائیں گے" پر لکھی تھی اور رسالہ کمال دہلی نمبر ۳ جلد ۱ میں شائع ہو چکی ہے۔

ہم اُن اعتراضات کو بجنسہ پبلک کے سامنے معہ اپنے جوابات کے پیش کرتے ہیں ناظرین انصاف پسند خود ہی دیکھ لیں گے کہ حضرت سید یوسف مسیح صاحب کی ناقدانہ نظر کہاں تک وسیع ہے۔

سہ سہ کے ظلم اُن کو ستمگر بنائیں گے　　ہم خود بگڑ کے جانِ عدو پر بنائیں گے

اعتراض۔ بگڑنے سے خفا ہونے اور غصہ ہونے کی طرف ذہن کا انتقال زیادہ ہوتا ہے ایسے محل پر بننے کا تقابل مٹنا بہت صاف ہے۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ جب فاعل اُس فعل کا ذوی العقول میں سے ہو تو ناراض ہونے کے معنے ہوتے ہیں جیسے وہ بگڑ گئے۔ یا وہ بگڑ بیٹھے۔ اور جب اُس کا فاعل غیر ذی روح ہوتا ہے تو ٹوٹنے پھوٹنے اور برباد ہونے اور خراب ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اُنکا کاروبار۔ کارخانہ یا کام بگڑ گیا طبیعت بگڑی۔ بات بگڑی۔ وغیرہ اور بگاڑنا دونوں معنی میں مستعمل ہے لہٰذا مصرع ثانی اِس طرح ہونا چاہیئے "ہم آپ مِٹ کے جانِ عدو پر بنائیں گے"۔ خود کو مٹا کے جانِ عدو پر بنائیں گے"۔ مجیب کو سند ہوبہو دینا چاہیئے کیونکہ ذرا سے تغیر میں محاورہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

جواب۔ یہاں سید صاحب کا منشاء یہ ہے کہ بگڑنے سے اگر مٹنا ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ لیکن حضرت نے مٹنے اور بگڑنے میں جو لطیف فرق ہے اُس پر غور نہیں فرمایا مِٹ جانا بمعنے نیست و نابود ہو جانا۔ بگڑنا۔ مراد ہے اصلی حالت پر قائم نہ رہنا۔ دوم بننے کا تقابل بگڑنا زیادہ فصیح اور موزوں ہے اور (۳) واسطے عام طور بگڑنا

اِس طرح پر بھی بولتے ہیں جیسا کہ حضرت ظہیر مدظلہ نے باندھا ہے۔

دوم معترض صاحب نے سند مؤنث ہے اُس کا فعل مذکر دینا فرمایا ہے جو ہمارے ہاں غیر فصیح ہے مگر ہمکو اعتراض نہیں یہ اُنکی بول چال لکھنو کے مطابق ہے لکھنو والے عمومًا اِسی طرح بولتے ہیں جیسے روٹی کھانا پڑی۔ دال کھانا پڑی۔ اسی طرح "سند دینا چاہیئے" ہے۔

باتیں بنا کے دوست مقدر بنائیں گے کیا اپنا سر بنائیں کے پتھر بنائیں گے

اعتراض۔ کیا اپنا سر بنائیں گے۔ کیا خاک بنائیں گے۔ کیا خاک پتھر بنائیں گے یہ اصطلاح اِن تین مذکورہ صورتوں میں بولی جاتی ہے۔ صرف پتھر بنائیں گے، بغیر خاک" کے گوش زد نہیں ہوا۔ شاید دلی میں بولتے ہوں۔

جواب۔ بیشک کیا خاک بنائیں گے۔ کیا پتھر بنائیں گے۔ یہ دلی میں اسی طرح بولا جاتا ہے۔ لکھنو والوں سے شاید یہ محاورہ اجنبی ہوگا۔

اب کیا رہا ہے کارکنانِ قضا کے ہاتھ بگڑے ہوئے نصیب وہ کیونکر بنائیں گے

اعتراض۔ جب پہلے کارکنانِ قضا و قدر کے ہاتھ میں بگڑے ہوئے نصیب کا بنانا تھا تو اب کیا ہوگیا جو اُنکے قبضہ میں نہ رہا۔ اِس کا شعر میں کچھ ذکر نہیں۔ ہم کو مصرع ثانی میں زائد ہے لہذا شعر کو اس طرح ہونا چاہیئے۔

کیا اختیار کارکنانِ قضا کو ہے بگڑے ہوئے نصیب وہ کیونکر بنائیں گے

جواب۔ کارکنانِ قضا و قدر جیسا کسیکا نصیب بنا چکے ہیں۔ بنا چکے۔ اب اُنکے ہاتھ میں اُس کا تبدیل کرنا بغیر حکمِ خدا نہیں۔ اِس لیئے مصرع اولیٰ میں حضرت ظہیر نے فرمایا ہے کہ جس وقت وہ تقدیر بنا چکے اب اُن کے ہاتھ میں اُسکے تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ لفظ "کو" جسکو زائد فرمایا گیا ہے۔ ہمیں اصل شعر میں لفظ کو نظر نہیں آتا۔ شاید معترض صاحب کی غیر معمولی نظر میں موجود ہوگا۔

اب کیا رہا ہے کارکنانِ قضا کے ہاتھ" اور۔ کیا اختیار کارکنانِ قضا کو ہے"

ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے سے اسقدر ظاہر نہیں ہوتی جیساکہ دوسرا مصرع مانگتا ہے

ڈرتے ہیں ہم جو واں ترے شکوے نکل گئے کیا بات پیش داورِ محشر بنائیں گے

اعتراض۔ شکوے منہ سے نکل گئے ہونا چاہیئے کیونکہ بغیر لفظ منہ کے علاوہ ذم کے پہلو ہونے کے خلاف زبان بھی ہے (ع) ڈر ہے وہاں بھی شکوے جو منہ سے نکل گئے شکوے تمھارے واں بھی جو منہ سے نکل گئے۔ یا مثل اسکے اور کسی طرح نظم ہو۔

جواب۔ ظاہر ہے کہ شکوے۔ شکایت۔ بات چیت۔ انسان منہ ہی سے کیا کرتا ہے شاید لکھنو میں کوئی دوسرا منہ بھی رائج ہوگا۔ اسی لیئے ذم کا پہلو معلوم ہوتا ہے۔ فکر ہرکس بقدر ہمت اوست۔

پاتا ہے چین کون کسیکو بگاڑکر تجھپر بھی ہم بُری دل مضطر بنائیں گے

اعتراض۔ اِس مطلب کو ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے۔ کوئی کسیکو ستا کے کب چین پاتا ہے۔ دیکھنا! وہ بھی ایسا ستایا جائیگا کہ ہمیشہ کو یاد کرے گا" اور یہ گویا ایک قسم کی بددعا ہے جو انتقام لینے کی قدرت نہونے کی وجہ سے مظلوم کے منہ سے نکلتی ہے۔ اور جس کا قبول ہونا وہ یقینی سمجھتا ہے۔ اور اگر وہ مظلوم اپنے میں انتقام لینے کی قدرت آیندہ سمجھتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ ہمکو ستایا تو ہے مگر ہم بھی کب چین لینے دینگے۔ وہ حالت کردینگے کہ یاد ہی کرے گا پہلی صورت میں چونکہ وہ بیچارہ مظلوم ہے انتقام لینے سے عاجز ہے۔ لہذا اُس ظالم کا ستانے والا کوئی اور ہوتا کہ اُس مظلوم کو اس طرح داد ملجائے پس مصرع ثانی یوں ہو تو اچھا ہے۔ تجھ پر بھی وہ بُری دلِ مضطر بنائیں گے۔

جواب۔ اعتراض تو اتنا لمبا چوڑا اگر مطلب بطلب۔ ذرا ناظرین انصاف کریں کہ ع تجھ پر بھی ہم بُری دلِ مضطر بنائیں گے" زیادہ زوردار ہے یا۔ تجھ پر بھی وہ بُری دلِ مضطر بنائیں گے"۔

حضرات ناظرین منشی منیر...

مدعا یہ ہے کہ نیرنگ کے صفحے سیاہ کیئے جائیں اور ہندوستان میں مشہور ہوں۔
اِن اعتراضات اور ان معترز اصحاب کے متعلق دو مضمون ہمارے دفتر میں موصول ہوئے ہیں جنکو ہم بجنسہ درج گلدستہ ہذا کرتے ہیں۔ ناظرین خود ہی معلوم کریں گے کہ یہ اصحاب کہانتک ہر دلعزیزی حاصل کیئے ہوئے ہیں۔ عدیم الفرصتی اور کچھ علالت سے معذور ہوں ورنہ جن اشعار پر اعتراض کیئے گئے ہیں اُن سب کا مفصل جواب عرض کرتا۔ لہذا بالفعل معافی کا خواستگار ہوں۔

اخبار مخبر عالم مُراد آباد مورخہ ۲۴ اکتوبر ۲۸ء میں لایق ایڈیٹر جناب منشی عبد العلی صاحب عابد تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی نے بھی رسالہ نیرنگ کے ایسے لغو ولچر اعتراضات کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔ جس سے ہمارے ہی قول کی تائید ہوتی ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ اگر اعتراضات کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو نا متناہی ہو جائیگا۔ اور طرفین کی غیر نتیجہ خیز دماغ سوزی کے علاوہ دونوں طرف کے بزرگوں کی توہین کے بھی بہت سے پہلو نکل آئیں گے جو سراسر خلاف ادب تہذیب ہونگے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اعتراض کرنا آسان ہے لیکن مقابلہ پر کچھ کر دکھانا مشکل ہے۔ ہمنے تو یہ مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ آیندہ سے ایسی ناخوشگوار بحث کو ہم اپنے رسالہ میں جگہ نہ دینگے۔ حقیقت میں "مخبر عالم" نے جو کچھ اپنے اخبار میں اِس بحث کے متعلق لکھا ہے۔ درست و بجا لکھا ہے اور رسالہ "نیرنگ" کے اُن مضامین پر نہایت سنجیدگی اور متانت سے فاضلانہ تنقید کی ہے جو اس بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔

جو اشخاص غیر متعصب دل اپنے پہلو میں رکھتے ہیں وہ کبھی حق کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔ ہم "مخبر عالم" کے لائق ایڈیٹر صاحب کے اِس مضمون کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس سے اُنکی لیاقت اور آزادی طبیعت کا کافی پتہ چلتا ہے اور ایسی ہی طبیعتیں ایڈیٹران اخبار کی شان کے شایان ہونی چاہئیں جو ترقی روز افزوں کا باعث ہوں۔

اعتراضات کا جواب لکھنے کے لئے ہمارا قلم شکستہ نہیں لیکن معقولیت کے ساتھ ہم اس میدان میں آنا پسند کرتے ہیں۔ ایسی پوچ۔ لغو۔ لچر تحریرات کے جواب کے لیئے

ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی علمی بحث کو معقولیت کے ساتھ چھیڑا گیا تو انشاء اللہ اس میدان میں ہمارا قدم سب سے آگے نظر آئیگا ۔

شیدا دہلوی

انکشاف حقیقت

مَیں نے جولائی کے رسالہ "نیرنگ" میں جناب سائل صاحب کا خط اور اُس کا جواب حرف بحرف دیکھا۔ مجکو اُس تمام تحریر سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ جناب سائل اُس کا جواب اچھی طرح دینگے۔ مَیں اِس وقت صرف ایک غلط فہمی رفع کرنا چاہتا ہوں ۔

جناب سائل نے جن لوگوں کو لکھنو کا شاعر سمجھکر خطاب کیا ہے اِس سے پہلے اُنکو یہ دریافت کرلینا ضروری تھا کہ اُنکے مخاطب صحیح کون لوگ ہوسکتے ہیں۔ ایک گمنام پرچہ کے کم استعداد اڈیٹر کو لکھنو کا شاعر سمجھکر خطاب کرنا کتنی مطالب سے دُور بات ہے۔

اَب میں آپ سے واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جناب صفی۔ جناب عزیز جناب آبر جناب محشر۔ جناب بلیغ۔ جناب شر انکے علاوہ ایک نام اور ہے جو اسوقت مجکو یاد نہیں اِن لوگوں نے اپنا لقب سبع سیارہ آپ ہی مقرر کرلیا ہے اور سانپ کھاروہن کی طرح ایک دوسرے کی سخن پروری کرتا ہے۔ اِن میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو اپنے اُستادوں سے منحرف ہوگئے اور اُنکو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی اپنے کو ناسخ کا روحانی شاگرد کہتا ہے اور کوئی میر کا مقلد بیجا بنتا ہے۔ کوئی اپنے کو غالب ثانی اور کوئی مومن کا ہم نوا بتاتا ہے۔ کبھی غالب کی ہمطرح غزل پر بے معنی شعر کہکر فخر و ناز کرتے ہیں۔ اِس ٹکڑی میں جناب صفی صاحب سررشتہ دار عدالت ہیں۔ بسبب خوش حال ہونے کے اُن کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ خوا بی مشاعرے کرتے ہیں اور اُن میں مرے ہوئے اُستادوں پر بیجا اور بیجا نکتہ چینی کرسکتے ہیں۔ اپنی غلط فہمی اور ناموزونی طبع پر ہٹ دھرمی اور ضد کرتے ہیں۔ ایسی ایسی باتوں سے لکھنو

لوگوں کا شعلۂ غضب اور بھڑک اُٹھا - اور اس بات پر اتفاق کیا کہ تمام شعرائے لکھنو سے بائیکاٹ کیا جائے -

حضرت جلال مرحوم کے ایک مشہور مطلع پر اعتراض کیا کہ "چھپّر" اُس میں ناجائز اور خلاف شاعری لفظ ہے - جناب انجم لکھنوی پر اعتراض کیا کہ اُن کا قافیہ ناجائز ہے اسیطرح لکھنو کے تمام مستند شعرا پر اپنی عزت بڑھانے کو اعتراض کیے - جو بار یک بیں نگاہوں میں رکیک سمجھے گئے اور لوگوں نے اُن سے پرہیز اختیار کیا - جب بے اتفاقی کا بازار زیادہ گرم ہو گیا - تو ان لوگوں نے اپنا مشاعرہ مقرر کیا اور جناب جلال جناب افضل وغیرہ کو مشاعرہ میں بلانے کی بہت کوشش کی - مگر گذشتہ حرکتیں نقش کالحجر ہو چکی تھیں اور پھر شاعری کے دعوے کا بھی حال معلوم تھا کسیکو شریک ہونیکی جرأت نہ ہوئی -

جب اس عنوان سے بھی مطلب برآری میں مایوسی ہوئی تو ایک روحانی مشاعرہ میں ناسخ اور غالب وغیرہ سے اپنی تعریف کرائی - اور خواب میں کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھ لیا - سخت کلامی اور بدزبانی کے خوف سے لکھنؤ کے ثقات شعرا ان سے الگ الگ رہے - آپنے کبھی اِنکے پرچے میں جلال لکھنوی - تسلیم لکھنوی - شمشاد لکھنوی - افضل لکھنوی - جناب فصاحت جناب جاہ جناب شہرت - جناب جلیل - جناب مضطر جناب برہم - جناب ریاض - جناب وسیم وغیرہ ثقات شعرا کا کلام ملاحظہ نہ کیا ہوگا - اِسی طرح اور لوگ بھی ان لوگوں کے دھوکے میں آکر ان کا شمار شاعروں میں کرتے ہیں اور انکی شاعری پر مضحکہ اڑاتے ہیں جس سے لکھنو کے فن شاعری کی ہتک ہوتی ہے -

خدا کا شکر ہے جب سے لکھنو میں "انجمن اصلاح سخن" قائم ہوئی ہے یہ غلط فہمی دُور ہو گئی اور دُور ہوتی جاتی ہے -

لکھنو اور دلّی کے شعرا میں ویسا ہی میل جول برقرار رہنا چاہیئے جیسا ہمیشہ سے تھا اور "انجمن اصلاح سخن" کے انعقاد کی خاص غرض بھی یہی ہے -

یہاں کا ہر ایک مستند شاعر دلّی کے تمام شاعروں کو اچھا سمجھتا ہے - جناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم نے بر سر تذکرہ ارشاد فرمایا کہ محاورہ اور زبان کو محل پر صرف

لہٰذا لکھنؤ کے متعلق جس فروگذاشت کی آپ کو شکایت ہو تو آیندہ اپنا مخاطب صحیح جناب تسلیم جناب افضل۔ جناب فصاحت۔ جناب شمشاد۔ جناب جاہ۔ جناب انجم جناب جلیل۔ جناب ریاض۔ جناب کمال۔ جناب احسن وغیرہ کو آپ سمجھا کریں۔ یہ لوگ دہلی کے ویسے ہی معروف ہیں جیسے ناسخ و آتش تھے۔ جناب احسن اِس سبع سیارہ کی ہٹ دہرمی میں شامل نہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ ایک با اخلاق آدمی ہیں۔ کبھی مشاعرے میں کھنچ گئے اُس کا پاس ہو تو ہو۔

جناب حامد علیخاں بہادر بیرسٹرایٹ لا ایک لائق خلیق متواضع آدمی ہیں۔ اُن کو شعر و شاعری سے کچھ سروکار نہیں۔ لیکن بوجوہ۔ یا بمروّت اِن لوگوں کا ہمزبان رہنے میں اپنی بچت سمجھتے ہوں تو اِس سے یہ لازم نہیں کہ وہ اِنکی رکیک ہٹ دھرمیوں کے بھی ذمہ دار ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں جناب سائل اور نیز تمام شعرائے دہلی کو شکایت کا موقع اِس تحریر کے دیکھنے کے بعد نہ رہے۔ اور جو جو اُمور آپ کو یا جناب سائل کو لکھنؤ کی طرف سے شکایت کے ہوں اُنکو جناب تسلیم سے یا انجمن اصلاحِ سخن کی معرفت یا جناب افضل۔ جناب جاہ و جناب فصاحت جناب شمشاد۔ جناب انجم۔ جناب ریاض سے بذریعۂ تحریر کے طے کریں۔ فقط

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت
سکرٹری انجمن اصلاحِ سخن
} لکھنؤ احاطۂ خانساماں

جناب سائل کا جوابِ شافی

میں نے آپکا خط اور اُس کا جواب رسالۂ "نیرنگ" بابتہ ماہ جولائی ۱۹۰۹ء میں دیکھا سخت افسوس ہوا۔ لکھنؤ دہلی میں نا اتفاقی پھیلانے کی یہ پہلی مثال ہے۔ جو کہ جناب عزیز کے اُس فقرہ سے ثابت ہوتی ہے جو اُنھوں نے حضرت تعشق کے کلام کی تائید میں لکھا ہے "یہی وہ شاعر ہے کہ جسکو ہم تمام خوشگویان دہلی کے مقابلے میں تنِ تنہا

پیش کرتے ہیں" جناب عزیز کا یہ فقرہ حقیقت میں دل آزار ہے اور ایک مہذب آدمی کی زبان سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ ہم لوگوں کو بڑا افسوس ہے جناب عزیز نے جو فقرہ لکھا ہے اُسکے لفظ "تمام" سے کل شعرائے دہلی شامل ہو گئے مگر مولوی محمد تقی صاحب نے عزیز کی تائید میں تاویل کر کے میر و غالب کو اِس سے مستثنیٰ کر دیا۔ اِس کا خیال جناب عزیز کو پہلے ہی چاہیئے تھا میر دہلوی خدائے سخن مانے ہوئے ہیں اُن کا مقابلہ کوئی شاعر نہیں کر سکتا۔ اِسکو وہ خود مانتے ہیں۔ اب جناب عزیز کا وہ فقرہ کہاں تک اصلیت رکھتا ہے ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

حق بات تو یہ ہے کہ ذوق مسلم الثبوت اُستاد تھے اُنکی شان میں کوئی کلمہ خلاف لکھنا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔ اور اُنکو بُرا کہنے والا نداقِ سخن سے ناآشنا اور زبان اور محاورات سے بے بہرہ ہے۔

اہلِ لکھنو دہلی والوں کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور دیکھتے ہیں۔ اب میں جناب سائل کی خدمت میں باادب کچھ التماس کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جس کمیٹی یا انجمن یا سوسائٹی سے آپ نے خطاب فرمایا ہے اُسکی اصلی حالت یہ ہے کہ لکھنو میں صرف سات اشخاص ایسے ہیں کہ جنھوں نے اپنا نام سبعہ سیارہ رکھا ہے اور بہت سے اپنے خطاب مقرر کر لئے ہیں۔ اور اپنے اُستادوں کی شاگردی سے منحرف ہو گئے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ شاگردی کوئی چیز نہیں اور شاعری میں اُستاد کی ضرورت نہیں۔ اور لکھنو کے اکثر اُستادوں پر ناحق اور بیجا اعتراض کرتے ہیں۔ جس کا جواب دینا اُستادوں نے اپنی ہتک جان کر خاموشی اختیار کی (ع) جواب جاہلان باشد خموشی"

اب یہاں کے شعراء نے اُنکو اپنی صحبت میں بُلانا موقوف کر دیا اِس وجہ سے اِن لوگوں نے جلکر بے سمجھے بوجھے غلط اور جاہلانہ اعتراض کیئے۔ جو تمام سخن فہموں کے خلاف ہوئے۔

پھر ان لوگوں نے اپنا مشاعرہ کیا اور شعراء کو بلایا اسپر بھی شعراء نے شرکت نہ کی۔ اُنکے مشاعرہ میں مسخرے پن سے شعراء پر اعتراضات کیئے جاتے ہیں چنانچہ انکے ہر مشاعرہ

میں ایک مذاقیہ غزل ضرور ہوتی ہے جس میں تمام اُستادوں پر سخت لفظوں میں توہین آمیز بوچھاڑ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے لکھنو کے مستند شعراء انکی صحبت سے متنفر ہیں۔ اور انکے رسالہ میں آجتک جلال۔ تسلیم۔ افضل۔ فصاحت۔ جلیل۔ ریاض۔ کی ایک غزل بھی نہیں چھپی اور نہ یہ لوگ انکے مشاعرہ میں شریک ہوتے ہیں۔

لہذا جو لوگ لکھنو والوں کو بُرا کہتے ہیں۔ وہ اگر دلّی والوں کو کچھ کہیں تو اُس کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیئے۔ لکھنو کے ثقات شعراء ہمیشہ دہلی کے مدّاح رہے اور لکھنو دہلی میں ہمیشہ ارتباط خاص رہا۔ ملک الشعرائے دہلی لکھنو کی آغوش میں سو رہے ہیں۔ لکھنو کے شعراء کی طرف سے آپکے مخاطب صحیح جناب تسلیم۔ جناب افضل۔ جناب فصاحت جناب شمشاد۔ جناب انجم۔ جناب جاہ۔ جناب اَوج۔ جناب جلیل۔ جناب ریاض ہوسکتے ہیں

راقم مرزا جعفر علی عرف پیارے۔ لکھنوی

ہم نہایت خوشی و دلی ہمدردی کے ساتھ "انجمن اتحادِ سخن لکھنو" کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس انجمن کے قائم ہونے سے اُردو زبان کی اصلاح کے لیئے ایک معقول ذریعہ پیدا ہو جائیگا لیکن "فصیح الملک مارہرہ" "اصلاحِ سخن لاہور" اِن دو رسالوں میں جو اِس انجمن کی بابت اظہار رائے کیا گیا ہے اُس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ انجمن ابھی اپنی ابتدائی حالت کی کمزوری میں مبتلا ہے اور اس لیئے جو کچھ قواعد و ضوابط اسکے لیئے مرتب کئے گئے ہیں اُنکو پورے طور پر عمل میں لانیکے ناقابل ہے۔

ہمیں یہ دیکھکر ملکی بدنصیبی پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ جہاں چند ہمدردان اُردو زبان اسکی بہبودی کے لیئے متفقہ کوشش کرتے ہیں وہاں قسمت سے کوئی نہ کوئی تفریق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ لکھنو کے خوش بیان و خوش گو شعراء اپنی مجموعی کوشش سے مقاصد کے پورا کرنے میں ضرور امداد دینگے۔ اور مقامی تفرقیوں اور ذاتی رنجشوں کو یک قلم فراموش کر دینگے + (ایڈیٹر)

(دستور العمل) انجمن اصلاحِ سخن۔ لکھنو۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کیلیئے　　مرے بیان سے وسعت بڑھی زبان کیلیئے

بعض کہتے ہیں اُردو زبان ترقی پر ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا انحطاط ہے۔ دونوں کا دعویٰ بیجا نہیں۔ اُردو ضرور ملک کے گوشے گوشے میں اپنے لیئے جگہ نکال رہی ہے اسکی وسعت و ترقی کے لیئے انجمنیں بڑھتی جاتی ہیں۔ تصنیف۔ تالیف۔ تراجم میں ہر حیثیت سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ غیر زبانوں کے الفاظ ہماری زبان میں داخل ہوکر اُردو کو وسعت دیتے جاتے ہیں (ع) سودا ہے ہر طرح کا ہماری دوکان میں۔

علم دوست طبائع بغیر تحریک آمادہ ہیں کہ یہ مشغلہ ترقی کرے۔ محرک انجمنیں ہر طرح حوصلہ دلاتی ہیں۔ معاوضے سے بھی دریغ نہیں۔ گورنمنٹ بھی چاہتی ہے۔ اُردو ایک وسیع علمی زبان بن جائے۔ اخبار بھی اِس زبان میں بکثرت اشاعت پذیر ہوتے جاتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے اُردو زبان روزافزوں ترقی حاصل کر رہی ہے۔

لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ صحیح زبان سے ملک کی بے پروائی بڑھتی جاتی ہے اخبار صرف ادائے مطلب کی ضرورت پر توجہ رکھتے ہیں۔ اُن کو اس کا خیال نہیں۔ ہم الفاظ کا صحیح استعمال کرتے ہیں یا غلط۔

تصانیف و تالیفات و تراجم کا زیادہ حصہ زبان کی صحت سے بے پروا ہے ہر شخص زبان دانی کا مدّعی ہے۔ وہ نہیں سمجھتا سہ

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو کہ آتی ہے اُردو زبان آتے آتے

غلط الفاظ کثیر الاشاعت مطبوعات سے بار بار ناظرین کی زبان پر آتے ہیں اور زبان کو اپنے استعمال کا عادی بناتے ہیں۔

ایک زبردست جماعت اِس دُھن میں ہے کہ اُردو زبان مٹائی جائے دوسری مردہ زبان زندہ ہو۔

زیادہ تعداد کے مطبوعات مردہ زبان کے الفاظ بکثرت اُردو کے خراب کرنے کو استعمال کرتے ہیں۔

اُردو زبان کے طرفداروں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ انکے تالیفات کی زبان مستند سمجھی جائے۔

نثر کی طرح نظم کا بھی حال ہے۔ مستند شعرا کے کم ہو جانے سے زبان کے لیئے
اور بھی غیر محفوظ حالت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ کہنے والے بھی نہ رہے۔

ہم سند کے لیئے لغت میں آہیر　　فصحا کی زبان لیتے ہیں

نئے خیال والے چاہتے ہیں۔ نظم ہر قسم کی قید سے آزاد ہو جائے۔ یہ تمام صورتیں
انحطاط کی ہیں۔ ؎

نالے کرنا سیکھتے ہیں عندلیب　　اَب یہ طرز نغمہ خوانی جائے گی

زبان کی صحت اور اُس کا تحفظ بغیر اسکے دشوار معلوم ہوا کہ مستند فصحا متفقہ
کوشش اور توجہ سے کام لیں۔ اِس خیال نے "انجمن اصلاحِ سخن کی بنیاد ڈالی۔
گلچین میں متعدد مضامین شائع ہوئے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو کچھ توجہ ہوئی۔ انجمن اصلاح
سخن کے ممبروں کی تعداد بڑھنی گئی۔ فصحاے لکھنو اور سر برآوردہ شعرا کے متفق الراے
ہو جانے سے امید کو زیادہ قوت ہوئی۔

خدا نے چاہا تو انجمن ضرور کامیاب ہوگی اور ایسا وقت جلد آئے گا کہ ہر حصۂ ہندوستان
میں انجمن اصلاح کے ممبر اسکے اصلی فوائد کے لیئے کوشاں نظر آئیں گے۔ دہلی کے
لیئے ابھی تحریک عمل میں نہیں آئی ہے۔ انجمن کا دستور العمل شائع ہوتے ہی نامور
فصحائے دہلی سے تحریک کی جائے گی۔

ہمکو امید ہے کہ تمام متبعانِ زبان دہلی ہماری انجمن کو اپنی ممبری سے اعزاز و افتخار
بخشیں گے اور زبان اُردو کی عمدگی و استحکام کے لیئے توجہ مبذول فرمائیں گے۔

اغراض انجمن

(۱) ترقی و وسعت اُردو کے لیئے جو انجمنیں ابتک قائم ہوئی ہیں یہ انجمن اُن کی
معین رہے گی۔
(۲) ترقی و تحفظ و صحت زبان کے لیئے یہ انجمن تا امکان اپنی قوت سے کام لیگی
(۳) اخباری زبان کی صحت و وسعت کے لیئے اُردو اخبارات کو مدد دینے کی

کوشش کریگی اور اُن سے مدد لیگی۔

(۴) اُردو تصانیف و تالیفات میں صحت و وسعت زبان کی ترقی کے لیئے یہ انجمن ذرائع پیدا کرے گی۔

(۵) تحقیق و صحت الفاظ و صحت محاورات۔ الفاظِ متروک۔ الفاظِ غیر فصیح کے متعلق یہ انجمن مراسلات کا جواب دیگی۔

(۶) دفعہ ۵ کے متعلق مستند فصحا کی رائے حاصل کرے گی۔

(۷) اختلاف کی صورت میں قلت و کثرت آرا کی توضیح کے ساتھ اہل الرائے اصحاب کے اسمائے گرامی مع منتخب کارروائی انجمن کی طرف سے شائع کر دیئے جائیں گے کہ تتبع کرنے والے حضرات اپنے امتیاز سے کام لیں۔

(۸) جو حضرات اپنی تصانیف و تالیفات انجمن میں اِس غرض سے بھیجیں گے کہ مستند فصحا سے اُنکی صحت پر اطمینان حاصل کیا جائے اور زبان کے اعتبار سے وہ تصانیف و تالیف مستند قرار دیئے جائیں تو یہ انجمن اُسکے لیئے اہتمامِ بلیغ سے کام لگی

(۹) کتب ہائے سررشتۂ تعلیم و قوانین گورنمنٹ وغیرہ کی صحتِ زبان کے لیئے بھی یہ انجمن اپنے اثر کو وسیع کرنے کی کوشش کریگی۔

(۱۰) شائع شدہ تصانیف و تالیفات کے اغلاط کا انتخاب مستند آرا کے اتفاق سے وقتاً فوقتاً اِس پیرائے سے شائع کیا جائے گا کہ تحفظ و صحت زبان کو مستقل فائدہ پہنچے اور تصانیف و تالیفات مطبوعہ کے متعلق کسیکو گرانی نہ پیدا ہو سکے۔

(۱۱) فنِ شعر میں یہ انجمن تخئیل بہ اُصولِ قدیم کی پابند رہے گی۔

(۱۲) مستند فصحا کی رائے جس ایجاد و اختراع کو مستحسن قرار دیگی یہ انجمن اُس کی پابندی کرے گی۔

(۱۳) نظم و نثر کے ایسے مباحث میں جو بربنائے اعتراض پیدا ہوئے ہوں۔ اگر اس انجمن سے فیصلے کی استدعا کی جائے تو انجمن مستند اصحاب کی متفقہ رائے سے فیصلہ صادر کریگی ؛

لے "دیئے جائیں" تھیں "دی جائیں" چاہیئے۔

(۱۴) کارروائی انجمن کے تمام ضروری انتخاب جو وسعت وصحت زبان کو مفید ہوں مستقل کتاب کی صورت میں بہ تحفظ حقوق تالیف شائع کیئے جائیں گے۔ انکی قیمت انجمن کی ملکیت ہوگی۔

(۱۵) یہ انجمن کوشش کریگی کہ زبانِ دہلی کا تتبع کرنے والے حضرات کے لیئے دہلی کے مشہور اہل زبان اور مستند فصحا کو شریک انجمن بنا کر اتحاد و اتفاق کا اعزاز حاصل کرے۔

(۱۶) اُن محاورات والفاظ کی تحقیق وصحت جو اہلِ دہلی ومتبعانِ دہلی کی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں مستند فصحائے دہلی کی متفقہ رائے اور اساتذہ دہلی کے کلام سے متعلق رہے گی۔

(۱۷) اغراض انجمن میں حسب ضرورت ترمیم کی ہمیشہ گنجایش رہے گی۔

قواعد انجمن

(۱) ہر ممبر کو ایک روپیہ فیس داخلہ اور ایک روپیہ فیس سالانہ دینا ہوگا اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے چندے کی تعداد معین اور غیر معیّن طور پر بڑھادے اور نقد چندے کے سوا جس طریق پر چاہے انجمن کو مدد دے۔

(۲) معین انجمن وہ اصحاب سمجھے جائیں گے جو ایک روپیہ ماہوار چندہ دیں۔

(۳) مربی انجمن وہ اصحاب سمجھے جائیں گے جو اغراضِ انجمن کی اہمیت پر نظر فرما کر اختصاصی چندہ مرحمت فرمائیں جسکی تعداد کم سے کم دو روپیہ ماہوار ہو۔

(۴) غیر ممبر حضرات جو معین ومربی وممبر نہ ہونا چاہیں اور معیّن وغیر معیّن طور پر نقد یا کتب یا فرنیچر وغیرہ یا اور کسی قسم کی مدد دینا چاہیں۔ انجمن ایسے عطایا بہ شکر گزاری قبول ومشتہر کرے گی۔

(۵) جو صاحبان اخبارات معین ومربی وممبر انجمن بننا چاہیں اُنسے فیس داخلہ اور سالانہ چندہ نہ لیا جائیگا وہ اپنے اخبارات اور اُردو مطبوعات انجمن کو مرحمت کریں

(۶) تمام اُردو اخبارات و اُردو مطبوعات متذکرہ بالا نیز دیگر کتب و رسالجات جو انجمن بہ قیمت خرید کرے یا ممبر و غیر ممبر اصحاب مرحمت فرمائیں دفتر انجمن میں بہ ترتیب سکرٹری انجمن کی نگرانی میں رہیں گے اور انجمن کی لائبریری قائم ہو جانے پر اُس میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔

(۷) ہر ممبر و معین و مربی انجمن تمام اخبارات و کتب دفتر انجمن کی میز پر اس معین وقت میں ملاحظہ فرما سکے گا جو انجمن نے مقرر کر دیا ہو۔

(۸) ہر مربی انجمن کوئی کتاب یا رسالہ یا اخبار اُس معین وقت کے لیئے طلب کر سکتا ہے جو انجمن نے مقرر کر دیا ہو۔ اگر زیادہ وقت کے لیئے ضرورت ہو تو سکرٹری بہ منظوری نائب صدر انجمن اسکی تعمیل کرے گا۔

(۹) تمام ایسے معاوضے اور اخراجات جو اُردو تصانیف و تالیفات کی صحت زبان اور فصحائے لکھنو کے اسناد سے متعلق ہوں یا ایسے مباحث کے فیصلے جن میں انجمن کا وقت زیادہ صرف ہو اور مصارف پیش آ سکیں یا سلسلۂ خط و کتابت میں جن اُمور کے متعلق مصارف کی ضرورت ہو یا دیگر اخراجات متعلق بہ انجمن سب کمیٹی کی تجویز سے ہوا کرینگے۔

(۱۰) سب کمیٹی ماتحت خاص کمیٹی کی ہوگی جسکے پانچ ممبر سوا سکرٹری و نائب صدر انجمن کے خاص کمیٹی نامزد کرے گی۔

(۱۱) خاص کمیٹی ماتحت اعلیٰ کمیٹی کی ہوگی۔ جسکے ممبروں کی تعداد مع ممبران سب کمیٹی ۱۵ یا کم و بیش ہوگی۔

(۱۲) اعلیٰ کمیٹی کے ممبر تمام شرکائے انجمن ہونگے۔ تمام شرکائے انجمن بہ تعداد کثرت اپنے قائم مقام منتخب کرینگے کہ کارروائیوں میں آسانی ہو۔

(۱۳) کارروائی ہائے انجمن میں حسب ضرورت جن قواعد اور خدمات اور اختیارات کی صراحت کا اضافہ ہو اور تنسیخ و ترمیم ہو وہ داخل دستور العمل سمجھی جائیگی

(۱۴) جب تک مستقل صدر انجمن کا انتخاب و تعین نہ ہو شرکا رجلسہ عارضی

طور پر صدر انجمن کا انتخاب کر لیا کرینگے۔

(۱۵) جلسوں کا انعقاد خاص صورتوں میں ہوا کرے گا۔

(۱۶) ہر قسم کی مراسلت و تحریک اور کاغذات پیش کرنے کا تعلق سکرٹری سے رہے گا سکرٹری حسب رائے نائب صدر انجمن سب کمیٹی میں پیش کرے گا سب کمیٹی جن معاملات و مسائل کی نسبت ضرورت سمجھے گی خاص کمیٹی میں بھیجدے گی۔ خاص کمیٹی جن معاملات و مسائل کی نسبت ضرورت سمجھے گی اعلیٰ کمیٹی میں بھیجدیگی۔

(۱۷) کارروائی انجمن مفصل یا منتخب تمام ممبروں کی خدمت میں روانہ کیجائے گی۔ عام اس سے کہ وہ لکھنؤ میں ہوں یا بیرونجات میں عام اشاعت عمل میں آئیگی۔

(۱۸) قواعد مذکورۂ بالا میں وقتاً فوقتاً اصلاح و ترمیم و اضافے کی گنجائش رہے گی۔

(۱۹) تمام خط و کتابت منشی بشیر احمد خان صاحب بشیر۔ رئیس ملیح آباد۔ نائب صدر انجمن اصلاح سخن لکھنؤ یا خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت۔ سکرٹری انجمن اصلاح سخن لکھنؤ کے نام ذیل کے پتے سے بھیجنا چاہیئے۔

"دفتر گلچین لکھنؤ محلہ نخاس"

المشتہر۔ خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت سکرٹری "انجمن اصلاح سخن" لکھنو

زبان اُردو

ماہ ستمبر کے "کمال دہلی" میں دو معزز نامہ نگاروں کے قابل غور مضامین اُردو زبان کی نسبت نکلے ہیں ایک زبان دہلی کی سرخی سے سید ولگیر صاحب اکبرآبادی۔ اور دوسرا زبان اُردو کی سرخی سے حضرت ضیا دہلوی کے قلم سے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کا میلان طبع ایک ہی طرز کا ہے۔ اسلیئے مناسب سمجھا گیا کہ انکے بعض خیالات اور رایوں کا یکجا ایک ہی مضمون میں آجائے۔

(ط) یہ مضمون ہمارے مہربان دتا تریہ صاحب کیفی نے عنایت فرمایا ہے جسکو ہم نہایت شکریہ کے ساتھ بجنسہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

میں یہ دیکھکر جامے میں خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ آپ اُردو کی طرف اہل زبان اور اُسکے شایقوں کی توجہ بہت زیادہ ہے - اس سے اُمید کیجا سکتی ہے کہ اُردو کے اچھے دن آئے - مخزن - زمانہ - زبان - معیار - دکن ریویو - اور کمال جیسے مقتدر رسالوں کی اشاعت (اور کہئیے تو ان میں لاہور کے ہندی پوش چاند کو بھی شامل کر لوں) بیشمار اخبارات اور تصانیف و تالیفات - مشاعروں کے طریق کا احیا - میرے حبیب لبیب شیخ عبدالقادر صاحب کی معجزہ اُردو سبھا اور دہلی کی جیتی جاگتی "انجمن انتخاب سخن" وغیرہ ایسے جید واقعات ہیں جو اُردو کے خیر اندیشوں اور ترقی خواہوں کے دل باغ باغ کر دینے کو کافی ہیں - ایک چیز کا محض معرض بحث میں آنا - ایک مادہ کا تخرجہ تعمیہ اور ایک مسئلہ کا ترمیم و اصلاح ذیل میں آنا ہی اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ اس میں کچھ جان ہے وہ زندگی کے اہم صیغوں میں سے ہے - اور یہ کہ وہ صاحب اثر و رسوخ ہے - المختصر زبان اُردو کی تراش خراش - اخذ و ترک - ترمیم و اصلاح - تعمیم و توشیح - ترقی و توسیع یہ واقعات جیسے تسلی بخش ہیں ویسے ہی انکے متعلق اختلاف رائے بھی اطمینان بخش ہے - اس لیئے کہ وہی امر زیادہ صاف ہوتا ہے جو بحث کی چھلنی میں سے نکل چکا ہو لیکن اتنا ضرور خیال رہے کہ کہیں ہم پر یہ مثل عائد نہ ہو کہ

"جتنا چھانا تو اُتنا ہی کرکرا"

پہلے میں سید دلگیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں - آپ کا مضمون ایک مرثیہ ہے جو آپنے گویا دہلی کی میت پر لکھا ہے - سید صاحب معاف فرمائینگے کہ میرے خیال میں اس نوحہ سرائی کا کوئی موقعہ نہیں ہے - اُن تین شعروں کے جواب میں جو انکی تحریر میں وارد ہوئے ہیں داغ مرحوم کا یہ مقطع غالباً کافی ہوگا -

لوگ کہتے ہیں بنا دلی بگڑ کر لکھنو ہر کہاں اے داغ اس اُجڑے ہوئے گھر کا جواب

آب اگر یہ کہا جائے کہ داغ کے بعد کیا باقی رہ گیا تو میں اس مایوسی کے منظر کی ہستی ماننے کے لیئے تیار نہیں ہوں - بقول نسیم لکھنوی - ؎

ہر چند جو اگلے اہل فن تھے سلطان قلمرو سخن تھے

اُن کے آگے فروغ پاتا سورج کو چراغ ہے دکھاتا
پر بحرِ سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کاربند ساقی

اور یہی حالی اور ظہیر کی وفات کے بعد کہا جا سکتا ہے۔ اگر شعرا اب غزل کم لکھتے ہیں تو مسدس اور مثنوی کی گرم بازاری ہے۔ اگر قصیدہ بازارِ سخن میں ایک چرا ہا سکہ ہے۔ تو ترکیب بند نے وہ عروج اور مقبولیت حاصل کی ہے کہ الحمد للہ۔ اِس وقت میدانِ سخن میں۔ اقبال۔ نیرنگ۔ ناظر۔ فلک۔ محروم۔ شاد۔ پنجاب میں۔ طالب۔ سائل بیخود۔ رونق۔ شیدا۔ مائل۔ آغا شاعر۔ برق۔ قصیر۔ مہر۔ خورشید۔ دہلی میں۔ صفی۔ آبر۔ عزیز۔ احسن۔ محشر۔ برق۔ وغیرہ اصحاب لکھنؤ میں۔ اور دیگر اہلِ کمال مثل طالب بنارسی و شاد عظیم آبادی۔ بیخود بدایونی۔ ثاقب بدایونی وغیرہ دیگر مقامات میں ایسے پختہ مشق اہلِ کمال ہیں کہ انکے ہوتے اُردو کو مردہ یا مریض قرار دینا۔ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کی بات ہوگی[1]۔ یہ اصحاب اہلِ زبان ہیں۔ عربی فارسی کی کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ اِن کا توسنِ خیال اقصائے مشرق سے لیکر اقصائے مغرب تک گام فرسائی کرتا ہے۔ اِن میں سے بعض ہندی اور سنسکرت۔ انگریزی اور دیگر السنہ یورپ کا بھی مذاق رکھتے ہیں۔ تغزل کے ساتھ جسے نیچرل شاعری کہتے ہیں اِس کا بھی انھیں چسکا ہے۔ خیالی و عملی۔ و حکیمانہ۔ ہر قسم کے مضامین پر قدرت رکھتے ہیں۔ غرضکہ نظارہ سراسر امید بخش ہے نہ کہ مایوسی پیدا کرنے والا

اب رہی یہ بات کہ غزل اور قصیدے تو اب بھی لکھے جاتے ہیں۔ لیکن ہائے وہ معاملہ بندی۔ وہ سوز و فراق۔ وہ ہجر کی تڑپ۔ وہ وصال کی شوق دستیاں۔ معشوق کی ستم طریقی۔ حریف کی عیاری۔ مُرغِ سحر کی بے ہنگام آواز۔ خندۂ گل اور فغان بلبل۔ جیتے جی مرجانا اور مر کر کسی کی ایک ٹھوکر سے پھر جی اُٹھنا اب غزل میں

---

[1] اِس فہرست میں حالی۔ آزاد۔ ظہیر۔ اور ریاض وغیرہ نام عمداً چھوڑ دیئے گئے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر بزرگوار چراغ سحری ہیں اور نہ نثر لکھنے والوں کا شمار کیا ہے اِس لیئے کہ مضامین زیرِ بحث کا روئے سخن میری سمجھ میں نظم ہی کی جانب ہے۔

میں کہاں۔ اب تو غزلیں ایسی رہ گئی ہیں

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اُسکی وہ گلستاں ہمارا

یا یہ کہ قصیدہ میں نہ وہ شوکت تشبیب ہی۔ نہ گریز کی نازک ادائی۔ نہ مدح کا مبالغہ ہے نہ عرض مطلب کی سلیقہ مندی۔ نہ گھوڑے کی برق خرامی کا ذکر نہ تلوار کی شرر ریزی کا مذکور۔ نہ کوئی مدّاح ہے نہ ممدوح۔ نہ دہلی میں بہادر شاہ ہیں۔ نہ لکھنؤ میں واجد علیشاہ۔ اب تو قصیدوں میں یہ رونے روئے جاتے ہیں۔

ای خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

ہاں اگر یہ کہا جائے تو میں بہت ادب سے سید صاحب اور آپ کے دیگر ہمخیال اصحاب سے پُوچھونگا۔ کہ پہلے کبھی یہ ہوا تھا کہ اُردو اُن کو پڑھائی جائے جنکی مائیں بہنیں اُسکو نہیں بولتیں۔ پہلے یہ کبھی ہوا تھا کہ رعایا حاکم سے کہے کہ اگر ہم میں سے ایک خاص تعداد مجلس واضع آئین وقوانین میں داخل نہیں ہوگی تو وہ مجلس ناقص وناصر رہیگی۔ پہلے یہ کبھی ہوا تھا کہ محکوم حاکم سے یہ کہے کہ آپ کا فلاں فعل انصاف کے خلاف ہی۔ پہلے یہ کبھی ہوا تھا کہ پردہ نشین بی بیوں کو یورپ اور امریکہ کی لیڈیاں گھروں میں جاکر لکھنا پڑھنا۔ سینا پرونا۔ بننا سکھائیں پہلے کبھی یہ ہوا تھا کہ ایک پردہ والی شریف زادی ریل میں سفر کرتی ہو۔ ایک غیر جنس غیر قوم اور اپنی بیوی کو دوسرے مرد کے ساتھ بٹھانے والے شخص کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ سے اپنا ریل کا ٹکٹ دے یا یہ کہے کہ میرا ٹکٹ مردانہ درجہ میں اُنکے پاس ہے۔ پہلے کبھی طبیب مرد جنبہ کی پیٹھ اور چھاتی ٹھونک کر نلکی کو جگہ جگہ رکھکر صحت اعضائے صدری کا امتحان کرتا تھا۔ اور ٹھوڑی پکڑ کر زبان دیکھتا۔ پلک اُٹھا کر بدن میں خون کی قلت یا کثرت کا اندازہ کرتا تھا۔ اگر یہ سب صورتیں اور اکثر اُمور جو روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے تھے بدل گئے ہیں تو زبان بھی بدلے گی اور ضرور بدلے گی۔ خواہ وہ دلی کی ہو۔ یا لکھنو۔ پشاور کی ہو یا حیدرآباد کی۔

سمجھنا چاہیئے کہ زبان آخر خیالات کا ذریعہ اظہار ہی ہے۔ اِس سے کم و

بیش تو ہر گز نہیں ہے - یہ خیالات احساسات بیرونی واندرونی کے مولود ہیں اور
ان کا نئی باتوں اور واقعات جدیدہ کو اپنے میں جاذب کرنا لابدّ ہے - پھر زبان کا
کینڈا وہ کیسے رہ سکتا ہے جو پچاس برس پیشتر یا غدر سے قبل تھا - دلگیر اور ضیا
دونوں صاحب اُمید ہے کہ مجھے اِس الزام سے متہم نہ کرینگے کہ میں زبان یا اُردو
زبان کے مباحثہ کے ذیل میں زبان کی لغزیت - سندی صحت - ادبی عظمت -
جگری فصاحت - یا اسکی اپنی شخصیت کو جگہ نہیں دیتا - میں اِن کا بڑا حامی - اور
پاسدار ہوں اور ان اوصاف کا گم ہونا کبھی نہ دیکھ سکوں گا - کسی موقعہ پر عرض کیا
جائیگا کہ کس طرح اُردو کی توسیع وترقی ان اُمور سے لحاظ رکھکر ہو سکتی ہے -

میں یہ دیکھکر خوش ہوا کہ سید دلگیر کی یہ مایوسی اور مرثیہ خوانی دیرپا - اور
مستقل نہیں ہے - اوائل مضمون میں اگر وہ یہ لکھتے ہیں " ...... وہ تنزل
نہ ہوتا جواب ہو رہا ہے مگر صد حیف کہ (ع) کہ آن قدح بشکست وآن ساقی نماند
واخیر میں اِس راہ پر آ گئے ہیں کہ انجمن اتحاد سخن کے انعقاد اور مساعی پر خدا کا شکر
ادا فرماتے ہیں - اس وقت اسیقدر زبان دہلی کی نسبت - اب زبان اُردو کی طرف
متوجہ ہوتا ہے - حضرت ضیا رقم طراز ہیں -

وہ آجکل زبان اُردو کی محبت کے دعوے چارسمت سے ہو رہے ہیں - مگر
افسوس کہ محبت کے مدّعی اُوپری دل سے اِسکی چاہت کا دم بھرتے ہیں
دلی محبت جس کا نام ہے وہ نامحرم تو درکنار محرموں میں برائے نام باقی ہے
دلّی لکھنو والے اگر زبان کی طرف متوجہ ہوں تو یہ اُن کا فرض ہے "

ان سطور سے بیگانگت اور مغائرت کی بُو آتی ہے - کیوں صاحب چہار سمت والے
دل نہیں حق رکھتے کہ اُردو کی چاہت کا دم بھریں اور یہ محبت آپنے اُوپری دل سے
ہی قرار دی - اُردو کی توسیع وترقی اور مختلف اصناف نظم ونثر میں اصلاح وترمیم

ف یہ مسائل بڑی تفصیل اور حکیمانہ بحث چاہتے ہیں - اِس لیے اِس جگہ ان کا تذکرہ نہیں ہو سکتا
صرف اشارۃً لکھدیا گیا ہے -

کے عام مسئلہ کے متعلق۔ میں اس دلی اور لکھنؤ کی قفل زدگی یا فصیل بندی کا قائل نہیں ہوں۔ یہ ٹکسالی طغرے کا فخر اور مہری سند کا اوغا اور باتوں میں چل سکتا ہے۔ جن کا ذکر آیندہ آئیگا نہ کہ ان عام مسائل میں۔ اور پھر کس برتے پر تتا پانی۔ جیسے ہم قطب صاحب کی لاٹ کے پانچویں کھن) پر چڑھ کر اونچے گلے سے کہتے ہیں "دلی کا تحفہ دلی کی زبان" یہ ہماری زبان ہے۔ یہ دہلی کی فصیل کے اندر کی زبان ہے۔ قلعہ معلی اسکی ٹکسال ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ زبان مجھے یہ کہتے شرم نہیں آتی۔ کیونکہ میں بھی دلی والا ہوں۔ اور اس لیئے شرم نہیں آتی کہ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ زبان کسکی مولود تھی۔ وہ کس کے نطفہ سے حمل میں قائم ہوئی اور کس کے بطن سے پیدا ہوئی۔ آپ سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں "دلی دکھنی" اس کا والد تھا۔ اور دکن کی سرزمین اسکی جائے ولادت۔ کالے کوسوں سے سفر اور غربت کے صدمے جھیلتا یہ بچہ دلی پہنچا۔ اور عین وقت پر پہنچا۔ کیونکہ یہاں سب کی گودیں خالی تھیں۔ سب خاتونیں بانجھ تھیں۔ کوئی ایران۔ کوئی عرب۔ کوئی تاتار۔ اور کوئی اپنی پردادی کا کبھی کا مردہ بچہ گود میں لیئے اپنے دل کو تسلیاں دے رہی تھی۔ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھتا تھا۔ کہتے ہیں بچہ سور کا بھی بھلا لگتا ہے۔ لیکن یہاں ایک کی گود کا بچہ دوسرے کو سنپولا لگتا تھا۔ اِن صورتوں میں دکن سے ایک جیتا جاگتا ہنستا کھیلتا بچہ آیا۔ جس کا والد ا مرد ولی ایک دکھنی بزرگ تھا۔ سبھوں نے اِس بچہ کو چوم چاٹ کر آنکھوں پر رکھا۔ کلیجہ سے لگایا اور اپنے اپنے کھلونے اُسکے آگے پھینک دیئے۔ الغرض یہ بچہ سب کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ سب نے اسکو اپنا سمجھا اور بار رشک و حسد کے اُسکی پرورش اور تزئین میں کوشش کی۔ اگر ایک نے اُسکے کان میں مانک موتی پہنایا تو دوسرے نے دوسرے کان میں دُرِ عدن کی بالی ڈالدی۔ ایک نے بنارسی کمخواب کا جامہ اُسکے لیئے تیار کیا۔ تو دوسرے نے رومی اطلس کی قبا۔ اِس طرح سے بوقلموں زیورات اور گوناگوں ملبوسات سے یہ بچہ مزین ہوا۔ اور چونکہ اسکی مائیں مختلف النسل تھیں اسنے کچھ کچھ سب کی عادات سے لیا۔ غرض کہ ان صورتوں میں اِس اشد آئین سے پالے بچے نے ہاتھ پاؤں نکالے۔ یہ بالا ستعارہ ہماری زبان کی حیثیت ہے

میرے ہمشہر بزرگوں کا حصہ اسکی تزئین وتدوین میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ مانا لیکن ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اسے تالے کنجی میں رکھیں۔ بلکہ بخلاف اِسکے ہماری خوشی اِس میں ہونی چاہیئے کہ ہمارے اِس ہرے بھرے باغ کو دیکھکر اور بھی ایسے ہی باغ باغ ہوں جیسے ہم ہوتے ہیں۔ اِسکے پھل پھول سے اور بھی اِسی طرح ذائقہ چش ہوں جیسے ہم ہوتے ہیں۔ اسکی تراش خراش۔ پیوند اور نئی پود لگانے میں اور بھی اِسی طرح کوشاں ہوں جیسے کہ ہم ہیں

پھر میں کہوں گا کہ خواہ میرے ہموطن مجھے نام ہی رکھیں کہ اس باغ کے ہم واحد مالک ہرگز نہیں ہیں۔ ہاں شفعہ کے اصول کے بموجب ہمارا حق اعلیٰ ضرور ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مرزا غالب مرحوم کی وفات سے۔ یا یہ کہیئے کہ سنہ ۱۸۵۷ء سے ہم نے اِس حق شفعہ کے استعمال میں بہت کوتاہی کی۔ یعنی دہلی نے کوئی معتد بہ یا مہتم بالشان تصانیف نظم یا نثر کی اس زمانہ میں پیدا نہیں کیں۔

مولٰنا حالی کو جو نیچری شاعری کے موجد نہیں اسکے بڑے مدون ہیں۔ آپ پانی پتی کہیں گے نہ کہ دہلوی۔ مولانا آزاد کی عمر یہ کہیئے کہ پنجاب میں کٹی۔ اور انھوں نے جو کچھ کیا اور بہت کچھ کیا بلکہ اپنے معاصرین میں سب سے بڑھ کر کیا وہ سب پنجاب یونیورسٹی کے الہام سے کیا۔ مولوی ذکاءاللہ کی تصانیف یا ترجمے الہ آباد یونیورسٹی اور مولانا نذیر احمد کی تصانیف سررشتہ تعلیم اضلاع آئین کی تحریک وترغیب سے وقوع میں آئی ہیں۔ داغ کو بہت سے امور کے لحاظ سے رامپوری کہیئے تو بجا ہے۔ ادیب اور ارشد مکروہات دنیاوی کیوجہ سے جہانیاں جہاں گشت رہے۔ راسخ مرحوم وعظ وپند کی طرف راغب ہوگئے تھے۔ قس علیٰ ہذا

نثر کی ایجاد واختراع کا سہرا لکھنؤ کے ایک ہندوی کے سر ہے۔ ضیا صاحب یہ تو فرمائیں کہ اس پردہ نشین کے سراپردہ نشینوں نے کیا کر دکھایا۔ کولسنی آنکھوں کی سوئیاں نکالیں۔ میں بلاخوف اختلاف یہ کہتا ہوں کہ اگر پنجاب میں ڈاکٹر لائٹنر۔ اور الہ آباد میں سر ولیم میور نہ ہوتے تو غالباً اردو اپنی چار دیواری میں کبھی کی گور نشین ہو چکی ہوتی ۔

یہ ناطورۂ جادو جمال اللہ رکھے پردہ نشین ہے اور مانا کہ بقول جناب ضیا محلات کی رہنے والی اور مخدرات عصمت سمات کی ساختہ پرداختہ ہے۔ مگر حضرت آپ اسے گھر کے قفس میں قید نہیں رکھ سکتے۔ اسکے دل کی اُمنگ اور شباب کے ارمانوں نے آپ کو دکھا دیا ہے کہ (شعر) کہ نگاہِ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں" اِس کا نوآبث وہ حال ہے جو حالی نے اِس شعر میں باندھا ہے۔

برقعہ برخ افگندہ وہر سو نگرانند   ہیہات کہ ایں پردگیاں پردہ درانند

بقول شیخ عبد القادر صاحب "ایک نہیں دو نہیں بیس کروڑ آدمیوں سے اسکی سانٹھ گانٹھ ہے" گو اِس پردہ نشین کا وہ حال ہے جو تعجب کے ساتھ داغ مرحوم اس مطلع میں لکھتے ہیں

کیسی شرم آلودہ نگاہوں میں یہ شوخی ہے   اسے دیکھا اُسے گھورا اِدھر تاکا اُدھر جھانکا

حضرت یہاں کروڑوں سے آشنائی۔ ہر اپنے پرائے سے لاگ ڈانٹ۔ پھر بیچاری اُردو پردے کی بی بی کیسے رہ سکتی۔ جب کہ بقول داغ مغفور۔

"ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں" واللہ یہ خاصا پردہ ہے

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں   صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

حضرت یہ آپادھاپی کا پردہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اب اِس پردہ نشین پری جمال کے شائقین یہ کہنے لگے ہیں۔

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی   بازارِ خویش و آتش ما تیز مے کنی

جنکے دلوں پر اسکی دزدیدہ نگاہ کی چوٹیں لگی ہیں۔ جن کے جگر اِسکی نظرِ اغماض سے چھد گئے تھے انھوں نے اب کھلے خزانوں کہنا شروع کر دیا ہے کہ "عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخارا" نوبت باینجا رسید تو پھر کیا پوچھنا تھا۔ بعینہٖ یہی کیفیت ہوئی۔

وہ شرمائی ہوئی آنکھیں وہ گھبرائی ہوئی باتیں   نکلکر گھر سے وہ گھر نا ترے اُمیدواروں میں

یوں کہہ لیجئے کہ اُس پردہ نشین (سابقہ) کی اب یہ کیفیت ہے۔ یہ حالت ہے تو پردہ کیسا؟ اور حجاب کس کا۔ اب اُردو کو کوئی قفل میں نہیں رکھ سکتا کسی قلعہ میں قید نہیں کر سکتا۔ اب وہ تمام ملک کی ملکیت ہے۔ لیکن بات یہ آپڑی ہے کہ صاحب انکیا کرتی کے سوا اسے اور کپڑے نہ پہناؤ

کبھی کبھی تہواروں پر لہنگا پھر پاہن لے تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ اسکی بچپن کی پوشاکوں میں سے ہے۔ لیکن اسکی ٹانگوں میں سواسو کلی کا غرارہ ہی زیب دیتا ہے اور بدن انگیا کرتی ہی پھبتی ہے۔ آپ اسے کوہ قاف کی پریوں کے ملبوس اور جاکٹیں نہ پہنائیے پاؤں میں سڑا یا گھیتلا ہی رہنے دیں۔ وارنش کی گرگابی نہ ڈالیں۔ تو حضرت اس کا ٹھیکہ کوئی نہیں لے سکتا۔ خود غالب و ذوق سے یہ بات نہ نبھ سکی۔

آپ میں سادہ گوئی سے کام لونگا۔ جناب ضیا لکھتے ہیں "اردو سنسکرت فارسی اور عربی الفاظ کے نخرے لینے سے مالامال ہو چکی ہے۔ اب یورپ کی زبانوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا اسکی سیر چشمی کو شایاں نہیں ...... انگریزی الفاظ کے خلط ملط سے یہ زبان اپنی نفاست کھو دیگی ......"

میں اس اصول کو مانتا ہوں اور اس احتیاط پر اردو کی نظم و نثر میں ہمیشہ کاربند رہتا ہوں۔ اور مجھ پر کیا حصر ہے اردو کا ہر خیر خواہ اور ادیب اس کا لحاظ رکھتا ہے۔ اس باب میں میں اس اصول کو مد نظر رکھتا ہوں کہ ایک نئے خیال کے اظہار کے لئے جہاں تک اردو کا لفظ ملے اسی کو استعمال کیا جائے۔ جب نہ ملے تو انگریزی لفظ استعمال کیا جائے خواہ مخواہ انگریزی الفاظ کا استعمال جبکہ انکے عام فہم مترادف اپنی زبان میں موجود ہوں کسی نہج پر بھی جائز و زیبا نہیں۔ رہا یہ کہ انگریزی الفاظ کے خلاف گنگا اٹھالیں۔ اس کا بندہ قائل نہیں ہے اور یہ ہو کیسے سکتا ہے۔ خود ضیا صاحب اسی ڈھائی صفحے کے مضمون میں کم سے کم ایک چھ حرف کا اتنا موٹا لفظ لکھ گئے ہیں یعنی "لٹریچر" حالانکہ لوگ ادبیات، علم ادب جیسے الفاظ سے اسی خیال کو ادا کرتے ہیں جو انھوں نے اس لٹریچر سے کیا ہے۔ سید انشا کے تفنن والے قصیدے کو جانے دیجئے۔ اساتذہ سابق انگریزی (جس سے میری مراد یورپ کی زبانوں سے ہے) الفاظ کے استعمال سے باز نہ رہ سکے۔ شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔

تا نہ باقی رہے مے اور نہ مے میں مستی ۔۔۔ توڑتا سنگ نمک سے ہے وہ شیشہ کا گلاس

---

[۱] مثال کے لئے دیکھو شیخ عبدالقادر کا ریویو حالی کی حیات جاوید پر۔ مندرجہ مخزن + [۲] گلاس

جبتک لباسِ دہر کو "صابون" اور شنجرف ہو زینت دہ صبح و مسا نورِ سحر رنگ شفق

مرزا غالب فرماتے ہیں۔

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ مجکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا "منبر" سہرا

اور مرزا صاحب موصوف ایک فارسی قطعہ میں لکھتے ہیں۔

آرے نہ "چک" بود نہ تمسک زہر کہ ہست بے دستخط نہ شہرہ نام و نشان اوست

مضمون مشعر "نوٹ" بود فی زماننا یعنی بدست ہر کہ بفت آن اوست

میر تقی میر کے ہاں آیا ہے

جو "پلٹن" کو آتا ہے کچھ ولولا چلے ہے کوئی توپ سے زلزلا

یہ شعر آصف الدولہ کی شکار کی مثنوی میں واقع ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مرزا کے قصائد فارسی میں رپورٹ۔ گورنری۔ جنوری۔ اپیل۔ مسٹر۔ لارڈ۔ انگلینڈ وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں اور نثر اُردو و فارسی میں تو اور بھی کثرت سے آئے ہیں۔ اِس خیال سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اساتذہ دہلی و لکھنؤ اِس زمانے میں زندہ ہوتے تو آجتک وہ کتنے الفاظ یورپ کی زبانوں کے اپنے نظم و نثر میں استعمال کر چکے ہوتے۔ اسپر بھی میں کہتا ہوں کہ اشعار متذکرہ بالا میں جو انگریزی الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں انکے استعمال کی لابد ضرورت ہرگز نہ تھی کیونکہ ان میں سے تین اُردو کی نظمیں مدح یا تہنیت میں ہیں۔ اور فارسی قطعہ میں مرزا نے اپنے زمانے کے شعرا پر طعن کی ہے۔ لیکن اگر ایک ضلع میں مجھے اِس لیئے بلا یا جائے کہ صوبہ کا لفٹنٹ گورنر وہاں کا رخانہ آب رسانی افتتاح کرنے آئے گا۔ اور میں اہل شہر کی طرف سے خیر مقدم کی ایک نظم لکھوں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو ضرورت مجھے انگریزی الفاظ کے استعمال کی ہوگی وہ اس ضرورت سے کہیں زیادہ شدید ہے جو شیخ کو شاہ ظفر کے مدحیہ قصیدہ یا مرزا کو شہزادہ جوان بخت کے سہرے کے لکھنے کے وقت محسوس ہوئی ہو انگریزی میں بھی ایک دفعہ یہ جھگڑا آ کر پڑا تھا کہ اہل تصنیف خالص سیکسن زبان کے ہی

لہ صابون منبر، لبر چک پلٹن

نوٹ مراد کرنسی نوٹ سے ہے

الفاظ استعمال کریں تاکہ زبان کی ذاتی نفاست اور ادبی شخصیت میں فرق نہ آئے۔ لیکن آپ یہ سنکر ہنسیں گے کہ وہ سیکسن کے مدعی جس زبان میں اسکی اس طرح سے حمایت کرتے تھے اُسی زبان میں وہ بے تحاشا غیر سیکسن الفاظ لکھ جاتے تھے۔ جیسے حضرت ضیا انگریزی الفاظ کو خارج کرتے کرتے خود لٹریچر داخل کر گئے ہیں۔ سردست بخوف طوالت یہیں ختم کرتا ہوں کیونکہ ایڈیٹر صاحب کا واضح نوٹ بھی اسپر نکل چکا ہے۔

دتاتریہ کیفی دہلوی

زبان اُردو کے متعلق خیالات پریشان

(۱) "نظم کی بہ نسبت نثر لکھنا مشکل ہے" یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی نظم کی تائید میں بھی دو تین باتیں مشہور ہیں۔ شلاً "نظم کی بدولت زبان منجھتی اور روزمرہ سنورتا ہے" اور یہ کہ "نثر کے مقابلے میں نظم زیادہ پُرمقبول اور پُراثر ہوتی ہے" بہ نظر تعمق دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت بزرگان ملک و علمار متقدمین کے یہ مقولے بالکل صحیح و درست ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی حاشا وکلا گنجایش نہیں۔

(۲) اِس وقت اُردو زبان ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اور ایک حد تک منجھکر خوشنما وصاف بھی ہو گئی ہے مگر افسوس ہے کہ سنسکرت یا انگریزی کا مقابلہ کرنا تو درکنار ہنوز فارسی کے ہمپلہ بھی نہیں ہوئی۔ کسی علم یا معلومات کا ذخیرہ اس زبان میں موجود نہیں۔ کم مائگی مسلم ہے۔ صرف شعرا کے چند گنتی کے دیوان یا کچھ لایعنی قصص کی کتب کلہم اُس کا سرمایہ ہیں۔

(۳) خواجہ الطاف حسین حالی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم قابل شکریہ ہیں جنھوں نے نظم و نثر کے میدان میں ایک نئی جدت کے ساتھ دلفریب روح پھونکدی۔

(۴) ولی سے لیکر غالب و مومن تک جسقدر شعرا گزرے سب کے کلام کا ماحصل ۹۹ فیصدی حالتوں میں حسن وعشق۔ زلف وکاکل۔ ہجر ووصل۔ گل و بلبل۔ شمع و پروانہ

اور مجنون و لیلیٰ وغیرہ رہا جس سے نہ تو کوئی فائدہ قوم کو پہنچا اور نہ ملک کو۔ ہاں! نتیجہ ضرور ہوا کہ جس کسی غیر قوم کے فرد نے اُردو شعراء کا کلام پڑھا اُسکے یہ ذہن نشین ہو گیا کہ پیروانِ اُردو کے خیالات محض گندے۔ بالکل لغو۔ اور اخلاق قطعی خراب ہیں۔ بس (۵) اسقدر شکر ہے کہ اِس مخرب اخلاق شاعری نے ہماری اُردو زبان کو بہت کچھ صاف کر دیا۔ یوں تو کہنے اور سُننے کو جملہ اُساتذہ متقدمین و متاخرین نے اس کارِ خیر میں خاصہ حصہ لیا ہے مگر زیادہ تر فنِ سخن۔ میر۔ ذوق۔ آتش۔ داغ۔ راسخ اور جلال کا مرہونِ منت ہے کہ اُنھوں نے اسکی گردن پر بہت کچھ احسانات کیئے ہیں۔ داغ و امیر کے متروکات نے وہ کام کر دکھایا جو کسی اور سے ناممکن تھا (۶) میری خواہش ہے کہ آج میں متروکات پر کچھ مختصر سی بحث کروں تاکہ "کمال" میں کلام بھیجنے والوں کو یہ بخوبی واضح ہو جائے کہ دورِ ششم کے اساتذہ مسلّم الثبوت و شعرائے مستند نے کن کن الفاظ کو تلانجلی دے دی ہے۔

(۷) گو بظاہر ہر اُستاد کے متروکات علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن زیادہ تر حضرت جلال کے متروکات کو پبلک نے مانا ہے۔ حضرات داغ و ظہیر کے متروکات تقریباً یکساں ہیں مگر حضرات امیر و تسلیم و راسخ کے الگ الگ۔

(۸) اساتذہ کے قدم بقدم پہلو بہ پہلو چلنا ہمارا فرضِ اولی ہے۔ اِسی لیئے مَیں نے خود بھی مندرجۂ ذیل الفاظ متروک کر دیئے ہیں۔ گویا خون لگا کر شہیدوں میں نام کیا ہے ہر لفظ کی مثال میں۔ میر۔ داغ۔ امیر۔ رونق۔ مضطر۔ گویا۔ ظہیر وغیرہ شعراء کے علاوہ خود اپنے اور اکثر دیگر اصحاب کے اشعار بھی پیش کیئے گئے ہیں۔ وہو ہذا۔

(۱) الف ندائیہ" بیشتر تمام شعراء ساقی۔ واعظ۔ زاہد۔ وغیرہ الفاظ کے ساتھ الف ندائیہ لکھتے تھے مثلاً امیر

دلا بازی نہ کر اُن گیسوؤں سے ۔۔۔ نہیں آساں کھلانے سانپ کالے

حتیٰ کہ فصیح الملک داغ نے بھی گلزارِ داغ میں اکثر موقع پر استعمال کیا ہے۔

گر پڑا ہوں نگہِ مست سے چکّر کھا کر ۔۔۔ ساقیا پہلے اُٹھا تو مجھے پیمانے سے

لیکن بعد میں اُنھوں نے بھی یہ ترکیب خلافِ فصاحت سمجھی اور اب اس کے بجائے
اسے" مستعمل ہے۔ (رونق)
ہو میں وہ تشنۂ ناکامِ ازل لے ساقی قطرہ قطرہ بھی مرے حلق میں اچھو ہو گا
(۲) "اے مسیحا" اکثر شعراء غلطی سے یہ لفظ لکھ جاتے ہیں حالانکہ الف ندائیہ کے ساتھ لے
بالکل حشو وزائد ہے۔ یا تو صرف "مسیحا" لکھنا چاہیئے۔ (داغ)
علاجِ دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا
ورنہ دوسرے حالت میں" اسے مسیح" ہی کافی ہے (شاد)
ٹھکرا خدا کے واسطے اسے غیرتِ مسیح یہ نعش بھی تو کشتۂ تیغِ ادا کی ہے
(۳) اَوَر۔ بمعنی دیگر۔ دوسرا بوزن فعل لکھنا چاہیئے۔ ؎
تو ہے ہرجائی تو اپنا بھی یہی طور سہی تو نہیں اَور سہی اَور نہیں۔ اَور سہی
بوزن فع (اُر) لکھنا مناسب نہیں۔
(۴) "اور" اس لفظ کی ایک شکل تو اوپر لکھی جا چکی ہے اور دوسری یہ ہے (گویا)
نہ اُسے لا سکے تو مر گئے آپ جبر اور اختیار کو دیکھا
لیکن فصیح الملک داغ مرحوم نے ایسے موقع پر بھی پورا لفظ ادا کرنا مناسب سمجھا ہے چنانچہ
فرماتے ہیں کہ
کہاں باغ جنت کہاں باغ یثرب کہاں بوئے گل اور بوئے محمدؐ
راقم الحروف کے خیال میں یہ "اور" بالکل ٹھونسا ہوا اور بے جوڑ سا نظر آتا ہے۔
(ہوا خواہانِ داغ مجھے معاف فرمائیں) علاوہ بریں دونوں "اور" میں کچھ نہ کچھ امتیازی
فرق بھی ہونا چاہیئے۔ بہتر تو یہی ہے کہ ایک بوزن فعل اور دوسرا بوزن فع (اُر) ضم کیا
جائے تاہم اس کا فیصلہ ناظرین کی نفاست پسندی پر چھوڑا جاتا ہے۔ جس امر کی جو بھی
طبیعت متقاضی ہو وہی اختیار کرنا مناسب ہے۔
(۵) "ایسے" اس لفظ کی بھی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے۔ ؎
ایسے تو آپ حور کے بچے نہیں کوئی یہ تمکنت یہ ناز ہے بیجا جناب کا

ایسے موقعہ پر تو یہ لفظ صحیح ہے مگر دوسری شکل میں سے

دیکھ لیجے ترچھی نظروں سے ذرا قتل مجکو آپ ایسے کیجیے

یہ "ایسے" متروک ہے اور "اِس طرح" لکھنا چاہیئے۔

قتل عاشق کو اِس طرح کرنا دیکھ لو صرف ترچھی نظروں سے

یا لفظ "یوں" لکھا جائے تو بھی صحیح ہے۔ (رونق)

ب۔ وہ آج چلائیں گے آہی چھریاں یوں جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے

باقی آئندہ

شاد میرٹھی جنرل سکرٹری اُردو کانفرنس آف الٰہ آباد مقیم کالیتھہ محلہ اجمیر

ریویو

ہدایت نامہ دائیگان ہند

جناب ڈاکٹر جے۔ این۔ مکرجی۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ کی انگریزی کتاب کا اُردو زبان میں۔ جناب بابو اناش صاحب چندر بسواس نے بڑی لیاقت سے ترجمہ کیا ہے دائیوں کے سے ذمہ وار اور اہم کام کے دقیق اور ضروری باتوں کو سوال و جواب کے طریق پر ایسی صفائی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ معمولی لیاقت کا آدمی بھی بے تکلف سب کچھ سمجھ سکتا ہے۔ حقیقت میں اِس کتاب کی ہمارے جہالت مآب ملک کو ازحد ضرورت تھی۔ اُن گھر کی بیوقوف دائیوں کی بدولت آج کل ملک میں زچہ اور بچہ کی جان کو جو خطرات ہر وقت لگے رہتے ہیں سب پر عیاں ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اگر اِس کتاب پر عمل کیا جائے تو بفضل خدا دونوں محفوظ رہ سکیں گے اِس لیئے ہم بڑی خوشی سے سفارش کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہر ہندوستانی کے گھر میں موجود رہنی نہایت ضروری ہے۔

اتنی محنت اور جانفشانی کے مقابلہ میں ایک روپیہ قیمت اگر غور سے دیکھیں تو کچھ بھی

نہیں ہے۔ لکھائی چھپائی صاف روشن کاغذ بھی عمدہ لگایا گیا ہے ۲۳۲ صفحہ میں اصل کتاب ختم ہوئی ہے۔ ملنے کا پتہ "قیصر ہند ایجنسی لودھیانہ پنجاب"

تصویر حضرت فصیح الملک داغ دہلوی

یہ تصویر مکرمی منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت ایڈیٹر "اصلاح سخن لاہور" کی معرفت ہمارے پاس بغرض ریویو پہنچی ہے۔ جو پنڈت گردھر رائے فوٹو گرافر انارکلی لاہور کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا نمونہ ہے۔ نواب صاحب بیش بہا فوجی وردی پہنے ایک مدبرانہ شان سے جلوہ فرما ہیں۔ اور تصویر ایسی صفائی سے کھینچی گئی ہے جیسی کہ ایک چابکدست مصور کی قلم میں قدرت ہونی چاہیئے۔ ہم بڑے زور سے سفارش کرتے ہیں کہ قیمت فی کاپی آٹھ آنے میں ایسے نامور ایشیائی خدائے سخن کی تصویر نہایت ارزاں ہے۔ شائقین۔ فوٹو گرافر صاحب سے درخواست بھیجکر منگوا سکتے ہیں ٭

گل بہاشکر

یہ رسالہ عالیجناب منشی کالی پرشاد صاحب آلہ آبادی سکینڈ ہاشمی کی یادگار جناب شریدھر پرشاد کی ایڈیٹری میں آگرہ سے شائع ہوتا ہے۔ ٹائیٹل پیج۔ لکھائی۔ چھپائی کاغذ سب آجکل کی وضع کے مطابق عمدہ ہیں۔ مضامین کا سلسلہ دلچسپ ہے۔ باریک بین نگاہیں اس رسالہ میں بہت کچھ جواہرات بکھرے ہوئے دیکھ سکتی ہیں۔ خصوصاً رام بادشاہ یعنی سوامی رام تیرتھ کے مضامین بجز ذخار تصوف کے آبدار موتی ہیں۔ قومی مضامین بھی اچھے لکھے جاتے ہیں۔ زمانہ کی رفتار کا اس رسالہ میں پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ رسالہ ضرور ترقی کرکے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔ سالانہ قیمت عہ

النجاب

یہ گلدستہ عزیزی پریس آگرہ سے جناب قیصر صاحب کی ایڈیٹری میں ریاست بھوپال سبز منڈی۔ سے شائع ہوتا ہے۔ ٹائیٹل پیج بالکل صوفیانہ رنگ لیئے ہوئے ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ نقامت کہتر ہے لیکن بقیمت بہتر ہے فرقۂ نسوان کے لیئے خصوصًا کارآمد ہے پردہ کی رسم کے متعلق دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ اس میں بعض مضامین عبرت خیز بھی درج ہیں۔ ہمارے خیال میں اسکی سالانہ قیمت ۱۲؍ کسیقدر زیادہ ہے۔ شاید ایڈیٹر صاحب آیندہ اسکی ضخامت قیمت کے مطابق کر دینگے۔ کیونکہ موجودہ نمبر ۱۲ صفحوں میں ختم ہوگیا ہے۔ بہرکیف اس رسالہ میں ملکی ضرورت کا بہت خیال رکھا گیا ہے یقین ہے کہ ملک اسکو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھکر ایڈیٹر صاحب کی حوصلہ افزائی کریگا

(ایڈیٹر)

نمود شام

اے شام خوش آیند۔ مبارک ترا جلوہ
ہے عالم اسباب میں جب تک ترا جلوہ
مہمان گھڑی بھر کی تو۔ اندک ترا جلوہ
ہے چشمۂ خورشید پہ چشمک ترا جلوہ

آرام دہ قلب ہے تسکین جگر ہے
تو دل میں سویدا ہے۔ تو آنکھوں میں نظر ہے

زنجیر مسلسل ہے تو ہی صبح و مسا کی
تمہید ہے تسکین کی۔ تردید جفا کی
تفسیر حسینوں کے خط و زلف دوتا کی
دیباچۂ شب۔ خاتمہ ہے روز بلا کی

تو ہستی موہوم کی عبرت کا سبب ہے
تو دور شب و روز کی حکمت کا سبب ہے

دنیا کے ہر اک گوشہ میں۔ میدان خلا میں
دریا میں۔ پہاڑوں میں۔ جزیروں میں ہوا میں
اجرام میں۔ اجسام میں۔ اختر میں شہا میں
القصہ ہر ایک چیز کے دوران بقا میں

اس شام کی تاثیر فسوں چھائی ہوئی ہے
ہر آن میں تسخیر سکوں آئی ہوئی ہے

یہ وقت طرب ریز۔ امیروں کے لیئے ہے
ہنگام دل آویز۔ فقیروں کے لیئے ہے

یہ عافیت آمیز اسیروں کے لیئے ہے ۔ ۔ جو دار شرارت یہ شریروں کے لیئے ہے

یہ شام پہیلی ہے شب رنج و طرب کی
پیری ہے اگر دن کی تو طفلی ہے یہ شب کی

خورشید سے پہرا مہ پُر نور نے بدلا ۔ ۔ آئینِ جہاں قدرت موفور نے بدلا
رنگ آ کے غرض نور سے دیجور نے بدلا ۔ ۔ کچھ اور سماں جلوہ مستور نے بدلا

سورج کی جگہ نور کے مکھڑے نظر آئے
مہتابیوں پر چاند کے ٹکڑے نظر آئے

معشوق ہوئے عشوہ نما آ کے لب بام ۔ ۔ دکھلانے لگا قدرت حق جلوہ اصنام
مسجد کی طرف جانے لگے پیرو اسلام ۔ ۔ گلشن میں ہوا کھانے چلے سرو گل اندام

مے خانوں میں رندوں کی ایاغ آج لگی ہے
پروانوں کی لو جا کے چراغوں سے لگی ہے

دن بھر کی مشقت سے فراغت ہوئی سبکو ۔ ۔ محنت سے چھٹے فرصت و راحت ہوئی سبکو
تفریح و تماشے کی ضرورت ہوئی سبکو ۔ ۔ معشوق و شب وصل کی حسرت ہوئی سبکو

گردوں پہ شفق کا یہ ہوا حال خوشی سے
تھا زرد جو چہرہ وہ ہوا لال خوشی سے

آیا شہ خاور کے جو اقبال پہ ادبار ۔ ۔ آنکھوں نے کہا فاعتبروا یا اولی الابصار
نیرنگئ عالم کا یہی رنگ ہے ہر بار ۔ ۔ یاں گرم ہمیشہ نہیں رہتا کوئی بازار

خورشید کا بھی شام کو جلوہ نہیں رہتا
حال ایک سا دنیا میں کسیکا نہیں رہتا

کیا وقت شبہا نا ہی بیاں ہو نہیں سکتا ۔ ۔ دن میں بھی تو یہ لطف عیاں ہو نہیں سکتا
اس ڈھب کا کوئی اور سماں ہو نہیں سکتا ۔ ۔ مہماں یہ کسی دل پہ گراں ہو نہیں سکتا

وہ ساعت گلگشت وہ فرحت کی گھڑی ہے
شبنم کو بھی گلزار میں گرنے کی پڑی ہے

چڑیاں چراگاہ سے چہک کے چلے آئے
سائے سر دیوار سے سرک کے چلے آئے
جو کام تھے سب لوگ وہ کر کے چلے آئے
چلتا ہوا دن شب کے کنارے چلے آئے

تارے کھلے۔ تاریکی بڑھی۔ چھائی سیاہی
بہرے یہ کھڑے ہوگئے انجم کے سپاہی

ہے یادِ الٰہی کی گھڑی وقتِ نماز آج
ہے شمع و پروانے میں اِک سوز و گداز آج
ہے عابد و معبود میں اک راز و نیاز آج
سب کام ہوئے بند در توبہ ہی باز آج

مطلوب کے معشوق کے ملنے کی گھڑی ہے
یہ عاشق و معشوق کے ملنے کی گھڑی ہے

آمد ہے شبِ تار کی ہے روز کی رخصت
افکار جہاں۔ روز غم اندوز کی رخصت
ہے جلوۂ خورشید جہاں سوز کی رخصت
شب ہجر کو ہے اب محنتِ دلدوز کی رخصت

بشاش ہیں سب غنچۂ دل سب کے کھلے ہیں
بیمار بھی اٹھ بیٹھے کہ دو وقت ملے ہیں

روشن ہے مکان شانِ عمارت سے کسیکا
ناشاد کلیجا۔ غم و حسرت سے کسیکا
جلتا ہے جگر سوزِ فلاکت سے کسیکا
مسرور ہے دل بادۂ وحدت سے کسیکا

غمگین کوئی دل۔ شاد کوئی فرحِ طرب سے
اِک خوش ہے۔ تو اک رنج میں ہے آمدِ شب سے

ہے وصل میں یہ خوف کہ انکار نہ ہو جائے
آغوش میں سویا ہوا بیدار نہ ہو جائے
وہ جنگ جو آمادۂ پیکار نہ ہو جائے
گھر جانے کو پچھلے ہی سے تیار نہ ہو جائے

جان آج سرِ شام سے مشکل میں پڑی ہے
جی چھوٹتا ہے اوہام سے گو رات بڑی ہے

جو ہجر کا مارا ہے۔ اُسے رات بلا ہے
فرقت میں سرِ شام سے اِک حشر بپا ہے
گیسو کی طرح وہ بھی اک اُلجھن میں پڑا ہے
بیمار جدائی کے لیئے شام عزا ہے

یہ شام لیئے شوخی و شامت سے نہیں کم
ہر شام مگر صبح قیامت سے نہیں کم

خطاب بازی

کمال دہلی

مصرع طرح

دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

آزاد - جناب محمد ابو الحمید صاحب رجسٹرار بلدیہ حیدرآباد تلمیذ فصیح الملک

آتی ہے ہر طرف سے صدا ہائے ہائے دل
تیری گلی ہے یا کوئی ماتم سرائے دل

تاثیر جذب عشق جو اپنی دکھائے دل
اغیار کی بغل سے تجھے کھینچ لائے دل

اُسنے بھی دلکو تھام لیا کہکے ہائے دل
کتنی جگر خراش ہے یارب صدائے دل

آنکھ اُسکی دلفریب نگہ اُسکی دلستان
اِن رہزنوں سے کوئی کہانتک بچائے دل

تقدیر ہو خلاف تو تدبیر کیا کرے
بگڑے ہوئے نصیب کو کیونکر بنائے دل

اِس دل سے مجکو لاگ ہے اسکا عدو نہیں
دل آشنا تمھارا ہے تم آشنائے دل

تم جس سے چاہو پوچھ لو میں کیا بیان کروں
سب کی زبان پر ہے میرا ماجرائے دل

آزاد چار دن کے ہیں یہ اُسکے لطف و مہر
اِس التفات پر کہیں اترا نہ جائے دل

اختر - جناب سید محمد اختر صاحب نگینوی تلمیذ نواب فصیح الملک داغ دہلوی

کوئی کہاں سے آنکھ جیتے روز لائے دل
کچھ اور مانگتے ہی نہیں وہ سوائے دل

دل سے کبھی سنو تو سہی ماجرائے دل
تم لوٹ لوٹ جاؤ وہ باتیں سنائے دل

دیکھے تو کوئی روشنئ داغہائے دل
خورشید حشر سے ہے زیادہ ضیائے دل

سودا انہیں ہے یوں جو ہیں سودائے زلف یار
دیوانہ اسقدر بھی نہ مجکو بنائے دل

آخر ہے کوئی شور و فغاں کی بھی انتہا
گھر کو نہ چیخ چیخ کے سر پر اٹھائے دل

یوں دلکو اپنے ساتھ وہ پہلو سے لیگئے
آیا نظر کہیں نہ ہمیں نقش پائے دل

پھر ٹھوکریں کھلائیگا یہ کوئے یار کی — پھر لیچلا وہیں ہمیں بیٹھے بٹھلائے دل
ہمنے کہا زبان سے اپنی تو لطف کیا — تم آپ جان جاؤ جو ہے مدعائے دل
میرے سوا ہے کون محبت کا دردمند — کرتا ہے کون شام وسحر ہائے ہائے دل
دل کام کا تمھارے نہیں ہے تو پھیر دو — میرے بھی کام سے کہیں کھویا نجائے دل
بیڈھب اِسے حسینوں کی رہتی ہے تاک جھانک — ایسا نہ ہو کہیں مرے ہاتھوں سے جائے دل
اِس جلوۂ جمال نے بیخود کیا مجھے — آجائے ہوش کچھ تو کہوں مدعائے دل
جب دیکھیے حسینوں کے رہتے ہیں جمگھٹے — بازار ہوگئی ہے یہ خلوت سرائے دل
یہ دل ہی راہِ عشق میں ہوتا ہے رہنما — آئیں خضر تو اُنکو بھی رستہ بتائے دل
کہنے میں جسکے تم رہے اختر تمام عمر — اب چاہتے ہو یہ کہ وہ کہنے میں آئے دل

اطہر جناب حکیم سید احمد علی صاحب کانپوری

چوٹی گندھی ہے زلفیں سنی ہیں بنائے دل — کس کس بلا سے کوئی الٰہی بچائے دل
اِک دو قدم میں منزلِ مقصد کو پائے دل — اے خضر لطف یار جو ہو رہنمائے دل
کہنے کو یوں تو ایک بڑی داستان ہے — سُنیئے تو مختصر ہے بہت ماجرائے دل
خالِ رُخِ حبیب کو پتلی بنائیے — آنکھوں کو چاہیئے کہ یہ نکتہ سمجھائے دل
عشقِ بتاں میں آتا ہے زاہد خدا ہی یاد — کچھ دل لگی نہیں کوئی اُن سے لگائے دل
آرام و اضطراب مرا ہی تمھارے ہاتھ — رکھو جو ہاتھ سینے پہ قابو میں آئے دل
دل را بدل ہے بیت کا مضمون جو بن پڑے — ہر آرزو کو میری ترا جان جائے دل
ہے مدعا یہی تو وہ صورت دکھائیں گے — آنکھوں کے آگے آئیگی اک دن دُعائے دل
مظلوم اِک شہید ہے کہتے ہیں دل جسے — اور عرصۂ فراق ہے کرب و بلائے دل
معلوم ہے شگفتگی و خستگی کا حال — گل کو ذرا لگی نہیں اطہر ہوائے دل

اختر جناب منشی رضالعلی صاحب سہارنپوری تلمیذ راقم الدولہ حضرت ظہیر دہلوی

اختر بڑا مزا ہو جو اِس ڈھب سے آئے دل — دل اُن پہ مبتلا ہو وہ ہوں مبتلائے دل
رشکِ عدو سے ہے کہ یہ صدمے اٹھائے دل — دن رات کے جلاپے سے چولھے بن جائے دل

جب ہی مزا اٹھا ابھی ہاتھوں سے جائے دل
میری طرح تمھیں بھی تو درد دے پہرائے دل

کس کس ستم کی ظلم کی آب تاب لائے دل
پتھر کا جس کا دل ہو وہ تم سے لگائے دل

یہ آئے دن کے ناز کہاں تک اٹھائے دل
روٹھیں جو بے سبب انھیں کیونکر منائے دل

مُنہ زرد ہو چلے ہیں مرے نالہائے دل
دو دن کی زندگی پہ نہ لو بد دعائے دل

اِس بیکسی میں کوئی نہیں آشنائے دل
فرقت نصیب کیوں نکرے ہائے ہائے دل

آخر نکر خدا کے لیئے "ہائے ہائے دل"
لوگوں پہ کھل نجائے کہیں ماجرائے دل

غمزے سہے کرشمے کے صدمے اٹھائے دل
آخر تو دل ہے تم سے کہیں پھٹ نجائے دل

مَیں وہ مریض عشق ہوں اللہ کی پناہ
غم ہے فدائے جاں تو ستم ہے دوائے دل

درد بھر اچکا مجھے برسوں رُلا چکا
اب اور آگے دیکھیے کیا کیا دکھائے دل

کیا جانتے تھے جان کی دشمن ہے دوستی
کیوں ہمنے دیدیا انھیں بیٹھے بٹھائے دل

یوں ہو اگر مالاپ تو بجھ جائے کوئی دن
تم دلکو آزماؤ تمھیں آزمائے دل

پہلے ہی دشمنوں نے وہاں کان بھر دیئے
مُنہ سے نکل گیا مرے کیوں مدعائے دل

جب لطف تھا کہ آگ لگاتے عدو کے گھر
اُلٹے مجھے جلانے لگے نالہائے دل

اختر تم انکی چالوں میں فقرونمیں آگئے
بے سوچے سمجھے دیدیا بے آزمائے دل

ازل - جناب عبدالمجید صاحب تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی

کرلیں جو وہ قبول مری التجائے دل
نکلے نہ پھر زباں سے کبھی ہائے ہائے دل

دل لیکے بھی تو تم نہیں عاشق کو پوچھتے
پھر کس اُمید پر کوئی تم سے لگائے دل

بھیجا بھی گر تو اُسنے یہ بھیجا جواب خط
"بر آئیگا کبھی نہ ترا مدعائے دل"

یہ کیا کہ ایک بات سُنی اور بگڑ گئے
تم غور سے سُنو تو کہیں ماجرائے دل

اظہار درد جھوٹ ہے سوز دروں غلط!
اے بدگماں کوئی تجھے کیونکر دکھائے دل

یاس و الم گئے تو غم و درد آگئے
خالی مسافروں سے رہی کب سرائے دل

وہ مہر وہ وفا - وہ محبت کہاں ازل
آئے جو اس زمانے میں تو کس پہ آئے دل

برق - جناب بابو مہاراج بہادر صاحب - دہلوی

نالوں سے لاکھ چرخ کو سر پر اٹھائے دل
وہ کان دھر کے بھی نہیں سنتے صدائے دل

پوچھیں وہ چھوٹے منہ سے بھی گر ماجرائے دل
سینے میں پھر خوشی سے نہ پھولا سمائے دل

کہتے ہیں وہ زبان سے نکلے نہ ہائے دل
تاب ستم نہ ہو تو کوئی کیوں لگائے دل

کہتے ہیں اس خیال سے اب ہاتھ دھو رکھو
دلکا تو ذکر کیا ہے نہ بیٹھے ہوائے دل

اے آہ تو نے عرش ہلایا تو لطف کیا
جب بات ہے کہ سنتے ہی نکل آئے دل

آفت زدوں کا صبر بھی خالی نجائیگا
کوئی کسیکا سوچ سمجھ کر دکھائے دل

بجھتی نہیں بھڑکتی ہوئی آگ عشق کی
کیا آنسوؤں سے اپنی لگی کو بجھائے دل

آتا نہیں ہے رحم کسی نامراد پر
پتھر ملا ہے تجکو ستمگر بجائے دل

اچھی کہی کہ روز جزا لب نہ کھولنا
محشر کا خوف ہے تو کوئی کیوں لگائے دل

کچھ خیر ہے اسی میں کہ الجھے نہ زلف سے
ہو مبتلا بلا میں نہ بیٹھے بٹھائے دل

مدت ہوئی کہ وہ تو نظر سے گرا چکے
آہوں نے باندھ رکھی ہے اب تک ہوائے دل

ارمان وصل یار کرے اسکے بعد برق
پہلے غم فراق کی کڑیاں اٹھائے دل

بشیر۔ جناب بشیر الدین احمد صاحب دہلوی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

شوخی سے بولے سنکے وہ یہ ماجرائے دل
ہم نے کہا تھا کب کوئی ہمسے لگائے دل

دنیا میں رہ گئی ہے یہی اک نشانے دل
خون جگر پیے تو غم ہجر کھائے دل

جانے کا نام ہی نہیں لیتے پلٹ کے آ
تیروں کو بھا گئی ہے کچھ ایسی ادائے دل

کیکا پڑا ہوا ہے اسے دیکھ بھال کا
تیری نظر سے کوئی کہاں تک بچائے دل

آئینہ دیکھکر تمہیں انصاف کیجیے
اس پیاری پیاری شکل پہ کیونکر نہ آئے دل

سینہ میں دل ہے درد محبت کے واسطے
پیدا کیا ہے درد خدا نے برائے دل

کیسا ہجوم رنج والم ہے شب فراق
اے دردم اٹھ کہ آ گئے درد آشنائے دل

صدمے اٹھائے ہیں وہ محبت میں اے بشیر
کرتا ہوں یہ دعا کہ کہیں اب نہ آئے دل

بزم۔ جناب مرزا عاشق حسین صاحب اکبرآبادی مصاحب نواب صاحب رامپور

زاہد بتوں کا خاص مکان ہے سرائے دل
پہلے پڑی ہے کعبۂ حق سے بنائے دل

جب پوچھتا ہے آکے کوئی ماجرائے دل — یادش بخیر کہہ کے یہ کہتا ہوں ہائے دل

اے گل نہیں ہے نالۂ بلبل نوائے دل — فولاد کا ہو دل تو سُنے ماجرائے دل

ابتو خدا کا نام ہے بس اور کچھ نہیں — آباد تھی بتوں سے کبھی یہ سرائے دل

مٹھی میں پہلے رکھتے تھے زیر قدم ہے آ — وہ ابتدائے دل تھی یہ ہے انتہائے دل

طوطی کی کون سنتا ہے نقار خانے میں — بیکار سب ہاں ہے نری ہائے ہائے دل

فرما رہے ہیں کوچہ میں سُنکر مری صدا — کہدو یہاں کوئی نکرے "ہائے ہائے دل"

شعلہ رخوں کا عشق جلا دیگا آپ ہی — میں کیوں کہوں کہ بھاڑ میں چولھے میں جائے دل

پتھر سے ان بتوں کی محبت ہے سخت تر — فولاد کا جگر ہو تو ان سے لگائے دل

تیر نظر سے توڑ کے بچپن تو دیکھئے — اب ڈھونڈتے ہیں جوڑنیکو پارہائے دل

نعمت خدا کی نرم ہر اک عضو تن میں ہے — لیکن بُری یہ پیچھے لگا دی بلائے دل

بدر جناب شیخ بدرالدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ مرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی

پورا کیا ہے کوئی مرا مُدعائے دل — میں کسطرح کہوں تمھیں حاجت روائے دل

یارب کسیکی زلف پہ اپنا نہ آئے دل — بہتر ہے دور ہی رہے دل سے بلائے دل

آہوں سے کیوں بھڑک نہ اُٹھیں شعلہائے دل — پہلو نشیں ہے آتش فرقت بجائے دل

غیروں کے ساتھ دیکھکے اُس گل کو باغ میں — کیونکر نہ شور صورت بلبل مچائے دل

ڈوبا ہی چاہتی ہے مری کشتی اُمید — اب تک وہ ناخدا نہ ہوا آشنائے دل

اک دن نکال لائے گا پہلو وصال کا — خالی نجائیگا اثر مدعائے دل

وارفتگی ہے سر پہ مرے جن سوار ہے — جب سے خیال زلف ہوا ہے بلائے دل

مدت سے شوق وصل میں آوارہ ہو گیا — ممکن نہیں کہ اب مرے قابو میں آئے دل

اسمیں اُسی کی یاد رہے گی تمام عمر — جس کا مقام خاص ہے دولت سرائے دل

ہمدم وہی جو رنج و مصیبت میں کام آئے — مرکر بھی اپنے ساتھ رہیگی وفائے دل

اے چرخ کس خیال میں پھولا ہوا ہے تو — دم بھر میں پھونکدینگے تجھے شعلہائے دل

اُس ماہ کو بھی بدر ہمارا خیال ہے — یہ بھی نہ ہو تو کون کسی سے لگائے دل

بسمل ۔ جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب دہلوی

جو چیز دل ہے وہ اگر انسان پائے دل
پروانہ لاکھ سلطنتِ جم کی لائے دل

تیرا بھی تجھسے ہی کسی ظالم پہ آئے دل
ظالم بہت ستائے ہیں تو نے پرائے دل

اُس شوخ سے عیاں ہی کوئی کیا بچائے دل
ہر ہر ادا میں جسکی نہاں ہو قضائے دل

جب راہ پر نہ ٹھوکریں کھاکر بھی آئے دل
چوسے میں وہ پڑے وہ جہنم میں جائے دل

دیکھا نہیں یہ آنکھ سے خون ہوکے کیا بہا
پھر مجھ سے پوچھتے ہو مرا ماجرائے دل

بنکر ازل میں برق جو کچھ مادہ بچا
میری بغل میں رکھدیا اُسکو بجائے دل

پہلے تو اپنے اپنے کلیجے کو تھام لیں
پھر سُننے والے مجھ سے سنیں ماجرائے دل

خلدِ بریں ہی کعبہ ہے ۔ عرشِ عظیم ہے
یا جلوہ گہ نزا چمن جانفزائے دل

اِس صاف گوئی سے ہی مکدر ہے ہر کوئی
باعث کدورتوں کا ہی میری صفائے دل

کسکو خبر نہیں ترے بسمل کے حال کی
دو بھر ہے کسکو جان جو تجھسے لگائے دل

پیا ۔ جناب منشی محمد ابو الحسن خانصاحب عرف پیارے جان خان ۔ مراد آبادی

جور و جفا بتوں کے کہاں تک اُٹھائے دل
پتھر کا انکا کوئی کیسے بنائے دل

وہ درد ہو کہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑیں
اے کاش سُن تو لیں وہ کہیں ماجرائے دل

کچھ ہیں ہی دلفگار نہیں عشقِ یار میں
ظالم نے سیکڑوں کے جہاں میں دُکھائے دل

کیا آج کوئی بزم میں شوریدہ سر بھی ہے
آتی ہے ہر طرف سے صدا ہائے ہائے دل

محفل میں گلرخوں کی وہی پائیگا فروغ
مانند شمع اپنا جو لے دل جلائے دل

سُن سُن کے منہ سے غیر کے وہ بھی تڑپ گئے
تھا ایسا دردناک مرا ماجرائے دل

ہر روز اُنکو خون بہانے کو چاہیئے
ایسے نئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

پہچان لو فقیر کی صورت سوال ہے
کیوں مجھسے پوچھتے ہو مرا ماجرائے دل

سمجھے ہوئے ہیں کھیل وہ دردِ جگر میرا
سینہ کو چیر کے کوئی کیونکر دکھائے دل

جز وصل دردِ دل کا مداوا محال ہے
عیسیٰ کرینگے آکے مری کیا دوائے دل

تسلیم ۔ عالیجناب محمد امیر اللہ صاحب لکھنوی مدظلہ تلمیذ رشید نسیم دہلوی

یاد آتے ہیں وہ دن کہ تھی ہائے ہائے دل
دل آشنا مرا تھا میں تھا آشنائے دل

جاتا رہا جو در دکیا کامشوں نے گھر
خالی نہیں رہی کبھی مہماں سرائے دل

اس تفرقے میں خاک ہو آرام جان کو
دل مبتلائے یار ہے میں مبتلائے دل

طفلی میں بیخودی دمِ پیری ہے ضعفِ غم
وہ ابتدائے دل تھی یہ ہے انتہائے دل

جلنے سے تھی غرض مرے گر صانعِ ازل
پہلو میں شعلہ رکھ دیا ہوتا بجائے دل

مانندِ گردباد پھرا کوہ و دشت میں
نکلا نہ خاک بھی کہیں کچھ مدعائے دل

تو اپنی کہہ رہا ہے وہ اپنی فراق میں
ناصح تری سنوں کہ سنوں ماجرائے دل

وہ بت سنے نہ عرشِ بریں پر خدا سنے
مایوس پھر رہی ہے فلک پر دعائے دل

جز داغ دیتے کیا ہیں حسینانِ شعلہ رو
جسکو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

اسکو نہیں ہے چین گھڑی بھر بھی تجھ بن
معشوق لاؤں روز کہاں سے برائے دل

دیکھا اُسے نگاہ نے یہ کیوں پھڑک گیا
آنکھوں کا کچھ قصور ہے کچھ ہے خطائے دل

ارزاں بہت ہے لیجئے سودا گراں نہیں
اُلفت سے دیکھ لینا ہی ہے بہائے دل

اللہ اسکو منزلِ مقصد کرے نصیب
بیخود ہے اور کوئی نہیں رہنمائے دل

اِس بیخودی میں مجکو بھی اتنی خبر نہیں
کہتا ہے کون کسکی زباں پر ہے ہائے دل

جو کچھ دکھائے رنگ وہ سب دیکھئے آجتک
دیکھونگا اور آنکھوں سے جو کچھ دکھائے دل

وہ بت یہ جانتا ہے کہ اس کا خدا نہیں
کچھ بھی اگر ہو خوفِ خدا کیوں ستائے دل

ہم جانتے تھے اسکو محبت ہمیں سے ہے
تسلیم اُن سے ملکے کھلی آپ وفائے دل

جوش - جناب پنڈت لبھورام صاحب ملسیانی مدرس ول آوگی ضلع جالندھر

رو رو کے درد ہجر سے کہتا ہوں ہائے دل
یارب کسی صنم پہ کسی کا نہ آئے دل

صورت بتوں کی حق نے بنا کر غضب کیا
پہلو میں رکھ دیا کوئی پتھر بجائے دل

تم بھی تو چین پا نہیں سکتے کسی طرح
ہوتے بُرے ہیں جانِ جہاں آپ پرائے دل

شوخی و غمزہ ناز و ادا عشوہ و نگاہ
اتنی سپاہ سے کوئی کیونکر بچائے دل

ہو جلوہ گاہ یار جو آنکھوں کے سامنے
پھر کیوں نہ شوق دیتے آنکھوں میں آئے دل

کل کئے یا نہ آئے خدا جانے روزِ حشر
بہتر ہو آج ہی جو قیامت اُٹھائے دل

مٹھی میں آپ کی نظر آتے نہیں ہمیں
دزدِ نگاہِ ناز نے شاید چرائے دل

تیرِ نگاہ دل میں ترازو جو ہو گیا
اُتری تری جفا کے برابر وفائے دل

اُلجھا ہے گیسوؤں میں تو میری بلا سے جوشؔ
دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

حالتؔ - دیوان روشن لال صاحب دہلوی

اُلفت میں اک گھڑی بھی نہ جب چین پائے دل
ایسی تو دل لگی سے یہ چولھے میں جائے دل

صدمے ہوں ایک دو تو کوئی جھیل بھی سکے
یہ روز کے ستم ترے کیونکر اُٹھائے دل

چھوکر کسی کی زلف اسیرِ بلا ہوا
آفت میں گھر گیا ہے یہ بیٹھے بٹھائے دل

حامدؔ - جناب منشی حامد علی خان صاحب رامپوری

ہم دل لگا کے کس سے کریں ہائے ہائے دل
کچھ پوچھتا نہیں ہے کوئی ماجرائے دل

مجھ سے یہ کوئی پوچھے تو کہہ دوں ہزار ہیں
اُس بیوفا نے چھین لیا میرا ہائے دل

اللہ سے دعا ہے یہ حامدؔ کی ہر گھڑی
تجھ سے ستم شعار پہ ہرگز نہ آئے دل

ذبیحؔ - ظریف الطبع جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خانصاحب دہلوی

پھنواتے ہیں جہاں کو مرے نالہائے دل
میں آشنائے دل ہوں نہ وہ آشنائے دل

جب جا بشعلوں میں پائے نہ دیکھے دکھائے دل
یعنے لگا حسینوں سے چھینے چھنائے دل

غمخوارِ غم کا کوئی نہیں ہے سوائے دل
اب اُنکو کھائے غم مرا اور غم کو کھائے دل

جس جا ہوئے حسین وہیں پہنچے دبائے دل
اچھی نہیں یہ حسن پرستی برائے دل

قربان آج اُسپہ تو کل اُسپہ ہے نثار
ہرجائی ہو گیا مرے بیٹھے بٹھائے دل

پامالیوں پہ چل پڑا اُن کا خرامِ ناز
ہر دل شکستہ کہتا ہے اللہ بچائے دل

آنکھوں میں دم ہے اتنا کہ خون تک کریں سفید
دیکھیں تو ہم بھی انکو بھلا رنگ لائے دل

واعظ یہ تیرے وعظ میں بے خط ہے وصفِ حور
کچھ شیشہ کی پری کا بیاں کر کے کئے دل

ڈالی بلا کی جبر کی تری کالی زلف نے
پابند حلقہ خود ہی ہوا اپنا ہائے دل

زندان پسند ہمکو نہ صحرا نوردیاں
جو گھر سے فالتو ہو وہ تم سے لگائے دل

میں دیکھتا ہوں صورتِ دلبر جہاں نُما ہوں — آئینہ رکھ لیا ہی بغل میں بجائے دل

ساماں خورش کا کر دیا تیری نگاہ نے — مشکور ہوں کہ خونِ جگر ہی غذائے دل

غمزہ ہی ہو۔ کرشمہ ہی ہو۔ سادگی ہی ہو — کچھ تجھ میں بات ہو تو مرا جی بُھلائے دل

آؤ سُنیں ذبیح حزیں کے مزار پر — کہتا ہی کوئی درد سے وا ہای ہائے دل

زیرک[۵] ۔ جناب علی احمد صاحب قنوجی حال مقیم حیدرآباد تلمیذ جناب برتر

رنج و غم و الم کی اگر تاب لائے دل — عاشق کی پھر زباں پہ نہوں شکوہ ہائے دل

افسانۂ فراق نہ کیونکر سُنائے دل — کچھ کچھ تو راہ پڑ انھیں آخر لگائے دل

ہوتا ہی خون حسرت و ارمان شوق کا — کیوں ہجر میں نہ خون کے آنسو بہائے دل

معشوق گر سبھی ہوں زمانے کے بے وفا — دنیا میں پھر کسی سے کوئی کیوں لگائے دل

دونوں طرف ہے جوشِ محبت بھرا ہوا — دل اُنکا آشنا ہی وہ ہیں آشنائے دل

اللہ رے فرطِ ضعف کہ لب تک نہ آسکی — زیرِ گلو ہی رہ گئی آکر صدائے دل

جوشِ جنوں کی دست درازی سے ہر گھڑی — دامن جگر کا چاک ہی ٹکڑے قبائے دل

دل کو۔ جگر کو۔ سینہ کو پہلو کو پھونک دیں — آتش فشاں اگر ہوں شرر شعلہ ہائے دل

کاہیدہ کاہ سے بھی دل زار ہے مرا — کوہِ گراں سے بھی ہیں گراں صدمہائے دل

پانی چڑھا گئے ہیں یہ تیغ نگاہ کا — اچھے کبھی نہ ہونگے مرے زخمہائے دل

مٹھی میں لیکے زور سے اُسنے مسل دیا — زیرک تڑپ کے رہ گیا اور کہکے ہائے دل

رسا ۔ حضرت رسا شاعر و وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی

کیا خاک ہم کسی سے کہیں ماجرائے دل — اک بوند رہ گئی ہے لہو کی بجائے دل

جب مجھ سے پوچھتا ہی کوئی ماجرائے دل — سینہ پہ رکھکے ہاتھ یہ کہتا ہوں ہائے دل

آیا نہ رحم سُنکے بھی تجھے ماجرائے دل — پہلو میں تیرے دل ہی کہ پتھر بجائے دل

رہتے ہیں دونوں ایک ہی پہلو میں رات دن — دل آشنائے درد ہی درد آشنائے دل

ہم سے ہی جب گیا تو بلا سے کہیں رہے — جنت میں جائے دل کہ جہنم میں جائے دل

ارماں ہیں ہزار شب وصل مختصر — ایسے میں خاک اپنی لگی کو بجھائے دل

---

۵ بوجہ سہو کاتب یہ غزل خلاف ترتیب ردیف ہو گئی ہے ۔ ردیف ر کے بعد ہونا چاہیے ۔

تاریک ہو اگر شب فرقت تو خوف کیا
روشن ہیں داغہائی جگر داغہائے دل

پھر ماننا نہ ماننا۔ یہ اختیار ہے
اِک روز تم سنو تو سہی مدعائے دل

پہلو میں میرے رہنے سے پھر سکو کیا غرض
آیا ہو اُن پہ دل تو وہیں کیوں نجائے دل

آئینہ دیکھکر نہیں انصاف سے کہو
اِس پیاری پیاری شکل پہ کیونکر نہ آئے دل

ہر چند دل نے رنج اُٹھائے ہزار ہا
پھر بھی تری جفا سے خجل ہو وفائے دل

سینے کو رنج لائے کلیجہ کہاں سے غیر
کچھ دل لگی نہیں ہو کہ تم سے لگائے دل

کبتک رسا کوئی تری حالت سنا کرے
دن رات مشغلہ ہے ترا ہائے ہائے دل

رحمت جناب منشی رحمت اللہ صاحب۔ بلندشہری

قاتل تو اپنے ہاتھ سے اِن پر نمک چھڑک
دینگے بہت دعائیں مرے زخمہائے دل

اَب نامہ بر کے ہاتھ ہی لانا جواب کا
لکھنے کو ہم تو لکھ چکے سب مدعائے دل

جاتا ہے جان لیکے یہ آزار ہے بُرا
ناداں ہو جو کوئی کسی سے لگائے دل

او سنگدل خدا کے لئے بس ستم نکر
پتھر نہیں ہو پہلو میں میرے بجائے دل

اے دل تو ہی بتا کہ انھیں کیا جواب دوں
وہ پوچھتے ہیں کچھ تو کہو ماجرائے دل

چاہا ہے اِسنے آپ کو کی ہے بڑی خطا
قانونِ عشق میں جو ہو دیجے سزائے دل

رحمت دعا ہو خالقِ اکبر سے رات دن
یارب کسی صنم پہ کسی کا نہ آئے دل

رونق۔ خاکسار پیارے لال دہلوی اڈیٹر رسالہ ہذا

سُنتا ہو کون کس سے کہوں ماجرائے دل
سینے پہ ہاتھ مار کے کہتا ہوں ہائے دل

مارے ہیں گیسوؤں نے نگہ نے اڑائے دل
عیارین کے چھینے ہیں تُنے پرائے دل

رویا ہو میری طرح کلیجے کو تھام کر
میری زباں سے جسنے سُنا ماجرائے دل

رہجائیں تیرے کانوں میں بن بن کے بجلیاں
لڑتے ہیں آسماں سے مرے نالہائے دل

سُنتے ہیں یہ کہ قید ہوا زلفِ یار میں
اچھا ہوا بلا سے یہی تھی سزائے دل

صدمے سے غم کے ہوکے دمِ گریہ پاش پاش
آنکھوں سے اب نکلنے لگے لختہائے دل

مہندی لگا کے خون تمنا نہ کیجیے
رنگ اور اضطراب ہیں تازہ نہ لائے دل

جسنے لگایا دل اُسے بیدل بنا دیا
برباد تم نے کر دیئے لاکھوں پرلے دل

کس شعلہ رو کے عشق میں جلتا ہوں رات دن
اِک آگ سی ہی سینے کے اندر بجائے دل

پامال کرنے کرتے جھجک کر وہ رہ گئے
آئی جو خاکِ قبر سے بوئے وفائے دل

رونق زباں کو روکیئے بس قصہ مختصر
کبتک سنائے جاؤ گے تم ماجرائے دل

سیّد۔ جناب سیّد حسن صاحب نظوری متوسّل بھوپال تلمیذ جناب ظہیر

کہنے لگے وہ سنکے مرا ماجرائے دل
تاب ستم نہ جسکو ہو وہ کیوں لگائے دل

ہم ناتواں کہیں بھی اگر ماجرائے دل
پہنچے گی کان تک ترے کیونکر صدائے دل

رونا فلک کا ظلم ترے۔ طعنہ رقیب
کس کسکے جور ایک اکیلا اُٹھائے دل

دیدہ جو منصفی سے وہ منظور ہے ہمیں
کیا پوچھتے ہو ہمسے کہ ہی کیا بہائے دل

منظور جب سنانا ہوا خود ہی کھیچ گئے
تجویز کی ہے خوب یہ تم نے سزائے دل

اُس بیوفا کا ذکر نہ کرنا تھا ہمنشیں
آفت میں پڑ گیا مرا بیٹھے بٹھائے دل

پہلو میں رکھ کے ایسے ستمگر کو کیا کریں
اتنا نہیں کہ آس ہماری بندھائے دل

غیروں سے دل دُکھا نیکا کیا کیجئے گلہ
بیدرد ہیکے دوست جب اپنا ستائے دل

فرقت میں کون اُسکے سوا ہے مرا رفیق
ہاں دردِ دل ہی ایک فقط آشنائے دل

قاصد سے پوچھنے میں نہ کچھ لطف آئیگا
میری زباں سے سُنئے کبھی ماجرائے دل

دلکش ادا۔ نگاہ غضب۔ قہر چتونیں
اِن ظالموں سے کسطرح کوئی بچائے دل

شاید وہی ہو سیّد مظلوم کیا عجب
آیا تھا کوئی کرتا ہوا ہائے ہائے دل

سیّد محمد۔ جناب نواب اکبر مرزا صاحب دہلوی نبیرہ نواب حسام الدین حیدر

جانا ہی میرے پاس سے دلکو تو جائے دل
تھوڑی سی آگ پہلو میں رکھنا بجائے دل

بندہ بشر ہے دل سے نہ کیونکر لگائے دل
مشہور ہی یہ بات کہ دل ہی دوائے دل

گر سُن سکو تو حال کچھ اپنا سنائے دل
ایسا نہو کہ بزم میں ہو ہائے ہائے دل

گویا شب وصال ہیں تھا ہجر کا گمان
آپس میں جب بیان ہوئے قصہ ہائے دل

فضلِ خدا سے بلبلِ ہندوستاں ہوں میں
کیا دُور ہی جو میری فغاں کھینچ لائے دل

تعزیر ہو ستم ہو۔ جفا ہو۔ عتاب ہو
ناچار دیکھنا ہمیں جو کچھ دکھائے دل

جاں سے سوا عزیز سمجھتے رہے اسے
ہنسنے جفائے دلکو بھی سمجھا وفائے دل

ہمکو یقیں ہے کوئی کہانی نہ پھر سنو
تمکو کبھی سنائیں اگر قصۂ ہائے دل

روز ازل سے دل کسی پیکا کی شکل ہے
کیا پوچھتے ہو کب سے ہوں مجو لقائے دل

یوسف نے انتہا میں زلیخا سے کیا کیا
دنیا میں ایسے ہوتے ہیں حاجت روائے دل

رکھے جو ایک دل اُسے کیونکر نہ قدر ہو
ہیں آپکے تو پاس ہزاروں پرائے دل

آئے ہیں جب سے وہ کبھی باہر نہیں گئے
ایسی پسند آ گئی خلوت سرائے دل

بوسہ عوض ہے دل کا سراسر غلط ہے یہ
گر مجھسے پوچھتے ہو تو دل ہے بہائے دل

ہے سلسلہ بندھا ہوا نیرنگ عشق کا
دل ہے فدائے یار تو میں ہوں فدائے دل

اچھا ہوا کہ مر گیا جینے سے تنگ تھا
ارمان غیر بن کے رلا تا رہا ئے دل

صبر و شکیب تاب و تواں سب جدا ہوئے
دنیا میں ایک درد ہی بس آشنائے دل

دہلی میں شاید آج نمایش دلوں کی ہے
کیا کیا سجا کے لائے ہیں سب تحفہائے دل

اک آفتِ زمانہ ادھر سے گزر گیا
کھو بیٹھے آج ہاتھ سے بیٹھے بٹھائے دل

دل لیکے کیا کرینگے یہ کہنے کی بات ہے
تدبیر نظر یہی ہے کہ جانے نپائے دل

جب مہرباں ہوئے ہیں کہہ اٹھتے ہیں کبھی
سیّد کا بھولکر بھی نہ کوئی دکھائے دل

شبیر۔ عالیجناب فیض الاخطاب صاحبزادہ محمد شبیر علیخان صاحب بہادر عرف ننھے صاحب بہادر خلف الرشید نواب خلد آشیان فرمانروائے ریاست رامپور دام اقبالہٗ

پیدا ہوئے حسین ہزاروں برائے دل
کوئی فدائے دل ہے کوئی مبتلائے دل

تمکو سناؤں ہیں جو سنو ماجرائے دل
تیں درد دل کہوں جو ملے کچھ دوائے دل

نازک دماغ تھے تو کہو کیوں ستائے دل
سننے پڑینگے اب تو تمھیں نالہائے دل

آئے مزا کسی پہ تمھارا جو آئے دل
میری طرح سے تم بھی کرو ہائے ہائے دل

مر کر بھی دل سے دردِ محبت نجائے گا
دل اس کا آشنا ہی یہ ہے آشنائے دل

دل کیا جلا جلا کے مجھے خاک کر دیا
یارب یہ کیسی پڑ گئی مجھپر بلائے دل

ؔ آپکی غزل بوجہ سہو کاتب خلاف ضابطۂ انجمن زیادہ تعداد اشعار کی درج ہو گئی ہے

فرمائشیں ہیں اُنکی نئے دل کیواسطے
ہر روز اب کہاں سے نیا کوئی لائے دل

اوّل تو دل کے آنیکی حاجت ہی کچھ نہیں
جب آئے دل تو رنج و الم بھی اُٹھائے دل

دم جائیگا مگر یہ محبت نہ جائے گی
کبتک کوئی جلائیگا اچھا جلائے دل

دنیا میں رہ کے حضرتِ زاہد یہ کیا کہا
انساں کا حُسن چھوڑ کے حوروں پہ آئے دل

کیا دل اُٹھاؤں رشک اُٹھانے بھی دے مجھے
ہیں میرے دل کے پاس ہزاروں پرائے دل

ہے عشق بڑھتے بڑھتے مرا رنگ لائے گا
ایسا نہ ہو کہیں کہ رقیبوں پہ آئے دل

آئے جو دل نظر پہ تو ابرو کو چوم لوں
تلوار میں بھی کھاؤں اگر تیر کھائے دل

رہنے دے میرے پاس کہ ہمت بندھی رہے
میں دل کا غم اُٹھاؤں ترا غم اُٹھائے دل

شبتیر میں نے چھوڑ دیا دل کو آج سے
جنت میں جائے دل کہ جہنم میں جائے دل

شورؔ - جناب مرزا محمد رضا بیگ صاحب تلمیذ نواب فصیح الملک داغؔ دہلوی

یارب بتوں سے ظلم کہانتک اُٹھائے دل
ڈرتا ہوں فرطِ غم سے کہیں پھٹ نجائے دل

کبتک یہ آئے دن کی مصیبت اُٹھائے دل
گھبرا کے جان پر نہ کہیں کھیل جائے دل

آنکھوں میں جھونکدی مرے اپنے قدم کی خاک
اس واسطے کہ اور کسی پر نہ آئے دل

میری طرح سے تجکو بھی دو داغ ہوں نصیب
میری طرح سے تجکو بھی آنکھیں دکھائے دل

راحت تو جب ملے جو چلے حلق پر چھری
نکلے جو تن سے جان تو کچھ چین پائے دل

اتنے ملو کہ قلب سے مٹجائے داغ غم
اتنا کرم کرو کہ ستم بھول جائے دل

دل دیکھے اُٹھ گئے انھیں دنیا سے سیکڑوں
آتی ہے مرقدوں سے صدا جائے ہائے دل

کہنے کو میں کہوں تو مگر یہ خیال ہے
کس دل سے تم سنوگے بھلا ماجرائے دل

اے شورؔ دردِ عشق کی لذت کچھ اُنسے پوچھ
پہلو میں جنکے لوٹتے ہیں چوٹ کھائے دل

شیرؔ - جناب شیر علی صاحب جالسی اہلکار محکمہ منصرمی کتہیری

اک اک ادا کسیکی غضب ہے برائے دل
یارب کسی بشر کا کسی پر نہ آئے دل

جب اُٹھی میرے دلکی طرف اُسنے رُخ کیا
اُنکی نگاہ ناز ہوئی مبتلائے دل

رو رو کے کسکے سامنے آنکھوں کو پھوڑ لوں
پوچھے کوئی تو اُس سے کہوں ماجرائے دل

کھلجائے درد دلکی حقیقت ہمارے پھر
معلوم ہو کسی پہ تمھارا جو آسے دل

گذرے جو بات دل میں کسیکے وہ جان لے
اے شیر اسقدر تو ہو پیدا صفائے دل

شاد۔ جناب منشی للتا پرشاد صاحب میرٹھی۔ از اجمیر

سچ ہے کوئی بتوں سے نہ ہرگز لگائے دل
کیوں مفت دام عشق میں اپنا پھنسائے دل

صندل سے کم نہیں ہے ترا درد برائے دل
ہے درد سر میں سر کا پٹکنا دوائے دل

یہ کون چاہتا ہے کسی بت پہ آئے دل
بیٹھے بٹھائے مفت میں ہاتھوں سے جائے دل

ہر وقت آپ دل میں ہوں اور دل ہو آپ میں
یہ آرزوئے دل ہے تو وہ مدعائے دل

تیری ادا ستم کی ہے شوخی غضب کی ہے
گر وہ بلائے جاں ہے تو یہ ہے بلائے دل

دل ہو تو ایسا دل ہو کہ دلبستگی ہو کچھ
وہ کیا کہ خود بھی روئے ہمیں بھی رلائے دل

ہاں! دیر کیا ہے آج ہی ہوجائے امتحان
تم دلکو آزماؤ تمھیں آزمائے دل

کیوں اسکا خون کرتے ہو غصہ ہے کسلیئے
وہ کونسا قصور ہے کیا ہے خطائے دل

اے غیرت مسیح پلا شربت وصال
یہ ہے علاج ہجر یہی ہے دوائے دل

واللہ آپ آئیں تصور میں بھی اگر
ہر ہر قدم پہ شوق سے آنکھیں بچھائے دل

اب آسماں کی خیر تو آتی نہیں نظر
ٹکر کی لے رہے ہیں مرے نالہائے دل

بیچارہا ہے کھنچ کے پھر کوئے یار میں
ڈر ہے کہیں نیا نہ کوئی گل کھلائے دل

اچھا یونہی سہی کہ محبت نہیں ہمیں
کس طرح کوئی چیر کے اپنا دکھائے دل

وعدے سے تم تو اپنے ابھی سے مکر گئے
کیا خاک پھر ملیگا ہمیں خوں بہائے دل

واپس جو آپنے مانگا تو منہ پھیر کر کہا
کیوں پھیر دیں کسیکا اگر ہاتھ آئے دل

دق آگئے ہیں اس سے تو اے شاد خوب تھا
پتھر ہی کوئی پہلو میں ہوتا بجائے دل

شوخ۔ جناب منشی رادھے لال صاحب واصلباقی نویس کلکٹری باندا

جب لطف ہو کسی پہ تمھارا بھی آئے دل
میری طرح سے تم بھی کرو ہائے ہائے دل

بیٹھے ہیں زلف یار سے اپنا لگائے دل
پالی ہے جان بوجھ کے ہملے بلائے دل

سودائے زلف کرتے ہیں بازار حسن میں
ہم مفت مول لیتے ہیں دیکھو بلائے دل

ممنوں ہوں نہ دیدۂ گریاں ترا میں کیوں　　سرسبز کر دیئے ہیں مرے داغہائے دل
کسکے خدنگ ناز کا دل میں گزر ہوا　　آئی ہمارے پہلو سے کیسی صدائے دل
آئے نہ روز حشر مقابل جناب شوخ　　خورشید حشر میری جو دیکھے ضیائے دل

شمیم۔ جناب بابو چیتر مل صاحب بھرتپوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

جب جشنِ گلرخان ہوا زینت فزائے دل　　گلزار پُر بہار بنے داغہائے دل
سوزِ شبِ فراق سے اللہ کی پناہ　　گردوں کو پھونکتے ہیں مرے نالہائے دل
جور و ستم بتوں کے اٹھانے کے واسطے　　سینہ میں ہم نے رکھ لیا پتھر بجائے دل
اچھا کیا جو آپ نے پامال کر دیا　　بیجا نہیں بجا ہے یہی تھی سزائے دل
وہ دیدیا تھیں ہمیں جس دل پہ ناز تھا　　اب حسرتیں ہیں سینہ کے اندر بجائے دل
اے عندلیب بوئے وفا گل میں گر نہیں　　تو اپنا سوزِ آہ سے پھر کیوں جلائے دل
جور و ستم کی جو نہ تلافی کرے شمیم　　پھر اُس سے کس اُمید پہ کوئی لگائے دل

شیدا۔ جناب بابو چندی پرشاد صاحب دہلوی تلمیذ جناب راسخ مرحوم

ٹوٹے ہوئے جو تیر بنے ہیں غذائے دل　　ٹکڑے نصیب کے یہ ملے ہیں برائے دل
بانکی ادا لے یار کی کب تاب لائے دل　　ترچھی نگاہِ ناز چھری ہے برائے دل
کانوں میں بس گئی ہے صدائے شکستگی　　ٹوٹے اگر کلی بھی تو کہتا ہوں ہائے دل
دن رات لو ہے شمع اثر کی لگی ہوئی　　پروانہ بن گئے ہیں مرے نالہائے دل
لوٹا ہے چھپکے پردے میں اللہ رے جمال　　آتی ہے ہر طرف سے صدا ہائے ہائے دل
اتنی بھری ہوئی ہیں پریزاد خواہشیں　　پہلو میں ہیں حسین ہزاروں بجائے دل
دردآفریں ازل سے بنا یکی تھی طلب　　سارے جہاں سے ہم تو نیا چھانٹ لائے دل
اشکوں کی آبرو پہ پڑی اوس عشق میں　　پانی کے مول آج بھی ہے بہائے دل
ہر وقت سوزِ غم سے رہے غیرت کباب　　میرا بنا دیا ہی یہی تھی سزائے دل
تیغ نگاہِ ناز کی دعوت ضرور ہے　　زلفوں سے اُٹھی جا کے کوئی مانگ لائے دل
پاک صاحب کمال کا ہے عکس جلوہ گر　　آئینہ بن گئی ہے ہماری صفائے دل

اُس سے کہو کہ جسنے بنایا حسیں تمھیں
ثابت تو کیجیے کوئی - کیا ہے خطائے دل

اللہ رے صفائے محبت کا معجزہ
خلوت سرائے نور بنی ہر ادائے دل

شیدا کو دیکھ رہے ہیں وہ اک خوشنما فریب
دعویٰ ہے جن کو بیچتے ہیں ہم ولائے دل

صابر - جناب لالہ بھیم چند صاحب - بی - اِے - دہلوی

یارب جو با وفا تو کسی کا بنائے دل
کیونکر نثار ہونے کو اُس پر نجائے دل

سہ کر جفا و جور بھی لب پر فغاں نہ ہو
پتھر کا اِس طرح کوئی کیونکر بنائے دل

تنگ آکے اِن بتوں سے نکلتی ہے یہ دعا
پائے نہ چین وہ بھی جو اپنا ستائے دل

اُلفت میں پڑ کے غیر کی غیروں کا ہوگیا
دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

صبر - جناب حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی

سینے پہ ہاتھ رکھا جو کہ آرام پائے دل
پھر میں سناؤں گا تمھیں سب ماجرائے دل

بیرحم ہو کے جب کوئی ہر دم دکھائے دل
ضبط فغاں ہو کیسے نہ کیونکر بھر آئے دل

دمساز میرا دل ہے میں ہوں مبتلائے دل
میری وہی رضا ہے جو کچھ ہے رضائے دل

ہر وقت رشکِ غیر کے جو داغ کھائے دل
اِک بار جل کے خاک ہو دوزخ میں جائے دل

ڈر ہے کہ سن کے نالۂ پر دردِ عندلیب
گلشن میں ہر کلی کا کہیں پھٹ نجائے دل

سب جیتے جی کے یار تھے دمساز و ہمنفس
آیا نہ ساتھ گور میں کوئی سوائے دل

آگے مرا نصیب جو چاہے خدا کرے
اُس بت کو ابتو دیدیا بے آزمائے دل

یہ عشق حسنِ یار نے ڈالا ہے تفرقہ
دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

کیوں مضطرب ہے جان شب ہجر یار میں
جتنی مصیبتیں ہیں وہ سب ہیں برائے دل

کوئی کسی سے خاک امیدِ وفا کرے
مشکل میں جب جگر سے نہ کچھ کام آئے دل

مجھ سے نہ بدگمان ہو اے دل خدا کو مان
کافر ہو جز ترے جو کسی سے لگائے دل

اِس پر بھی خیر گزرے تو شکر خدا کروں
اَب اور آگے دیکھئے کیا رنگ لائے دل

لے اجل بھی جان بھی جائے یہ سب ہی
یارب مگر کسی کا کسی پر نہ آئے دل

پہلو میں وہ تو غیر کے بیٹھے ہیں چین سے
ہم چپ کھڑے ہیں ہاتھوں میں اپنا دبائے دل

سوزِ نہاں کا حال کسی دن تو پوچھئے — پتھر کی طرح آگ کہاں تک چھپائے دل
کس سے کہوں سناؤں کسے کسکو تاب ہے — پتھر کا ہو جگر تو سُنے ماجرائے دل
اے صبر آرزوئے دلی اب ہوئی قبول — زنجیرِ عرش تھامے ہوئے ہے دعائے دل

صوفی۔ جناب سیّد برکت علی صاحب کلرک نہر جمن مغربی تلمیذ آغا شاعر دہلوی

دیکھو خدا کے واسطے ہے ہے یہ کیا ہوا — آتی نہیں ہے کان میں اب تو صدائے دل
کیسی اُداسی چھا گئی جانے سے آپکے — خالی پڑی ہے دیکھئے مہماں سرائے دل
شکووں پہ میرے اُسنے بگڑ کر دیا جواب — کب مَیں نے یہ کہا تھا کہ کوئی لگائے دل
صوفی کا حال دیکھ کے غیروں سے یوں کہا — عبرت کا یہ مقام ہے دیکھو برائے دل

طالب۔ جناب حافظ و قاری عبد الرحمٰن صاحب رامپوری تلمیذ جناب رسا

کوچے میں اُسکے یوں تو ہزاروں ہی پا دل — ہوئے وفا جو جس میں نہ پایا وہ ہائے دل
صدمہ ہو یا خوشی ہو اُسی کا خیال ہے — ایسا کوئی زمانے میں یارب نہ پائے دل
ہوتا ہے ایسا جذب محبت۔ اثر یہ ہے — سُنتے ہیں وہ مجھی سے مرا ماجرائے دل
ہنسکر کسی نے شکوۂ بیداد پر کہا — اُسکی سزا ہے یہ جو کسی سے لگائے دل
ہر ہر قدم پہ تیرے قیامت ہوئی بپا — کہتا ہے کوئی ہائے جگر کوئی ہائے دل
جو یہ کہے کہ آپ سے کچھ واسطہ نہیں — پھر اُس سے کوئی خاک کہے ماجرائے دل
تاثیرِ آہ کی مَیں دکھاؤں تمھیں مگر — یہ خوف ہے کہ تم نہ کرو ہائے ہائے دل
طالب کی پوری کوئی نہ جب آرزو ہوئی — پھر غیر کہتے آپ سے کیونکر لگائے دل

طالب جناب منشی دنانایک پرشاد صاحب بنارسی مقیم بمبئی

پھونکے جگر شرارِ الم سے جلائے دل — دوزخ میں جائے شعلہ رخوں پر جو آئے دل
اُن کو پسند آگئی جب سے وفائے دل — وہ جان کھائے ہیں ہماری برائے دل
پھر جائے۔ اور پھر کے نہ تم پر پھر آئے دل — جی دار ہو تو ٹھیک تمھیں بھی بنائے دل
آفت پڑے کسی پہ مگر جھیل جائے دل — آنکھیں لڑیں کسی سے مگر چوٹ کھائے دل
اپنے ہی دل سے ہوتے ہیں اپنے پرائے دل — دشمن کوئی کسی کا نہیں ہے سوائے دل

مرجائینگے تو دل کو بھی آرام آئے گا — بس نسخۂ اجل سے بنے گی دوائے دل

رندی ۔ سیاہ مستی ۔ خراباتپروری — سب کچھ کرے مگر نہ کسی کا دکھائے دل

عقبیٰ کا غم رہا ۔ کبھی دنیا کا غم رہا — خالی مسافروں سے نہ پائی سرائے دل

دل سی عزیز شے دیئے دیتے ہیں ناگزیر — صاحبدلوں کے پاس ہی کیا ہے سوائے دل

پتھر بنائیے دل کو جو تم پر نثار ہو — بھاری ہو جسکو جان وہ تم سے لگائے دل

چھوٹے جو مجھ سے مے تو میری جان چھوٹ جائے — ٹوٹے اگر سبو تو مرا ٹوٹ جائے دل

محشر ہو ۔ یا عدالتِ دنیا ہو ۔ کچھ بھی ہو — اُسکی کوئی سزا ہی نہیں جو چرائے دل

لاکھوں ہیں کوئے یار میں دل کیا پتہ لگے — دو چار ہوں تو جا کے کوئی ڈھونڈ لائے دل

ناچار ہوں کہ اُس پہ نہیں اپنا اختیار — اُٹھوں جو کوئے یار سے تو بیٹھ جائے دل

طالبؔ بجا ہے صائبِ معجز بیاں کا قول — "باخلق آشنا نشود آشنائے دل"

ظہیرؔ طوطی شکرستان خوشمقالی عالیجناب سید ظہیر الدین حسین صاحب یادگار حضرت ذوقؔ

ہیں اور کنج عمکدہ اور نالہائے دل — کس کو سناؤں دل کے سوا ماجرائے دل

اچھا نہیں ہے فاش ہو گر ماجرائے دل — ای کاش دل ہی دل میں رہے مدعائے دل

ڈرتا ہوں فرطِ غم سے نہ دل پاش پاش ہو — کرتا ہوں دلکو تھام کے ہیں ہائے ہائے دل

شغلِ شب فراق یہی ہے کہ رات بھر — کہتا ہوں دل کے سامنے میں ماجرائے دل

منقارِ عندلیب سے شعلے اُٹھا کریں — یکبار دل کے ساتھ ہو گر ہمنوائے دل

غیروں کے سینے پھٹکے کلیجے نکل پڑیں — سینوں میں ہیں گر بلند ہو میری صدائے دل

پیدا ہوئے ہیں رنج و الم میرے واسطے — غم آشنائے جاں ہے بلا آشنائے دل

ہے شرحِ آرزو ہی مری قطعِ آرزو — برعکس مدعا ہے مرا مدعائے دل

مرتے ہیں دردمند کے مرنے پہ اہلِ سوز — پروانہ سوز و ساز میں ہے ہمنوائے دل

کسکو غرض کہ دل کی مصیبت میں جی جلائے — اپنی خوشی کسی پہ اگر آئے ۔ آئے دل

ہم اور راہِ منزلِ تسلیم یا نصیب — دیکھیں گے دل کے ہاتھوں سے جو کچھ دکھائے دل

وہ اور وصلِ غیر ہے اور نغمہ ہائے شوق — میں اور سنگ و سینہ ہے اور نالہائے دل

[illegible] آشنائے دل

مرجاؤں ایک بار تو قصہ تمام ہو
ٹل جائے کاش جانِ حزیں پر بلائے دل

اِس تنگنائے دہر میں فرصت قلیل ہے
شرح جفا ر دوست لکھوں یا وفائے دل

آتی ہے بُوئے سوزِ سخن سے ترے ظہیر
مضمون جا نگداز ہیں سب نالہائے دل

عابد۔ جناب سید عابد علی صاحب رئیس مراد آباد تلمیذ جناب داغ دہلوی

[illegible]

تم پر کھلے گا جب یہ مرا ماجرائے دل
تم بھی کرو جو میری طرح ہائے ہائے دل

وہ داستانِ دردِ جگر سُنکے ہنس دیئے
ایسوں سے کیا کہے کوئی پھر ماجرائے دل

جو چھانٹ کر اُڑا یا تری چشمِ ناز نے
اچھی نہیں تھی چیز کوئی کیا سوائے دل

بلبل کا نالہ گل کے لیئے کیا سُنے کوئی
میری سُنے کہ کرتا ہوں میں ہائے ہائے دل

پھر پھر کے دیکھنے کی نہ تکلیف کیجئے
تیرِ نگاہِ ناز کے قربان جائیے دل

ظالم کوئی حساب بھی ہے ظلم کا ترے
کتنے جگر دُکھائے ہیں کتنے ستائے دل

نالوں میں کچھ اثر نہیں میرے نہیں سہی
بیٹھے ہو اپنے ہاتھوں سے پھر کیوں دبائے دل

یہ ہے جگر ہمارا کہ ہم قتل گاہ میں
تیرِ نظر کی نذر کو خود دے کے آئے دل

جس بُت کو ناز سنگدلی پر ہو لے خدا
وہ آج نرم ہو گیا سُنکر صدائے دل

جورِ سپہر ظلمِ بتان۔ صدمۂ فراق
بڑھکر ہے اِن بلاؤں سے مجھ پر جفائے دل

ہے اُس طرف خیال اُسے چھین لیجئے
میں اسطرف ہوں فکر میں قابو میں آئے دل

وہ تم ہی تو ہو کرتے ہو جو ظلم ہر گھڑی
وہ میں ہی تو ہوں کرتا ہوں جو ہائے ہائے دل

دیکھے بتوں کا جلوہ تو غش کھا کے گر پڑے
زاہد ہزار بار تو پتھر بنائے دل

عابد کو عرضِ حال میں کیا عذر ہے مگر
دل سے سُنے کوئی تو کہے مدعائے دل

عاجز۔ جناب لالہ رگھناتھ سنگھ صاحب دہلوی

کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرا ماجرائے دل
کرتا ہوں دردِ ہجر سے میں ہائے ہائے دل

عاجز غم و الم ہوئے دل کے عوض نصیب
بہتر ہے اِن بتوں سے نہ کوئی لگائے دل

عاجز۔ جناب کیرت لال صاحب ہوشیار پوری۔ تلمیذ حضرت وجاہت جھنجھانوی

سُن لیں اگر وہ دل سے کبھی ماجرائے دل
پھر بھول کر بھی ہم نہ کریں ہائے ہائے دل

یہ خوف ہے کہ چاہ زنخداں کے عشق میں
مجھکو کہیں کنوئیں میں جاکر گرائے دل

بس خاک ہوکے یار کے کوچے میں رہگیا
شکر خدا کہ خوب ہوئی انتہائے دل

نازک ہو تم تو یہ بھی ہے کچھ تم سے ناتواں
ممکن نہیں کہ ناز تمھارے اُٹھائے دل

عاجز ہماری مشکلیں ہوجائیں پھر تو سہل
آجائیں اپنے بس میں جو اک دو پرائے دل

قنبر۔ جناب حکیم احمد علیصاحب احمد آبادی

اس طرح بھی کسی پہ کسیکا نہ آئے دل
آٹھوں پہر ہے لب پہ مرے ہائے ہائے دل

نام خدا جوان بھی ہونے نہ پائے وہ
مٹی میں کھیل کھیل کے لاکھوں ملائے دل

کہتے ہیں ناز و غمزہ سے ہر بار اس طرح
ڈھائیں ستم کسیکا اگر ہاتھ آئے دل

ناصح ہماری جان کا دشمن بنا ہے کیوں
ظالم خدا کرے کوئی تیرا ستائے دل

بسمل ہے مثل ماہی بے آب رات دن
آرام کس طرح غم فرقت میں پائے دل

قنبر سے آپ وصل کی شب کیوں خفا ہوئے
اُسکی خطا نہیں ہے یہ سب ہی خطائے دل

قصیر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی انسپکٹر میونسپل دہلی

روئے جگر کو تھام کے چلائے ہائے دل
میری طرح کسیکا کسی پر جو آئے دل

اُس خال و زلف سے کوئی کیونکر بچائے دل
یہ ہے وبال جان تو وہ ہے بلائے دل

اُلفت کا لطف اور ہی کچھ پھر اُٹھائے دل
میری طرح سے اُنکا بھی گر مجھپہ آئے دل

سچ تو یہ ہے بتوں سے وہ انساں لگائے دل
پتھر سا سخت میری طرح جو بنائے دل

اُس برقوش کی شکل اگر دیکھ پائے دل
بجلی کی طرح پھر نہ کبھی تاب لائے دل

قاتل جب آب تیغ کی تو بوند بھی نہ دے
اپنی لگی کو آپ یہ کیوں کر بجھائے دل

دل لیکے وہ نہ دینگے تو پروا ہے کیا ہمیں
ہم وہ نہیں جو کرتے پھریں ہائے ہائے دل

اک وہ کہ آزماتے ہیں ہر اک کو ہر طرح
اک ہم کہ اُنکو دے دیا بے آزمائے دل

اس باغ پر بہار کی بھی سیر دیکھ لو
گلزار بن رہے ہیں مرے داغہائے دل

رہ رہ کے درد اُٹھتا ہے رگ رگ کے ہے خلش
کرتا ہوں دلکو تھام کے میں ہائے ہائے دل

یاں کانوں کان ہمکو خبر تک نہیں ہوئی
وہ ہاتھوں ہاتھ لیگئے بیٹھے بٹھائے دل

کیوں تاک جھانک ترچھی نگاہوں کی ہے اُدھر
لکھا ہی کیا ہوا ور یہاں اَب سوائے دل

عشقِ بتاں کبھی ہو تو یادِ خدا کبھی
یا اقتضائے طبع ہے وہ مقتضائے دل

پیری ہزار عیب کی مصداق ہو گئی
تم سے بھلا قصیر کوئی کیا لگائے دل

وہ شوخ چشم کتنا ہے چالاک اے قصیر
لاکھوں کے اِک نظر کی نظر میں اُڑائے دل

قمر - جناب منشی قمر الدین صاحب دہلوی تلمیذ جناب بیخود دہلوی

سُن لے کبھی خدا جو ستمگر دعائے دل
تو بھی اسی طرح سے کرے ہائے ہائے دل

ہر وقت اب تو عشق میں ہے یہ دعائے دل
یارب کبھی کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

مجھکو یقین ہے ترکِ تعلق کے بعد بھی
برسوں وہ دل میں یاد کرینگے وفائے دل

دیکھا جو دل کو دردِ محبت میں بے قرار
کہنے لگے وہ ہنس کے یہی تھی سزائے دل

بیمارِ غم کی بات اگر غور سے سُنو
اُتنا سُنائی دیتا ہے بس ہائے ہائے دل

وہ مجھ سے دردِ دل کا گلا سُنکے کہہ گئے
جوڑے تھے ہاتھ کسنے کہ کوئی لگائے دل

اِک ہم کہ اپنے دل پہ بھی قابو نہیں ہمیں
اِک تم کہ تم نے چھین لیئے ہیں پرائے دل

نادم ہوں سخت اُن سے کہ وہ آئے میرے گھر
تھیں نذر پیش کر نہ سکا کچھ سوائے دل

وہ لے رہے ہیں شوخیوں سے دلمیں چٹکیاں
مَیں ڈر رہا ہوں یہ کہ قیامت نہ ڈھائے دل

کم سِن بھی ہیں حسین بھی ہیں شوخ بھی ہیں وہ
اُن سے بچائے تو کوئی کیونکر بچائے دل

جس سے چھپا ہوا نہو کچھ دل کا حال بھی
سینے میں کس طرح کوئی اُس سے چھپائے دل

لو اور یہ امید سمجھے میری ذات سے
مَیں اور تجھ سے حشر میں لوں خونبہائے دل

اُس ماہ وش کے عشق میں توبہ کے بعد بھی
برسوں قمر کے مُنہ سے سُنا ہائے ہائے دل

کلیم - جناب حفیظ الکبیر صاحب از بھوپال

دیکھا اگر کسیکو کہیں مبتلائے دل
بیساختہ زبان سے نکلا کہ ہائے دل

آباد گھر کو یاس نے ویران کر دیا
ہے آج دلمیں ہائے جگر لب پہ ہائے دل

اے آہِ نارسا اثر ترے قربان جایئے
وہ آ رہے ہیں کہتے ہوئے ہائے ہائے دل

اللہ رے مزاج یہ نخوت تو دیکھئے
کانوں پہ ہاتھ رکھکے سُنا ماجرائے دل

ایثار ہا نہ کوئی محبت میں اسے کلیم — دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

گنجور - جناب شمس العارفین صاحب دہلوی

نام خدا ہزار حسینوں میں ایک ہو — کیوں دیکھ کر متقیں نہ کسیکا پھر آئے دل
بیتاب ابتدا ہی سے ہوں درد عشق میں — انجام دیکھئے مجھے کیا کیا دکھائے دل
لاکھوں جفائیں ایک وفا کے جواب میں — انصاف سے کہو تو یہی تھی سزائے دل

مجرم - جناب حافظ محمد زکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق دہلوی

جب ہر گھڑی جفاؤں سے وہ بت دکھائے دل — پتھر کا ظلم سہنے کو کس گھر سے آئے دل
بیتابیٔ فراق کا درماں ہو کس طرح — ملتی نہیں جہان میں یارب دوائے دل
میرا سا حال اُس کا بھی ہو جائے الٰہی! — میں وائے دل کہوں وہ کہے غم سے ہائے دل
افسوس کر رہا ہوں جو مل مل کے آج ہاتھ — اُلفت میں کسکو دیدیا بیٹھے بٹھائے دل
شاید کسی پری کی نظر پڑ لگا گئی — ہر سُو اُڑائے پھرتی ہے مجھکو ہوائے دل
مجرم جو آنکھ بھر کے نہ دیکھے کبھی ادھر — کیونکر نظر میں اُسکی ہمارا سمائے دل

مضطر - جناب بابو جگناتھ پرشاد صاحب سکندر آبادی تلمیذ جناب رونق

یارب کسیکا شعلہ رُخوں پر نہ آئے دل — اُلفت سے ایسی بھاڑ میں چولھے میں جائے دل
ہلکی سی ایک آہ کی بھی تاب جب نہ ہو — صدمے فراقِ یار کے کیونکر اُٹھائے دل
اِن بے وفا بتوں سے الٰہی بچائیو — ایسا نہ ہو کہ عشق میں ہاتھوں سے جائے دل
شکوہ کسی کے جور و جفا کا فضول ہے — جب ہمپہ روز ظلم ہمارا ہی ڈھائے دل
جلنا ہو جسکو شمع صفت خود جلا کرے — دلسوز بنکے کیوں وہ کسیکا جلائے دل
دلسوز اپنا ہو گیا غمخوار غیر کا — وہ اُٹھ گئی دوکان جہاں تھی دھرے دل
مضطر دیا تھا کیوں کسی غفلت شعار کو — بدلے میں دل کے کرتے ہو کیوں ہائے ہائے دل

مَنّن - جناب مرزا فدا علی صاحب عرف مَنّن لکھنوی -

صدمے ستم کے قہر کی ایذا اُٹھائے دل — لیکن کسی حسین پہ کسی کا نہ آئے دل
جائے مری بلا سے جہنم میں جائے دل — اُن سے تو میں کہوں گا نہ کچھ ماجرائے دل
پہلے تو کھیل جان کے پامال کر دیئے — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ ناحق دکھائے دل

تشریح آرزو کی ضرورت نہیں رہی
وہ خود سمجھ گئے ہیں مرا مدعائے دل

پیغام وصل اُن کو دیا بزم عام میں
آخر زباں پہ آ ہی گیا مدعائے دل

بیٹھے ہوئے ہیں غیر یہاں پاس شرم ہے
مچلے ہوئے ہیں وہ کہ کہو ماجرائے دل

سُنتے نہیں تو نام سے نفرت ہے آجکل
کس طرح وہ سُنیں گے مرا ماجرائے دل

مشتاق ۔ جناب مرزا بہادر علی خان عرف چھٹن صاحب لکھنوی تلمیذ جناب جاوید

صدمے شب فراق کے لاکھوں اُٹھائے دل
دنیا میں قہر ہے جو کسی بُت پہ آئے دل

بیحد اُٹھا چکے ہیں اذیت فراق میں
اب دینگے ہم کسی کو نہ بے آزمائے دل

ہے میری یہ دعا کہ محبت سے پیشتر
اللہ صبر دے مجھے پھر اُن پہ آئے دل

بے مہر بے وفا ۔ دغا باز ہیں یہ بُت
کیا اِن بتانِ دہر سے کوئی لگائے دل

کیا پوچھتے ہو حال تم اے ناصح شفیق
کس طرح ہم بتائیں تمھیں ماجرائے دل

کیونکر نہ اپنے حسن پہ اُن کو غرور ہو
دل اُنکے واسطے ہیں یہ بُت ہیں برائے دل

مشتاق باز آؤ بس اب تم بھی عشق سے
مشہور ہے کہ رنج ہے جو لگائے دل

مشتاق ۔ جناب مشتاق صاحب بٹالوی تلمیذ جناب رسا

یارب کہیں کسی کا کسی پر نہ آئے دل
ناحق کبھی نہ صدمۂ فرقت اُٹھائے دل

اُس سے کبھی نہ بھولے سے کوئی لگائے دل
عاشق کا اپنے آٹھ پہر جو دُکھائے دل

کیا خاک پھر کسی پہ بھلا اپنا آئے دل
رنگ وفا کبھی جو کسی میں نہ پائے دل

سُنتے تھے ہم کہ تو ہے فقط قطرہ خون کا
اتنے حسین تجھ میں کہاں سے سمائے دل

تو ہی نگاہِ یار مجھے چھین لے ذرا
شام و سحر ہے اب تو یہی بس صدائے دل

کوئے بتاں میں اِسنے جو پائی ہے پرورش
پہلو میں کس طرح سے بھلا اب سمائے دل

اپنی کبھی سنائی نہ میری کبھی سُنی
دل میرا آشنا ہے نہیں آشنائے دل

ظالم کے تیر نے یہ چکھایا مجھے مزہ
آتے ہیں آنسوؤں میں میرے لختہائے دل

کس کے یہ سامنے کہے اپنی مصیبتیں
ہو کوئی سُننے والا تو اُسکو سُنائے دل

آؤ سامنے [illegible] دم بھر کے واسطے
پھر ہم سُنائیں آپ کو سب ماجرائے دل

مشتاق دیکھو دل کا کہا مانتے تو ہو
ایسا نہ ہو کہ آپ کو آنکھیں دکھائے دل

محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب - از ڈیرہ اسمٰعیل خان

اب جی میں ہے کہ ہاتھ سے جانے نہ پائے دل
آئے نہ دوں کسی پہ جو قابو میں آئے دل

تو جسکو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے "ہائے دل"
اک سرسری نظر بھی ہے صبر آزمائے دل

اپنے بھی دل دیئے ہیں خدا نے تمھیں بتو!
کیا حرص ہے کہ لیتے ہو پھر بھی پرائے دل

یہ جنس وہ ہے مفت بھی لیتا نہیں کوئی
بازارِ حسن و عشق میں کیا ہے بہائے دل

ظالم ہو۔ بے تمہارے مگر چین بھی نہیں
آزارِ جاں ہو پھر بھی ہو لیکن دوائے دل

کس سے سنوں جو تم نہ کرو بات پیار کی
کس سے کہوں جو تم نہ سنو ماجرائے دل

تکلیفِ سیرِ گل مجھے اے ہمنشیں نہ دے
پھولوں سے کم نہیں ہیں مرے داغہائے دل

ناصح! علاجِ عشق ہے ہر چند ترکِ عشق
لیکن ہے یہ خیال بھی حسرت فزائے دل

یہ اُن کا ہو چکا ہے، وہ غیروں کے ہو چکے
دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل

کیا خوب ساز ہے کہ نوا سنجِ راز ہے
محروم دلپذیر ہے کتنی صدائے دل

مذاق - جناب پنڈت شو نراین صاحب شرما وید - دہلوی

کیونکر نگاہِ ناز سے کوئی بچائے دل
پنہاں ہے شوخیوں میں کسی کی قضائے دل

جلتا ہے اُنکی آہِ جہاں سوز سے فلک
کرتے ہیں دل جلے جو کبھی ہائے ہائے دل

جس گل کے ہم فراق میں سودائی بن گئے
دل اُس کا آشنا ہے نہ وہ آشنائے دل

ظلم و ستم بتوں کے اُٹھانیکو اے مذاق
فولاد کا کہاں سے کوئی اپنا لائے دل

نوح - جناب محمد نوح صاحب از قصبۂ نارہ ضلع الہ آباد تلمیذ جناب داغ

پہلے یہ چاہتے تھے کہ پہلو سے جائے دل
اب دل نہیں تو کرتے ہیں ہم ہائے ہائے دل

مجکو جنوں نہیں جو کروں ہائے ہائے دل
وہ دلربا ہے میری بغل میں بجائے دل

ارماں ہیں کچھ اور نہیں ہے سوائے وصل
حسرت تمھیں کچھ اور نہیں ہے سوائے دل

کچھ کچھ حیا بھی ہے اُنھیں کچھ کچھ غرور بھی
کس بے دلی سے سنتے ہیں وہ ماجرائے دل

نکلے نہ جو کبھی وہ کلیجے کی پھانس ہے
پورا نہ جو کبھی ہو وہ ہے مدعائے دل

رہنے بھی دو چلو مجھے معلوم ہوگیا
جو گھر سے نالۂ ہو وہ تم سے لگائے دل

منظور خط میں تھا جو مجھے عرض مدعا
القاب بھی لکھا اُنھیں حاجت روائے دل

آنکھوں نے حسن یار کا جلوہ دکھا دیا
اب دیکھنا تو مجکو یہ ہے کیا دکھائے دل

تم مدعی کے دل کا نکالو نہ مدعا
لے دیجئے اک یہی ہے مرا مدعائے دل

قہر آگئے۔ حشر آئے غضب آئے۔ موت آئے
لیکن کبھی کسی پہ کسیکا نہ آئے دل

یہ کہہ کے چھپ رہا کوئی پڑ پکی آڑ میں
آنکھیں نہ جو لڑائے وہ کیونکر ملائے دل

دونوں کا ساتھ عشق میں چھٹنا محال ہے
دل بھی برائے غم ہے تو غم ہے برائے دل

دنیا میں دل لگی کا مزا دل لگی سے ہے
آئے نہ جو کسی پہ وہ دوزخ میں جائے دل

اے نوحؔ یہ غزل مجھے دل سے پسند ہے
پہلو کچھ اس میں اور نہیں ہے سوائے دل

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب قمر بدایونی

سوچی ہے کوئی اور نئی کیا سزائے دل
جو مجھ سے کہہ رہے ہو کہو ماجرائے دل

تھا ناوک ستم کہ تمھاری نگاہ تھی
جس سے لڑائی آنکھ کہا اُسنے ہائے دل

اتنی مصیبتیں ہیں مری ایک جان پر
آلام چرخ جور حسیناں جفائے دل

جس دل میں ہو امید ہم اُس دل سے باز آئے
سینے میں اپنے رکھیں گے پتھر بجائے دل

مونس نہ راز دار نہ ہمدم نہ غمگسار
کسکو سنائیں کون سُنے ماجرائے دل

اک ہم کہ اپنے دل سے امید وفا نہیں
اک تم کہ اپنے کر لئے تم نے پرائے دل

آنکھیں بھی اُسکے جلوہ سے روشن خدا کرے
آباد جسکے دم سے ہے دولت سرائے دل

ابتک تو خیر یہ ہے کہ جینا محال ہے
اب اِسکے بعد دیکھئے کیا کیا دکھائے دل

بھولے سے وہ نثار اگر دلدہی کرے
سینے میں پھر خوشی سے نہ پھولا سمائے دل

وحشی۔ جناب منشی محمد صاحب ولد آدم بھائی سارووی ماسٹر اردو سکول بھڑوچ

یہ مبتلا تمھارا ہے تم مبتلائے دل
دِل میرا آشنا ہے نہیں آشنائے دل

سہتا ہے روز ظلم مگر پھر بھی ہے خموش
کہتے ہیں اِسکو صبر یہی ہے وفائے دل

جوبن اُبھار پر ہے جوانی بہار پر
کیونکر بہار لُوٹ کر اُس پہ نہ آئے دل

انداز۔ ناز غمزہ۔ کرشمہ۔ حیا۔ ادا
یہ سب ہیں دلفریب تو کیونکر نہ آئے دل

مضطر۔ جناب حکیم اسد علی خان صاحب رئیس دہلوی

دل دیکھئے تجکو پھر نہ کبھی یاد آئے دل
رکھ لی ہے سینے میں تری حسرت بجائے دل

آشفتگی طبع ہے تسکین فزائے دل
وہ زلف بن گئی ہے جو زنجیر پائے دل

دشمن کی التجا میں ترے اقربا کے ظلم
ایذا طرح طرح کی اُٹھائی برائے دل

پرسش پہ ہے تری مرے دل کی کشودگی
ٹھہر دہاں بنا ہے مجھے مدعائے دل

شور نشور ضبط سے سینے میں بند ہے
آجائے حشر۔ میں جو کہوں ہائے ہائے دل

اُس برق وش کے آنے میں عرصہ ہے حشر کا
تا چند روز ہجر سے کوئی جلائے دل

کہتا ہے خوش نوا مجھے تاثیر ہو چکی
ستیا دُشمن چکا ہے مرے نغمہائے دل

ہو وصل میں جو شوق سے بیتاب ہر گھڑی
کس طرح تیرے ہجر کی پھر تاب لائے دل

چھوٹوں گا اِس خلش سے مرے پر ہی ایخدا
نشتر ہیں تیرے سینے میں یا مدعائے دل

شکل عدو بسی ہے ان آنکھوں میں اسقدر
وسعت نہیں کہ میری نظر میں سمائے دل

تعلیم ضبط نالۂ آتش فشاں تو دیکھ
نکلا نہ اتنا منہ سے بھی افسوس ہائے دل

اے برق وش نہ پھونک مری جان زار کو
آتش بنا ہے تیرا تصور برائے دل

محشر تو لاکھ بار شب غم میں اُٹھ چکا
بیٹھے ہیں اِس خیال میں اب کیا اٹھائے دل

گزری ہو جو کسی پہ وہی جانتا ہے خوب
پوچھو اُسی سے حال جو تمکو بتائے دل

مطلب کی ایک بھی نہیں کہتے کسی سے ہم
کہہ دیں وہ مدعی سے مرے راز ہائے دل

مر کیئے نہ یاں سے آنے میں ہوگی نہ تاب ضبط
تاثیر کر چکے ہیں مرے نالہائے دل

ذوق طلب ہو جس کا وہ آجائے گر یہاں
عشرت سرا بنے ابھی ماتم سرائے دل

آنکھیں بنی ہیں خون کا دریا فراق میں
اشکوں کی طرح بہتے ہیں اب لختہائے دل

شہرت بڑھے ستم کی تو بچ جاؤں رشک سے
اچھا تو ہے جو کوئی نہ تم سے لگائے دل

ہو تم ہی تم کہ اور بھی ہے کوئی آرزو
کس طرح سینہ چیر کے تم کو دکھائے دل

ممکن نہیں کہ ضبط فغاں ہو کسی طرح
سینے میں گھٹ گئے ہیں مرے نالہائے دل

جلنا پڑے گا آتش فرقت سے عمر بھر
یہ آگ وہ نہیں جسے رو کر بجھائے دل

اسے درد ہجر اور بھی بڑھ جائے کچھ قلق
خوش سُنکے ہوتے ہیں وہ مرے نالہائے دل

نشتر چبھو رہا ہے دل زار میں کوئی
کس کی نگاہ ناز ہے صبر آزمائے دل

تھم تھم کے نامہ بر مجھے دے مژدۂ وصال
فرط خوشی سے دیکھ کہیں مر نجائے دل

اُٹھیں گی ہم سے کیا شب فرقت کی سختیاں
جب دل ہی بیٹھ جائے تو پھر کیا اُٹھائے دل

دل سے جو اُٹھائے جہاں اُٹھائے ہاتھ
اپنے کو وہ مٹائے جو تجھ سے لگائے دل

پتھر کے نقش ہیں بت کافر ترے ستم
جم جائے کوئی بات تو کیونکر مٹائے دل

مد نظر ہمارا ابھی شوق نہاں رہے
ایسا نہ ہو کہ غیر ترا آزمائے دل

مضطر خوشی سے جاتا ہوں مقتل میں آج بھی
اُنکی جفا سے بڑھ گئی میری وفائے دل

ہمیں افسوس ہے کہ یکا رسالہ جناب سیدؑ حیدالدین صاحب بیخود و — و نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی کے غزلیات سے بوجہ انکی علالت کے محروم رہا ۞ **ہم مکرر اعلان کرتے ہیں** کہ بوجہ بڑھ جانے حجم رسالۂ ہٰذا کے اسکی قیمت سالانہ بجاے ۲؎ عہ کے ۳ روپیہ کردیگئی ہے لہٰذا اب ناظرین بھی قیمت ارسال فرمائیں نیز وہ اصحاب جنکی قیمت سالانہ ابتک وصول نہیں ہوئی ہے وہ بھی ۳ سالانہ ہی مرحمت فرمائیں عہ ۲ اب اسکی قیمت نہیں لیجائیگی - نمونہ کا پرچہ بھی ٹکٹ وصول ہوئے بغیر کسی صاحب کو روانہ نہوگا - **بعض اصحاب** دو غزلہ سہ غزلہ روانہ فرمادیتے ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ کمیٹی نے ۱۵ - یا ۱۷ - اشعار سے زائد انتخاب کرنے منظور نہیں کئے ہیں ہمیں یقین ہے کہ معزز شعرا اسکو ملحوظ خاطر رکھیں گے البتہ نامی شعراے ملک کو اس قاعدے سے مستثنیٰ قرار دینے کا کمیٹی کو مجاز ہے - پرچہ پہنچتے ہی اس طرح پر غزلیں روانہ فرمائیں ۔ "رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا" دیواروں کا قافیہ - یکم جنوری "دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب" یکم فروری - یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی" حقیقت قافیہ یکم مارچ - عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" بیمار قافیہ

اور اس عرصہ میں کوئی خبر مجکو اسکی نہیں ملی آہ وہ ایام کیسے سخت اور بیرحمی کے تھے جنکی میعاد
معینہ نہ تھی میں بہت گھبرا رہی تھی۔ آخر کار وہ واپس آیا اُسی روز جبکہ میں ایک بچہ
کی ماں بنی تھی چند ہفتہ تک میں ایسی بیمار رہی کہ میری زندگی کی اُمید نہ تھی اور اُس زمانہ
میں فٹلس ولیم نے میرے ساتھ بہت مہربانی سے سلوک کیا اور جب مجکو صحت ہوئی
میں نے پھر اُس سے درخواست کی کہ مجکو اپنی زوجہ بنا لے۔ لیکن پھر اُسی خوشنمائی سے
میرے ساتھ حیلے اور بہانے کیئے گئے کہ آیندہ مجکو فریب نہ دیا جائیگا۔ میں نے اپنے
معصوم بچے کی خاطر اور نیز اس خیال سے کہ میرا بھائی جلد اپنے گھر مجھ سے ملنے کی اُمید پر
انگلینڈ میں آویگا اُس سے نہایت التجا کی۔ آہ میں نے ہر طرح سے اپنے عہد کو پورا
کرنے کے لیئے شادی کرنے کی درخواست کی۔ مگر وہی ناکافی اور غیر مطمئن جواب پایا
اُسنے مجھ سے اپنے خاص حالات کا ذکر کیا جس میں پیچ بتاتا تھا۔ جنکو میں نہیں سمجھ سکتی تھی
اور اگر میں اُس سے اُنکی بابت سوال کرتی تھی تو وہ اُن کا کچھ جواب نہیں دیتا تھا۔ بیماری
کی حالت میں میری دل میں خیال گزرا کہ میرے ساتھ ایسے شخص نے دھوکا کیا جسنے ابتدا
سے میرے اقرار کو طریقہ اعزاز کے ساتھ پورا نہیں کیا۔ لیکن میں نے قصد کیا کہ میں بیعزتی
کے ساتھ اُسکے ہمراہ نہیں رہونگی۔ اور اپنے دل میں ارادہ کرلیا کہ یا تو اُسکی زوجہ بنونگی
یا اُسکی مدخولہ ہونا چھوڑ دونگی۔ میں اُس دلشکن طریقہ کو کبھی نہیں بھولونگی جس میں میرا یہ
قصد ہوگیا تھا۔ تب اُسنے پردہ دور کیا اور صاف کہا کہ میرا ارادہ تم سے شادی کرنے کا
کبھی نہیں ہوا۔ اور بیان کیا کہ میری دردانگیز دادخواہی اور غم انگیز التجاؤں سے وہ جان سے
تنگ ہوتا ہے اور اگر میں صبر سے تقدیر پر شاکر نہ رہونگی تو ہمارے لیئے یہ بہتر ہوگا کہ ہم علحدہ
ہوجائیں۔ میں دیوانی ہوگئی۔ اور چھ ہفتہ تک بستر بیماری پر بخار کی بیہوشی میں بیہودہ بکتی
رہی۔ جبکہ میں آخر وقت میں ہوشیار ہوئی تو میں نے معلوم کیا کہ میرا اغوا کنندہ چلا گیا اُس
ملازمہ سے دریافت کرنے پر جو ہمارے پاس رہتی تھی۔ اور ایک عورت [illegible] درست تھی جو

کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول سکتی تھی۔ مجکو معلوم ہوا کہ وہ اُسی روز چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جبکہ یہ واقعہ ہوا کہ میں بستر بیماری پر پڑی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اُس ضعیف عورت نے جو دیگر اشخاص کی تکالیف میں قدرتی سنگدل تھی اور بوجوہات نامعلوم میری عذاب رسانی سے خوش ہوتی تھی مجکو مطلع کیا کہ اپنے دغا باز کو تم پھر کبھی نہ دیکھو گی۔ اور اُسکے کلام سے یہ بھی مجکو معلوم ہوا کہ وہ نام جسکی وجہ سے میں اُسکو جانتی تھی ایک فرضی نام تھا۔ اور مختصر یہ ہے کہ مجھ سے نہایت خوفناکی کے ساتھ ابتدا سے انتہا تک دغا کی گئی ہے۔

میں پھر پاگل اور بیہوش ہو گئی۔ اور اچھے ہونے پر میں نے جب اپنے بچے کی بابت دریافت کیا تو اُس ضعیفہ نے مجھ سے کہا کہ لڑکا مجھ سے اِس وجہ سے لیلیا گیا تھا کہ میں دیوانگی کی حالت میں سختی سے اُس پر ہاتھ مارتی تھی۔

آہ میں کس طرح روتی تھی اور اپنے بچے کے واپس پانے کے لیئے دعا کرتی تھی۔ جو بات کہ اُس سے مجکو معلوم ہوئی یہ تھی کہ میری تندرستی کے بعد میری خواہش پوری کی جائیگی عذاب پر عذاب اور مصیبت پر مصیبت۔ اے خدا میں نے کس طرح کی تکلیف اُٹھائی۔ پھر کچھ عرصہ کے لیئے مجھے دیوانگی اور بحران کا دورہ ہوا۔ اور جب پھر مجکو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ مکان میں موت ہو گئی ہے۔ وہ ضعیفہ یکایک سکتہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اور جبکہ وہ ڈاکٹر جو میرا علاج کرتا تھا معمولی طریقہ پر آیا تو اُسنے اُسکی نعش میرے کمرے سے ملحق ایک کمرے میں دیکھی۔ میں نے اُس سے اپنے بچے کو طلب کیا۔ لیکن اُسنے متانت سے مجھے یقین دلایا کہ اگرچہ وہ میری ہدایت کے بموجب علیحدہ کیا گیا ہے لیکن مجھے اُسکی کچھ خبر نہیں ہے۔ اب میرے اوپر نا اُمیدی چھا گئی۔ نہ وہ نا اُمیدی کہ جو دیوانہ وار بکواس پیدا کرے۔ یا رنج و زاری پیدا کرے۔ اور جو بذات خود جوش و غضب کا باعث ہو بلکہ وہ نا اُمیدی کہ جو پتھرائی ہوئی آنکھوں اور متحیر شکل کے ساتھ بالکل سرد اور خموش ہو۔

(رمبلڈ) جو اس گفتگو میں بوجہ مختلف تکالیف کے جوش میں ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"غریب ہیرنٹا" (ہیرنٹا) ۔ مَیں تھوڑے سے الفاظ اور کہنا چاہتی ہوں۔ بستر بیماری سے جہانتک کہ ممکن ہو سکا اُٹھنے کے بعد مَیں نے بہت جلد قصبہ کی ہر ایک جانب طفل گم شدہ کی بابت تحقیقات کی لیکن اُس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک پہلے واقعہ سے جو میرے دغاباز مکار سے ایک وقت میں ظاہر ہوا تھا مَیں نے خیال کیا کہ اُس نے جو سفر کیا اور تین ماہ کے لیئے مجکو چھوڑ کر گیا تھا۔ پیرس کی جانب تھا۔ پس میں نے اُس کا پیچھا کیا۔ نہ اس سبب سے کہ وہ میرے پاس آ ئے۔ کیونکہ اُسکی محبت میرے دل میں مر چکی تھی۔ بلکہ اپنے بچے کے لینے کے لیئے۔ میرے پاس بہت کم روپیہ تھا جب میں روانہ ہوئی میرے پاس گھوڑا کرایہ کرنے کے لیئے بھی خرچ نہ تھا۔ مَیں پیدل چلنے پر مجبور ہوئی۔ اور جس وقت مَیں فرانس کے دارالسلطنت میں پہنچی میرا تمام روپیہ خرچ ہو گیا تھا۔

اُس مکار کی تلاش بیفائدہ تھی اور مَیں نے اُسکو نہ پایا تب مَیں نے لندن کے چلنے کا ارادہ کیا۔ مَیں نے راستہ میں بھیک مانگی اور وہاں اپنی تحقیقات کرانے کی کوشش کی۔ اُن تکلیفات کو جو اس سفر میں مَیں نے برداشت کیں سوائے میرے خدا جانتا ہے۔

اگر بولجن کے جہاز کپتان کی التفات نہ ہوتی تو مَیں کبھی اس قابل نہ ہوتی کہ دریا سے گزر کر اپنے شہر کے کنارے پر پہنچتی۔ لندن میں پہنچکر مَیں نے صبح سے شام تک تمام شارع ہائے عام پر گزر کیا اِس اُمید پر کہ اُس سے ملاقات ہو لیکن ہائے اِس گفتگو میں مجکو معاف کرو کہ اگر مجکو اتفاقیہ کبھی تم کو دیکھنے کا اتفاق پڑ بھی جاتا تو مَیں فوراً وہاں سے بے ساختہ بھاگ جاتی مہینوں گزر گئے اور میری کوششیں بیفائدہ ہوئیں۔ میری گزر اوقات صرف خیرات پر تھی۔ رچرڈ خدا میرا گواہ ہے۔ مَیں نے اُس آدمی سے جدا ہو کر پھر کوئی غلطی نہیں کی۔ آخر کار دل شکستہ ہو کر مَیں نے قصد کیا کہ دنیا سے قطع تعلق کر دوں۔ مَیں نے جلدی میں اس ارادہ سے چند الفاظ تحریر کیئے اور گرین وچ کے قریب روانہ کیا۔ صرف ایک آخری سکہ جو اُس وقت میرے پاس بچا تھا وند ہوس کو لیجانے کے لیئے پیغامبر کو دیا تھا اور اُسکو مفتی

رجسٹرڈ ایل ۶۸۳

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از جناب منشی بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی از جامع سجد

یہ وہ گلدستہ گلشن ہے کہ جس سے مرحبا	آپ ظاہر ہے عجب جاہ و جلال دہلی
سال ہجری کا مجسم سیر سے ہر آن مصرع	واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی

جلد ۱ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر۔ پیارے لال رونق و چندی پرشاد شیدا دہلوی
مقام اشاعت۔ سڑک جدید۔ دلی
۱۹۰۹ء
نیشنل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نرائن چھپکر شائع ہوا
قیمت سالانہ ... یہ رسالہ علاوہ ہندوستان کے غیر ممالک میں بھی جاتا ہے ... فی پرچہ ...

دھوم کس شاہد رعنا کی ہے بازاروں میں | حسن یوسف بھی ہے جس گل کے خریداروں میں

کہاں ہیں مشتاقان سخن؟ دہلی کی صاف اور ستھری زبان میں شیریں کلام کی چاشنی چکھنے والے - کہاں ہیں عیاران کامل العیار معیار طبع موزوں پر زر سخن پرکھنے والے؟ ادھر تشریف لائیں **دیوان رونق سخن** ملاحظہ فرمائیں - مصنف کی عالی دماغی و پاکیزہ خیالی اور چلبلی طبیعت کے بے تکلفانہ انداز نے اردوئے معلی کے قالب میں ایک نئی روح پھونک دی ہے - روزمرہ کی صفائی محاورات کے جوڑ توڑ - الفاظ و معانی کو نئی زندگی بخشی ہے - الفاظ موتیوں میں تولنے کے قابل اور معانی بیاض دل عشاق میں درج - دیوان کیا ہے دل کا قالب تحفہ اور دل لگی کا ایک نایاب مجموعہ ہے - اور کیوں نہ ہو اسکے مصنف عالیجناب مولنا مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی مصنف دیوان مرآۃ الخیال و شارح مثنوی مولنا روم کے تلمیذ رشید **منشی پیارے لال رونق دہلوی** ایڈیٹر کمال دہلی ہیں - لکھائی چھپائی صاف - کاغذ عمدہ صفحات [illegible] قیمت صرف [illegible] علاوہ محصولڈاک - ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ کمال دہلی نئی سڑک

نمونہ مفت **اخبار پنجاب سماچار لاہور** جلد طلب فرمائیں

جو ہر بدھ وار اور ہر سنیچر کے دن [illegible] سماچار پریس سے نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے - یہ اخبار ملک کا سچا ہمدرد - گورنمنٹ اور پبلک کا خیرخواہ رعایا کا وکیل اور حکام کا سچا دوست ہے - ہر ایک قسم کی ملکی پبلک - تعلیمی - تجارتی اور امور عام پر آزادانہ اور بدلائل بحث کیجاتی ہے - اہل پنجاب کو انکے حقوق بتلانا انکے حقوق کی پاسبانی کرنا رعایا کی شکایت کو حکام اور گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچانا اور حکام کی دقتوں کو دور کرنا اس کا اصلی مدعا و مقصد ہے - یہ اخبار گذشتہ ۱۹ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے -

قیمت سالانہ

والیان ریاست و گورنمنٹ عالیہ سے [illegible] روساسے [illegible] عام سے [illegible] طلباء و لائبریریوں سے
ممالک غیر سے [illegible] اشتہارات دینے کو نہایت عمدہ ذریعہ ہے اور ۳۱ دسمبر تک خاص رعایت ہو -

خط و کتابت بنام

لالہ ہیرا لال صاحب کپور مالک اخبار پنجاب سماچار لاہور

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ سری رام صاحب ایم اے منصف و مؤلف تذکرہ "خمخانۂ جاوید" و نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دارالخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی عہ معاونین سے [illegible] مربیان و روسا عظام سے [illegible]۔ گورنمنٹ و والیان ملک سے جو کچھ عطا ہو۔

(۳) جواب طلب امور کے لیئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف

(۴) کلام خریدار و غیر خریدار سب کا منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی شعر دو آنہ اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق بیچ گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعۂ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو

(۷) نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ کاغذ پر مع نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق موجودہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ [illegible] دہلی بھیجنی چاہیئے۔

نوٹ

یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت بعوض نقد قیمت مل سکتا ہے کہ [illegible] مبلغ [illegible] سالانہ عطا فرمانے والوں کا کلام تا ایک سال [illegible]

پیارے لعل رونق دہلوی۔ و چندی پرشاد شیدا۔ اڈیٹرز

یہ نوحہ عالیجناب نواب میرزا سعید الدین احمد خاں صاحب طالب نے سید مخدوم علی عرف تدو مرحوم خلف داروغہ میر عنایت علی صاحب کا لکھا ہے جنے اٹھارہویں سال بتاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۰۹ء بروز دوشنبہ انتقال کیا۔ مرحوم کو مصنف صاحب نے فرزند کی طرح پالا اور پرورش کیا تھا۔ جس کے لیئے ہم بھی دلی افسوس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ خداوند کریم مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہ راجعون ۔

میری نظروں سے کہاں چھپ گئے بیٹا تدّو ۔۔۔ ناز و نعمت سے بہت تھا تمہیں پالا تدّو

وہ تری اٹھتی جوانی وہ ترا حسنِ شباب ۔۔۔ گل سے عارض ترے وہ نرگسِ شہلا تدّو

شیر سی تیری کلائی ترے بازو وہ قوی ۔۔۔ سینہ چوڑا ترا وہ سرو سا بالا تدّو

آن گنا سال وہ ریحانِ جوانی تیرا ۔۔۔ تان کر سینہ وہ چلنا ترا رستا تدّو

اس جوانی پہ یہ شرم آنکھ میں دیکھی نہ سنی ۔۔۔ ہم سنوں سے تھا چلن تیرا نرالا تدّو

آپ جنت کو سدھارے ہمیں تنہا چھوڑا ۔۔۔ رہا دنیا میں نہ اب اپنا ٹھکانا تدّو

اس ضعیفی میں ہمیں داغ جدائی دینا ۔۔۔ کون سے دل سے کیا تم نے گوارا تدّو

تھی نہ پروا تمہیں ماں باپ کی مانا ہم نے ۔۔۔ بھائی بہنوں کی بھی کی تم نے نہ پروا تدّو

تم تھے بابو[1] سے جو ناراض تو اکبر[2] سے خفا ۔۔۔ پر بشیرا[3] تو بہت تھا تمہیں پیارا تدّو

دفعتاً توڑ چلے رشتۂ الفت سب سے ۔۔۔ تھا مروت کا نہ ہرگز یہ تقاضا تدّو

میرے گبرو نہ سہی بھی ابھی بھیگی تھیں تری ۔۔۔ اپنے عالم کا نہ کچھ دیکھا تماشا تدّو

[1] نام بڑے بھائی مرحوم کا۔ [2] چھازاد بھائی مرحوم کا [3] بشیر احمد چھوٹا بھائی مرحوم کا۔

لکھنؤ نے بلا چون وچرا استاد تسلیم کر لیا تھا۔ آپ کا رتبہ فصیح الملک حضرت داغ دہلوی جیسے عظیم پایہ شاعر کے اس تمنائی شعر سے ظاہر ہے۔

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ   ملتے امیر احمد و سید جلال سے

نیازمند راقم الحروف سال گزشتہ دسمبر ۴۸ کے مہینے میں لکھنؤ آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا تھا اور کئی روز تک مقیم رہا۔ اس زمانے میں مرض ضیق النفس نے آپکو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ آپ نہایت سویرے اُٹھتے اور نماز پڑھکر تلاوت قرآن مجید کرتے۔ پھر چارپائی پر شاگردوں کے مراسلات کی (جو کثیر التعداد ہوا کرتے تھے) اصلاح فرماتے۔ طبیعت میں اس بلا کی آمد تھی۔ اور قلم میں اس غضب کی روانی تھی جسے دیکھ کر مجھے اچنبھا سا ہو جاتا تھا۔

انھیں دنوں میں جناب شیخ محمد خلیل صاحب رئیس سیوان ضلع چھپرہ نے اپنی (تیار کردہ) مسجد کے لیئے قطعہ تاریخ کی فرمایش کی۔ جس پر جھٹ آپنے اُن کی آن میں کئی تاریخی قطعے لکھدیئے اُن قطعات سے مجھے صرف ایک قطعہ یاد رہا جو درج ذیل ہے۔

بنائے سجدہ گہ خلق کے ہوئے بانی   جناب شیخ محمد خلیل صاحب جب
قرار پاگیا ہندوستاں میں بھی کعبہ   ہوا ظہور حرم جس طرح میان عرب
کہی جلال نے تاریخ مسجد والا   کیا خلیل نے تیار اک اور کعبہ بھی اب

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے فقط

راقم سید عبد الستار شفا قطب چھپروی۔

قطعہ تاریخ انتقال پر ملال سید ضامن علی صاحب جلال۔ لکھنوی
از جناب منشی عبد القادر صاحب اعجاز استاد انجمن ارباب محبت چھپرہ

یہ خبر آج سنتے ہی اعجاز   ہم کو بھی صدمہ کمال ہوا
کوچہ کوچہ۔ گلی گلی۔ گھر گھر   لکھنؤ میں غم جلال ہوا
۱۳   ۲۷   ھ

میر اگلفام گل اندام سہ چار و بہم
قلب محزوں کا سرور آنکھوں کا تارا ممدو

گلشن عشق میں یاں اور چلی رفتارِ صبا
گل تھا بدبخت جو میں بلبلِ شیدا ممدو

کوئی ہٹ کیا نہیں پوری ہوئی جیسے باعث
روٹھ کر تم نے کیا ہم سے کنارا ممدو

کھیلنا تیرا وہ فٹ بال مغل ٹیم کے ساتھ
خاک میں مل کے ہوا سب تہ و بالا ممدو

دل میں آتا ہے کہ جی بھر کے تمھیں ہم روئیں
حال پر اپنے مگر پہلے ہی رونا ممدو

میری خوں نابہ فشانی کا تماشا دیکھو
تم بڑے سیر و تماشے کے ہو رسیا ممدو

فرطِ گریہ نے بصارت سے کیا ہے معذور
ہاتھ پکڑو کہ نہیں سوجھتا رستا ممدو

دلِ بسمل کی تڑپ کسکو دکھاؤں پیارے
تو اگر دیکھنے آتا تو دکھاتا ممدو

ہے ضعیفی میں عصا بن ہمیں چلنا مشکل
اپنے کندھے کا ذرا دیدو سہارا ممدو

خواب میں شکل ہمیں اپنی دکھاتے رہنا
فرق کرنا نہ کبھی اس میں خدارا ممدو

نوحہ لکھوایا ترا حکم قضا نے ہم سے
آرزو یہ تھی کہ لکھیں ترا سہرا ممدو

ہوک اٹھتی ہے کلیجے میں کچھ ایسی بیٹا
چارہ کر سکتے نہیں جس کا مسیحا ممدو

مرثیہ تیرا جو لکھوں تو ہلا دوں افلاک
اپنے رونے کا فقط ہے یہ بہانا ممدو

ہے دعا طالبِ غمگین کی بحق طٰہٰ
یا خدا مورد رحمت رہے میرا ممدو

ہائے جلال

شاعری کی دنیا میں آج رنج و الم کی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ شعرا کس کے ماتم میں سینہ کوبی کر رہے ہیں؟ اہل سخن کس کے سوگ میں جامے پھاڑ رہے ہیں؟ ہائے ہائے اس فلکِ ناہنجار نے جو ہمیشہ باکمالوں کا دشمن رہا ہے آج صاحب کمال سحر جلال فخر سخنوران ماضی و حال حضرت حکیم میر **ضامن علی صاحب جلال** لکھنوی کو اس جہان سے اٹھا لیا۔ آہ! نہ صرف لکھنو بلکہ تمام ہندوستان کو آپ کی وفات کا بہت قلق ہے۔ آپ کی وفات سے اردو شاعری کو ایسا صدمہ پہنچا ہے جسکی تلافی ناممکن ہے۔ آپ کو تمام شعر [illegible] لئے

لکھنو نے بلا چون وچرا استاد تسلیم کرلیا تھا۔ آپ کا رتبہ فصیح الملک حضرت داغ دہلوی جیسے عظیم پایہ شاعر کے اس تمنائی شعر سے ظاہر ہے۔

اے داغ ہو دکن سے بہت دور لکھنو ملتے امیر احمد و سید جلال سے

نیاز مند راقم الحروف سال گزشتہ دسمبر ۱۹۰۸ء کے مہینے میں لکھنو آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا تھا اور کئی روز تک مقیم رہا۔ اس زمانے میں مرض ضیق النفس نے آپکو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ آپ نہایت سویرے اٹھتے اور نماز پڑھکر تلاوت قرآن مجید کرتے۔ پھر چارپائی پر شاگردوں کے مراسلات کی (جو کثیر التعداد ہوا کرتے تھے) اصلاح فرماتے۔ طبیعت میں اس بلا کی آمد تھی۔ اور قلم میں اس غضب کی روانی تھی جسے دیکھ کر مجھے اچنبھا سا ہو جاتا تھا۔

انھیں دنوں میں جناب شیخ محمد خلیل صاحب رئیس سیوان ضلع چھپرہ نے اپنی (تیار کردہ) مسجد کے لیئے قطعہ تاریخ کی فرمایش کی۔ جس پر جھٹ آپنے آن کی آن میں کئی تاریخی قطعے لکھدئیے ان قطعات سے مجھے صرف ایک قطعہ یاد رہا جو درج ذیل ہے۔

بنائے سجدہ گہ خلق کے ہوئے بانی جناب شیخ محمد خلیل صاحب جب
قرار پا گیا ہندوستاں میں بھی کعبہ ہوا ظہور حرم جس طرح میان عرب
کہی جلال نے تاریخ مسجد والا کیا خلیل نے تیار اک اور کعبہ بھی اب

دعا ہے کہ خداوند تعالی حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے فقط

راقم سید عبد الستار شفا قطب چھپروی۔

قطعہ تاریخ انتقال پرملال سید ضامن علی صاحب جلال۔ لکھنوی
از جناب منشی عبد القادر صاحب اعجاز استاد انجمن ارباب محبت چھپرہ

یہ خبر آج سنتے ہی اعجاز ہم کو بھی صدمۂ کمال ہوا
کوچہ کوچہ۔ گلی گلی۔ گھر گھر لکھنؤ میں غم جلال ہوا
۲۷ ۱۳ھ

قطعۂ تاریخ درصنعتِ توشیح ہر دو مصرعہ و مصرع کامل لاعدا دبر انتقالِ پرملالِ شاعر باکمال جناب حکیم سید ضامن علیصاحب جلال لکھنوی

آج کیا بات ہے کیا ہے قصّہ　　خلق میں حشر ہوا ہے کیسا
کیوں ہے سنبل کی پریشان حالت　　کیوں یہ نرگس کو ہوا ہے سکتا
پھر گیا باغ پہ کیا دستِ خزاں　　خشک ہے کس لیئے تختہ تختہ
ہر روش پر ہے اُداسی چھائی　　سوکھ کر پھول ہوئے ہیں کانٹا
عندلیبانِ چمن غمگین ہیں　　رونا سُن لیجیے بجائے نغما
سوگ چھایا ہے اودھ میں ہر سُو　　لکھنو میں ہے قیامت برپا
اہل دہلی بھی ہیں افسردہ آج　　سب کی شکلوں پہ ہے حرماں چھایا
مرگئے ہائے جلالِ ذی شان　　چھپ گیا آنکھوں سے پیارا چہرہ
غیر حالت ہے سخندانوں کی　　کوئی اُستاد ہی باقی نہ رہا
جمگیا آج تو بیٹھ دل پر　　قلق و رنج و الم کا سایہ
خوف ہے کیوں نہ رُلائے سب کو　　عیب جو کرتے ہیں خود آہ و بکا
ہیں تو کہنے کو بہت سے شاعر　　بہتر اُستاد نہیں ہے ایسا
مصرعۂ سال یہ لکھدو اے شاد　　آہ اب خاتمہ بالخیر ہوا

۱۳۲۷ھ - ۱۹۰۹ء - ۱۹۶۶ - بکرمی

دیگر

باقی رہا نہ شاعر یکتا و بے مثال　　دنیا کو اس وفات کا صدمہ ہوا کمال
کچھ فکر سن کتنی شاد کہ آئی ندائے غیب　　افسوس ولے چلدیئے ضامن علی جلال
۲۷　　۱۳ھ

ایضاً

شاد یہ سالِ رحلت لکھدو سبے دست و پا آج ہو گئے ہیں۔
فضل و عمل اور رحم و اُلفت - جود و سخا - اور زہد و حشمت
۸۰۰　۴۰　۸　۱۱۰　۶　۶۰۰　۵　۳۴۰
۱۹۰۹ء

راقم شاد میرٹھی

انجمن اتحاد سخن دہلی

یہ مشاعرہ حسب معمول بتاریخ ۲۷ نومبر ۱۹۰۹ء بروز ہفتہ برمکان معینہ واقعہ نئی سڑک نہایت شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ جناب سید شاہ نظام الدین صاحب دلگیر اکبرآبادی کی تحریک اور عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل کی تائید سے عالیجناب خان بہادر ڈپٹی ناصر علیخان صاحب صدر انجمن منتخب ہوئے۔ قریب دس بجے شب کے شمع کو گردش دیگئی۔ غزلیات طرح وغیرہ طرح نہایت پرزور پڑھی گئیں جو قابل تعریف تھیں۔

اکثر اصحاب بیرونجات سے بھی تشریف لاکر شریک بزم مشاعرہ ہوئے تھے جن میں سے جناب غوث محمد صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور۔ جناب سید شاہ نظام الدین صاحب دلگیر اکبرآبادی وجناب مولوی محمد مبین صاحب ناز بدایونی۔ جناب ابن علی صاحب رفیق ہاپوری۔ وجناب بدرالدین صاحب بدر اکبرآبادی۔ قابل ذکر ہیں۔ اِن اصحاب کی تشریف آوری سے زینت بزم دوبالا ہوگئی کلام بھی نہایت دلکش تھا خوشگویان شہر میں سے عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر۔ جناب اخلاق حسین صاحب اخلاق۔ جناب حاجی سراج بہا صاحب برق جناب قمرالدین صاحب قمر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب تصیر جناب چندی پرشاد صاحب شیدا۔ ونیز دیگر اصحاب وغیرہ نے اپنی اپنی لطافت بیانی سے خوب خوب داد سخن لی۔

عالیجناب نواب سعیدالدین احمد خان صاحب طالب کسی خاص وجہ سے شریک مشاعرہ نہ ہوسکے۔ اور جناب سید وحیدالدین صاحب بیخود وجناب نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل بباعث علالت طبع تشریف نہ لاسکے۔ ہمیں افسوس ہے کہ انکے کلام سے اِس مرتبہ بھی رسالہ محروم رہا۔ یہ مشاعرہ جناب فروغ صاحب کی تمثیل فارسی غزل سے شروع ہوکر اڈیٹر رسالہ کی غزل پر قریب ۲ بجے کے صدر انجمن صاحب کے شکریہ کے ساتھ ختم کیا گیا۔ آیندہ کے لئے حسب ذیل مصرعہ طرح اعلان ہوا۔

"دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب" بلبل وغیرہ قافیہ۔

فہرست اسمار سرپرستان و معاونین رسالہ

عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخانصاحب بہادر خلف الرشید حضور پر نور نوابصاحب بہادر خلد آشیان ریاست رامپور

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو۔

عالیجناب رائے بابو مل صاحب انجینیر رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکز کٹو انجینیر درجۂ اول رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید۔ و رئیس دہلی

عالیجناب کنور ہری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندرآباد۔

عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی۔

عالیجناب لالہ سری کیشنداس صاحب ساہوگوڑ والے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی

عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی

عالیجناب ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔

عالیجناب بابو مہاراج کشن صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔

عالیجناب پنڈت شو نرائن صاحب وید دہلی۔

عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی

عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار۔ صاحب عالی سرکار ریاست رامپور

(سکرٹری)

کہتی ہے ہمکو خلق خدا غائبانہ کیا؟

"رسالہ کمال دہلی"

یہ رسالہ قدیم دارالسلطنت دہلی سے ماہ بماہ نکلتا ہے۔ اسکے اڈیٹر منشی پیارے لال صاحب رونق و منشی چندی پرصاحب رشید دہلوی ہیں۔ لکھائی۔ چھپائی۔ اور کاغذ کی نفاست محتاج

بیان نہیں۔ رسالہ کے دیکھنے سے اسکی خوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ اِس میں ایک حصہ نثر کا اور دوسرا نظم کا ہے۔ ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں یہ رسالہ زبانِ اُردو کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا ہے اور چند روز میں اپنے حسن خدمات سے ملک میں ہر دلعزیز ہونے کا فخر حاصل کر چکا ہے۔ نثر میں عمدہ عمدہ مضامین۔ نظم میں قابلِ قدر کلام ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وقتِ مقررہ پر شایقین کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ اب تک نہیں ہوا کہ دو دو تین تین ماہ تک غائب اور پھر عذر علالت کا ایک سارٹیفکٹ لیکر موجود ہے۔ اِس رسالہ میں تھوڑے عرصہ سے کلامِ نظم پر باہم فصحائے دہلی و لکھنؤ کے ایک بحث کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے نزدیک رسالہ "کمال" کو اپنے فرائض منصبی کے مرکز پر قائم رہنا چاہیئے۔ اور ایسی بحث سے جس کا نتیجہ کچھ نہیں اجتناب کرنا چاہیئے۔

راقم الحروف۔ کمترین رسا شاعر دربار ریاستِ رامپور

جناب دلگیر صاحب نے ذیل کے مضمون میں آں شاعرانہ تخیل سے کام لیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے عین الکمال کے درجے کو پہنچا دیا ہے + (ایڈیٹر)

تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں سب اِنھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا ؟

حسینوں کی آنکھ کو بیمار کہا گیا ہے۔ اور خبر نہیں کس مصلحت سے کہا گیا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں بجائے بیمار کے "بیمار کر دینے والی" کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔ ہائے وہ آنکھیں جو دوسروں کو چشم زدن میں بیمار کر دینے کی قوت رکھتی ہوں خود بیمار نہیں ہوسکتیں۔ انکو بیمار کہنا سخت ظلم ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے

لب یا گفتگو نہ کنم پیش چشم یار دانم کہ طبع مردم بیمار نازک است

انکی بیماری سے تو جب ہم قائل ہوتے کہ یہ خود ہی بیمار رہتیں اور دوسروں کو بیمار نہ کرسکتیں۔ مگر آہ انکی سفاکی کا حال کیا پوچھتے ہو؟

جسکو تاکا اُسے سے موت ہو ... [illegible]

بیمار میں یہ شوخیاں نہیں ہوسکتیں کہ کسی شیفتہ کا دل وز دیدہ نظر سے چرا لیا۔ اور پوچھا تو صاف انکار کر دیا۔ بیمار کو اس قسم کی لگاوٹیں نہیں آسکتیں کہ جس نے دیکھا والہ و شیدا ہی ہو گیا۔ اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ ؎

خوب آتا ہے لگا لینا نگاہ یار کو ایک سے اَن بَن ہوئی تو دوسرا گرویدہ ہے

بیمار میں یہ بانکپن کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ادھر تیکھی چتون سے دیکھا۔ اُدھر دل کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑے۔ بیمار میں یہ قوت کہاں سے آئی کہ کسی نے محبت بھری نیچی نظروں سے دیکھا اور پردۂ آغوش دل زبردستی چھین لیا۔ بیمار میں یہ تسخیر کا مادہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دل باختہ کو ایک غلط انداز نظر سے دیکھا اور اُس کا حسرت نصیب دل موہ لیا۔ بیمار میں یہ کہربائی کشش کس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ تیغ نظر کے کھینچتے ہی۔ ؎

چلی آتی ہیں نذریں دُھوم سے دربار قاتل ہے کسی کا سر ہتیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے

الغرض ایسی نگاہ جس میں یہ سب کرشمے ہوں، یہ دلکش انداز ہوں، یہ جادو اثری ہو، اِس قسم کا جذب مقناطیسی ہو، اور جسے صورت آفریں نے ایسا ناز آفریں بنایا ہو، نہ بیمار ہو سکتی ہے اور نہ بیمار کہی جا سکتی ہے، سچ یہ ہے کہ ہمارے شعراء کی بڑی غلطی ہے جو مہ جبینوں کی حسین، نازنین، غارتگر صبر و شکیب، اور رہزن دین و ایمان آنکھ کو بیمار کہتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ بڑا تیر مارا۔ پری جمالوں کی نگاہ کے لیئے کیا اِس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی تھی۔ جو بیمار بنا دینے والی نگاہوں کو بیمار کہا گیا؟ نہیں ہو سکتی تھی اور اچھے پیمانہ پر ہو سکتی تھی۔ دیکھئے ایک شاعر انھیں ملائک فریب آنکھوں کی کس حسن و خوبی کے ساتھ تعریف کرتا ہے اور کتنی جامع تعریف کرتا ہے جس سے بڑھ کر ایک شعر میں جمع ہونا ممکن نہیں۔ کہتا ہے۔ ؎

ہرن کی آنکھ سے بڑھ کر تری چشم غزالی ہے بڑی ہے، مدبھری ہے، شوخ ہے، جادو ہے، کالی ہے

انصاف سے کہیئے گا کہ حور وشوں کی برق صفت نگاہوں کے لیئے یہ صفات زیادہ موزوں، مبنی بر واقعیت، اور حسب حال ہیں یا بیماری کی صفت؟

انھیں حالات کو دیکھ کے اور مذکورۂ بالا اسباب پر نظر جما کے مجدد زبان حضرت داغ نے عام شعراء کے دستور العمل کے خلاف نہایت جیرت و استعجاب کے لہجہ میں ارشاد فرمایا ہے

تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں سب انھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا؟

راقم سید دلگیر اکبرآبادی

منصفانہ رائے

الٰہی شوخیٔ برقِ تجلی دہ زبانم را قبولِ خاطرِ موسیٰ کلاماں کن بیانم را

گلدستہ "کمال دہلی" ستمبر ۱۹۰۹ء میں جناب رونق صاحب اڈیٹر کمال دہلی کا اڈیٹوریل نوٹس "توسیع زبانِ اُردو" کے ہیڈنگ سے اور ضیا صاحب دہلوی کا مضمون "زبان اُردو" کے عنوان سے میری نظر سے گذرا۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں اسقدر لیاقت مجھ میں نہیں ہے کہ ایسے دو معزز مضمون نگاروں کی بحث کے تصفیہ کے لیئے قلم اُٹھا سکوں۔ مگر چونکہ رونق صاحب دہلوی نے جملہ ناظرین سے استصواب رائے کیا ہو اور اس میں کسی کی تخصیص بھی ظاہر نہیں کی اس لیئے اپنی وسعت خیال کے مطابق مجکو بھی آزادانہ رائے دینے کا حق حاصل ہے۔

اڈیٹر صاحب نے ضیا اور اُردو زبان کی پردہ نشینی پر قابلیت سے جو روشنی ڈالی ہے اور تیسرا صفحہ قریب پورا کرکے ناظرین کی دوراندیش نگاہوں کو چکاچوندیں لانا چاہا ہے میں نے جہاں تک خیال کیا ہو اس امر میں سوائے نزاع لفظی کے اصل مبحث سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ مگر مجکو ایسے معزز اڈیٹر کے اُس نتیجہ پر جو اُنھوں نے ضیا صاحب کے خود پردہ نشین ہونے کے متعلق زبان اُردو کی پردہ نشینی لکھنے کی وجہ سے نکالا ہے حیرت سے دیکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا کسی شے کے متعلق کسی بات کا ادعا کرنا یا وصف ظاہر کرنا اس بات کا نتیج نہیں ہوسکتا ہو کہ وہ صفت خود اُس میں سرایت کرجائے۔ اور پھر پردہ نشین ہونے کی وجہ سے نامہ نگاری کے متعلق نقصان کا وقوع کیونکر قرین قیاس ہوسکتا ہے۔ جبکہ عورات پردہ نشین کے مضامین بھی اکثر اخبارات میں روزمرہ ہماری نگاہوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ ان فقرات کا پہلو باہمی اتحاد اور مزاح سے بھی ملا ہوا ہے جس کا تعلق دو ہمعصر اہل مذاق شاعر طبع کے مابین بے محل بھی نہیں ہے۔ اسلئے اس سے قطع نظر کرکے اب مجکو اُس خاص امر کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہو جس پہ دو معززین

مختلف الآراہیں۔

ہمارے ضیا صاحب کا استدلال تو یہ ہے کہ" موجودہ حالت میں جبکہ زبان اُردو سنسکرت فارسی۔ اورعربی الفاظ کے خزانے سے مالامال ہوچکی ہے تواب یورپ کی زبانوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا اسکی سیرچشمی کوشایاں نہیں ہے۔ اوراگرضرورت پڑے تو اسکی قدیمی محسنہ زبانیں مدد کرنے کوتیارہیں۔ انگریزی زبان کے خلط ملط سے یہ زبان اپنی نفاست کھوویگی۔ ترقی کیسی زبان کے قائم رکھنے کا رونا پڑجائے گا"

رونق صاحب فرماتے ہیں" جبکہ اُردو کا سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح پرقائم ہے کہ یہ اور زبانوں سے ملکر مختلف سلطنتوں کے زمانے میں اپنا جداگانہ رنگ دکھاتی رہی اُسی طرح سے اب انگریزی سلطنت میں انگریزی لفظ برابر اس زبان میں شامل ہورہے ہیں اور آیندہ ہونگے۔ بادشاہ کی زبان کا اثر رعایا کی زبان پر بیشتر پڑا کرتا ہے۔ اس قدرتی قانون کو کوئی روک نہیں سکتا"

اس امر میں ہم اپنے لائق اور معزز نامہ نگار ضیا صاحب سے البتہ اتفاق نہیں کرسکتے اور جو وجوہات اُنھوں نے اپنے دعوے کے اثبات کے لیئے قائم کی ہیں اُسکو بھی تسلیم نہیں کرتے واقعی یہ مقولہ" جبکہ اُردو کا سلسلہ اسی طرح پر ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور زبانوں کے ساتھ جو اُس عہد اورسلطنت میں مروج تھیں مخلوط اور مستقل ہوکر رواج پذیر ہوگیا تو پھر انگریزی الفاظ کا شمول اُردو زبان کے لیئے کیا برنما ہوسکتا ہے۔ بلکہ بالتخصیص انگریزی زبان سے کنارہ کشی کرنا خلاف انصاف ہونے کے علاوہ ایک حدتک ہٹ دھرمی اورسخن پروری کی جھلک بھی دکھاتا ہے۔ سنسکرت۔ ہندی۔ عربی وغیرہ سے جب اُردو کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو انگریزی الفاظ کے ملنے سے اُس میں خرابی کا آجانا خیال میں نہیں آتا۔

اُردو زبان میں انگریزی الفاظ کے شامل ہونے سے یورپ کی زبانوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا ہم کسی طرح سے اُردو سی مستغنی الالفاظ کے قامت پر زیبا نہیں خیال کرسکتے۔ بلکہ یوں کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اُردو کی سرکار میں جہاں اور زبانیں اپنی اپنی خوبیاں دکھاکر حلقہ بگوش ہیں وہاں انگریزی زبان کو بھی حاجت ہے کہ اُردو کے دائرہ میں داخل ہوکر تفاخر حاصل کرے کیونکہ دریا کو قطرہ کے شمول سے عزت نہیں ہوتی بلکہ قطرہ کو دریا کے الحاق سے اِس میں ملجانے

[illegible]

کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

ضیا صاحب کا یہ کلام ایک حد تک صحیح ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو اسکی مدد کو اسکی قدیمہ محسنہ زبانیں موجود ہیں۔ اور رونق صاحب کا خیال کہ میز۔ لمپ۔ انجن وغیرہ وغیرہ کے عوض اردو میں اسکے قائمقام الفاظ ہو ہی نہیں سکتے۔ ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس لیئے صاحب بالاتفاق ہم یہ رائے پاس کر دیں کہ انگریزی لفظ نہ آنا چاہیئے اُس حالت میں ہر ایسی شے کے لیئے جنکو رونق صاحب نے لکھا ہے ہم ایک لفظ قرار دیسکتے ہیں جس کا مفہوم بعینہ وہی ہو جو ان الفاظ کا ہے۔

آپ یہ بات کہ انگریزی زبان کے خلط ملط ہونے سے اردو زبان کی نفاست قائم نہ رہیگی اس سے بھی ہم اس وجہ سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ اسکی مثال اُسی طرح سے ہے جیسے اور زبانوں کے شمول سے اردو کی نفاست کو نقصان نہیں ہوا تو انگریزی الفاظ کے شمول سے کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ بات کہ جو لوگ انگریزی زبان سے واقف نہیں ہیں اُنکے لیئے انگریزی الفاظ کا شمول تقریر یا تحریر میں سخت خرابی اور اُنکے روزمرہ کے بالکل خلاف ہے۔ اگر اسی وجہ سے اردو زبان کی خرابی کا خیال ہے تو ایسے ہی جو لوگ عربی فارسی زبان کے ماہر نہیں ہیں اُنکے لیئے اردو میں ایسے الفاظ کچھ لطف نہیں دیسکتے۔

مگر چونکہ اس زمانے میں انگریزی دانوں کا گروہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ اور ہر شخص انگریزی حاصل کر رہا ہے اِس لیئے گو ابھی انگریزی الفاظ کا شمول بوجہ اسکے کہ پرانے تعلیم یافتہ لوگوں کی وجود زیادہ مقدار سے ہے اُنکی نگاہوں میں نفاست کے خلاف یا بھونڈا ہو مگر مدت کے بعد انگریزی الفاظ کا شمول بھی ویسا ہی معلوم ہوگا جیسا کہ اس وقت میں دیگر قدیمی زبانوں کا ہے۔

یوں تو اُردو زبان بھی انگریزی زبان کے مقابلے میں ایسی نہیں ہے جس کا قدم کسی طرح سے پیچھے ہٹا ہوا خیال کیا جائے۔ بلکہ ہمکو جہاں تک علم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی ملک اور اُسکو باشندے ایسے کم نکلیں گے جو اُردو زبان سے واقفیت نہ رکھتے ہوں۔ عرب۔ عجم۔ انگلستان وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس مقام پر نہ ایسی زبان کے متعلق بحث ہے۔ نہ ایسی زبان کی ترقی کا کسیکو

نوٹ۔ لیمپ۔ انجن۔ میز۔ وغیرہ کی بجائے دیگر الفاظ مروج نہیں ہوسکتے۔ یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ (ایڈیٹر)

خیال ہے۔ نہ اسکی کسیکو ضرورت ہے۔ اصلاح زبان کا مقصود اور ہی ہے۔ اور یہ ادعا کہ دلّی اور لکھنؤ کے رہنے والے زبان اُردو کے واقعی جاننے والے ہیں کسی طرح بیجا نہیں ہے۔ اِس کا بطلان اسی طرح سے ہے جیسے آفتاب کو گرد و غبار سے چھپانے کی کوئی کوشش کرے۔ ہر ملک اپنی اپنی زبانوں کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں اُسی طرح اُردو زبان کا تعلق دہلی اور لکھنو سے ہو گیا ہے۔ حالانکہ بہت سے ایسے لوگ ہندوستان میں نکلیں گے جو عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ وغیرہ وغیرہ زبانوں میں اس درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں کہ اہلِ زبان اُن کا لوہا مانتے ہیں۔ مگر اس خاص بات سے وہ کلیہ کہ ہر ملک اپنی اپنی زبانوں سے خصوصیت رکھتے ہیں باطل نہیں ہو سکتا۔

شعر

مانو نہ مانو حضرتِ من اختیار ہے　　ہم اپنی رائے آپ کو بتلائے جاتے ہیں

راقم عاصی سید علی شبیر نقوی الجالسی عفی عنہ
از کتھڑی۔ ملک راجپوتانہ

زبان اُردو نمبر ۲

از پیچ و تابِ فکرِ تنم صد شکن گرفت　　آسان نمیتواں سرِ زلفِ سخن گرفت

زلفِ پر شکن تک دسترس معمولی بات نہیں۔ مدتوں کی گریہ وزاری اور ایک عمر کی بے قراری کے بعد کسی خوش نصیب کو یہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ زلف سخن میں بھی کاکل مہوشاں کی طرح ہزار ہا پیچ و خم ہوتے ہیں۔ اِن عقدوں کو حل کرنا۔ اور یہ گتھیاں سلجھانا ذی فہم اور نکتہ رس کا کام ہے ہم چاہتے ہیں کہ کاکلِ حسیناں کے خیال میں آج زلفِ سخن سے جی بہلائیں۔ اور دل دادگانِ خط و خال کا جی خوش کریں۔

آج یوں زلف پریشاں کی بلائیں میں لوں　　زلفوں والے یہ کہیں آپ بناتے ہیں ہمیں

زلفیں [illegible] مقدار طول [illegible] دراز ہوں [illegible] زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہیں اس واسطے اس مضمون [illegible] مرغوب [illegible] دستور [illegible] کے خلاف نہایت حیرت و استعجاب [illegible]

ہیں ہم بھی اختصار سے قطع نظر کرتے ہیں۔ درازی شب فرقت اور ظلمت شام غم اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ زبان قلم کسی فراق نصیب سخنور کی زبان کی طرح صدمۂ فراق بیان کرنے پر آمادہ ہے۔ ہم اگر چاہیں تو دفتر کے دفتر لکھ ڈالیں۔ اور فسانۂ زلف دراز کبھی ختم نہ ہو۔ بقول شاعر

میری شب فراق کی ہو داستان طویل — اتنی کہ مدتوں سخن آرا کہیں جسے۔

مگر ڈر ہے کہ کہیں ناظرین تغافل یار کی طرح بے رخی نہ برتیں جس سے تمام محنت برباد نہ جائے۔ داستان گوئی کے وقت جب سننے والے کسی دوسری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو قصہ گو کا جی نہیں لگتا اور وہ جلد جلد نفس مضمون کہکر داستان ختم کر دیتا ہے ستمگر کا فر اداؤں کے سامنے جب کبھی ہمیں درد دل کہنے کا موقع ملا ہے تو اکثر یہ داستان آرزوے وصل کی طرح ناتمام رہی۔

کون سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

یہ دعویٰ مرزا غالب کا ہے جنھیں اپنی طلاقت لسانی پر ناز تھا۔ اور یہاں تو کم سخنی اور لکنت زبان سے اپنا حال مطابق شعر مندرجۂ ذیل ہے۔

سنی کسی نے نہیں غم کی داستاں میری — وہ کم سخن ہوں کہ گویا نہیں زباں میری

کمال دہلی کی گزشتہ اشاعت میں زبان اردو کے متعلق ہم نے ایک مضمون لکھا تھا جس پر ناظرین گلدستہ کی رائے طلب کی گئی تھی۔ ایڈیٹر صاحب نے ہمارے جواب میں جو گلفشانی فرمائی ہے وہ کسیقدر درشت بھی ہے اور عتاب کا رنگ ظاہر کرتی ہے۔ نغمہ سرایان گلشن دہلی کی زبان سے (ہرگز اے خام آدمی نشوی) سنکر تعجب ہوا۔ شکر یہ ہو یا شکایت ہمیں اسکے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ ایک مہربان دوست کی طرف سے ہے (ع) ہرچہ از دوست میرسد نیکو ست" ہم پچھلی دفعہ اپنا مطلب شاید اچھی طرح اظہار نہ کر سکے۔ اس واسطے اسی خیال کو دوبارہ کسیقدر وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ زبان اردو کی تشبیہ کسی معشوقۂ پری جمال سے کچھ ناموزوں نہیں شاعرانہ خیال کے اصحاب اسکی تائید کرتے ہیں۔ میر نواب مونس مرحوم لکھنوی کا ایک مصرعہ ہے "مشاطۂ عروس سخن ہے زبان میری"۔ جب عروس سخن کہا گیا تو حجاب اسکے لیئے ضروری ہے۔ اُن شاہدان ناز سے جو کھلے بندوں بازار میں بیٹھتے ہیں وہ مہوشان پردہ نشین جو پردۂ حجاب سے نکالا گیا وہ سمجھتے ہیں ہزار درجہ بہتر ہیں۔ خدائے سخن میر تقی مرحوم دہلوی اور میر انیس لکھنوی کے

وقائع دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی زبان کی حفاظت پردہ نشینوں کی طرح کی۔ بازاری
اور عوام الناس سے ملنا اور بات کرنا ترک کر دیا کہ کہیں زبان خراب نہو جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اُردو
عنفوانِ شباب کے نازک مرحلے طے کر رہی تھی۔ اپنی معشوقۂ دلنواز کو رقیب کے پہلو میں دیکھنا کون
گوارا کر سکتا ہے اور رقیب بھی کون؟ جو محض کندۂ ناتراش اور گنوار ہو جس سے معشوقہ کی تمیز اور
انسانیت میں فرق آنیکا پورا اندیشہ ہو جائے۔ ایسی صحبت سے کنارہ کشی اچھی۔

یہ بات ہر عقلمند تسلیم کرے گا کہ زبان کی اصلاح و آراستگی عوام سے ممکن نہیں۔ چند خاص
طبیعتیں جنکو خداوند تعالیٰ نے قابلیت و لیاقت کا جوہر عطا فرمایا ہے وہی کچھ اسکی اصلاح کر سکتی ہیں۔
اِس خیال سے ہمنے اگر زبان کو بازاری اور غیر زبان کے نامانوس الفاظ سے بچنے کی ترغیب دلائی
تو گیا گناہ کیا۔ رہی وسعت زبان اسکے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ غیر زبانوں کے وہ الفاظ جن کے
لئے ہماری زبان میں الفاظ وضع نہیں ہوئے اور جو زبانوں پر اچھی طرح چڑھے ہوئے ہیں انکے استعمال کا
مضائقہ نہیں۔ بغیر اسکے ضرورتوں کا پورا ہونا محال ہے۔ مگر خواہ مخواہ ایسے الفاظ جنکے لیئے اُردو
میں جداگانہ الفاظ موجود ہیں رائج کرنا یا اُردو میں ایسے جملے لکھنا جو انگریزی الفاظ کا لفظی ترجمہ کہے
جائیں زبانِ اُردو کو خراب کرنا ہے جسکے ہم سخت مخالف ہیں۔ آجکل اخباروں کی زبان عموماً خراب
ہو رہی ہے۔ رسالے بھی بہت کم اِن نقائص سے بری ہیں۔ ٹیلیگرام۔ بلیک لٹریچر۔ نیچر۔ کم و
بیش تمام اخباروں میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔ دلچسپی لینا۔ روشنی ڈالنا۔ کافی سے زیادہ
وغیرہ وغیرہ یہ الفاظ و جملے بالکل بے ضرورت برتے جاتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ زبان ایسے
بیجا تصرفات کا بار اُٹھائے۔ علومِ مختلفہ کو زبانِ اُردو میں لانے کے لیئے غیر زبانوں سے صرف وہ
الفاظ لیئے جائیں جن کا استعمال ناگزیر ہے۔ اہلِ زبان و زباندان اگر نئے الفاظ وضع کرکے یہ
ضرورت رفع فرمائیں تو اُن کا احسان یادگار جاوید کی طرح ہمیشہ قائم رہے گا۔

ہم شاید اس مضمون پر ضرورت سے زیادہ لکھ گئے۔ اسی واسطے اُسی زلف دراز کے خیال میں
جس کا سرا ہاتھ میں لے کر ہمنے نغمہ سرائی شروع کی تھی۔ قلم ہاتھ سے رکھ کر ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں
شاید یہی پُرلطف سماں ہمیں خواب میں بھی نظر آئے اور ہمیں یہ کہنے کا موقع ملجائے۔ ع

بیہوش جا لگر مجھے چھیڑا غضب کیا دامن کسی پری کا تھا دست خیال میں۔ بیخود دہلوی

آرزوئے عاشق

دل نوازے زحسیناں جہاں مارا بس!　　دلبرے از ہمہ پیماں شکناں مارا بس!
جلوۂ بعبتے از بزمِ بتاں مارا بس!　　مہ جمالے زصفِ ماہ رخاں مارا بس!
گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس!　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس!

قصر و ایواں کی ضرورت نہیں ہمکو یارب!　　چمنستاں کی ضرورت نہیں ہمکو یارب!
باغِ رضواں کی ضرورت نہیں ہمکو یارب!　　حور و غلماں کی ضرورت نہیں ہمکو یارب!
گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس!　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس!

گر کوئی دل میں تمنا ہے۔ تمنا ہے یہی　　سرِ شوریدہ میں سودا ہے۔ تو سودا ہے یہی
اپنی خواہش ہی بجا یا کہ ہر بے جا ہے یہی　　چاہتے ہیں یہی۔ اللہ سے چاہا ہے یہی
گلعذارے زگلستان جہاں مارا بس　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس!

ہے یہاں دولت و حشمت کا طلبگار کوئی　　ہے یہاں شہرت و عزت کا طلبگار کوئی
ہے یہاں عیش کا عشرت کا طلبگار کوئی　　ہے یہاں زہد کا طاعت کا طلبگار کوئی
گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس

نہیں اِس دہر میں کچھ طالبِ دنیا ہم لوگ!　　نہ کریں گے کبھی یہ خواہش بیجا ہم لوگ!
صاف کہتے ہیں کہ ہیں حسن کے شیدا ہم لوگ!　　شغل رکھتے ہیں ازل سے یہی بابا ہم لوگ!
گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس

دل کے خوش رکھنے کو ہے وہ گلِ خوشبو کافی　　پئے تسکینِ جگر ہے فقد دلِ جو کافی
سرِ آشفتہ کو ہے زلف کی خوشبو کافی　　چشمِ حیراں کو نگاہوں کا ہے جادو کافی
گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس!　　زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس

ہم ہیں عاشق نہیں کچھ راحت و آرام سے کام　　نہ رکھا ہم نے کبھی ننگ سے اور نام سے کام
واعظِ شہر بتھے کیا۔ کسی بدنام سے کام　　کب رکھا ہم نے کبھی شر سے کسی کام سے کام

گلعذارے زگلستان جہاں مارا بس ! | زیں چمن سایۂ آں سرو رواں مارا بس
واعظو! حسن پرستی بھی ہے اِک راز کی بات | تم نہیں سُنتے مگر سوز کی اور ساز کی بات
گر نہیں مانتے محروم نظرباز کی بات | لو! سُناتا ہوں تمھیں حافظ شیراز کی بات
گلعذارے زگلستان جہاں مارا بس ! | زیں چمن سایۂ آں سرو رواں مارا بس !

تلوک چند - محروم

تصویر جانان

کس کی تصویر تو ہے۔ اے تصویر؟ | رشک کھاتا ہے تجھ پہ ماہِ منیر
تو ہے پیاری تری ادا پیاری | ہے تمنا بھی تیری کیا پیاری
تیری صورت پہ دل فدا جاناں ! | تیری شوخی پہ جی مرا قربان
بولتی کیوں نہیں؟ بھلا تصویر | نہیں رکھتی زبان کیا تصویر؟
روٹھنا تجھکو گر پسند آیا | مَیں نے منت میں بھی مزا پایا
سچ بتا تُو؟ مناؤں میں تجھ کو | بولنے میں نہ عذر تجھ کو ہو
ہنس کے تو بجلیاں گرا مجھ پر | ہاں رُلا مجھ کو آج ہنس ہنس کر
میرے قابو میں اور یہ بیداد! | نقش دیوار اور ستم ایجاد
ہاں خدا کے لیئے زبان تو کھول ! | میرے سر کی قسم تو کچھ تو بول -
مَیں ہوں پروانہ جمال ترا | مَیں ہوں آشفتہ خیال ترا
ہائے یہ خوشنما تری زلفیں | ہائے یہ دل رُبا تری زلفیں
موجیں لہروں پہ اُنکی دل سے نثار | اُسکی خوشبو پہ صدقے مشک تتار
نرگسی چشم پر فدا ہے غزال | تیغ نظارہ سے ہے۔ جان نڈھال
جاں فدا تیرا یہ سراپا ہے | قد قیامت کا اِک نمونہ ہے
میری باتوں کا کچھ جواب تو دے؟ | اِس ڈھٹائی کا ماجرا تو کھلے
[illegible] | خامشی ہے مری ہزار ہا گویائیں

آہ یہ تمکنت تری تصویر! ۔ دست قدرت سے کیا کھچی تصویر
ظلم شوخی ہر اک ادا جس کی ۔ مانی بات ہے قضا جس کی۔

آغا رفیق - بلند شہری

شکایت زمانہ

اب زمانے میں کہیں بوئے وفاداری نہیں ۔ سینکڑوں دلدار ہیں پر اُن میں دلداری نہیں
مُنہ پہ کچھ کہتے ہیں منہ سے ہر عمل اُس کے خلاف ۔ آپ ہی انصاف کیجے کیا یہ عیاری نہیں
کرتے ہیں نااتفاقی کہتے ہیں ہو اتفاق ۔ کیا یہی ایمان ہے کیا یہ دل آزاری نہیں
دل میں ہے بغض و حسد کینہ سے سینہ ہے بھرا ۔ کیا یہی اسلام نے کیا یہ ستمگاری نہیں
دین سے بے بہرہ دنیا پہ سراسر مبتلا ۔ دوستوں سے یہ تو غفلت ہیں ہشیاری نہیں
گرچہ ہوں مونس ہزاروں آشنا لاکھوں تو کیا ۔ نام کے غمخوار ہیں پر اُن میں غمخواری نہیں
رُوٹھ کر عاجز سے کہدیتے ہیں آخر شیخ جی ۔ اپنے گھر بیٹھو تمہاری اور مری یاری نہیں

عاجز سہسوانی

زبان کے کرشمے

اے زباں تیرے لیے وقف ہے میدانِ بیان ۔ تیرے اک ایک کرشمہ پہ جہاں ہے قربان
ایک کو گرم کرے ایک کو دم میں تو نرم ۔ ایک کو شاد کرے ایک کو دم میں گریان
ایک کے دل پہ قیامت کہیں ڈہائی تو نے ۔ ایک کے سر پہ کہیں رکھ گئی بار احسان
ایک سُنکر تری تقریر ہوا گرم جدال ۔ کردیا صورت آئینہ کسی کو حیران
میٹھی باتوں پہ تری کوئی کہیں گرویں ۔ تلخیوں سے تری ہوتا رہا کوئی نالاں
دوستوں میں کہیں مشہور تری کج خلقی ۔ کہیں اغیار ترے لطف و کرم سے شاداں
برہمی آتی ہے سُنکر تری تقریر کہیں ۔ بیٹھ جاتا ہے کہیں دل میں ترا حسن بیان

دفع کرتی ہے کہیں آن میں تو رنج و ملال — دم میں کرتی ہے کہیں ہوش کسی کے پران

پیاری باتوں نے تری دلکو کہیں موہ لیا — دشمنی ڈال گئے دم میں سخنہاے گراں

ایک کرتا رہا بیتابیٔ دل کا اظہار — جھوٹے سچے کہیں ہوتے رہے لاکھوں پیماں

گردنیں لاکھوں کی اک لفظ پہ جھک جاتی ہیں — اک اشارے پہ ترے ہوتی ہیں تیغیں عریاں

تیرے ایک ایک سخن پر ہو تخالف برپا — تیری اک بات پہ آپس میں لڑیں پیر و جواں

ہے تری بات کہیں قابلِ نفریں کوئی — موتیوں میں کہیں تلتا ہے ترا حسن بیاں

بیٹھ جائیں ترے اخلاق کے سکے گاہے — کہیں وہ بات ہو پیدا کہ نہیں جو شایاں

دل پہ ٹوٹا ترے فقروں سے کہیں کوہ الم — اوڑ گیا تیرے اشارے میں کہیں خواب گراں

تو نے بھیجی ہے گذشتہ پہ ہمیشہ صلوٰت — ٹوٹتے ہیں ترے ہر روز ہزاروں پیماں

ایک اک لفظ پہ مٹتے ہیں ترے اہل کمال — اہلِ غیرت کی تری بات پہ جائیں قرباں

چل گئی تو کہیں خونی کی رہائی کے لیے — بیگناہوں کو کہیں کر گئی دم میں بیجاں

تجکو ہر روز نئے روپ بدلتے دیکھا — نفع کرتی ہے کسی کا تو کسی کا نقصاں

تو نے جو بھید چھپایا تو رہا وہ مخفی — تو نے کھولا جسے وہ راز ہوا دم میں عیاں

ایک وہ ہے جو بنا خوف سے تیرے گونگا — ایک وہ ہے کہ جو مشہور ہوا چرب زباں

دل اُٹھا یا الم و رنج کی باتوں سے کبھی — کبھی خوشیاں وہ سنائیں کہ نہ تھا وہم و گماں

سچ تو یہ ہے ترے افعال ہیں بیحد حساب — سچ تو یہ ہے کہ کرشمے ہیں ترے بے پایاں

حضرتِ آشک لکھیں بھی تو کہاں تک لکھیں — سچ کہا ہے یہ کسی نے کہ عیاں را چہ بیاں

راقم اشک بلند شہری

قند پارسی

از عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی رئیس اعظم سکندرآباد

کارم فتادہ است مرا با گریستن — از چشم خوں فشاند فتادہ دریا گریستن

این بزم عیش و خواہش مینا گریستن — می آیدم بحالتِ صہبا گریستن

این درد لا دوا و مداوے او کند — زیبد مرا بہ عقل مسیحا گریستن

از سینہ آہِ سرد و۔ ز دل صد ہزار داغ
از دیدہ اشک خونیں و۔ از ما گریستن

من میگریزم از صفِ یاران کہ خوش بود
تنہا فغاں کشیدن و تنہا گریستن

در حشر داد گریہ ما یک نہ چوں دہند
آہ من و بعرصۂ محشر گریستن

از من مپرس حالِ تمنائے گریہ ام
آید مرا بعرضِ تمنا گریستن

از نالہ ہائے حسرتِ روز و شبم چہ ذکر
در روز لب گزیدن شبہا گریستن

از داد گستری فلک صد ہزار داد
بخشد بزخم خندہ۔ و ما را گریستن

از تو ہزار خامشی و از من حزیں
ہر لحظہ خوں فشاندن و ہر جا گریستن

تا کے بہ کج ادائی چرخ این چنین عزا
باید بہ بے ثباتی دنیا گریستن

محشر دمے بہوش کہ آغاز میکنم
با صد ہزار شورش و غوغا گریستن

تا کے بزخمِ سینہ بصحرا نمودن آہ
تا کے فروغ برلب دریا گریستن

یہ خط جو ذیل میں ناظرین کے ملاحظہ سے گزرے گا۔ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیر دار لوہارو یادگار حضرت غالب مرحوم نے۔ خان بہادر عالیجناب ڈپٹی ناصر علی خان صاحب کو لکھا تھا۔ جناب خان بہادر نے اپنے رسالہ "صلائے عام" بابت ماہ دسمبر میں شائع فرمایا ہے۔ ہم بھی اسکی منصفانہ اور بے لوث عبارت سے ناظرین کمال کو محروم رکھنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا بجنسہ درج گلدستہ کرتے ہیں۔ ناظرین رسالہ نیرنگ کے مضامین کا اس خط سے خود ہی موازنہ فرمالیں گے۔ اور نقاد صاحب کی لیاقت کی داد دیں گے۔

بخدمتِ مبارک جناب خان بہادر سید ناصر علی خان صاحب

محترم و معظم خان بہادر دام لطفہم۔

تسلیم۔ رسالۂ نیرنگ مرسلہ آپ کا جو ماہِ اگست گذشتہ کی بابت ہی میں نے دیکھا۔ میرے کلام پر جو تنقید ہوئی ہے۔ نقاد کو مبارک۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اِس فن میں جس ذات ستودہ آیات کا پیرو ہوں اُسکو صاحبدلانِ روشنضمیر لسان الغیب سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنے حریفوں سے فرما گئے ہیں۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

لہذا مجکو بھی اِس لطیفۂ غیبی کا اتباع لازم و واجب ہے۔ اِس تنقید کو جو جو سخن فہم ملاحظہ فرمائیں گے اپنے اپنے ذوقِ سلیم کے موافق حظ اُٹھائیں گے۔ نسنئے مَیں عرض کرتا ہوں۔

طالب ہزار شکر ہے پروردگار کا ہم مطمحِ نظر ہیں تو اہلِ جہاں کے ہیں

اب آپ سمجھ جایئے کہ اگر مجکو ستایش کی تمنا ہے تو کن بزرگواروں سے ہے صائب مرحوم کا یہ مقطع پیش نظر رکھیئے۔

صائب دو چیز می شکند قدرِ شعر را تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

ستائش کی تو یہ صورت ہے۔ اب رہی صلہ کی کیفیت سو بفضلہ تعالیٰ بندہ کسی دربار کے خوان نعمت کا کاسہ لیس نہیں ہے۔ جو صلہ کی پروا ہو مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ نقاد سخن جو اپنی ذات والا صفات کو تعصب سے مبرا اور تعلق سے منزہ فرماتے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ ملاحظہ ہو اس رسالہ کے سر ورق پر تحریر ہے۔ بسر پرستی عالیجناب معلی القاب صاحبزادہ محمد مصطفی علیخاں صاحب بہادر شرر پرائیوٹ سکرٹری اعلحضرت حضور پرنور دام اقبالہم سو جناب معلی القاب کے اُستاد جناب افتخار الشعراء مضطر خیر آبادی ارشاد فرماتے ہیں۔

یارا الفت کا کھیل کھیلا ہے اُسنے ڈالا ہے میں نے جھیلا ہے

اگر حضرت نقاد تنقید کے ایسے ہی مشاق ہیں تو یہاں نمک کا پاس ولحاظ نکرتے اور اس مطلع کی تنقید شاق نہ ہوتی۔

ایک اور امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابنائے روزگار نے آجکل شاعری کو ذریعہ تشخص و عزت سمجھ رکھا ہے واقعی یہ فن شریف ہے تو ایسا ہی مگر سخت افسوس ہے کہ اب وہ سخن سرا ہیں نہ سخن سنج۔ چنانچہ حالی فرماتے ہیں۔

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو ورنہ یاں ہم ہیں نہ تھا کوئی یگانہ ہرگز

نفس الامر تو یہ ہے کہ ذرا سی موزونی طبع یا اُستاد کی امداد پر اکثر حضرات لہو لگاکر شہید ہو

میں داخل ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔ اس بلائے بیدرماں میں بہت سے ذی وجاہت بھی مبتلا ہیں۔ اور نہ معلوم اس مخرب اخلاق شاعری سے جبکی نسبت حالی فرماتے ہیں۔

غزل اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

اور جو انکے کلام میں نمایاں ہے کسقدر ثواب دارین حاصل کرینگے۔ بندہ نواس فن لطیف کو تفنن طبع کے طور پر کرتا ہے وہ بھی متانت اور لطافت کے ساتھ بقول غالب علیہ الرحمتہ

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

بحولہ و قوتہ یہاں اس فن کے ذریعے سے نہ عزت کی تمنا ہے۔ نہ نام آوری کی آرزو نہ اس فن گرانمایہ کو حقر العباد اپنا سرمایۂ فخر وناز سمجھتا ہے۔ کوئی اپنے مال میں یا بزعم خود اپنے کمال میں مست ہے۔ بندہ اپنی کھال میں مست ہے۔ چنانچہ ایک اپنے تصنیف کردہ مرثیہ میں جسکے مطلع کا مصرعۂ اولیں ہے "شیدا ہوں اپنے جوہر تیغ کمال پر" یہ مور ضعیف عرض کرتا ہے

اپنا نسب ہے جو وہ کسی پر نہاں نہیں پر خودستائی کے لئے منہ میں زباں نہیں
وہ کون سا ہے حال جو ہم پر عیاں نہیں افسوس پر ہے یہ کہ کوئی رتبہ داں نہیں
المختصر کہ خادم شاہِ نجف ہیں ہم مشکل کشا ہیں جنکے سلف و خلف ہیں ہم

جو امر واقعی تھا وہ معرض تحریر میں آیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ تضیع اوقات فرمائیں اور کچھ تحریر کریں ناحق بات بڑھے گی اور یہ کاغذی لڑائی تا بہ قیام قیامت ختم نہ ہوگی۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

زمانے سے عدل و انصاف اُٹھ گیا ہے۔ صرف بغض و حسد رہ گیا ہے۔ آپکے مرسلہ رسالے ایک دوست مستعارے گئے ہیں جس وقت واپس کرینگے خدمت مبارک میں بھیجدوں گا۔ والتسلیم۔

احمد سعید خان۔ طالب۔

۲۲ نومبر سنہ ۱۹۰۹ء

ریویو

اخبار۔ آوازۂ خلق۔ بنارس

یہ معزز۔ متین اور پُر مذاق اخبار جناب منشی گلاب چند رناداں (در اصل دانا) کی ایڈیٹری میں کئی سال سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ اِس میں تازہ خبریں۔ پُراز نصائح مضامین۔ دلپسند ظرافت۔ ایشیائی و نیچرل نظمیں۔ اپنی اپنی بہار دکھا کر اخبار کو رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ بنا دیتی ہیں جسکی وجہ سے اِسکی رفتار روز افزوں ترقی پر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ ہونہار پرچہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر اپنے بیش بہا مضمون سے ناظرین کو والۂ و شیدا بنائے اور اسکی اشاعت دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہو۔

اڈیٹر صاحب کو اسکی چھپائی پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس میں کسیقدر نقص ہے تو یہی ہے۔ ٭ قیمت سالانہ ۳ سے لوکل دستی ۲ مقام اشاعت محلہ سین پورہ۔ بنارس

فلسفہ صرف و نحو عربی

یہ کتاب جناب احسن مرزا صاحب شرر۔ مشہدی۔ لکھنوی صاحب کی تالیف لطیف ہے جسمیں قواعد صرف و نحو عربی کو اِس خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ہر طالب علم کی سمجھ میں تمام قواعد آسانی سے آجائیں گے۔ طرز بیان ایسا دلکش ہے کہ دل پر نقش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت اِس کتاب نے زبان عربی کے طالب علموں کے لیئے اِس مشکل زبان کو بہت سہل کر دیا ہے۔ اور درسی کتب خانے میں یہ ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اگر ہم اپنی ہر دلعزیز گورمنٹ سے اِس امر کی سفارش کریں کہ یہ کتاب مدارس میں طالب علموں کو ضرور پڑھانی چاہیئے تو بیجا نہ ہوگا۔ تمام قواعد کو ۴۸ صفحوں کے اندر بڑی صفائی کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے لکھائی چھپائی بہت صاف و روشن ہے۔ اسقدر محنت اور جانفشانی پر اسکی قیمت ۴ مع محصولڈاک کچھ بھی نہیں۔ (ملنے کا پتہ) بنجاری ٹولہ مکان جناب منشی سید مہدی حسن صاحب احسن۔ صاحب واقعات انیس۔ لکھنؤ۔ سے شائقین طلب فرمائیں۔ (اڈیٹر)

مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قومیں

لندن کے ڈاکٹر ایم موزکوسکی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ انگریزی مصنفوں کے ایک طول طویل سلسلہ تصانیف کے مطالعے سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ ملکا کی اقوام سکائی۔ اور سوماٹرا کی اصلی آباد شدہ قومیں آپس میں ایک قریبی رشتہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ اِن دلچسپ قوموں کی نسبت بہت سی کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ مگر یہاں صرف چند ایک ضروری قوموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ پوری تشریح سکیٹ اور بلیگڈن کی تصانیف سے معلوم ہوتی ہے۔ تاہم جزیرہ نمائے ملیے کی بت پرست قومیں سب سے ضروری اور قابلِ ذکر ہیں۔

اِس قوم کی نسبت سب سے پہلے انڈرسن۔ کرافرڈ۔ نیوبولڈ۔ گولن۔ اور پھر میل کیمبل۔ کلیفورڈ۔ ان ڈیل اور اُنکے ہمعصر نیلسن۔ رومنیس۔ اور سب سے آخر سکیٹ۔ اور بلیگڈن نے تحقیقات کی ہے۔ جیسا کہ اُنکی تصانیف سے ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ہم فرانس کے فیوری اور مورگن۔ اور روس کے محقق ملکوچ میکلے اور جرمنی کے مشہور دانا ہانداں پی سکمٹ اور زورک کے پروفیسر مارٹن کا بھی ذکر کر سکتے ہیں جنھوں نے سکائی اور سیمنگ کی اقوام میں بھاری اختلاف ثابت کیا ہے۔ تاہم ناروے کے محقق والٹمن سیون کے اخبارات کا ذکر نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ اُسکی تاریخوں میں ایسا فرق ہے کہ وہ صحت کی محتاج ہیں۔

ملیے کی اصلی آباد شدہ قوموں کے مقابلہ میں سوماٹرا کی اصلی آباد شدہ قوموں کے حالات بہت ہی کم اور مختصر دریافت ہوتے ہیں۔ اِن قوموں میں سے زیادہ تر مشہور کیبو بو کی قومیں ہیں۔ جو جنوبی سوماٹرا میں بمقام پیلنگ اور ڈجمبی رہتی ہیں اِن قوموں کی نسبت ملیے والوں نے بہت سی جھوٹی کہانیاں اور لغو قصے گھڑے ہوئے ہیں جنکو اہل یورپ نے صحیح مانا ہے۔ اِن قوموں کے لوگوں کی نسبت مشہور ہے کہ چیتے کے پنجے اور بندر کے پاؤں رکھتے ہیں اور بدن بالوں سے بھرپور اُنکے اگلے ہاتھوں کی

نسبت یہ یقین کیا گیا ہے کہ وہ چاقو کی مانند تیز ہیں تاکہ وہ اُن سے بڑے بڑے درخت کاٹ سکیں۔ یہ سب باتیں موجودہ زمانے سے پہلے باشندگانِ میلے کی کہی ہوئی ہیں۔ جو بعض مقامات میں اب بھی زبان زدِ خاص وعام ہیں اور اس میں کچھ تعجب بھی نہیں کیونکہ جنگلوں کے اصلی انسانی باشندوں کا ذکر تاریخ انسان میں پایا جاتا ہے چنانچہ اورنگ اُٹنگ (بندر کی ایک قسم) کی نسبت میلے والوں کا مقولہ ہے کہ وہ حقیقتاً انسان ہے مگر بول نہیں سکتا۔ کیبو بو کی نسبت مشہور رہے کہ جب میلے والے اُس کا تعاقب کرتے ہیں تو وہ بندر کی طرح ایک درخت سے دوسرے درخت پر کود پڑتا ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ میلے کے مستند تاریخ نویس مسٹر بی ہیگن سکنہ فرنکیفورٹ نے کیبو بو کی نسبت ایک عمدہ فوٹو دیکر اُنکے حالات ایک کتاب کی صورت میں شائع کئے ہیں۔ مگر تاہم اس عمدہ اور قابلِ قدر کتاب پر نکتہ چینی کرنیکے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیبو بو (جنکی نسبت ہیگن نے تحقیقات کی ہے) نے پہلے ہی سے میلے کے گرد و نواح کے باشندوں کی طرح پرورش پائی اور اُنکی عادات حاصل کی ہیں۔ اگر اُن حالات کو جو ہیگن نے اور اُسکے بعد کے لوگوں نے تحریر کئے ہیں باہم ملایا جائے تو مجموعی طور پر وحشی کیبو بو کی زندگی کے حالات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہیگن کے جنہوں نے قوم کیبو بو کی بابت تحقیقات کی ہے وہ مسٹر مسر۔ اولیور۔ بوئنزیاسے۔ ایل ون ہیلٹ ولیمیٹ۔ ون ڈونجن۔ اور ونٹر رمکیر ہیں۔ اول الذکر محقق جس نے قوم کیبو بو کی انسانی تاریخ کا پیمانہ دیا ہے اور جسے ایک کھوپری اور ایک پنجر بھی دستیاب ہوا تھا فرنگی نسل کا علم خواص الاشیا داں تھا۔ اِسکی مختصر تحقیقات کو گذشتہ سال ولٹرنے زیادہ کرکے قوم کیبو بو کو بیس کی تعداد میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ہیگن نے اکیس عورتیں اور مرد شمار کئے ہیں اور اُنکے تین مکمل پنجر بھی دستیاب کئے۔

اورنگ کیبو بو ابتک بت پرست ہیں۔ اور یہ صورت میلے میں رہنے اور وہاں کے باشندوں سے شادی کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شرع محمدی صرف عورتوں کو غیر قوم میں شادی کرنے سے مانع ہے مگر مردوں کے لیئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ مگر قوم کیبو بو کی عورتیں ایسی غلیظ ہوتی ہیں کہ میلے والے بھی جو درحقیقت خود بھی غلیظ ہیں اُن سے شادی کرنے کی

کمال دہلی

مصرع طرح

رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا

اخلاق - جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی - تلمیذ جناب شوخی مرحوم

جرم جب عفو ہوا تو یہ سے میخواروں کا
حوصلہ اور بڑھا پی کے گنہگاروں کا

بار سے کاتب اعمال پہ طوماروں کا
بوجھ سر پر لیے پھرتے ہیں گنہگاروں کا

سپئے تسکین دل زار اگر جاتا ہوں
سایہ نبٹ جاتا ہے بانسوں تری دیواروں کا

حسن کی جنس گراں ہونے لگی ہے شاید
جس جگہ دیکھئے مجمع ہے خریداروں کا

جب کلیجے میں ترے تیروں کو چبھتے دیکھا
دل کو حسرت ہوئی منہ چوم لے سوفاروں کا

عرض مطلب پہ کبھی تو نے کیا بھی اقرار
کچھ ٹھکانا بھی ہے ظالم ترے انکاروں کا

مجرم عشق کی ہے شان نرالی سب سے
فرق پر سایہ رہا کرتا ہے تلواروں کا

خوگر جور و جفا کی ہے شب و روز دعا
بول بالا رہے دنیا میں ستمگاروں کا

پی بھی جا بادۂ اندوہ ربا سے زاہد
یار گر ہے تو کہا مان بھی لے یاروں کا

جس جگہ پائی جگہ کرلیا بستر اپنا
نہیں اخلاق ٹھکا کہیں آواروں کا

اطہر - جناب حکیم سید اطہر علیصاحب - کانپوری

خیر اندیش نہ زاہد ہو تو میخواروں کا
چھوڑ اللہ پہ انجام گنہگاروں کا

تیرے کوچے میں یہ مجمع ہے خریداروں کا
ایک بازار ہے یاں سینکڑوں بازاروں کا

محتسب دشمنِ جاں لاکھ ہو میخواروں کا
چاٹ دیں ایسی کہ دم بھرنے لگے یاروں کا

بیٹھکر دل میں بہت شاد ہوئے ہیں پیکاں
مسکرانا یہ کہے دیتا ہے سوفاروں کا

پہلے کب ایسی لطافت تھی گلوں میں پیدا
رنگ اُڑایا ہے ترے پھول سے رخساروں کا

نمکیں خال بچاکر دیئے لب کے بوسے
خوب مُنہ میٹھا کیا اپنے نمک خواروں کا

زخمِ دل بند کرے لاکھ زبانِ پیکاں
کیل سکتا ہی بھلا منہ کوئی سوفاروں کا

کہکشاں مانگ ہی افشاں سے ہیں چھٹکے تارے
رنگ قطروں میں پسینے کے ہی سیاروں کا

اِک نظر دیکھ تو جا آکے ذرا اے غافل
حالِ نازک ہی بہت چشم کے بیماروں کا

درد و غم رنج و الم رہتے ہیں غمخواری میں
دلِ اطہر کو سہارا اِنھیں چاروں کا

ازل - جناب عبد المجید صاحب تلمیذ جناب داغ دہلوی مرحوم

دے بھی دو بوسہ کہیں چاندسے رخساروں کا
اب کہا مان بھی لو اپنے طلبگاروں کا

دم نکل جائے نہ اُلفت کے گرفتاروں کا
غمِ فرقت سے بُرا حال ہے بیچاروں کا

دل میں اِک سوزِ محبت ہی تو لب پر آہیں
مختصر حال یہ ہی عشق کے بیماروں کا

وہ مری آہِ شرربار کو دیکھے جس نے
مینہ برستے کبھی دیکھا نہ ہو انگاروں کا

نقدِ جاں مانگتے ہیں آج وہ اک بوسہ پہ
حوصلہ دیکھتے ہیں اپنے خریداروں کا

یہ حسیں مکر کے پتلے ہیں نہ دھوکا کھانا
اِن جفاکاروں کا مکاروں کا عیاروں کا

شیخ جی سے نہ ہو کیوں روز ازل کی مٹھ بھیڑ
اِن سے تو بیر چلا آتا ہے میخواروں کا

اخگر - جناب بابو سمبر دیال صاحب سکسینہ طالب علم انٹرنس کلاس آگرہ

روشنی اُنکی ہی کل ارض و سما میں جب سے
رشک کرتے ہیں مہ و مہر بھی رخساروں کا

کیا فرشتوں کی سنوں قبر کے اندر یارب
میرے مرقد پہ ابھی غل ہی عزاداروں کا

آدنی - جناب محمد عوض صاحب بلند شہری تلمیذ جناب صوفی بلند شہری

ہیں رسولِ عربی شافعِ عصیاں بیشک
اِس لیئے اُن پہ بھروسا ہی گنہگاروں کا

کیوں نہ فریاد کریں تجھ سے وہ اے بارِ خدا
اور ہے کون مصیبت کے گرفتاروں کا

اختر - جناب لالہ کشن چند صاحب دہلوی

کوئی پرساں نہیں ناداروں کا بیچاروں کا
یار ہر ایک زمانے میں ہے زرداروں کا

برق۔ جناب بابو مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر

زخم کھا کر نگہ ناز کی تلواروں کا
دم نہ ماریں یہ کلیجہ ہے دل افگاروں کا

ساتھ دیگی تری رحمت جو گنہگاروں کا
پردہ رہجائیگا محشر میں خطا واروں کا

زلف شبگوں میں ہے افشاں کے ستاروں کی چمک
شب تاریک میں جلوہ ہے انھیں تاروں کا

شوق سے ڈال لو تم روئے درخشاں پہ نقاب
نور چھپتا ہے کہیں چاند سے رخساروں کا

تم نہ آئے تو اجل بہر عیادت آئی
کام اسکا نہ رہا ہجر کے بیماروں کا

ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہیں اٹھتی ہوئی نظریں دل کے
میں نے مانا ہے تو لو ہاں انھیں تلواروں کا

مرض عشق سے جاں بر نہیں ہوتا کوئی
ایک آزار ہے یہ سینکڑوں آزاروں کا

مرتے جیتوں کی خبر لی بھی کسی دن تم نے
حال پوچھا بھی کبھی ہجر کے بیماروں کا

نہ سنی ایک بھی زاہد کی دم بادہ کشی
دل گھٹا دیکھتے ہی بڑھ گیا میخواروں کا

نقد دل دیکے یہ آزار لیا کرتے ہیں
کیا کلیجہ ہے محبت کے خریداروں کا

کسی کروٹ کسی پہلو کسی کل چین نہیں
حال دیکھا نہیں جاتا ترے بیماروں کا

تنگ دل گلشن عالم میں نہوں کیوں غنچے
دل تو چھوٹا ہی ہوا کرتا ہے زرداروں کا

عفو تقصیر نے اک آس بندھا رکھی ہے
آسرا ہے تری رحمت پہ گنہگاروں کا

ہم نے تو برق کا مشرب ہی نرالا دیکھا
زاہد خشک بھی ہے یار بھی ہے یاروں کا

[illegible] داروں کا

بدر جناب شیخ بدر الدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ جناب مہر اکبرآبادی

کون محشر میں طرفدار تھا بیچاروں کا
پردہ رکھا تری رحمت نے گنہگاروں کا

تو خطا پوش نہ ہوتا جو خطا واروں کا
پھر ٹھکانا کہیں لگتا نہ گنہگاروں کا

بند مٹھی کئے آتے ہیں چمن میں غنچے
روز اول ہی سے دل تنگ ہے زرداروں کا

آنکھ صیاد کے گھر کھولی ہو جس بلبل نے
حال کیونکر اسے معلوم ہو گلزاروں کا

چشم روشن دل ناشاد کا مضمون ہوا
عکس دل پر جو پڑا چاند سے رخساروں کا

آشیانوں کا کہیں نام نہ بلبل کا نشاں
کر دیا حال یہ صیاد نے گلزاروں کا

یا نہ دیا اسے [illegible] برا [illegible] سے [illegible] | بڑھ کے منہ چوم لیا کرتا ہوا [illegible] کا |

سوزشِ ہجر سے دن رات پڑا پھکتا ہوں ۔ اپنے بستر پہ گماں ہے مجھے انگاروں کا
جب زلیخا نے کیا شوقِ محبت ظاہر ۔ خاتمہ ہو گیا یوسف کے خریداروں کا
سخت جانی سے مری خوب ہے قاتل آگاہ ۔ یہ خبر دیتا ہے کھچنا مجھے تلواروں کا
آبرو رہ گئی رحمت کے سبب محشر میں ۔ بن گیا کام گناہوں سے گنہگاروں کا
ہو گیا بدر جدائی میں تری گھٹ کے ہلال ۔ حال انگشت نما ہے ترے بیماروں کا

بزم ۔ جناب مرزا عاشق حسین صاحب اکبرآبادی مصاحبِ والی رامپور دام اقبالہٗ

یاں تو اُڑتا ہے تصور میں مزا یاروں کا ۔ آپ پردہ لیئے بیٹھے رہیں دیواروں کا
دیکھ لینا وہیں بستر بھی کہیں یاروں کا ۔ جس جگہ حشر میں جمگھٹ ہو طرحداروں کا
کیا ہمیں بھی لبِ شیریں کے ملیں گے بوسے ۔ اس مٹھائی میں بھی حصہ ہے نمک خواروں کا
بات کرنے کو بھی اس شوخ سے ترسیں گے رقیب ۔ دیکھنا چل گیا فقرہ جو کوئی یاروں کا
سامنے اپنے بلائے گا خدا محشر میں ۔ دیکھ لے شیخ یہ رتبہ ہے گنہگاروں کا
نہیں ممکن جو عوض پھوٹ کے رو دیتا ہے ۔ ورنہ مسنون تو سر آبلہ ہے خاروں کا
دل کی تسکین کے لیے بزم یہ بات اچھی ہے ۔ اعتبار اُن کے نہ عہدوں کا نہ اقراروں کا

ہیجان ۔ جناب محمد سلطان مرزا صاحب ہادی تلمیذ جناب حسن دہلوی

رنگ دنیا سے نرالا ہے ستمگاروں کا ۔ خوش نگاہوں کا حسینوں کا دل آزاروں کا
عکس پڑتا ہے جو اُن چاند سے رخساروں کا ۔ رشکِ خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا
اشکِ شبنم سے لگی رونے عروسِ شب بھی ۔ حال دیکھا نہ گیا جب ترے بیماروں کا
میری وحشت نے بنایا ہے تماشا مجکو ۔ تم بھی تو دیکھو کہ کیا رنگ ہے بازاروں کا
جب سے ہیجان ہوا رحمت خالق کا نزول ۔ حوصلہ بڑھ گیا کچھ اور گنہگاروں کا

بیتاب ۔ جناب سید محمد خیرات علی صاحب تلمیذ حضرت رسا از کالپی

تیرے کوچے میں بنے قبر یہ ہے دل کی مراد ۔ سایہ مطلوب ہے ہم کو تری دیواروں کا
قبر تک حسرت دیدار رہے گی ہمراہ ۔ شوق کم ہوگا تمہارے نہ طلبگاروں کا
خنجر تیز سے کاٹے ہیں گلے رک رک کر ۔ آزمانا تھا تمھیں صبر وفاداروں کا

عمر گذری ہے پرستش میں بتوں کی بیتاب ۔ خلد میں خاک گذر ہوگا گنہگاروں کا

تشنہ - جناب گوبند لال صاحب از علیگڈھ

دل کو لے لیتے ہیں شیوہ ہے یہ دلداروں کا ۔ پھر مکر جاتے ہیں کیا ڈھنگ ہے عیاروں کا
نہ اجل آتی ہے مجھ تک نہ وہ بت آتا ہے ۔ کوئی پرساں ہی نہیں ہجر کے بیماروں کا
داور حشر کی رحمت سے یہ کچھ دور نہیں ۔ پار بیڑا جو کرے ہم سے گنہگاروں کا
عادت جور و جفا چھوڑ کے سیکھیں یہ وفا ۔ دل بدلدے مرے اللہ ستمگاروں کا
تم نہیں سکتے اگر بھیج ہی دو اپنا خیال ۔ کام ہو دل کے لیے شغل ہو بیکاروں کا

تاج - جناب شیخ محمد وقار علی صاحب امروہوی تلمیذ حضرت رسا

قاعدہ ہی نہ سزا دینا ہے سرکاروں کا ۔ بخش بھی دیتے ہیں اک جرم خطاواروں کا
ڈھونڈنا عشق میں بیجا ہے مددگاروں کا ۔ کون مشکل میں ہوا کرتا ہے بیچاروں کا
اب کہاں دوست وہ جنپر ہو گماں یاروں کا ۔ رہ گیا ہے فقط اک نام ہی غمخواروں کا
شرم سے منہ کسی زاہد کو دکھایا نہ گیا ۔ حشر میں سر نہ اٹھا ہم سے گنہگاروں کا
روز جاتے تو ہو تم سیر و تماشے کے لیے ۔ خود نہ بن جاؤ تماشا کہیں بازاروں کا
آبلہ پائی میں کس کس کا اٹھاؤں احساں ۔ تنگ ریزوں کا میں ممنوں ہوں یا خاروں کا
دور ہو جائیگی سب خواب عدم کی غفلت ۔ آب کوثر سے خمار اتریگا میخواروں کا
اُن سے بسمل کا تڑپنا نہیں دیکھا جاتا ۔ وار منہ پھیر کے کرتے ہیں وہ تلواروں کا
پیشوائی کے لیے آئیگی رحمت حق کی ۔ مرتبہ حشر میں ہوگا یہ گنہگاروں کا

جوش - جناب پنڈت لبھو رام صاحب ملسیانی مدرس اول محرم پور جالندہر

تو سر بزم ہوا اور لطف ہو نظاروں کا ۔ دولت حسن ہوا اور ہاتھ ہو ناداروں کا
ابر رحمت نے کرشمے یہ دکھاے سر حشر ۔ دُھل گیا نامۂ اعمال سیہ کاروں کا
زہد و طاعت کا ہوں دلدادہ نہ زاہد کا مرید ۔ اُس کا بندہ ہوں جو مالک ہے گنہگاروں کا
مے بھی ہے شیشہ بھی ساقی بھی گھٹا بھی اے جوش ۔ یار آجاے تو بن کام بنے یاروں کا

جوہر - جناب تارا چند صاحب دہلوی

پاؤں جمتا نہیں اُس در پہ دلِ افگاروں کا ۔ سایہ تیروں کا وہاں فرش ہے تلواروں کا

حالؔ ۔ جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

حال کیا پوچھتے ہو عشق کے بیماروں کا ۔ اب تو اللہ ہی نگہبان ہے بیچاروں کا

دلگیرؔ ۔ جناب سید نظام الدین صاحب ۔ اکبر آبادی

کیوں نہ دھوکا ہو دہکتے ہوئے انگاروں کا ۔ شعلۂ طور ہے جلوہ ترے رخساروں کا

اے سیہ خانۂ عاشق وہ بڑھا سیل سرشک ۔ اب خدا حافظ و ناصر تری دیواروں کا

عید قرباں ہے بہم تیغ و گلو ملجائیں ۔ فیصلہ آج ہی ہو جائے گنہگاروں کا

ایک ہی جلوہ نے موسیٰ کو بھی بے ہوش کیا ۔ ہوش نے بھی نہ دیا ساتھ طلبگاروں کا

اور ڈھاتا ہے یہ مقتل میں قیامت قاتل ۔ تیری ہی چال سے چلنا تری تلواروں کا

سایۂ دامنِ رحمت میں ہیں عاصی ۔ زاہد! ۔ دیکھ کیا حشر میں رتبہ ہے گنہگاروں کا

جل اُٹھا آتشِ دل سے مرے ہر سنگ مزار ۔ ڈھیر ہے بعد فنا قبر پہ انگاروں کا

ہار پھولوں کے لئے پھرتی ہیں حورانِ جنان ۔ آج فردوس میں میلہ ہے گنہگاروں کا

دونوں سے الٰہی رہے زنداں آباد ۔ غل ہو زنجیر کا ۔ نالہ ہو گرفتاروں کا

کھینچ لیتے ہیں تصور میں مصور اکثر ۔ میری تصویر میں سایہ تری دیواروں کا

تیرے آنے کی خبر جب کبھی ملجاتی ہے ۔ موت منہ دیکھ کے رہ جاتی ہے بیماروں کا

جھانک کر ہائے وہ چلمن سے جھجکنا تیرا ۔ غش میں دل تھام کے گرنا وہ طلبگاروں کا

تنگیٔ خانۂ زنداں بھی قیامت ہے نظامؔ ۔ دم نکلتا ہے تو گھٹ گھٹ کے گرفتاروں کا

غنچۂ دل مرا کھل جائے ابھی اے دلگیرؔ ۔ ہاتھ آ جائے کوئی پھول جو اُن ہاروں کا

ذاکرؔ ۔ جناب شیخ محمد برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا

تیری رحمت پہ بھروسہ ہے گنہگاروں کا ۔ عاجزی خوب وسیلہ ہے خطاواروں کا

دیکھنے آیا ہے اب دست قضا نبض اُنکی ۔ چارہ کرتی ہے اجل ہجر کے بیماروں کا

آج کس شان سے جاتا ہے یہ سوئے مقتل ۔ سر پہ سایہ ترے عاشق کے ہے تلواروں کا

شانِ بخشش کے کرشمے بھی نرالے دیکھے ۔ پوچھتی پھرتی ہے وہ نام گنہگاروں کا

آبِ رحمت ہی مرا اشک ندامت داغِ ۔ دفتر اس پانی میں دُھلتا ہی گنہگاروں کا
عرقِ شرم نے دوزخ کو بنایا جنت ۔ فرش ٹھنڈا کیا جلتے ہوئے انگاروں کا
تیرے کوچے کی بہاریں رہیں آنکھوں میں مقیم ۔ نقشہ نظروں میں رہا خلد کے گلزاروں کا
خلشِ خارِ تمنا رہے جبتک دم سے ۔ حوصلہ پست نہو جائے دلِ افگاروں کا
مئے توحید پیا کرتا ہوں میں اے ذاکر ۔ ناطقہ بند نہ کیوں مجھ سے ہو میخواروں کا

راز ۔ جناب منشی محمد عبد الرحمٰن خانصاحب محرر چنگی امروہوی تلمیذ جناب رسا

جہاں دیکھو وہاں مجمع ہی ستمگاروں کا ۔ کوئی پرساں نہیں کم بخت دل افگاروں کا
دم نکلتا ہے شبِ غم ترے بیماروں کا ۔ نام مٹتا ہے زمانے سے وفاداروں کا
نگہ ناز کے واروں سے کہیں ڈرتے ہیں ۔ ہم وہ جاں باز ہیں منہ پھیر دیں تلواروں کا
اُن سے نازک بدنی صاف نشاں ہیں ظاہر ۔ خواب میں بوسہ لیا اُنکے جو رخساروں کا
رحمتِ حق سے پیمبر ہوئے موسیٰ ورنہ ۔ دھوکا اُنکو تو ہوا تھا فقط انگاروں کا
دل کے بہلانے کو کہہ دیتا ہوں اچھا ورنہ ۔ کون کرتا ہے یقیں آپکے اقراروں کا
اِک خدائی کو یہ اپنا ہی بتاتے ہیں حسیں ۔ کیا ٹھکانا ہے بھلا اُنکے طرفداروں کا

رحمت ۔ جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب بلند شہری

ہے بُرا حال محبت کے گرفتاروں کا ۔ ہائے پرساں نہیں لیکن کوئی بیچاروں کا
جسکو دیکھا تری اُلفت ہی کا گاہک دیکھا ۔ کیا ٹھکانا ہی محبت کے خریداروں کا
دوش پر لیکے چلے ہیں پس مُردن مجکو ۔ کسقدر لطف ہی مجھ پر مرے غمخواروں کا
وصل ہو جائے تو ہے مجکو شفا کی اُمید ۔ اور کچھ چارہ نہیں ہجر کے بیماروں کا
سَو میں دو چار ہی نکلیں گے مروت والے ۔ نام ہی نام ہے یاروں میں وفاداروں کا
پھر نہ ڈالے کبھی بلبل گُل گلشن پہ نظر ۔ جلوہ دیکھے جو ترے پھول سے رخساروں کا
سب الگ ہو گئے جب ہم پہ بُرا وقت پڑا ۔ اب زمانے میں بھروسا نہیں کچھ یاروں کا
دم پریزادوں کی اُلفت کا بھرا ی رحمت ۔ یہ وہ ہیں ہوش اُڑا دیتے ہیں ہشیاروں کا

رفیق ۔ جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر

کیا بھروسا ہو بھلا یار کے اقراروں کا
اک دفا باز ہے عیار ہے عیاروں کا

بیوفائی کا جو سکہ ہے جہاں میں رائج
مٹ گیا نام ہی دنیا سے وفاداروں کا

ہائے صبر و خرد و ہوش ہوئے نذر بتاں
لٹ گیا قافلہ سب ہجر کے غمخواروں کا

بے طلب انکے لیئے عرش سے کھنچ آئی
اے تری شان یہ ہے مرتبہ میخواروں کا

جسکے پرتو سے سمندر بھی جلا جاتا ہے
میں ہوں متوالا انھیں آتشیں خساروں کا

حضرت رسا وکیل عدالت وشاعر دربار رامپور مدظلہ

حال دیکھا جو غم عشق میں غمخواروں کا
پھٹ گیا اور کلیجہ جگر افگاروں کا

جس طرف دیکھئے انبوہ ہے غمخواروں کا
ناک میں دم ہے ستمگر ترے بیماروں کا

ہم سے اے پیر مغاں عظمت میخانہ نہ پوچھ
تو سلامت ہے تو کعبہ ہے یہ میخواروں کا

عرق شرم سر حشر بڑے کام آیا
دھل گیا دفتر اعمال گنہگاروں کا

وہ جو آئے تو ہر اک جان سے قربان ہوا
اب مری لاش پہ ماتم ہے عزاداروں کا

بگہ یاس سے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں
حال دیکھا نہیں جاتا ترے بیماروں کا

نام سنتے ہیں رہائی کا تو غم کرتے ہیں
اب یہ نقشہ ہے محبت کے گرفتاروں کا

جان دی ہم نے محبت میں تو حیرت کیا ہے
یہ تو شیوہ ہے مری جان وفاداروں کا

ہمکو جنت میں بھی سنجانہ بہشت یاد آیا
ہائے وہ بزم وہ جلسہ ہے کہاں یاروں کا

زاہدو اور کہیں اپنا ٹھکانا کر لو
خلد کہتے ہیں جسے گھر ہے گنہگاروں کا

کر دیا تجھ سے ستمگر کو مسیحا نے زبان
ہے یہ ادنیٰ سا کرشمہ ترے بیماروں کا

سو جفائیں ہوں اگر آہ نہ کرنا اے دل
حوصلہ پست نہ ہو جائے ستمگاروں کا

ابھی موجود ہیں ہم جنس وفا کے گاہک
نام باقی ہے محبت کے خریداروں کا

اسکو جنت بھی عطا ہو تو جہنم سمجھے
جسپہ سایہ ہے ترے کوچہ کی دیواروں کا

ناز سے جنبش ابرو پہ کسیکا کہنا
وار روکے کوئی چلتی ہوئی تلواروں کا

حشر کے روز بھی اپنا نہیں کوئی افسوس
کچھ ٹھکانا ہے رسا انکے طرفداروں کا

ریاض - جناب شیخ مہدی علی صاحب تلمیذ جناب سید جواد حسین صاحب شمیم

دل کے شعلوں سے عجب حال ہے بیماروں کا — گویا پہلو کے قریں ڈھیر ہے انگاروں کا
اُلفت و مہر تو شیوہ ہے وفاداروں کا — ستم و جور طریقہ ہے دل آزاروں کا
ہر طرف ایک اشارہ میں ہوئے سینکڑوں قتل — کام لیتے ہیں نگاہوں سے وہ تلواروں کا
ہم پچھوڑ ینگے کبھی کوے صنم اے زاہد — سر کے بل جائیں - اگر فرش ہو تلواروں کا
سلسلے جنوں وادی وحشت میں چلوں سینے کے بل — دل کے چھالوں کو بھی ارمان رہے خاروں کا
اُنکو دو چاند برابر کے نظر آتے ہیں — عکس آئینہ میں پڑتا ہے جو رخساروں کا
یا الٰہی تری رحمت کا جو سایہ پڑ جائے — کام بگڑا ہوا بن جائے گنہگاروں کا
اُٹھ گئے چاہنے والے جو زمانے سے ریاض — دیکھنے والا ہے پھر کون دل آزاروں کا

رونق - خاکسار پیارے لال دہلوی - ایڈیٹر رسالۂ ھذا

کہیں چاٹا نہ ہو جوہر تری تلواروں کا — لہو پانی ہوا جاتا ہے دل افگاروں کا
پار بیڑا ابھی ہو جائے گنہگاروں کا — سر تک آجائے جو پانی تری تلواروں کا
لذتِ زخمِ جگر ملتی ہے تیروں کے طفیل — دم بھرا کرتا ہوں ہر دم ترے سوفاروں کا
کیا تماشا ہے درِ پیرِ مغاں پر زاہد! — ایک میلہ سا لگا رہتا ہے میخواروں کا
جل گیا آہِ شرربار سے بلبل کی چمن — ہر طرف گل کی جگہ ڈھیر ہے انگاروں کا
میرے ہی خون کی پیاسی ہیں نگاہیں ظالم — تیز لوہا ہے مجھی پر تری تلواروں کا
کثرتِ غم نے لگا رکھی ہے دل میں پھانسی — دم گھٹا جاتا ہے ظالم ترے بیماروں کا
کہیں جاتا ہے اسیری میں خیالِ وحشت — دل رہا کرتا ہے آزاد گرفتاروں کا
بن گئی حق میں مرے ترش پیانی خنجر — سر پہ احسان نہ لیا آپ کی تلواروں کا
بچ سکے اس نگہِ ناز سے کیوں کر کوئی — ہے چلن غمزۂ چالاک میں تلواروں کا
پھرتی ہے دل کو مرے لئے ہوئے کوچہ کی ہوا — کیا پڑی ہے کوئی سایہ تری دیواروں کا
ناتوانی سے لبوں تک نہیں آتے نالے — ضعف نے سی دیا منہ عشق کے بیماروں کا
یاد جب آتے ہیں وہ برش بھم کے مزے — ٹڑھ کے منہ چوم لیا کرتا ہوں تلواروں کا

سوزِ الفت میں تڑپنے کے لیئے عاشق کو　　　چاہیئے فرش دہکتے ہوئے انگاروں کا
قدر کچھ بڑھ گئی و حسنِ گراں مایہ کی　　　ہر گھڑی گرم ہے بازار خریداروں کا
دل سے لڑتی رہیں ہر وقت نگاہیں تیری　　　لطف جب ہے کہ رہے سامنا تلواروں کا
جانِ زار ایک مری کا ہیں لاکھوں شدنی　　　پوچھنا کیا ہے غمِ عشق میں آزاروں کا

زاہد - جناب حامد رضا خاں صاحب تلمیذ جناب رسا از رامپور

دیکھنا اک نگہِ ناز سے خوں خواروں کا　　　خوں بہا حشر میں ہوگا جگر افگاروں کا
وہ گدا ظلِ ہما کی نہیں رکھتے پروا　　　ہے میسّر جنھیں سایہ تری دیواروں کا
غمزہ و ناز و ادا حسن و حیا ہیں جب تک　　　میرے قاتل تجھے کیا کرنا ہے تلواروں کا
چین پڑتا نہیں اے رشکِ چمن تیرے بغیر　　　سیج پھولوں کی مجھے فرش ہے انگاروں کا
رحمتِ حق نے رکھی شرم جنابِ زاہد　　　کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا ورنہ گنہگاروں کا

زوار - جناب سید زوار حسین صاحب جلال آبادی تلمیذ جناب کاظم

کام کرتی ہیں بھویں آپ کی تلواروں کا　　　کاٹ دیتی ہیں کلیجہ بھی غمخواروں کا
ہیں تو عاشق ہوں مگر جان بس ان چاروں کا　　　تیرے دندان و لب و زلف و رخساروں کا
جب کبھی سیر کو وہ غیرتِ یوسف آیا　　　بند نظروں سے ہوا راستہ بازاروں کا
یہ تو فرمائیے کیا اس میں مزہ ملتا ہے　　　دل دکھاتے ہو جو ہر بار دل افگاروں کا
کس بلا میں ہیں یہ اے شافعِ محشر اس دم　　　حال تو پوچھئے زوار سے لاچاروں کا

سالک - جناب ابو العجز محمد عبد المجید خاں صاحب بٹالوی تلمیذ حضرت رسا

یادِ گیسوئے دوتا شب کو اگر رہتی ہے　　　دن کو ہوتا ہے تصور ترے رخساروں کا

سید - جناب سید حسن صاحب ظہوری متوسل بھوپال تلمیذ حضرت ظہیر

کون ہے کون سوا تیرے گنہگاروں کا　　　تو ہی ہے تو ہی خطا پوش خطاواروں کا
تیرے ہی لطف و کرم سے ہے امیدِ بخشش　　　تیرے ہی در پہ ٹھکانا ہے گنہگاروں کا
دردمندوں کو ہے تجھ سے ہی شفا کی امید　　　چارہ گر تو ہی تو ہے ہم سے دل افگاروں کا
کیا گزرتی ہے بسر ہوتی ہے کیونکر شبِ غم　　　حال پوچھے تو کوئی ہجر کے بیماروں کا

آنکھ جس سمت اُٹھی لاکھ حسیں دیکھ لیئے ایک بازار ہے محشر بھی طرحداروں کا

شور۔ جناب مرزا محمد رضا بیگ صاحب تلمیذ حضرت داغ

رنگ جب کھلتا ہی برسات میں میخواروں کا شیخ منہ تکتا ہی حسرت سے گنہگاروں کا
موسے مشکیں گل رخ پر ترے کیوں بکھرے ہیں باغ فردوس میں کیا کام سیہ کاروں کا
نیم کش تیر لگاتے ہیں وہ اِس کثرت سے دہن زخم نہ منہ چوم لیں سوفاروں کا
بزم میں سخت کلامی سے نری ای ساقی بشیشۂ دل نہ کہیں چور ہو میخواروں کا

شمیم۔ جناب بابو چھیتر مل صاحب بھرتوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

نور چمکا جو شب تار میں رخساروں کا دھوکا موسیٰ کو ہوا طور پہ انگاروں کا
قتل عاشق کے لیئے حاجت خنجر کیا ہے کام کر جاتی ہے ابرو تری تلواروں کا
زہد پر اپنے اگر ناز ہے زاہد تجھ کو رحمتِ حق پہ توکل ہے گنہگاروں کا
دیکھ کر جسکو ہوئے سر طور ہوسے غش موسیٰ جلوۂ نور تھا وہ آپ کے رخساروں کا
شان رحمت کے کرشمے یہی کہتے ہیں شمیم عاجزی ایک وسیلہ ہے گنہگاروں کا

شوخ۔ جناب منشی رادھے لال صاحب باندوی تلمیذ جناب رونق دہلوی

غم ہی غمخوار رہا ہجر میں بیماروں کا چارہ گر کوئی نظر آیا نہ بیچاروں کا
گور ہے یا قفسِ تنگ الٰہی توبہ! مر کے بھی چھوٹنا مشکل ہے گرفتاروں کا
اے صبا حال نہ کہنا مرا نرگس سے کبھی ذکر بیمار سے کرتے نہیں بیماروں کا
قیس کی قبر پہ لیلی نے کہا یہ رو کر مٹ گیا نام زمانے سے وفاداروں کا
سخت جانی کو مری دیکھ کے قاتل بولا حوصلہ پست ہوا جاتا ہے تلواروں کا
میہماں گھر میں ہوا کون پریوش ای شوخ رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا

شاد۔ جناب پنڈت شارکا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک صاحب سول سرجن کالپور

کھیل جس عشق کو سمجھا ہی زمانہ ای شاد سر کی بازی ہے وہ سودا نہیں بازاروں کا

شوق۔ جناب سید محمد اسد اللہ صاحب بنارسی

مشتری ایک زمانہ ہے طرحداروں کا بھیڑ لوگوں کی ہے مجمع ہے خریداروں کا

دیکھے دل پھیریں یہ شیوہ نہیں غم خواروں کا
کچھ بھی اقرار نہیں شوخ طرح داروں کا

لذتِ دردِ جگر کو کوئی ہاں کیا جانے
کچھ مزہ دل نے اٹھایا ہے ان آزاروں کا

پھر دہی خانہ زنجیر وہی جوشِ جنوں
حال کیا پوچھتے ہو ہم سے گرفتاروں کا

گھاٹ پر آج نظر آتا ہے پانی پانی
کہیں ٹوٹا نہ ہو چھلا تری تلواروں کا

میں وہ وحشی ہوں مرے ساتھ ترے کوچہ میں
دوڑتا پھرتا ہے سایہ تری دیواروں کا

درد نے اشک کو بھی آنکھوں میں رہنے نہ دیا
کون ساتھی ہے برے وقت میں بیچاروں کا

آتشیں رخ کا پھر اے شوق بندھا دلکو خیال
سامنا پھر ہے دہکتے ہوئے انگاروں کا

شیدا۔ خاکسار چندی پرشاد دہلوی۔ تلمیذ مولانا راسخ دہلوی مرحوم

ایک میلہ سا لگا ہے جو گنہ گاروں کا
حشر بازار ہے رحمت کے خریداروں کا

حال اچھا ہو نہ کیوں عشق کے بیماروں کا
موت بدلے ہوئے ہے بھیس ستمگاروں کا

ترچھی ترچھی وہ نگاہیں ہیں کہ میٹھی چھریاں
دل کے ٹکڑوں پہ گماں ہوگا شکر پاروں کا

رشک کی آگ ترے رخ سے چمن میں وہ لگی
خرمنِ گل کی جگہ ڈھیر ہے انگاروں کا

جانِ شیریں کا سری ہے یہ اثر مقتل میں
منہ ہوا جاتا ہے میٹھا تری تلواروں کا

ہو گئے اسکی فرازوں پہ فرشتے مائل
اڑ گیا عرش کو سایہ تری دیواروں کا

انکو بھی مشقِ جفا کے لیئے ارمان رہیں
نام مٹ جائے محبت کے گنہ گاروں کا

دیکھنا اس چمنِ حسن میں آتی ہے بہار
پاؤں جنت سے پھسل جائے گا نظاروں کا

حاصلِ سیرِ چمن کچھ مری قسمت میں نہیں
مدفنِ غیر ہی پر ڈھیر رہا ہاروں کا

گرمئ خوں نے مری خوب بجھایا قاتل
فرشِ مقتل ہیں دہکتے ہوئے انگاروں کا

غیر ہی کا کہیں ہو کر یہ نصیبہ چمکے
سکۂ زر پہ رہے نام سیہ کاروں کا

رنگ آنکھوں میں ہے بو دل میں بسی ہے جا کر
معجزہ ہے یہ ترے پھول سے رخساروں کا

کشتۂ ابرو و مژگاں ہے تمھارا شیدا
تیر کی نوک کا ٹوٹی ہوئی تلواروں کا

طالب۔ جناب حافظ و قاری عبد الرحمن صاحب رامپوری تلمیذ جناب رسا

امتحاں آپ نہ لیں اپنے طلبگاروں کا
نام مٹ جائے گا دنیا سے وفاداروں کا

مرنے والوں کی نہ تربت کو مٹاؤ دیکھو! — کچھ تو رہنے دو نشاں اپنے طلبگاروں کا
جوش پر آئے گا جب اُس کے کرم کا دریا — کام بن جائیگا محشر میں گنہگاروں کا
ہم سمجھتے تھے کہ دیکھیں گے انھیں آج ہمیں — حشر میں اور بھی مجمع ہے طلب گاروں کا
تیرے عشاق کو دیکھا تو کہا عیسیٰ نے — حال کچھ اور ہے اب عشق کے بیماروں کا
جان سے جائیں محبت میں تو غم سے چھوٹیں — اچھا ہونا نہیں اچھا ترے بیماروں کا
حشر میں عرض کروں گا یہ خدا سے طالب — کون ہے تیرے سوا آج گنہگاروں کا

ظہیر۔ طوطی شکرستان خوشمقالی عالیجناب حضرت ظہیر الدین حسین صاحب دہلوی مدظلہ

دیکھ لے چیر کے دل اپنے دل افگاروں کا — کام کر جاتے ہیں غمزے ترے تلواروں کا
کیا ہی شیریں ہے لہو تیرے دل افگاروں کا — چاٹتے چاٹتے مُنہ پھر گیا تلواروں کا
روز و شب گرم ہے ہنگامہ خریداروں کا — شک ہے کوچہ پہ ترے مصر کے بازاروں کا
پاؤں اُٹھتا نہیں در سے ترے بیماروں کا — گر کے اُٹھنا ہی کہ اُٹھنا کوئی دیواروں کا
توڑتا دل ہے سبو توڑ کے میخواروں کا — محتسب اصبر تری جان پہ بیچاروں کا
لوٹتے ہونگے کسی کنج خرابات میں رند — مجلس وعظ میں کیا کام ہے میخواروں کا
شیخ ہو حق سے جگاتا ہے جو ہمسایوں کو — ہوشیاروں کا ہے یہ کام کہ میخواروں کا
توڑ کر توبہ تو کر سکتے ہیں واعظ سو بار — ٹوٹ کر دل نہیں جڑتا ہے قدح خواروں کا
توڑتے ہیں دل آہن مرے نالوں کے خدنگ — دیکھ لے سینہ ہے چھلنی تری دیواروں کا
اشکباری سے مری ہوتے ہیں پتھر پانی — دل ہلا دیتے ہیں نالے مرے خونخواروں کا
ہائے زخموں پہ نمک پاش بنے ہیں احباب — دل ہے پتھر سے سوا سخت دل آزاروں کا
بیوفا تیری طرح لاکھ زمانہ پھر جائے — دل بھی پھرتا ہے کہیں آکے وفاداروں کا
دیکھ رسوا نہ کر اُس پردہ نشیں کو اے غیر — کوئی بازار کا چرچا ہے کہ سرکاروں کا
میل تیور پہ نہیں مہ کے زمانے کے ستم — واہ دل گردہ ہے کیا تیرے وفاداروں کا
رات دن سینہ میں اک آگ لگی رہتی ہے — شک ہے داغ دل پر سوز پہ انگاروں کا
سچ کہو خواب میں کس کس کے گئے تھے شبکو — رنگ بیرنگ ہے کچھ پھول سے رخساروں کا

دشت غربت میں جو یاد آئی ہے مہ نوک مژہ
آبلے پاؤں کے منہ چومتے ہیں خاروں کا

بُت بھی گویا ہیں خدا دوسری دنیا میں ظہیر
رات دن گرم ہے بازار ستمگاروں کا

عاجز۔ جناب مولانا مولوی سید لئیق احمد صاحب سہسوانی۔

ساتھ تم غیر کے ہی آؤ مگر دیکھ تو لو
حال جو کچھ ہے تپ ہجر کے بیماروں کا

سخت مشکل ہے کہیں کس سے یہ حالت اپنی
کوئی مونس ہے نہ غمخوار ہے بیماروں کا

عابد۔ جناب قاضی عبد العلی صاحب رئیس مراد آباد اڈیٹر اخبار فخر عالم مراد آباد

غم میں کہنا یہ مرے رو کے جفاکاروں کا
خاتمہ ہو گیا دنیا سے وفاداروں کا

پیر میخانہ سے ای شیخ ہے بیعت لازم
سلسلہ ساقی کوثر سے ہے میخواروں کا

سوز غم میں گرے اشکوں پہ جو اشک خونیں
فرش پر فرش ہوا اور بھی انگاروں کا

چھوڑ کر غیر کو وہ ساتھ ہمارے آئے
ایک چلتا ہوا فقرہ جو سنا یاروں کا

موت آتی بھی نہیں رشک مسیحا ہرگز
ناک میں دم ہے شفا سے ترے بیماروں کا

کیا کوئی یہ بھی ہے انداز جو ای حسن فروش
تو نے بازار لگایا ہے خریداروں کا

زلف نے کان میں صیاد کے جھک کر یہ کہا
بال بیکا نہ ہوا اک میرے گرفتاروں کا

گھاٹ پر کے تری تیغ کے میں نے قاتل
ڈوب کر نام اُچھالا ہے وفاداروں کا

میرے مرنے کی خبر سُنکے وہ بولے عابد
نام بدنام کیا اس نے وفاداروں کا

عاجز۔ جناب بھاگیرت لال صاحب ہوشیار پوری تلمیذ حضرت وجاہت جھنجھانوی

وصل سے شاد کرو یاد نہیں تم قتل کرو
کچھ تو ہو فیصلہ اُلفت کے گنہگاروں کا

جھوٹے وعدوں نے نہ رکھی وہ تری پہلی بات
اب بھروسا نہیں کچھ بھی ترے اقراروں کا

خوف سے پھر گئے اُلٹے ہی جناب واعظ
دیکھا میخانہ میں مجمع جو قدح خواروں کا

دھیان میں ہیں کسی کافر کی نکیلی پلکیں
شوق ہے دل کو مرے آنکھ پہ پھر خاروں کا

غیر عاشق ہوئے ابرو و مژہ کے افسوس
قحط پڑ جائے گا اب تیروں کا تلواروں کا

آکے سینے میں مٹا دی ہے مرے دل کی خلش
دل سے ممنوں ہوں قاتل ترے سوفاروں کا

چارہ گر چارہ گری کی ہے بچتے فکر عبث
کوئی بھی چارہ نہیں عشق کے بےچاروں کا

یوں مری آہ رسا عرش پہ جاتی ہے مگر
پھاند نا اسکو ہے مشکل تری دیواروں کا

اک خوش آواز کی عاجز کو ہے اُلفت جب سے
اور ہی تار ہوا سانس کے سب تاروں کا

فدا جناب مرزا ولی الدین خلف صاحب عالم مرزا محمد رحیم الدین صاحب صبا دہلوی

کوئی بھی پوچھنے والا نہیں بے چاروں کا
حال ابتر ہے مسیحا تر بیماروں کا

چرخ بے مہر کی گردش کا اثر ہے یہ بھی
رنگ بدلا ہے زمانے کی طرح یاروں کا

سامنے اُسکے کہاں ہوش بجا رہتے ہیں
حال میرا ہی سا ہو جاتا ہے غمخواروں کا

ستم و جور کا اُس بت سے گلا کیا ہمدم
ظلم سے دل کہیں بھرتا ہے جفا کاروں کا

فکر رہتی ہے اُسے ظلم و ستم کی ہر دم
دل ہے پتھر سے بھی کچھ سخت دل آزاروں کا

سرکشی بھول گئے کثرت پامالی سے
آبلہ پائی نے مُنہ پھیر دیا خاروں کا

پہلے یہ نام کی واعظ کے جھڑک دیتے ہیں
پھر یہ دشمن ہوا کس واسطے میخواروں کا

محو نظارہ زمانے کو بنا رکھا ہے
بول بالا ہے اِن آئینہ رخساروں کا

آنیوالی ہے خزاں اب کوئی دن میں شاید
رنگ بیرنگ نظر آتا ہے گلزاروں کا

ہر گھڑی ترکِ محبت کی نصیحت ہے فدا
دل بھی دُکھتا نہیں مجھپر مرے غمخواروں کا

فضل۔ جناب سید فضل علی صاحب عرف دولہ میاں تلمیذ حضرت رسا

دیکھ زاہد نہ ہو بد خواہ تو مے خواروں کا
کہ نگہبان ہے اللہ گنہگاروں کا

آجکل رنگ ہے جو یار کے رخساروں کا
نور خورشید و قمر کا ہے نہ یہ تاروں کا

شیفتہ سنبل تر۔ زلف پریشاں کی ترے
گُل ثنا خواں ہے چمن میں ترے رخساروں کا

میہمان کوئی دم کی ہے خبر لے جلدی
دم لبوں پر ہے مسیحا ترے بیماروں کا

اُسکے کوچہ کو نہ کیوں مصر کا بازار کہوں
ہر گھڑی رہتا ہے اک مجمع خریداروں کا

کیوں نہ آجائے حجاب آپ پہ خجالت کے سبب
رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا

وعدہ وصل کو تم نے کبھی ایفا نہ کیا
اعتبار اُٹھ گئے ہیں کس طرح اقراروں کا

ہاتف غیب نے یہ مژدہ سنایا مجکو
ہو گئی رحمت حق حصہ گنہگاروں کا

درد و غم رنج و الم رہتے ہیں سب ایک جگہ
دل کے ویرانہ میں مسکن ہے انھیں چاروں کا

جان کر دیتے ہیں جو دل ستم ایجادوں پر
ظلم خود کرتے ہیں شکوہ ہے دل آزاروں کا

چارہ گر دردِ جگر کے تو ہوئے لاکھ مسیح
مگر اچھا نہ ہوا عارضہ بیماروں کا

جاں نثاری کے لیئے رہتے ہیں ہر دم حاضر
طور دنیا سے نرالا ہے طلب گاروں کا

دشتِ غربت کو چلے فضلؔ بھی مجنوں کی طرح
نہ غمِ آبلہ پائی نہ خطرہ خاروں کا

قصیرؔ - جناب منشی گوری شنکر صاحب انسپکٹر میونسپل کمیٹی دہلی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی

یار جو وہ بتِ عیار رہا - یاروں کا
آجکل رنگ ہے کچھ اور ہوس کاروں کا

حشر میں حال کھلا جب مرے اظہاروں کا
رنگ فق ہو گیا پھر اُنکے طرف داروں کا

بھولا بھٹکا بھی بھٹکتا نہیں گلشن میں پرند
کھوج تک کھو دیا صیاد نے پرداروں کا

چارہ گر چارہ گری سے ہوئے ناچار آخر
کہیں درماں ہی نہ نکلا ترے بیماروں کا

کہیں چھپ چھپ کے اُڑاتا نہ ہو یہ مسجد میں
ذکر ہر وقت جو واعظ کو ہے میخواروں کا

وہ سمایا ہے ترے حُسن کا سودا سر میں
جمگھٹا ہے ترے کوچے میں خریداروں کا

ہر گھڑی طرز بدلتا ہے - نرالی - اپنی
ترا جھومر ہے چمکتے ہوئے ستاروں کا

ناوک افگن ترے ہاتھوں پہ ہیں قرباں دونو
دل - جگر - چومتے ہیں مُنہ ترے سوفاروں کا

دیکھا نبض اطبا کی چھُٹی ہیں نبضیں
وہ بُرا حال ہے غم سے ترے بیماروں کا

اِمتحاں ہونا ہے جو کچھ سرِ مقتل ہو جائے
آج دیکھیں گے کرشمہ تری تلواروں کا

عشقبازی نہیں بازیچۂ اطفال قصیرؔ
کام غافل یہ حقیقت میں ہے ہُشیاروں کا

قنبرؔ - جناب حکیم قنبر صاحب از احمد آباد گجرات

یہ کہو ہم جائیں ترے در کے سوا اے مولیٰ
کون والی ہے اِن آواروں کا ناچاروں کا

چھاؤں میں آ گئی ہر قبر ترے کوچے کی
سائباں بن گیا سایہ تری دیواروں کا

کوہ و صحرا میں بھی برباد رہے خوار رہے
کچھ ٹھکانا ہی نہیں اب ترے آواروں کا

دامنِ گیسوے احمد کا تصدق یارب
پردہ رہجائے قیامت میں سیہ کاروں کا

سوزشِ ہجر نے اِس درجہ جلا رکھا ہے
بسترِ گل مجھے بستر ہوا انگاروں کا

کسقدر پیاری ہے دلّی کی زباں اے قنبرؔ
قافیہ شعر میں خود بولتا ہے پیاروں کا

کلیم۔ جناب حفظ الکبیر صاحب میرٹھی از بھوپال

چھٹ گیا اب تو ہجوم اُنکے طلب گاروں کا
وار خالی نہ گیا آج مگر۔ یاروں کا

اُف غضب رشکِ مسیحا یہ تغافل شاباش
کہ مرض بھی تو نہ پوچھا کبھی بیماروں کا

رات دن بیٹھے ہوئے یاد کیا کرتے ہیں
شغل رہتا ہے یہی آپکے بیکاروں کا

جاں بحق ہوگئے سم کھاتے ہی کھانے تیرا
حق ادا ہوگیا ہے تیرے نمک خواروں کا

ابروِ چشم کا ہر وقت تصور ہے کلیم
سر پہ سایہ ہے مرے تیروں کا تلواروں کا

کاظم۔ جناب سید غلام کاظم صاحب نعت گو تلمیذ حضرت مولانا محسن صاحب

حوصلہ ہے یہ اسی آنکھ کے بیماروں کا
شوق رکھتے ہیں دمِ نزع بھی نظاروں کا

صبح اِس شان سے وہ مہبطِ نبوت آئے
رنگ چہرہ سے اُڑا رات کے سیاروں کا

حسن یوسف ہے مدینے کے گلی کوچوں میں
مفت سودا ہے یہاں مصر کے بازاروں کا

کوئی اُمید رہے خاک شکستہ دل میں
گھر یہ چھوٹا سا ہے ٹوٹی ہوئی دیواروں کا

عینِ حسرت سے مدینے کی طرف تکتا ہوں
دیکھ کر قافلہ جاتا ہوا زواروں کا

منیر۔ جناب سید منیر حسین صاحب۔ تلمیذ جناب آغا شاعر صاحب دہلوی

خون ہوتا ہے کہیں یوں بھی طلبگاروں کا
رنگ تک سرخ ہے اُس کوچے کی دیواروں کا

بڑھ گیا سوزِ جگر تابشِ رخسار سے اور
کیا ٹھکانا ہے دہکتے ہوئے انگاروں کا

ایک اُلجھن سی ہے۔ کاوش سی ہے۔ دم رکتا ہے
وقت آخر ہے مسیحا ترے بیماروں کا

میں بھی موجود ہوں۔ دشمن بھی ہے۔ خنجر لے لو
امتحاں آج تو ہو جائے وفاداروں کا

مجرم۔ جناب محمد زکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق صاحب دہلوی

کون کہتا ہے نہیں کوئی خطا واروں کا
حشر میں شافع محشر ہے گنہگاروں کا

شہرہ بازار میں حسن کے طرحداروں کا
حوصلہ اور بڑھا ہے انکے خریداروں کا

جی کبھی مجھے بھرا ہے نہ بھرے گا ساقی!
ایک دو جام سے کیا ہوتا ہے میخواروں کا

میکدہ پر جو برس جائے ترا ابر کرم
قلب دُھل جائیگا رحمت سے سیہ کاروں کا

ترے کوچے میں گنہگاروں کو ملتی ہے پناہ
سایہ رحمت کا ہے سایہ تری دیواروں کا

خوب دل بھر کے کر چکا ہے جفائیں جتنی
امتحان آج ہی ہو جائے وفاداروں کا

وہ پلا جس سے لگی دل کی بجھے آئے ساقی
سرد ہر وقت کلیجہ رہے میخواروں کا

جوش پر آئیگی جب رحمت حق اے مجرم
کام بن جائیگا محشر میں گنہگاروں کا

مشتاق۔ جناب ابو اللطف محمد عبد اللطیف خاں صاحب نگاروی تلمیذ جناب رسا

یاد آتا ہے بہت جھومنا مے خواروں کا
ہائے وہ جلسۂ میخانہ کہاں یاروں کا

حشر میں ان کا خدا بھی تو نہ پرساں ہوگا
ساتھ دیگا نہ کوئی تیرے گنہگاروں کا

دل میں ہی یاد ستمگر ترے گھر کی ہر دم
آنکھ میں اپنی ہے نقشہ تری دیواروں کا

لاش پر آکے یہ اشکوں کا بہانا کیسا؟
حال ہنسکر بھی نہ پوچھا کبھی بیماروں کا

وصل کے نام پہ یہ سر کا ہلانا کیسا؟
ہے ٹھکانا بھی کوئی آپ کے انکاروں کا

آج پھر کرتے ہیں کچھ جور ہیں اپنے وہ کمی
پھر وہ دل توڑتے ہیں اپنے دل افگاروں کا

متعجز۔ جناب سید عبد الرحمن صاحب قادر آبادی تلمیذ جناب رونق دہلوی

حسن میں شہرہ ہے وہ مصر کے بازاروں کا
جس طرف دیکھئے مجمع ہے خریداروں کا

دل سے بھولے گی نہ بیرحمی صیاد کبھی
آب و دانہ بھی کیا بند گرفتاروں کا

خواہش وصل نے رسوائے جہاں ہمکو کیا
کچھ نتیجہ نہ ملا روز کی تکراروں کا

سوزش غم سے میں گلشن میں جلا جاتا ہوں
فرش گل میرے لئے ڈھیر ہے انگاروں کا

دیدہ بازوں کی نگاہوں سے ہوا پردہ نشیں
اب کہاں لطف سر بام وہ نظاروں کا

حضرت شیخ ہوئے معتقد پیر مغاں
ایک ادنی سا تصرف ہے یہ میخواروں کا

کیوں نہ نکلے گی تری حسرت دل اے متعجز
عاقبت خواہ ہے تو کعبہ کے زواروں کا

مشتاق۔ جناب محمد مرزا صاحب تلمیذ جناب بدر الدین صاحب بدر از آگرہ

اسقدر مجمع ہے یوسف کے خریداروں کا
رستہ بند ہے اب مصر کے بازاروں کا

لڑ گئی آنکھ جو نرگس سے چمن میں ان کی
سامنا ہو گیا بیمار سے بیماروں کا

جب سوا نیزہ پہ خورشید قیامت آترا
یاد آیا مجھے سایہ تری دیواروں کا

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ جناب قمر الحسن صاحب قمر بدایونی

ہر کو مبتلا ہے گیسو کے گرفتاروں کا
پوچھتے کیا ہو برا حال ہے بیماروں کا

صبر کرنا ہے تو تم لاکے لنڈھا دے ساقی
کام رندانہ سے چلتا ہے کہیں میخواروں کا

جام مے آنکھ کو کہتے ہیں تو مینا دل کو
فلسفہ سب سے جدا ہے ترے میخواروں کا

دخت رز ہو گئی کیا ایک کسی کی ساقی!
آج میخانہ میں جمگھٹ نہیں میخواروں کا

آنا جاتا ہے بس اک سانس دم آخر سے
حال کیا پوچھتے ہجر کے بیماروں کا

قیس و فرہاد کا باقی ہے اگر نام تو کیا؟
نام لیوا نہ رہا کوئی بھی بیچاروں کا

سایۂ بال ہما کہتے ہیں عاشق اس کو
سایہ پڑتا ہے جہاں تک تری دیواروں کا

محتسب دیکھ نہ کر دست درازی اتنی
شیشہ ٹوٹے گا تو دل ٹوٹیگا میخواروں کا

بے طرح کیوں ہے نثار آج پریشاں خاطر
کیا فسوں چل گیا اس پر بھی طرحداروں کا

ناز - جناب مولوی محمد مبین صاحب - بدایونی

ٹوٹنا دیکھ کے مرجھائے ہوے ہاروں کا
صبحدم رنگ اڑا پھول سے رخساروں کا

رکھ لیئے ڈھونڈ کے سب پاسے جنوں نے پہچانے
قیس پوچھے نہ بگولوں سے پتہ خاروں کا

ضبط سے اور بھی ملتا ہے مجھے ذوق ستم
صبر سے حوصلہ بڑھتا ہے جفا کاروں کا

شعلۂ طور نہ ہوگا وہی ہونگے موسیٰ
شعبدہ تھا وہ چمکتے ہوے رخساروں کا

شیخ یہ دم پہ بنا دیتی ہیں اچھی شکلیں!
دل نشیں کیوں نہ ہو انداز طرحداروں کا

میں ہوں اک رند خوش اوقات مجھے کیا مطلب
عرصۂ حشر ہو میلہ ہو گنہگاروں کا

پہن کر جبہ و دستار چلے ہو سوئے دیر
آفریں ناز یہی شیوہ ہے دینداروں کا

نوح - جناب محمد نوح صاحب ساکن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد تلمیذ جناب داغ دہلوی

آتش غم سے برا حال ہے بیماروں کا
ہو کلیجہ کبھی ٹھنڈا نہ دل آزاروں کا

کوئی شاکی نہ ہوا آج تک آزاروں کا
کیا کلیجہ ہے تمہارے جگر افگاروں کا

کس طرح بوسہ کوئی لے ترے رخساروں کا
کیا ٹھکانا ہے دہکتے ہوئے انگاروں کا

نبض دیکھے بھی اگر کوئی تو کیونکر دیکھے
حال دیکھا نہیں جاتا ترے بیماروں کا

کوئی کچھ انکو کہے سن کے یہ پی جاتے ہیں
واہ کیا ظرف ہے ساقی ترے میخواروں کا

جب لیا جائیگا محشر میں فرشتوں سے حساب
کھو گیا نامۂ اعمال گنہگاروں کا

سر شہیدان محبت کے بھبھے پھرتے ہیں
بار ڈھہ پر آج ہے پانی تری تلواروں کا

کیا ہو خورشید کو نسبت ترے رخساروں سے
ایک ادنیٰ سا وہ شعلہ ہے ان انگاروں کا

ناز ہو یا ہو ادا غمزہ ہو یا ہو شوخی
جسکو دیکھو وہی کشتہ ہے انہیں چاروں کا

کہتے ہیں ابر کرم سب جسے اے داور حشر
وہ کہیں دامن تر ہو نہ گنہ گاروں کا

مجھ کو اپنی طرف تم نے جو کبھی دیکھ لیا
چڑھ گیا بام پہ سایہ تری دیواروں کا

ہم تو ناشاد اٹھے خلق سے ناکام چلے
بول بالا رہے دنیا میں ستمگاروں کا

سوز فرقت سے کہیں جل نہ گیا ہو یہ بھی
کہ جہاں دل تھا وہاں ڈھیر ہے انگاروں کا

نوح نے اچھی طرح دیکھ لیا جانچ لیا
دوست دشمن کا ہے تو یار نہیں یاروں کا

[illegible] ... تلواروں کا

وجاہت۔ جناب منشی وجاہت حسین صاحب اڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا
کوچۂ یار شفاخانہ ہے بیماروں کا

حشر مجموعہ ہے کل دہر کے بازاروں کا
خوب مجمع ہے کسی بت کے خریداروں کا

باغ میں دیکھتے ہیں لطف وہ فواروں کا
کہ تماشا ہے جو اک دھار میں سو دھاروں کا

پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار
ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

نہ چنو عارض روشن پہ تم افشاں نہ چنو
چاندنی رات میں کچھ لطف نہیں تاروں کا

گیسوئے یار بڑھے بڑھ کے کمر تک آئے
تا عدم سلسلہ پہنچا ہے اب ان تاروں کا

لڑ گئیں یار سے آنکھیں نہیں اب دل کی خیر
ایک کیواسطے ایکا ہوا ان چاروں کا

آگ سی باد بہاری نے لگا دی آکر
باغ میں تختۂ گل ڈھیر ہے انگاروں کا

جان دیدی ترے کوچے میں تڑپ کر آخر
ہو گیا خاتمہ بالخیر وفاداروں کا

حال کی میرے خبر پہنچے تو کیونکر پہنچے
داخلہ بند ہے سرکار میں اخباروں کا

سخت جانی سے مری اتنے پڑے دندانے
انکی تلواروں پہ ہوتا ہے گماں آروں کا

بے وضو مصحف عارض کے نہ چھوئیں گے نشاں
ہم مسلماں ہیں ادب کرتے ہیں سیپاروں کا

سرکشی یار کے آگے نہیں چلنے پاتی
وہ جھکواتا ہے سر دار پہ سرداروں کا

اس سے بجتی ہے شب و روز فلک کی نوبت
کہکشاں ڈھنکا ہے افلاک کے نقاروں کا

اے وجاہت نہیں مرنے کی بھی فرصت ہمکو
شعر گوئی تو ہے اک مشغلہ بے کاروں کا

تجرؔ جناب ناظم علیخاں صاحب نثار جہاں پوری تلمیذ فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم

حال پوچھو نہ محبت کے گرفتاروں کا
اب نگہبان ہے اللہ ہی بے چاروں کا

دل میں سینے میں کلیجے میں اتر جاتی ہیں
کام کرتی ہیں نگاہیں تری تلواروں کا

دل سے بھی عشق میں امید رفاقت ہمکو
ہو گیا وہ بھی طرف دار طرحداروں کا

خوب جی کھول کے عاشق پہ ستم کرتے ہیں
دہر دورہ ہے زمانے میں ستمگاروں کا

میں تو کیا انکی بھی صورت نہیں دیکھی جاتی
غم سے یہ حال ہوا ہے مرے غمخواروں کا

تم جفا جو ہو تمہیں قدر وفا ہو کر کیونکر
پاس کرتے ہیں وفادار وفاداروں کا

ان پہ مرتا ہوں جو مرتے ہیں تری صورت پر
ہیں خریدار ہوں الفت کے خریداروں کا

طپش دل کا برا ہو کہ جلا جاتا ہوں
بستر خواب بھی اک فرش ہے انگاروں کا

قابل دید ہے یہ میری وفاداری بھی
شکر کرتا ہوں محبت میں جفا کاروں کا

طالب جور نہیں تیری طرح اسے جلاد
مدعا آ رہی ہے ان کے خریداروں کا

میں نہیں ہوں تو زمانے میں مرا ذکر تو ہے
غیر ممکن کہ مٹے نام وفاداروں کا

کوچہ یار بھی ہے مصر کا بازار کوئی
جس طرف دیکھئے مجمع ہے خریداروں کا

ابروؤں پہ ہی مٹے ہم جو مٹے بھی اے تجرؔ
زخم کھایا بھی تو کستی ہوئی تلواروں کا

طالبؔ جناب منشی ونایک پرشاد صاحب بنارسی مقیم بلدہ بمبئی

دلبروں میں عجب انداز ہے عیاروں کا
آنکھ جب چوک گئی مال ہوا یاروں کا

بڑھ گیا حسن جو خط سے ترے رخساروں کا
پھول سے بڑھ کے مجھے پیار ہوا خاروں کا

ہے کبھی وحشت کا چکر کبھی کہساروں کا
کیا پتہ پوچھتے ہو عشق کے آواروں کا

آج محنت ہے عظمت کے طلبگاروں کا
پھول کا نام نہ لے ذکر ہو جب خاروں کا

تیری باتوں سے جہاں پھول جھڑا کرتے ہیں
رنگ آتا ہے اسی بزم میں گلزاروں کا

گرم تکرار نہ ہو آگ پہ پانی ڈالو!
کام لو تم لب لعلیں سے نہ انگاروں کا

کیا کریں گلشن ایجاد میں بہت [illegible]
ڈھنگ ہیں عزل و نصب دیکھئے فواروں کا

ہوگئی خلد مرے حق میں زمین مقتل
آب کوثر ہوا پانی تری تلواروں کا

کرگئے تیرے لیے موت سے سودا عشاق
بیچکر جان۔ اُٹھا مال۔ خریداروں کا

تان لو گاہ بھویں۔ گاہ دکھا دو آنکھیں
سامنا ہو کبھی خنجر کا کبھی آروں کا

تو نے جب نام رہائی کا لیا اے صیاد
جی وہیں چھوٹ گیا تیرے گرفتاروں کا

ایک دو ہوں تو کوئی اپنی تسلی کر لے
کچھ ٹھکانا ہے بھلا آپ کے اقراروں کا

ذکر پریوں میں بھی تو نہ کو رہا حوروں میں
کون طالب نہ ہوا تیرے طلبگاروں کا

جان بیعانہ ہیں ہم ان کو دیئے دیتے ہیں
نقدِ دل جنکے لیئے خرچ ہے بازاروں کا

سرد مہری تری۔ دلسوز کو گرمائی ہے
دُھوپ جاڑوں کی ہے سایہ تری دیواروں کا

ہر جگہ چڑھ کے رہے سب میں حسینانِ جہاں
نرخ اُترا نہ کبھی حسن کے بازاروں کا

کون ہوا یسے میں پھر شعر و سخن کا طالب
شاعری کہتے ہیں اب کار ہے بیکاروں کا

شرارت۔ اسعدی غازی آبادوالی۔ مقیم دہلی

آنکھ تو آنکھ ہے پھر کھیل ہے تلواروں کا
دم پھڑکتا ہے محبت کے گنہگاروں کا

لے گئی دل سے مرے تاب و تواں صبر و قرار
بھیس بدلے شبِ غم آئی ہے عیاروں کا

ترچھی نظروں سے مجھے دیکھ کے دیکھو نہ ادہر
سینہ چھلنی کہیں ہو جائے نہ دیواروں کا

اے شرارت یہ بڑا ابرو کا اشارہ اُنکی
پانی پیاسوں کو پلا دیتے ہیں تلواروں کا

امداد۔ بی موتی جان دہلوی چھپتہ شاہ جی

خون پیتا ہے محبت کے گنہگاروں کا
منہ بھرا جاتا ہے قاتل تری تلواروں کا

داغ دل۔ داغ جگر۔ داغ الم۔ داغ فراق
دل کو گلدستہ بنا رکھا ہے ان چاروں کا

دور پھیلا ہوا ہر سمت نہ کیوں آ سکے نظر
عکس آنکھوں میں ہے اُن چاند سے رخساروں کا

زاہدو! تمکو مبارک ہو عبادت کا غرور
اُسکی رحمت پہ بھروسہ ہے گنہگاروں کا

پھونک دیتا ہی فلک کو نہ یہ کہدو امداد
اِس سے بچنا کہ یہ نالہ ہے دل افگاروں کا

اطلاع جن اصحاب نے زر چندہ سالانہ ابھی تک مرحمت نہیں فرمایا ہے وہ صاحب براہ کرم آخر جنوری تک قیمت سالانہ یا زر معاونت بھیجکر مشکوری کا موقع دیں ورنہ جنوری سنہ ۱۰ء کا رسالہ بذریعہ وی پی روانہ ہوگا ۔ شکایت معاف

غزل طرح

غوث۔ عالیجناب نواب سید غوث محمد خانصاحب رئیس دہلی و جاگیردار و آنریری مجسٹریٹ تہور

روئے او دیدم و محوِ رخِ رخشان گشتم
شکلِ تصویر چنان ششدر و حیران گشتم

روحِ معنی بُدم و صورتِ انسان گشتم
گاہ پنہاں شدم و گاہ نمایاں گشتم

گاہ در مہر و جہاں سائر و پرّان گشتم
گہہ بکاشانۂ دل مخفی و پنہاں گشتم

بسکہ از طرۂ زلفِ تو پریشان گشتم
موردِ رنج و بلائے شبِ ہجراں گشتم

فخرِ دارا شدم و رشکِ سلیمان گشتم
کہ بکاشانۂ او فائز و مہماں گشتم

بہ تلاشش بحرم رفتم و گاہے بہ کنشت
گاہ ہندو شدم و گاہ مسلماں گشتم

چہ خبر بود دل آزار و ستمگر ہستی
دل ترا دادم و بسیار پشیماں گشتم

از تجلائی جمالِ درِ رخِ زیبائے صنم
تابِ نظارہ نیاوردم و حیراں گشتم

آنچناں مہر و وفا کرد بما جانِ جہاں
کہ بچشمانِ عدو ناوکِ مژگاں گشتم

لاتقنطوا بود گناہانِ من ای غوث ولے
داخلِ خلد طفیلِ شہِ جیلاں گشتم

ولہ

دلِ عشاق قیدِ زلفِ پیچاں ہوتے جاتے ہیں
الٰہی خیر اب گیسو بھی زنداں ہوتے جاتے ہیں

مرے کاکل گلِ رخسارِ جاناں ہوتے جاتے ہیں
وہ لعلِ لب بھی اب لعلِ بدخشاں ہوتے جاتے ہیں

ذرا دم لو بوقتِ بادہ نوشی اے شہِ خوباں
کبابِ لختِ دل مژگاں پہ بریاں ہوتے جاتے ہیں

چھڑی سی ہر گھڑی یوں تو لگی رہتی ہے مژگاں سے
مگر کچھ آج تو آثارِ طوفاں ہوتے جاتے ہیں

خود آرائی نے خود بینی کا اُن کو کر دیا عادی
حسینانِ جہاں بھی شاخِ دوراں ہوتے جاتے ہیں

بتایا سوگ تم نے غیر کا میرے جلانے کو
وگرنہ رخ پہ کیوں گیسو پریشاں ہوتے جاتے ہیں

نگہ ترچھی چڑھی ابرو لبیں بھینچے۔ تیور بدلتے ہیں
ہماری جان لینے کے یہ ساماں ہوتے جاتے ہیں

لڑکپن میں یہ چلا جوشِ جوانی کے طلاطم سے
حبابِ بحر جو بی نمایاں ہوتے جاتے ہیں

دبایا چڑ کے سینے پر اُنھیں جوشِ جوانی نے
خدا رکھے وہ کچھ کچھ تہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

عجب یہ چرخ نیلی ہر گھڑی پہلو بدلتا ہے
مزا پایا ہے اس وجہ نمک پاشی جاناں میں

ہمارے مہرباں غیروں کے یہاں ہنستے جاتے ہیں
لب زخم جگر ای غوث خنداں ہوتے جاتے ہیں

مضطر۔ عالیجناب حکیم اسد علیخان صاحب رئیس دہلی

خم بن کے تاب حسن سے یکبار جل گئی
جو آنکھ سے نگاہ سوئے رخ نکل گئی

ناز و نیاز عشق میں آخر کو چل گئی
اسکی نظر کے ساتھ طبیعت بدل گئی

آجا کہ صبح حشر کا وعدہ بھی ہو چکا
کبتک ہوا انتظار کہ دو پہر ڈھل گئی

بھڑکی ہے دل میں شمع کے کیا آتش حسد
اس رشک آفتاب کو دیکھا تو جل گئی

تاثیر سوزش دل پروانہ دیکھنا
فانوس میں بھی شمع شبستاں پگھل گئی

بڑ بڑ کے اپنی ناؤ ہوئی بحر غم میں غرق
دشمن کی ڈوب ڈوب کے کشتی نکل گئی

طوفاں سے کم نہیں ہے مری چشم خونفشاں
دنیا ڈبوئے گی جو یہ ندی ابل گئی

پھل لائیگا کبھی نہ مرا نخل آرزو
شاخ امید غیر تھی یہ بھی کہ پھل گئی

ہر روز ہجر ہے کہ مرا سینہ باں بنا
یہاں شب وصال رہی آج کل گئی

گلگوں سے سوا مجھے کنج قفس میں ہے
لاکر چمن کی باد صبا خاک مل گئی

تربت پہ روشنی دم آتش فشاں سے ہے
ہم جلتے ہی رہے ہیں مگر شمع جل گئی

یہ کیا تمہارا نہ کسی زلف کا خیال
کیسی ہے یہ بلا کہ مرے سر سے ٹل گئی

دل تنگ ہے میرے پہ ستم و جور ناروا
پھر کیا کروگے تم جو طبیعت بدل گئی

افسوس ہے کہ دل سے نہ روکا گیا کیے
سینے سے دم کے ساتھ تمنا نکل گئی

کیا جانے والی چیز کا غم ہو فراق میں
یہ جان ناتواں نہ گئی آج کل گئی

کیا صبح ہجر دیکھوں گا میں ناتواں کہیں
یہ کیا ہوا کہ شام شب غم نکل گئی

بیمار غم میں طاقت جنبش ہے آپ کہاں
آئی اگر صبا کبھی کروٹ بدل گئی

دنیا میں ہو گئی خبر وصل مدعی
اب کیا دبے گی خاک کہ شہرت نکل گئی

نظروں میں مدعی و مخلوت چھپا رہا
بے ہے نگاہ ناز غضب چال چل گئی

تصویر شوخیوں سے نہ اس کی ٹھہر سکی
آئینہ خیال سے باہر نکل گئی

مضطر فراقِ یار کا صدمہ نہ اٹھ سکا
دو دن کے رنج میں تری صورت بدل گئی

دلگیر جناب سید نظام الدین صاحب اکبرآبادی

کلیجا کھا گئے رنج و غم و اندوہ سب مل کے
ہجومِ غم ہوا اتنا کہ حصے بٹ گئے دل کے

ستم توڑا غضب ڈھایا نگاہِ ناز نے مل کے
پڑی اوپر مگر اندر سے ٹکڑے کر دیئے دل کے

یہاں سو وار کی حسرت وہاں دو وار کی صورت
ادھر سو ہاتھ کی خواہش ادھر دو ہاتھ قاتل کے

نہ مرنے مجکو بنتی ہے نہ جینے مجکو بنتی ہے
نہ دل ہی میرے قابو میں نہ میں قابو میں ہوں دل کے

اٹھی گرد کدورت بن کے آندھی طبع غمگیں سے
ہوا بدلی تو مٹی ہو گئے سب حوصلے دل کے

انھیں سے کیوں نہ پوچھوں کوئی صورت ملنے کی
یہ دونوں وقت جو شام جدائی لائے ہیں مل کے

جدا رہنا تو ایسی لاگ میں دشوار ہے دلگیر
نہ اتنی تاب ہے انکو، نہ ایسے آپ میں دل کے

رفیق - جناب ابن علی صاحب - ہاپوڑی

شب میں چل پھر کے جھلک انکی ادھر آئی ہے
آج قبضہ میں مرے جلوۂ ہرجائی ہے

آج باتوں میں تری درد کی بو آئی ہے
میں نہ مانونگا کبھی چوٹ کہیں کھائی ہے

کچھ بری سی خبر غیر جو سن پائی ہے
کیسی گھبرا کے ترے لب پہ دعا آئی ہے

جادۂ ملکِ عدم ہے ترا خنجرِ قاتل
اسی رستہ سے زمانے میں قضا آئی ہے

شوق سے آپ نہ آئیں مجھے پروا کیا ہے
میرے ویرانہ کی زینت میری تنہائی ہے

کیوں نہ آنکھوں جھکیں دوں میں شب وصل ہے
مدتوں کی مری کھوئی ہوئی نیند آئی ہے

تو تو باہر مرے دل سے کبھی جاتا ہی نہیں
لوگ اس پر بھی تجھے کہتے ہیں ہرجائی ہے

دل کو باندھا تھا گرہ میں تو نہ کھولا ہوتا
تیرے دامن کی شکن باعثِ رسوائی ہے

تیری تصویر خیالی کو ہٹاؤں کیونکر
اس لئے آباد مرا عالمِ تنہائی ہے

وصل میں ڈالدی کم بخت نے کھنڈت کیسی
غیر سے ملکے ضرور آج حیا آئی ہے

قدرداں بعد مرے اسنے نہ پایا جو کوئی
میرے مرنے کی خوشی آپکے گھر آئی ہے

غیر سب کچھ سہی سب کچھ ہے مگر یہ نہ کہو
میرا عاشق، مرا طالب، مرا شیدائی ہے

جب لڑائی ہے تو رہنے دے یونہی وصل نکر
کیوں تری یاد منانے مرے گھر آئی ہے

کون مظلوم ہوا قتل کہ جسکے غم میں
خاک اڑاتی ہوئی مقتل سے صبا آئی ہے

مدتوں چرخ نے اُس در پہ کیئے ہیں سجدے
ماہ کہتے ہیں جسے داغ جبیں سائی ہے

تابع حکم ہے چلتی ہے اشاروں پہ ترے
جب بلایا ہے تو آنکھوں سے حیا آئی ہے

اے رفیق آپکے اشعار سُنے۔ کیا کہنا!
طبع رنگیں ہے کہ موج مئے مینائی ہے

تاج۔ جناب محمد وقار علی صاحب امروہوی۔ تلمیذ حضرت رسا

بھلا آسان ہے بلبل سے چھٹ جانا چمن کوئی
خوشی سے چھوڑ دیتا ہے کہیں اپنا وطن کوئی

وہ مجنوں ہوں کہ وحشی بھی تو مجھ سے خوف کھاتے ہیں
مرے نزدیک تک بن میں نہیں آتا ہرن کوئی

کہیں حسرت نہ ہو جائے نمایاں بعد مرنے کے
نہ دیکھے مُنہ ہٹا کر میرے چہرے سے کفن کوئی

کسی کے بعد محفل میں جمے کیا رنگ محفل کا
کہ لیکر چلدیا ساری بہارِ انجمن کوئی

وفا وعدہ نہ ہوگا تمسے سب کہنے کی باتیں ہیں
تمہارا کب ہے اطمینان کے قابل سخن کوئی

ہمارے واسطے تلوار سے کم ہو نہیں سکتی
جبیں پر اُنکی پڑ جائے جو غصہ میں شکن کوئی

خیالِ یار کی دل میں نہ رہنے کی شکایت کیا
کہیں خلوت میں رہتی ہے ہمیشہ بھی دلہن کوئی

منغض اے تاج کیوں غم ہے جو صدمہ ہے جُدائی کا
کہ دنیا میں نہیں ملتا ہے بے رنج و محن کوئی

غزلیات بقیہ طرح گذشتہ

ثاقب۔ جناب منشی نجم الدین صاحب بدایونی۔ ملقب بہ پہلوانِ سخن

در پردہ شوخیوں میں لگاوٹ حیا کی ہے
کیا دخترِ رز میں روح کسی پارسا کی ہے

[illegible] ضعف میں بھی صفت نقش پا کی ہے
یعنی تو دلیل ہماری فنا کی ہے

ناطاقتی سے خوش ہوں کہ تجھ سے جُدا نہیں
مجھ میں بھی آن ادا ترے ناز و ادا کی ہے

لے بیخودی وہ طاقت نظارہ کیا ہوئی
کیوں بے حجابیوں سے شکایت حیا کی ہے

پھرتی ہے میکدے میں جو اکثر دبی دبی
توبہ بھی کیا نگاہ کسی پارسا کی ہے

قسمت مری بُری ہے تم اچھے گلہ عبث
رشک عدو دلیل تمہاری وفا کی ہے

اُمید ہے تلافی ہجر اُن کی روز وصل
شاید یہی گھڑی کوئی روز جزا کی ہے

خوش ہیں کہ جور و ظلم کی عادت پڑی رہے
شہرت تری جفا سے ہماری [illegible]

میرے گلے غلط تو غلط ہی سہی۔ مگر — تم سے رقیب کو جو شکایت جفا کی ہے
جنت کی خواہشوں نے گنہگار کر دیا — امید کچھ خطا ہی سے عفو خطا کی ہے
ثاقب جو اہل ذوق میں مشہور ہے ظہیر — تقلید اس سخنور رمز آشنا کی ہے

تسلیم۔ عالیجناب شیخ امیر اللہ صاحب لکھنوی مدظلہ یادگار حضرت نسیم دہلوی

آمد چمن میں کس گل رنگیں ادا کی ہے — ہر سمت دوڑ دھوپ یہ کیسی صبا کی ہے
چھپتی نہیں ہے پردہ شیشہ میں دخت رز — قالب میں اسکے روح کسی خودنما کی ہے
میدان حشر میں بھی کہتا پھروں گا میں — لوٹا ہے ان بتوں نے دہائی خدا کی ہے
ساقی بڑھا دے جام و صراحی ذرا ادھر — ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں آمد گھٹا کی ہے
اچھی نبھے گی یار ستمگر سے دوستی — خوگر ہیں صبر کا اسے عادت جفا کی ہے
مٹی میں کیا ہے گر دل پُرخوں نہیں ہرا — عادت کچھ اور آپ کے وزد حنا کی ہے
وہ بت نہ دیر میں نہ فلک پر خدا سنے — مٹی خراب دونوں جہاں میں دعا کی ہے
زخم جگر بھی زخم گل تر سے کم نہیں۔ — پروا دوا کی ہے نہ تمنا شفا کی ہے
در پر جو اسکے کیا ہوئیں سیم و زر مجھے — اکسیر خاک یار کے دولت ہما کی ہے
مانند موج راہ طلب میں رواں ہوں میں — پروا نہ خضر کی نہ ہوس رہنما کی ہے
وہ خوش نوا ہوں آگئے مرے باغ دہر میں — منقار بند بلبل نغمہ سرا کی ہے
آغاز عشق میں نہیں انجام کی خبر — ملنے سے ابتو اسکے خوشی انتہا کی ہے
تسلیم جاؤں گا نہ جہنم میں میں کبھی — عنصر میں میرے خاک در مصطفیٰ کی ہے

ہجر۔ جناب ناظم علی صاحب شاہجہانپوری تلمیذ جناب فصیح الملک داغ دہلوی

تم آرزو ہے دل ہو تمہیں مدعائے دل — دل میں تمھیں نہ ہو تو کہاں چین پائے دل
جو ہجر ہی تمہارے عشق کی لذت اٹھائے دل — ہو دوسری طرف بھی جگر کے بجائے دل
ضد ہے وہ یوں لکھا ہے انھیں مدعائے دل — کیا فائدہ ہے تم سے کوئی کیوں لگائے دل
کوئی تو بات تھی کہ جو ہم جس پہ مر مٹے — صورت ہی دلربا ہو تو کیونکر نہ آئے دل
ہم تم کو کیا کہیں بگڑا اتنی دعا ہے — اس کا بھی دل دکھے جو ہمارا دکھائے دل

نقصان ہو کہ نفع - برابر ہے عشق میں ۔۔۔ جائے تو جائے جان جو آئے تو آئے دل
قاصد گیا گیا۔ نہ گیا۔ کیا ہے اعتبار ۔۔۔ میری تو رائے یہ ہے کہ ہمراہ جائے دل
ایسا ہوں مضطرب کہ یہ کہتا ہوں بار بار ۔۔۔ ایسی ہو کوئی شکل کہ قابو میں آئے دل
دل کی خبر نہیں کہ ہوا کیا کہاں گیا ۔۔۔ پہلو میں اب تو ایک خلش ہے بجائے دل
حوریں بہت حسین سہی شیخ جی - مگر ۔۔۔ جب کوئی ہو حسیں سا تو گننے لگائے دل
سنتا نہیں وہ بانیٔ بیداد کیا کریں ۔۔۔ اب اور کس سے جا کے کہیں ماجرائے دل
تیرِ نگاہِ یار سے اللہ کی پناہ ! ۔۔۔ پہلو میں اپنے کوئی کہاں تک چھپائے دل
دیکھو! مری زبان نہ کھلواؤ چپ رہو ۔۔۔ چھیڑو نہ پوچھ پوچھ کے تم ماجرائے دل
سنتے ہیں ہجرؔ عشق میں دیوانہ ہو گیا ۔۔۔ پوچھو مزاج بھی تو وہ کہتا ہے ہائے دل

رباعیات تازہ از حضرت احسن مرزا صاحب شررؔ لکھنوی

ایذا نے اجل کا مجھے پیغام دیا ۔۔۔ دشمن نے بُرے وقت میں کیا کام دیا
ہر غم کے لیے سکون لازم ہے شررؔ ۔۔۔ جب درد بڑھا موت نے آرام دیا

دیگر

گو نزع کی مشکل ہوئی آساں مجھ پر ۔۔۔ روتا ہے مگر دیدۂ گریاں مجھ پر
چھٹکر غم دنیا سے شررؔ کو ہے یہ غم ۔۔۔ اے موت ترا رہ گیا احساں مجھ پر

دیگر

دنیا میں ابھرنے کا گلہ ہے مجھ سے ۔۔۔ موت آئے تقاضا یہ دنیا ہے مجھ سے
ایذائیں کچھ ایسی اسے پہنچی ہیں شررؔ ۔۔۔ اب خود مری زندگی خفا ہے مجھ سے

پرچے چھپتے ہی طرحاتِ ذیل پر بہت جلد غزلیات آنی چاہئیں۔

بابت ماہ جنوری سنہ ۲۰ء مصرع "ابن عاشق بنا ہے دہن گل کا جواب" بلبل وغیرہ قافیہ
" فروری " " یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی" صورت وغیرہ قافیہ
" مارچ " " عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" یار وغیرہ قافیہ

نوٹ - قدر افزایانِ رسالہ میں سے جو صاحب کم از کم مبلغ بارہ روپیہ (عـہ) چندہ سالانہ عطا فرمائیں گے اُنکے نام نامی ایک سال تک شکریہ کے ساتھ فہرست معاونین رسالہ میں شائع کیے جاویں گے

ایڈیٹر

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی از جہار مصرع

پہ وہ گلدستہ گلشن ہے کہ جس سے ہر جا | آپ ظاہر ہے عجب جاہ و جلال دہلی
سال ہجری ہے مجسم میرے ہر آک مصرع سے | واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی

جلد ۱ — بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ — نمبر ۹

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر — پیارے لال رونق و چندی پرشاد شیدا دہلوی
مقام اشاعت — سڑک جدید — دلی
سنہ ۱۹۰۹ء
سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نراین چھپکر شائع ہوا

رشک

اعلیحضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا
لفٹنٹ کرنل ہز ہائنس نواب محمد حامد علیخان صاحب بہادر جی سی آئی ای
دام اقبالہم فرماں روائے دار السرور ریاست رامپور

رنجش کی ساری باتیں اُن کی زبان پر ہیں — ہم سے بہت کھنچے ہیں کس آن بان پر ہیں
چھد جائیگا کلیجہ ظالم تری نظر سے — تیرِ نگہ کے پیکاں دونوں کمان پر ہیں
فصلِ بہار آئی غنچے چٹک رہے ہیں — جو خار ہیں چمن میں بلبل کی جان پر ہیں
کیا کیا ستم کیے ہیں سرخی نے تیرے لب کی — یہ خون عاشقوں کے سب ایک پان پر ہیں
کیسا ہے دل لگانا پوچھے کوئی ہم سے — جتنے مزے اٹھائے اب تک زبان پر ہیں
سینہ سپر کیا ہے اِس آرزو سے ہم نے — تولے ہوئے وہ پیکاں اپنے کمان پر ہیں
دل کو عجب تڑپ ہے ملتی نہیں تسلی — سارے جہاں کے صدمے اِس نیم جان پر ہیں
برباد ہو رہی ہے مجھ ناتواں کی مٹی — چھائے ہوئے بگولے اُنکے مکان پر ہیں
بلبل سے کچھ نہ پوچھو کلیاں جو کھل رہی ہیں — گرتی ہیں سرد آہیں نالے زبان پر ہیں
جو کچھ ہے میرے دل میں کیا جانیں آپ اسکو — موقوف ساری باتیں میرے بیان پر ہیں
ہاتھوں سے دل کو کھویا آنکھوں سے خوں بہایا — اب آہ اور نالے سب آسمان پر ہیں
بچپن ہوا ہے رخصت آئی ہے اب جوانی — رنگت نکھر رہی ہے جوبن اُٹھان پر ہیں
آنکھیں تری غضب ہیں تیری بھویں ستم ہیں — دو نیمچے ہیں گویا اور دونوں سان پر ہیں
سب آشیاں اجاڑے بلبلوں کے توڑے — صیاد یہ مظالم تیری ہی جان پر ہیں
پلکیں تری نکیلی چھوڑیں گی کس کو زندہ — یہ تیر تیز قاتل ہر دم کمان پر ہیں

جتنے اٹھائے صدمے الفت میں رشک ہم نے
مشہور ہیں وہ قصے سب کی زبان پر ہیں!!

انجمن اتحاد سخن دہلی

یہ بزم مشاعرہ بتاریخ ۲۵ ر ماہ دسمبر سنہ ۹ء کو مقررہ مکان پر حسب معمول منعقد ہوئی۔ جناب نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل کی تحریک و شیدا صاحب کی تائید سے جناب پیرجی مظفر الدین صاحب سجادہ نشین درگاہ خواجہ باقی باللہ صاحب میر مجلس قرار پائے تقریبًا دس بجے شب کے شمع کو گردش دی گئی۔ حالانکہ اب کی طرح کا مصرع ثقیل معلوم ہوتا تھا لیکن اکثر اصحاب نے اپنی زبان کی صفائی سے ایسی سنگلاخ زمین کو پانی بنا کر دکھا دیا۔ گو بارش کی کثرت سردی کی شدت کی وجہ سے بہت ہی کم اصحاب تشریف لائے تھے لیکن غزلیں نہایت زوردار پڑھی جانے سے مشاعرہ کی زینت اچھی ہو گئی تھی۔ جناب نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی کی طرح و پیش طرح دونوں غزلیں قابل تعریف تھیں۔ جناب سید اخلاق حسین صاحب اخلاق دہلوی۔ جناب بدر الدین صاحب بدر اکبر آبادی۔ جناب نادر علی صاحب نادر و سید صاحب و قیصر صاحب نے بھی نہایت عمدہ غزلیں پڑھیں۔ قریب ایک بجے شب کے یہ مشاعرہ میر مجلس صاحب کے شکریہ کے ساتھ ختم ہوا۔ آیندہ کے واسطے مصرع ہائے طرح حسب ذیل ہیں۔

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۰ء "یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی"۔ صحبت وغیرہ قافیہ
بابت ماہ فروری سنہ ۱۰ء "حسین ہیں سینکڑوں کوئی بیار بھی تو ہو" یار وغیرہ قافیہ
بابت ماہ مارچ سنہ ۱۰ء "ان سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو" بسمل وغیرہ قافیہ

فہرست سرپرستان و معاونین رسالہ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخان صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب بہادر مصطفےٰ آباد ریاست رامپور
عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو
عالیجناب رائے بابو ل صاحب انجنیر رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اگزیکٹو انجنیر درجۂ اول رئیس دہلی

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم اے مولف تذکرہ خمخانہ جاوید۔ رئیس دہلی

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندرآباد۔

عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ دہلوی

عالیجناب لالہ سری کشن داس صاحب ساہوکار والے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی

عالیجناب رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب۔ رئیس دہلی۔

عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خان صاحب آنریری مجسٹریٹ رئیس دہلی

عالیجناب ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔

عالیجناب نواب سید غوث محمد صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور۔

عالیجناب بابو مہاراج کشن صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ رامچند صاحب ائرن مرچنٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب پنڈت شو نرائن صاحب شاطر وید دہلی۔

عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹ ماسٹر دہلی

عالیجناب لالہ برجموہن لعل صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار و مصاحب اعلیٰ سرکار ریاست رامپور۔

قصیدہ لسان الغیب حضرت میرزا غالب مرحوم دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

مندرجۂ ذیل قصیدہ حضرت غالب مرحوم کے مجموعۂ تصنیفات میں نہیں چھپا۔ یہ ہمکو عالیجناب نواب میرزا سعید الدین احمد خانصاحب طالب دہلوی جاگیردار ریاست لوہارو نے عنایت فرمایا ہے۔ چونکہ میرزا غالب مرحوم نے نواب صاحب خلد آشیاں کی تہنیت غسل صحت میں رقم فرمایا تھا لہذا فصاحت وسلاست سے کام لیا ہے۔ اس سے حضرت کی قادر الکلامی بخوبی عیاں ہے چنانچہ قصیدے کے ایک ایک شعر میں اس کا اظہار موجود ہے۔

دیکھئے یہ اُس زمانے کی زبان ہے جبکہ دلی کے سخنوران نامی نے ہندوستان بھر پر اپنا سکہ

ٹھار کھا تھا۔ کہاں ہیں وہ اصحاب جو اِس بات کے دعویدار ہیں کہ دلّی والوں نے بعد میں لکھنو والوں کی تقلید کی ہے۔ یہ اُن کا خیال کسی حالت میں بھی قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ جو زبان اِس قصیدے میں موجود ہے یہی زبان اب بھی دلّی میں بولی جاتی ہے۔ لکھنو کی زبان کا اثر دلّی کے اہلِ زبان پر ہرگز نہیں پڑا۔ اور نہ کوئی اس کی معقول وجہ موجود تھی۔ بلکہ دلی والوں میں وہ مبتذل محاورات جو لکھنو والے اپنے کلام نظم و نثر میں برت جاتے ہیں پسندیدہ نگاہوں سے نہ پہلے دیکھے جاتے تھے نہ اب دیکھے جاتے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور خودستائی تو دوسری بات ہے ورنہ جو کچھ اصلیت ہے سب جانتے ہیں۔

اِس قصیدے میں جو کچھ زبان۔ شوکت الفاظ۔ بندش۔ محاورات کا بےساختہ پن موجود ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روزِ ازل سے مرزا غالب کے ہی قلم کی بلاگردانی کے واسطے خلق ہوئی تھیں۔ لیکن الفاظ سے دیکھنے والی نگاہیں البتہ درکار ہیں۔ ایڈیٹر

وھو ہذا

مرحبا سالِ فرخی آئیں ۔۔۔ عیدِ شوال و ماہِ فروردیں
شب و روز افتخارِ لیل و نہار ۔۔۔ مہ و سال اشرفِ شہور و سنیں
گرچہ ہے بعدِ عید کے نوروز ۔۔۔ لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کے ۔۔۔ مجلسیں جابجا ہوئیں رنگیں
شہر میں کوبکو عبیر و گلال ۔۔۔ باغ میں سو بسو گل و نسریں
شہر گویا نمونۂ گلزار ۔۔۔ باغ گویا نگارخانۂ چیں
تین تہوار اور ایسے خوب ۔۔۔ جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں
پھر ہوئی ہے اِسی مہینے میں ۔۔۔ منعقد محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحت نواب ۔۔۔ رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزم گہ میں امیرِ شاہ نشاں ۔۔۔ رزم گہ میں حریفِ شیر کمیں
پیشگاہِ حضور شوکت و جاہ ۔۔۔ خیرخواہِ جناب دولت و دیں
جن کی مسند کا آسماں گوشہ ۔۔۔ جنکی خاتم کا آفتاب نگیں
جن کی دیوارِ قصر کے نیچے ۔۔۔ آسماں ہے گدائے سایہ نشیں

دہر میں اس طرح کی بزم سرور
نہ ہوئی ہو کبھی بروے زمین

انجم چرخ گوہر آگیں فرش
نور سے ماہ ساغر سیمیں

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے
ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں

وہ نظر گاہ اہل وہم و خیال
یہ ضیا بخش چشم اہل یقیں

واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم
کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں

یاں زمین پر نظر جہاں تک جائے
ژالہ آسا بچھے ہیں در ثمیں

نغمۂ مطربان زہرہ نوا
جلوۂ لولیان ماہ جبیں

اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون
یاں وہ دیکھا بہ چشم صورت بیں

سرور مہر فر ہوا جو سوار
بہ کمال تجمل و تزئیں

سب نے جانا کہ ہے پری توسن
اور بال پری ہے دامن زیں

نقش سم سمند سے یک سر
بن گیا دشت دامن گلچیں

فوج کی گرد راہ مشک فشاں
رہ رووں کے مشام عطر آگیں

بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت
فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

موکب خاص یوں زمیں پر تھا
جس طرح ہے سپہر پر پرویں

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
ران پر داغ تازہ دے کے وہیں

اور داغ آپ کی غلامی کا
خاص بہرام کا ہے زیب سریں

بندہ پرور ثنا طرازی سے
مدعا عرض فن شعر نہیں

آپ کی مدح اور میرا منہ
گر کہوں بھی تو کس کو آئے یقیں

اور پھر اب کہ ضعف پیری سے
ہو گیا ہوں نزار و زار و حزیں

پیری و نیستی خدا کی پناہ
دست خالی و خاطر غمگیں

صرف اظہار ہے ارادت کا
ہے قلم کی جو سجدہ ریز زمیں

مدح گستر نہیں دعا گو ہے
غالب عاجز نیاز آگیں

ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں
تم رہو زندہ جاوداں۔ آمین

رسالہ نیرنگ رامپور

بابت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء میں ایڈیٹر صاحب کمال دہلی اور ہم" کی سرخی سے۔ جناب مولوی سید محمد نقی صاحب لکھنوی نے اپنے ایک طول طویل مضمون میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس کے ایک ایک فقرے کا جواب ترکی بہ ترکی اس پیرائے میں دیا جائے جس سے جناب سید صاحب موصوف کی تمام علمی قابلیت اہل بصیرت پر عیاں ہو جائے۔ لیکن چونکہ ہم اپنے رسالہ کمال دہلی" کو گلدستہ نیرنگ کا ہمنوا بنانا نہیں چاہتے اس لیئے اس طول طویل لفظی بحث میں پڑ کر ناظرین رسالہ کو مکدر کرنا منظور نہیں جس کا نتیجہ باہمی شکر رنجی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر سید صاحب معقولیت کے ساتھ کسی علمی بحث کو چھیڑتے اور اہل لکھنؤ جو مستند مانے جاتے ہیں وہ بھی انکو اپنے زمرہ میں شمار کرتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ ہم نے تو جہانتک سید صاحب کے مضمون پر غور کیا سوائے طعن و تشنیع کے کسی جگہ بھی انصاف اور تہذیب سے کام نہیں لیا ہے سعدی شیرازی سچ فرما گئے ہیں ؎ کس نیاموخت علم تیر از من　　　کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

ہاں صاحب سچ ہے۔ سید صاحب آپ موحد ہیں ہم مقلد ہیں۔ کہاں رسالہ نیرنگ اور کہاں کمال دہلی۔ جو اس سے ہم آہنگ ہو سکے۔ "ارے صاحب" کا محاورہ اہل لکھنؤ کے زبان زد ہو کر فصاحت کے دفتر میں رجسٹری شدہ ہے اور اس کے ساتھ تمام پوربی الفاظ بھی چپٹے ہیں۔ ذرا منصف مزاج اصحاب غور فرمائیں کہ "ارے" کا لفظ دہلی میں اپنے سے چھوٹے درجے والے یا مبتذل لوگوں کے ساتھ گفتگو میں عموماً بولا جاتا ہے۔ لکھنوی مہذب نے اس قید کو توڑ کر بلا لحاظ خوردی و بزرگی استعمال کرنا شروع کر دیا اور اسکے ساتھ صاحب کا پیوند بھی کتنا خوشنما لگایا ہے کہ ماشاء اللہ چشم بددور۔ اور پھر فصاحت کا دعویٰ سبحان اللہ اپنے ہی منہ سے میاں مٹھو۔

وہ اسم جو مؤنث بولے جاتے ہیں انکے ساتھ فعل مذکر اس ترکیب سے لانا جیسے روٹی کھانا پڑی۔ دال کھانا پڑی وغیرہ۔ کتنا فصیح ہے۔ بالکل سر سے پاؤں تک فصاحت

قربان ہو رہی ہے۔ اور اس پر یہ دعویٰ کہ دلّی والے ہمارے مقلد ہیں۔ لکھنؤ کی زبان خاص الخاص فصاحت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔

ہم مستند مانتے ہیں میر حسن دہلوی کے پوتے میر انیس کے مرثیوں کو۔ بیشک وہ خاص طور پر قابل داد ہیں۔ لیکن عشرۂ محرم میں صرف دس دن کے لحاظ سے ہندوستان بھر کے بوڑھے۔ بچے۔ جاہل مرد عورتوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دینا۔ دعویٰ کیا ہی طلسمات کا نمونہ ہے۔ ہم دور دراز زمانہ کی طرف کیوں جائیں۔ یہیں دیکھ لیجئے کہ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا کلام جتنا مقبول خاص و عام ہوا ہے۔ کبھی کسی لکھنوی شاعر کے کلام کو بھی یہ رتبہ حاصل ہوا۔ اتنے شاگرد۔ اتنی عزت و مرتبہ کسیکو بھی ملا۔ بس یہی زبان مستند ہے اور اسی کو ٹکسالی اردو کہتے ہیں کہ جس سے سب یکساں علیٰ قدر مراتب محظوظ ہوں اور وہ الفاظ انکے زبان زد ہو جائیں۔ ملک نے مان لیا ہے۔ اہل بصیرت قدر کرتے ہیں اور جمہور کا اتفاق ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی نہ دیکھے نہ سمجھے تو یہ اُسکی آنکھ کا قصور اور دل کی خطا ہے

ذیل میں ہم اپنے معزز دوست جناب عبد العلی صاحب عابد اڈیٹر مخبر عالم مراد آباد کی وہ مضمون جو اخبار مذکور کے صفحہ ۳ جلد ۷ مطبوعہ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۹ء میں "شاعرانہ مذاق" کی سرخی سے شائع ہوا ہے درج کرتے ہیں جو سید محمد تقی صاحب کی تسلی کیلئے کافی ہے یقین ہے کہ ناظرین بھی اس سے لطف اٹھائیں گے ✦ ایڈیٹر

شاعرانہ مذاق

"کمال" و "نیرنگ" میں جو ایک عرصہ سے دلی و لکھنؤ کے شعرا میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی اُس کا تو خاتمہ گزشتہ ہفتہ کے کمال میں اس طرح ہو گیا تھا کہ خود "انجمن اصلاح سخن" لکھنؤ کے لائق سکرٹری خواجہ محمد عبد الرؤف صاحب عشرت۔ اور ایک لکھنوی خاندانی شاعر مرزا جعفر علی صاحب لکھنوی نے کمال میں اپنی اپنی چٹھیاں چھپوا دیں کہ لکھنؤ کے شعرا جس طرح سے ہمیشہ شعرائے دہلی کو نظر عزت سے دیکھتے رہے ہیں اسی طرح اب بھی

نظرِ دقعت سے دیکھتے ہیں اور ہرگز شعرائے لکھنؤ اس ناگوار حملے کے طرفدار نہیں۔ بلکہ جن اشخاص نے آپ کو سبع سیارہ کے لقب سے ملقب کرکے عام شعرائے دہلی و لکھنؤ کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کر رکھا ہے اور یہاں تک کہ خود اپنے استادوں سے بھی منحرف ہو گئے ہیں۔ اِن سے کسی لکھنوی شاعر کو ہمدردی نہیں نہ کوئی انکے مشاعروں میں جاتا ہے۔ اِس لئے وہ جو کچھ کہیں وہ اپنی جانب سے کہہ رہے ہیں۔ نہ کہ لکھنوی شعرا کی طرف سے اُن سے ہرگز شعرائے دہلی کو مثل شعرائے لکھنؤ خطاب نہ کرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

اِنھیں میں ایک مولانا سید محمد نقی صاحب ہیں جو نیرنگ کے ورق پر ورق سیاہ کر رہے ہیں اور ایک چھوٹی سی بات کو بتنگڑ بنا کر کہہ رہے ہیں۔ آپ پر دراصل یہ شعر صادق آتا ہے۔ ؎

جو ایک انچھ کا مطلب تو ہاتھ بھر کی دعا ــــ اور ایک گز کی تمنائے دولت دیدار

کہیں اڈیٹر صاحب کمال نے اپنے کسی گزشتہ نمبر میں پوربی بول چال کی لکھنوی زبان میں مقبولیت کا ذکر کردیا تھا۔ جسپر مولانا صاحب موصوف نے قریبًا چار جزو اسی قسم کے جوابات میں سیاہ کئے اور کرائے جس میں جابجا ہم پر بھی عنایت فرمائی گئی ہے۔ اور اپنے مضمون کو جہاں شیطان کی آنت کہدینے پر پیرا ماناہے وہاں اُس سے بڑھکر سوا شیطان کی آنت بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور ہندوستان کی عام زبان لکھنوی زبان اِس وجہ سے بتائی ہے کہ لکھنوی مراثی و نوحے جابجا پڑھے جاتے ہیں۔ اور دلّی والے مرثیہ گو نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ جن چیزوں کو سال بھر میں صرف دس دن گایا جائے اُس سے تو عام ہندوستان کی زبان لکھنوی بنجائے۔ اور جو غزلیات بارہ مہینے گلی کوچوں میں گائی جائیں اُن کا ملک پر کچھ اثر نہ پڑے۔ زمانہ جانتا ہے کہ ہندوستان بھر میں بجز شعرائے دہلی کے اور کسی جگہ کے شاعروں کا اس عام مقبولیت سے کسی جگہ کلام نہیں گایا گیا کہ ہر کہ و مہ گاتا ہو۔ مثال کے طور پر شعرائے حال میں ایک حضرت فصیح الملک بہادر داغ مرحوم ہی کا کلام ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور ہر محفل میں اسی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ مولانا صاحب بعض ایسی ہی بے معنی بات کہہ جاتے

ہیں کہ جس پر بے ساختہ یہ کہہ دینا پڑتا ہے کہ آپکی رائے و عقل دراصل لونڈوں کے سبق ہی تک محدود رہ گئی ہے۔ جب ہی تو آپ کو نہ لکھنؤ والے لکھنؤ کا طرفدار سمجھتے ہیں نہ دلّی والے کچھ خیال کرتے ہیں۔ پھر ایسا شخص جو جی میں آئے کہے جائے کون سنتا ہے۔

داستان اُردو

میرے نزدیک اب یہ بحث قریب قریب تمام ہندوستان میں طے ہو چکی کہ کہ ہندوستان کی زبان اُردو ہے۔" اگر ہندوستانی اسکو اپنی زبردستی سے نہ بھی تسلیم کریں تو وہ اسکو کیا کرینگے کہ تمام غیر ممالک اس امر کو طے کر چکے کہ "ہندوستان کی مادری زبان اُردو ہے" ایران۔ یا عرب یا روسی۔ یا چینی آدمی جب ہندوستان کے سفر کا قصد کرتا ہے تو وہ اپنی پہلی خواہش یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کی مادری زبان ٹوٹی پھوٹی آجائے اور وہ اس بنیادی خیال کو اُردو کی تحصیل پر ختم کرتا ہے ✦

اب چاہے کوئی اپنے گھر میں اس بات سے "من سمجھوتہ" کرے کہ ہماری مادری زبان اُردو نہیں ہے۔ لیکن اس دعوے کو کسی غیر ملک والے کے سامنے ثابت نہیں کر سکتا۔ جس طرح عطر کی کشید صندل پر کیجاتی ہے۔ اسی طرح اُردو عطر کی کشید میں زبانِ سنسکرت کا صندل صرف ہوا۔ اُردو اصل میں سنسکرت زبان سے ماخوذ کیگئی ہے اور یہی صنعت اُسکے لیئے امتیاز بخش ثابت ہوئی۔ اگر اُردو کے ڈھالنے کے لیئے سنسکرت کا سانچہ نہ لیا گیا ہوتا۔ تو اب تک کب کی اُردو فارسی میں شامل ہو کر نیست و نابود ہو جاتی۔ اور ہم آپ سب عجمی زبان کو اپنی مادری زبان تسلیم کر چکے ہوتے۔

کیونکہ ہمارے حاکموں کی زبان فارسی تھی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی زبان لوگوں کو خوشامد اور ضرورت سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔

اُردو زبان نے خود بخود پیدا ہو کر ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ اور یہ خود رو زبان ایسی نیو (سنسکرت) سے قائم ہوئی جسکو کوئی سیلاب نہیں بہا سکتا۔ مثل ہے کہ کھونٹے کے بل بچھڑا کودتا ہے۔ اُردو کی دہی میں سنسکرت کا ضامن ایسا مبارک

اُردو واقع ہوا کہ اُسکی جگہ بدلنا اب ذرا مشکل ہے۔

اسی تیس چالیس برس کے اندر انگریزی زبان کی بادصرصر کا ایک جھونکا ایسا آیا جس سے گمان غالب تھا کہ اُردو کا چراغ گل ہو جائے۔ لیکن اُردو نے اُس جھونکے سے اپنی روشنی میں اور اضافہ کر لیا۔

بہت سے انگریزی الفاظ اُردو میں شامل ہو گئے۔

اِس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان کی مادری زبان اُردو ہے اور وہ قدرتی پیدا ہوئی اور اُسکی قوت ایسی نہیں ہے کہ کوئی دوسری زبان اسکے مٹانے میں کامیاب ہو۔ پھر ایسی زبان کی خوبیوں کو خاک میں ملا کر موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کسی دوسری زبان کی حمایت میں اِس سے اختلاف کرنا ہندوستان کی بدقسمتی کی دلیل ہے۔

اب اِس جھگڑے سے آنکھ بند کر لو اور زبان اُردو کو دیکھو تو تمام ہندوستان کو ایک سخت مصیبت میں مبتلا پاؤ گے وہ یہ کہ اُردو زبان کی کم مائیگی سے اِس بات کے لوگ محتاج ہیں کہ اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک دوسری زبان تحصیل کریں تو علم کی دولت اُن کو حاصل ہو۔

بچہ کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ کو یہ فکر ہوتی ہے کہ اپنے فرزند کو عربی فارسی پڑھا کر مولوی صاحب یا انگریزی پڑھا کر پروفیسر یا ماسٹر یا سنسکرت پڑھا کر بدیارتی بنائیں فکر معاش سے اتنی مہلت اِس زمانے میں انہیں ملتی کہ علمی فائدہ رسانی کی غرض سے کوئی پڑھے لکھے بلکہ اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ آسانی سے روزی پیدا کرنے کا ذریعہ حاصل ہو جائے۔ اِس لحاظ سے کوئی انگریزی اسکول میں بھرتی ہوتا ہے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے ہونے کے بعد سرکاری ملازمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ سرکاری ملازمت جو آجکل ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ کے ڈگری یافتہ آدمی کے لیئے مخصوص ہو گئی ہے اب سے بیس برس بیشتر ایک معمولی فارسی۔ اُردو جاننے والے کو ملتی تھی۔ ملازمت کے صیغے تو اُتنے ہی ہیں جتنے پہلے تھے لیکن نوکری کرنے والوں کا گروہ زیادہ

ہوتا جاتا ہے۔

فارسی اور عربی بھی لوگ اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ کسی طرح طب پڑھکے حکیم صاحب بنکر چار پیسے کمائیں۔ تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جو مصیبت ہندوستان کے ہر فرد کے لیئے ہے وہ کسی دوسری سلطنت میں کسی فرد کے لیئے نہیں۔ یعنی اپنی مادری زبان کے علاوہ بھی وہ ایک دوسری زبان حاصل کریں (علمی غرض سے نہیں۔ بلکہ شکمی ضرورت سے) یہ اس لیئے کہ انکی زبان میں روٹی کمانے کے علوم کی کتابیں ہی نہیں کیمسٹری کی کوئی کتاب مبسوط اردو میں نہیں ہے نہ کہیں طب اردو کے مدرسے ہیں +

اردو میں اگر تمام علوم کا ذخیرہ جمع کردیا جائے اور اردو ہر علم کے مدرسے مکتب خانے کھل جائیں تو ہندوستان پر یہ مصیبت نہ پڑے کہ انکی عمر کا زیادہ حصہ غیر زبان کے سیکھنے میں صرف ہو کسی اردو پڑھنے والے کو آپ عالم نہیں مان سکتے اس لیئے کہ اردو کا خزانہ علم سے خالی ہے۔ اردو کے دعویدار دلی اور لکھنو والے ابھی تذکیر و تانیث کی گتھی کے سلجھانے میں مصروف ہیں اور لفظی مناقشہ سے انکو فراغت نہیں ملی۔

میرے نزدیک اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان میں علمی روح پھونکنے کی غرض سے اب بالکل میل جول سے کام کرنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کے معینہ قواعد زبان کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھنا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اس اختلاف کو مٹانا چاہیئے جس میں دلی اور لکھنو کے علاوہ ایک تیسرے اردو سیکھنے والے کو دلی یا لکھنو کی تقلید کے فیصلہ کرنے میں اپنا زائد وقت صرف کرنا پڑے۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے اختلافی الفاظ کو دونوں طرح جائز رکھکر زبان کی وسعت میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً جس طرح نقاب۔ بلبل۔ طرز۔ مذکر اور مؤنث دونوں طرح جائز سمجھے جاتے ہیں اور انکے لکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا اسی طرح فکر کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ یا یہ کہ دلی لکھنو کے اساتذہ سخن سے متنازعہ فیہ الفاظ پیش کرکے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور اس بات کی فکر کرنا چاہیئے کہ اردو میں علمی وسعت ہو ورنہ اردو زبان کی کم مائگی سے ہمکو سخت نقصان

اٹھانا پڑے گا ✦

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت سکرٹری انجمن اصلاح سخن لکھنؤ

لفظ مسیحا کی تحقیق

رسالہ کمال دہلی بابت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء ہماری پیش نظر ہے۔ حضرت شاد میرٹھی کے بیش بہا مختلف مضامین کا مجموعہ جس کا عنوان "زبان اردو کے متعلق خیالات پریشان" ہے پڑھنے کے بعد جی تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نمبر پر کچھ خامہ فرسائی کیجائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم ایسا زور قلم کہاں سے لائیں کہ حضرت شاد کی طرح دریا کو کوزہ میں بھر دیں اور معرکۃ الآرا مضامین پر دو حرفی فیصلہ صادر کردیں۔ اس صرف بحث متروکات میں سے لفظ مسیحا کی تنقید پر قلم اٹھاتے ہیں کیونکہ حضرت شاد کی قطعی رائے نے متقدمین و متاخرین فضلا میں سے تقریبا کسیکو غلطی کے بدنما داغ سے پاک نہیں رکھا۔ اور نہایت ناشکری ہوگی اگر ہم اپنے علم ادب کے محسنوں پر سے جنھیں اجہل و معنوی قرار دیا جاتا ہے اس زبردستی کے چھینٹے کو ہٹا دینے کی فکر نہ کریں اور تھوڑی سی قلمی خدمت سے پہلو تہی کرکے اپنی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکا لگا رہنے دیں۔ ساتھ ہی اسکے ہم مضمون نگار صاحب کی طبعی اختراعات کی داد دینی بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اگرچہ وطن اور بودوباش کے لحاظ سے اہل زبان نہیں ہیں لیکن تاہم زبان اردو کے ساتھ اس درجہ دلچسپی رکھتے ہیں کہ اصلاح و ترمیم اور تراش خراش فرماکر اپنے خیالی سانچے میں ڈھالنا اور جدید ایجادات عزیبہ کا مینہ برسانا چاہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں "اکثر شعرا غلطی سے اسے مسیحا لکھ جاتے ہیں حالانکہ الف ندائیہ کے ساتھ اسے بالکل حشو ہے۔ لفظ مسیحا میں الف ندائیہ دیکھ کر جو تعجب ہوا تھا۔ امید تھی کہ چند سطروں کے بعد لغوی دلائل و صرفی شہادتوں کے معائنہ سے رفع ہو جائیگا لیکن مکرر سکرر پڑھنے کا بھی جب نتیجہ نہ نکلا تو ہمارا تعجب اس لئے حیرت سے بدل گیا

کہ اتنا بڑا ادّعا اور بثبوت ندارد حضرت شاد رائے ظاہر کرتے وقت تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے نگاہِ غلط انداز لغات و قواعدِ فارسی پر بھی ڈال لیتے تو ہمیں اِس عبارت کے لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ افسوس کہ جناب کی ذراسی بے توجہی سے ناظرین رسالہ کے دل پریشان ہوئے ۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ لفظ مسیحا کے متعلق میری وہ تحقیق جو آیندہ ظاہر ہونے والی ہے قطعی صحیح ہے مگر علم اللسان و فن صرف کی معتبر شہادتوں صداقت و صحت کی مؤید ہیں اُمید کہ اساتذہ وقت اور اصحابِ علم جلد فیصلہ صادر فرما کر شکرگزاری کا موقع دیجیے۔

مسیح خواہ عربی زبان کا لفظ ہو یا عبرانی و سریانی کا قرآن مجید میں مسیح ہی آیا ہے فارسی والے مسیح اور مسیحا دونوں استعمال کرتے ہیں۔ بلحاظ استعمالِ فارسی لفظ مسیحا میں الف ندائیہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ حضرت شاد بھی اسی دھوکے میں آکر اسے متروک کر چکے ہیں اور ایک عالم کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن کو سوچنا چاہیے کہ یہ کوئی راجپوتانہ کا لفظ نہیں ہے جسکو اپنے خیالی سانچے میں ڈھالکر قبولیت عام کا تمغہ حاصل کرلینگے بلکہ فارسی و عربی لغات و قواعد میں تلاش کرنے کے بعد نتیجہ نکلے گا۔

لغات عربی و فارسی میں سے اِس وقت صراح۔ قاموس۔ موید الفضلا۔ کشف اللغات اور غیاث اللغات کو دیکھا گیا۔ قاموس اور صراح میں لفظ مسیحا کا نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اہل عرب کو اِس تصرف میں دخل نہیں۔ علاوہ ازیں عربی لٹریچر اسقدر بے باک بھی نہیں ہے کہ اہلِ عرب مقدس پیشوایانِ دین کو بے تکلف ہدفِ تشبیہ بناتے رہیں۔ اور ہر معمولی چکنی چپڑی صورت پاکر اُسکے لیے کسی نبی یا اُسکی مخصوص قدرت سے جو خدا نے اظہارِ صداقت کے لیے عنایت فرمائی ہے استعارہ کرلیا کریں۔ یہی سبب ہے کہ عربی ادب اِس قسم کی تشبیہات اور کنایات و مجازات سے قریب قریب محفوظ ہے۔

باقی کی تین کتابوں میں مسیح اور مسیحا دونوں لفظوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب لکھا ہے۔ اور عربی کی بعض دعاؤں اور حدیثوں میں بھی دجال کے ساتھ مسیح بکسرہ میم و تشدید سین وارد ہے۔ لیکن یہ ایسا فرق ہے کہ فارسی کی تحریر میں بغیر اعراب کے ادا نہیں

ہو سکتا اور زبان سے بھی تکلف و احتیاط کے ساتھ ادا کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ معمولی گفتگو یا عجلت کی تحریر میں اس کا امتیاز اہم ہے۔

تمام علماء و فضلاء اور اساتذۂ متقدمین و متاخرین فارسی نے نظم و نثر میں مسیحا بکثرت اور مسیح شاذ و نادر استعمال کیا ہے۔ اور بیشتر ایسے موقعوں پر لائے ہیں کہ جہاں ندا کی ہوا بھی نہیں پہنچی۔ تو کیا ایسی جگہ جہاں ندا کی ضرورت نہ ہو حرف ندا کا بیفائدہ لانا موزوں اور درست ہو سکتا ہے۔ اور کیا نظامی۔ جامی۔ حافظ۔ عرفی۔ جیسے اہل زبان۔ فاضل علامۂ عصر ایسی فاش غلطیاں مسلسل کر سکتے ہیں۔ انکے کلام تمثیلاً آخر مضمون میں ایک جگہ لکھے جائیں گے۔

غیاث اللغات میں الفِ مسیحا کی نسبت یہ عبارت ہے۔ "مسیحا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ بدانکہ در قرآن مجید لفظ مسیح واقع است۔ پس زیادت الف تصرف فارسیاں باشد از بہار عجم۔ و در رسالۂ معربات نوشتہ کہ مسیحا معرب مشیحا ست کہ بہ شین و خاء معجمہ باشد بمعنی مبارک در زبان سریانی۔"

بہرحال اضافۂ الف کے ساتھ تصرف فارسیاں مانا جائے یا معرب ہونے کے باعث مختار زبان کہا جائے موجودہ صورت میں لقب اور علم ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ کسی نے نہیں لکھا کہ مسیحا میں الف ندائیہ ہے یا اسکے ساتھ حرف ندا لگا کر مسیحا کو منادیٰ بنانا جائز ہے۔ یا الف ندا نہیں ہے تو غلط و ناجائز ہے۔ حضرت شاد کے فحوائے کلام سے ٹپکتا ہے کہ مسیحا میں الف ندائیہ کے سوا اور کوئی الف ہو ہی نہیں سکتا۔ لغات اور اساتذہ کے کلام کو چھوڑ کر اب ہم آپ کو قواعد فارسی کی سیر کراتے ہیں۔ الف ندا کا براہ راست صرف و نحو ہی سے تعلق ہے۔

احسن القواعد مولفہ مولوی نجف علیخاں صاحب اصلاح کردہ مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی پروفیسر بریلی کالج میں حرف الف کے اٹھارہ معانی و فوائد لکھے ہیں جن میں سے الفِ ندا کے سوا ایک الف تعظیم بھی لکھا ہے۔ اِسکی مثال میں لفظ طالبا درج ہے۔

مفتاح القواعد مولفہ مولوی محی الدین صاحب سابق اسسٹنٹ پروفیسر میور سنٹرل کالج

اکہ آبادمیں بھی الف تعظیم آخر اسمار و القاب میں بیان کیا گیا ہے مثال اسکی تھا نیا ہے۔

غیاث اللغات نے بحوالہ رسالہ معربات جو بحث مشیخا کی لکھی ہے ہم اسکی صحت اور غیر صحت سے بحث نہیں کرتے لیکن اصول صرف و کلام اساتذہ اور تحقیق اہل لغات کی مجموعی حالت پر غور کرنے سے ہمارا یہ خیال ہے کہ مسیح دجال کو بھی کہتے ہیں اور معمولی تلفظ میں اس کا فرق معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اور واقعی بات بھی یہ ہے کہ عربی الفاظ کا تلفظ معمولاً جس صحت کے ساتھ اہل عرب ادا کر سکتے ہیں دوسرے ملک والوں سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اہل فارس نے اس ذم و قباحت سے بچنے کے لئے بہ لحاظ ادب حضرت عیسیٰ بروے قواعد مسیح کے آخر میں الف تعظیم بڑھا دیا اور کثرت استعمال سے وہ الف مثل جزو اصلی کے ہو کر فصاحت اور روزمرہ میں داخل ہو گیا۔ اس الف ندا سے کچھ تعلق نہ کبھی ہوا تھا۔ نہ ہے۔ نہ ہوگا۔

حضرت شاد کو دھوکہ پر دھوکا یہ ہوا کہ حضرت فصیح الملک مرحوم کے اس شعر میں سے

علاج دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

مسیحا کے الف کو الف ندا کی مثال قرار دیدیا۔ گو اہل فارس اور شعرائے اردو کہیں کہیں مسیح بغیر الف بھی لکھ جاتے ہیں لیکن اس شعر میں مسیحا کا الف وہی الف تعظیمی ہے۔ اور حرف ندا محذوف ہے۔ یہ حسن کلام اور غایت فصاحت ہے۔ کہ حرف ندا کی ضرورت ہی نہ ہوئی محض بندش و ترکیب الفاظ سے خود بخود ندا پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ذرا غور کے ساتھ بار بار اس شعر کو پڑھئے تو میرے اس قول کا لطف اور شعر کی لطافت کا مزہ اٹھائیے گا کیونکہ جو کتابی اصول تھے وہ تو تحریر میں آ گئے۔ یہ لطف مذاقِ سلیم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ قدرتی شے ہے۔ زبان و قلم سے ادا کرنا سخت دشوار ہے۔

علاوہ ان باتوں کے عقل کبھی نہیں مان سکتی کہ صدہا برس سے ایک علماء کا عالم جس میں بڑے بڑے محقق فضلاے باکمال ہوتے رہے ہیں غلطی کرتا چلا آئے اگر وہ تمام بزرگوار جیسے اشعار تنقیدا کہتے ۔۔۔ الا ۔۔۔ معمولی غلطی کو بھی محسوس نہیں کر سکتے تھے تو انکی استادی اور انکی علم معلوم۔

مسیحا چونکہ فارسی کا مستعمل لفظ ہے لہذا ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ اہلِ فارس کا اِسکی نسبت کیا خیال ہے۔ یہ کوئی اُردو کا لفظ یا محاورہ نہیں ہے جسکو اہلِ ہند قرار دے دیں ہمکو دوسری زبان کے ایسے لفظ پر جسکو اُس زبان والوں نے بالاتفاق مان لیا ہو اور وہ رائج کر چکے ہوں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ اگر اہلِ عرب یا فارس اہل ہند کی زبان یا محاورے پر اعتراض کریں اور کسی صحیح لفظ کو غلط قرار دیں تو کون تسلیم کرسکتا ہے پس "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند"

اُساتذہ فارس نے لفظ مسیحا کی تصحیح یہاں تک کی ہے کہ اُس سے مسیحائی باضافہ یائے مصدری مصدر بنا لیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی معمولی آدمی کے نام کیساتھ الف ندا لگائیں اور اُس میں یائے مصدری لگا کر مصدر گھڑ لیں۔ ہرگز نہیں۔ جب یائی مصدری کے ذریعہ سے مصدر بنایا جاتا ہے تو وہ اسم صفت ہوتا ہے اُس میں کوئی معنی وصفی ضرور ہونے چاہئیں جیسے دلبر سے دلبری۔ رہنما سے رہنمائی۔ اہل فارس نے مسیحا کے تقویت میں اس درجہ ہمت صرف کی کہ ضرورتاً اسکی علمیت کو مٹا کر اسم صفت بنایا تاکہ تنکیری حالت پیدا ہو کر مصدریت کی لیاقت حاصل کرے۔ مگر ہمارے کرم پرور اُسے اب بھی نقش برآب سمجھتے ہیں۔ وسعت نظر اسی کو کہتے ہیں اور نظر عمیق اسی کا نام ہے۔ اب اُساتذہ اور شعرائے فارس کے وہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن میں لفظ مسیحا کا استعمال ہوا ہے۔ اِنکے ملاحظہ کے بعد ہمارے مکرم حضرت شاد فرمائیں کہ ان میں کونسا شعر ایسا ہے جس میں مسیحا کا الف ندا کے معنی دیتا ہے۔ اور کیا اَب بھی اسے مسیحا لکھنا جائز نہ ہوگا؟

نمبر شمار	نام یا تخلص	شعر
۱	غنی	دمِ جان بخش و تارنگِ حسرت ریخت در عالم زمہر آئینہ پیشِ نفس : یدم مسیحا را
۲	ہلالی	زان خط سبز و لب لعل گزشتن نتوان — گر بصد مرتبہ از خضر و مسیحا گزرم
۳	غالب	درد و شوق نیم تنگدل از بیم ہلاک — خضر این دشت زخوبی بہ مسیحا ماند

نمبر	نام یا تخلص	شعر	
۴	صائب	مرون بدرد عشق بدنیا برابرست	با زندگیٔ خضر و مسیحا برابرست
۵	"	از لطافت خارپای دل نمی آید بچشم	ورنہ سوزن از گریبان مسیحا میکشم
۶	حافظ	فیض روح القدس ار باز مدد فرماید	دگران ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد
۷	عرفی	لبت بخندہ مرامی کشند چہ بدبختم	کہ دادہ خوے اجل بخت من مسیحارا
۸	"	شہید اوکہ بود آب و رنگ یاقوتش	نہند خضر و مسیحا بدوش تابوتش
۹	ظہیر فاریابی	یادکردم از شہیدانِ کوکشتم زندہ دل	کشتۂ عشقِ تو اعجاز مسیحا میکند
۱۰	امیر خسرو	شمس آفاق خضر خان کہ بلطف جانبخش	ہر دمش معجزۂ خضر و مسیحا بینم
۱۱	نظامی	بہار و نیش خضر و موسیٰ دوان	مسیحا چہ گویم بہ موکب روان
۱۲	بدر چاچ	صبح برکتف بہوا نہ زند پارۂ زرد	دام جان بخش چو انفاسِ مسیحا آورد
	احمد جام	گرد مے یک نفسی فضل و عنایت برسد	طالبان بہتر از انفاس مسیحا بینند
	قاآنی	گفتمش اے ترک در لبان تو گوئی	رحلِ اقامت فگندہ است مسیحا
۱	"	فراز کنگر عالیش آستانِ کلیم	ہزار مرتبہ در پایہ از مسیحا بر
۱۶	افشار مندخان	عکسِ رخ ساقی سے ہوا جام جو روشن	خورشید یہ کانپا کہ مسیحا کو غش آیا
۱۷	مومن	تلخ کامی پر مجھے تجکو لب شیریں پہ ناز	آمرے جادو سے اعجاز مسیحائی ملا
۱۸	"	اعجاز جان وہی ہے ہمارے کلام کو	زندہ کیا ہے ہمنے مسیحا کے نام کو
۱۹	ذوق	تیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا لے کر	چپکے ہی بیٹھے رہے دم کو مسیحا لیکر
۲۰	رند	موت آئے یارب اس گلِ رعنا کے سامنے	حسرت ہے جان نکلے مسیحا کے سامنے
۲۱	زکی دہلوی	ہو گئے خاک رہِ شوق میں ہم	خضر ہو کوئی۔ مسیحا کوئی
۲۲	ناسخ	بات جو میرے مسیحا کی ہو اک اعجاز ہے	جان آجائے تنِ بیجان میں وہ اعجاز ہو
۲۳	داغ دہلوی	لب عاشقِ بیمار پہ کھولا نہیں جاتا	دم بند مسیحا کا ہے بولا نہیں جاتا
۲۴	"	تمھاری آنکھ ہے بیمار دل بیمار ہے اپنا	کسی کے ہم مسیحا ہیں کسی کے تم مسیحا ہو

اِس موقع پر ہم اپنے مکرم حضرت شاد سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اشعار نمبر ۲۳ و ۲۴ کو

پڑھنے کے بعد بھی آپ کو یہ دعویٰ ہوگا کہ حضرت داغ نے مسیحا کے الف کو ندائیہ مانا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ جناب موصوف نے اپنے مضمون میں حرف اور کی بحث کے متعلق حضرت فصیح الملک بہادر مرحوم پر بھی حملہ کیا ہے۔ چونکہ لفظ مسیحا کی بحث کو بہت طول ہو گیا ہے اور یہ بھی خیال ہے کہ غالباً متبعان حضرت فصیح الملک مرحوم میں سے کوئی صاحب اپنے فرض کو ادا کرینگے اِس لیئے بالفعل اُسکے متعلق میں اپنے خیالات کو روکتا ہوں۔ لیکن اتنا کہدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس "اَور" کی لطافت بھی طبع و مذاق سلیم سے تعلق رکھتی ہے ؂

سیّد محمود حسن ثاقب۔ رضوی دہلوی

مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قومیں

سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر گذشتہ

جرأت نہیں کرتے اگر شادی کر بھی لیں تو اُنکی اولاد اپنے آپ کو باشندۂ میلے یعنے مسلمان کہلاتی ہے جو اپنے بزرگوں یعنی قوم کیو بو سے سخت نفرت رکھتی ہے۔ سوماٹرا کی دیگر قوموں نے بھی گذشتہ چند سالوں میں مسلمان ہو کر اپنی اصلیت کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ پہلے جب وہ مذہب اسلام قبول کرتے ہیں تو میلے والوں کی عادات کی تقلید کرنے اور اُنکے قائم مقاموں سے عہدنامے کرنے کو بڑا فخر سمجھتے ہیں۔

اِس گروہ میں اندر گری۔ ادرنگ میک اور علاقہ لیمپونگ کی اورنگ انبگ قومیں بھی شامل کیجا سکتی ہیں۔ مگر سب سے مشہور بٹیک (جو اپنی نسل میں معزز گنے جاتے ہیں) گیوحس (جسکے حالات سنوک ہرگرونجی کی تاریخ انسان میں پائے جاتے ہیں) اورنگ لو اور کیو بو کی قومیں ہیں۔ جنھوں نے اب اپنے قریب رہنے والی مسلمان قوم بٹیک کی عادت و خصلت کو حاصل کر لیا ہے۔ موجودہ زمانے میں سوائے کیو بو کے یہ سب قومیں سوماٹرا کے اصلی باشندوں کی عادت و خصلت کے سیکھنے کے قابل نہیں ہیں اسلیئے

یہ ایک اچھا موقعہ سمجھنا چاہیئے کہ حال ہی میں مشرقی سوماٹرا کی ریاست سیاک کے جنگلوں میں ایک ایسی اصلی آباد شدہ قوم پائی گئی ہے جسنے ابھی تک غیر قوم میں اپنی رشتہ داری نہیں کی اسکو اورنگ سکھائی کہتے ہیں جسکو ۱۸۸۲ء میں ڈچ کے دو مصنفوں ونرجن ون الکیمیڈ اور ہیمنزون انروج نے دریافت کیا ہے مگر یہ دونوں مصنف نہ اِس قوم کے جنگلوں میں پھرے ہیں اور نہ ہی اِس قوم کی بستیوں کو دیکھا ہے کیونکہ جو سُنی سُنائی تاریخیں وہ ظاہر کرتے ہیں وہی خود سیلے والوں نے بھی بیان کی ہیں علاوہ بریں ڈچ کے دونوں مصنف اِن لوگوں کی نسبت بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں وہ اِن لوگوں کی صرف پانچ قومیں جنکو بٹن لیما کہتے ہیں ظاہر کرتے ہیں حالانکہ آٹھ ہیں جنکو بٹن ہین کہتے ہیں اور اُن سے وہ بالکل ناآشنا ہیں نہ انکو کسی قوم کا نام معلوم ہے اور جو نقشہ سرکاری طور پر بنا ہوا ہے اسمیں بھی ان قوموں کی رہایش کی غلط حدود ظاہر کی گئی ہیں۔ جو پانچ قومیں ڈچ مصنف نے ظاہر کی ہیں اُنکے نام بوسِن ہیں بٹن بیلیو۔ کیمپونگ کینڈس۔ بٹن ٹینگرں۔ کیمپونگ بنگیٹن۔ ہیں۔ یہ نام اُن دریاؤں کے نام سے اخذ کیئے گئے ہیں جن کے کناروں پر یہ قومیں آباد ہیں۔ لیکن بٹیں لیما کی قوم اس وجہ سے بٹن سلیپن کے علاقوں میں آباد ہوگئی ہے کہ وہ علاقے زیادہ تر سرسبز و شاداب ہیں اور بٹن سلیپن کے نام [1] بٹن میڈ جلیلو [2] بٹن پٹیانی۔ [3] بٹن سوئن برتوتو [4] بٹن سمونائی [5] بٹن سستیگر [6] کیمپونگ بنسل [7] بٹن برتو آسا اور [8] کیمپونگ لیو بو ہیں۔ چونکہ ان قوموں کے سرداروں کا لقب بٹن ہے اس لیئے انکو اورنگ بٹن کہتے ہیں اور سکائی انکے مقابلہ میں بہت حقیر مانے گئے ہیں اور بٹن سلیپن۔ اور بٹن لیما۔ قریبًا قوم نیوچی کے برابر ہیں جو عمومًا آسٹریلیا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر انکو سکائی ہی کہنا چاہیئے۔ یہ روکن کری کی حد پر آباد ہیں۔ یہ ملک (روکن کری) گذشتہ چھ سالوں سے ڈچ والوں کے قبضہ میں آگیا ہے۔ یہ قوم سکائی اب مسلمان ہوکر بالکل سیلے والوں سے مل جل گئی ہے۔ اور منڈا اسکائی سلطان سیاک (جو پچھلے سال راہی ملکِ بقا ہوگیا ہے) کی رعایا کہلاتی ہے۔

مشرقی سوماٹرا کا پتھریلا میدان قریبًا بہت گھنے جنگلوں سے چھپا ہوا ہے اور

انہیں دریاؤں اور نالوں کے ذریعہ سے بذریعۂ کشتی وار پار جاتے ہیں۔ مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قوموں میں سے جو قوم اس میدان میں سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ اورنگ اکٹ ہے جو ملک منڈاہیں پینیہ دریا کے کنارے پر موضع کیمپونگ پینیہ میں رہتی ہے۔ اِس گانو کے تمام مکانات دریا کے عین کنارہ پر لکڑی کے تختوں پر تعمیر ہوئے ہیں جو رسوں سے باندھ کر محکم کئے ہوتے ہیں۔ گھروں کی دیواریں درختوں کے ستونوں کی اور چھت خشک کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ہے۔ مگر چولھے میلے والوں کی طرح معمولی طریق کے ہیں۔ یعنی صرف لکڑی کا ایک چوگوشہ فریم مٹی اور راکھ سے لتھوپا ہوا جس پر تین پتھر باہم جوڑ کر کھانا پکانے کے برتن کا کام لیا جاتا ہے ان گھروں میں معمولی اسباب ہوتا ہے۔ یعنی صرف پتوں کی چند چٹائیاں۔ پھلوں کے خول کی چند بوتلیں۔ مختلف وضع کے چند چاقو۔ ایک بڑی چھری۔ لوہے کے چند برتن اور تھالیاں۔ اور مچھلی پکڑنے کے اوزار۔ یہ سب چیزیں قوم اکٹ کی اپنی ساختہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوسرے علاقے کے اُن چینی بساطیوں سے خریدکردہ ہوتی ہیں جو اقوام بت پرست میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اکٹ قوم کی کوئی چیز بھی اپنی ساخت سے نہیں ہے یہانتک کہ کپڑے بھی میلے والوں کے بُنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اوائل میں یہ قوم درختوں کے پتوں سے اپنا بدن ڈھانکتی تھی جو اصل میں سمندر کے کنارہ پر بستی تھی۔ اِس قوم نے ریاست بنکمکیلس کے اردگرد میلے والوں کے طریق پر اپنی بستیاں بنائی ہوئی ہیں۔

اقوامِ اکٹ میں سے دو قوموں نے ملک کے اندرونی حصہ میں بھی اپنی بستی بنا رکھی ہے یعنی پنلیہ اکٹ۔ اور سیاک اکٹ یہ دونوں قومیں ہیکیں بارو کے نزدیک سیاک کے بالائی حصہ پر بھی رہتی ہیں۔ قوم پنیہ نے ایک چھوٹی سے ندی سے اپنا نام اخذ کیا ہے جو منڈا کے بائیں جانب واقع ہے۔ چونکہ یہ قوم بالائی حصہ پہ آباد ہے اور ان مکانات کی تعمیر کے لیئے تختوں کا لیجانا دشوار ہے اِس لیئے یہ قوم دریا کے پانی کی بجائے اپنی جھونپڑیاں خشکی پر بناتی ہے جو انسانی زیست کے لیئے سخت خطرناک ہیں کیونکہ مٹی کے ڈھیر پر صرف ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا کر اُس پر ترچھی چھت ڈالی جاتی ہے۔ اور یہ جھونپڑیاں اسقدر

ننگ اور انکی سقف اتنی نیچی ہوتی ہے کہ پست قد کا آدمی بھی اُن میں سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ جھونپڑیاں ظاہری صورت میں مرغی خانوں کی ہم شکل نظر آتی ہیں۔ اسکے مقابلہ میں سیلوں کی قوم ویدا کی جھونپڑیاں اچھی ہیں۔

اِن جھونپڑیوں میں سے ایک جھونپڑی میں انسانی عقل کا ایک نہایت عمدہ اور مفید آلہ دیکھنے میں آیا ہے۔ یعنی لکڑی کی ایک پھکنی جسکی چوٹی پر ایک لکڑی کی سنگین اور دوربین۔ اور اُسی قسم کا بانس کا ایک ترکش (جو ملکا کی قوم اورنگ جیکین بھی استعمال کرتی ہے) جس میں برچھے رکھنے کے لیئے ایک نالی سی بھی ہوتی ہے اور اُن برچھیونکو سنبل الفار کی آب دیجاتی ہے۔

اورنگ جیکین اور اکٹ کی یہ باہمی عقلی موافقت تاریخ انسانی کی تلاش سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ پنیسہ کی قوم اکٹ کے چودہ آدمیوں کی پیمایش سے آٹھ آدمی اورنگ جیکین کی طرح اصلی قد و قامت کے پائے گئے ہیں یعنی ہر ایک بہت ہی پست قد کا مابین ۱۴۳ و ۱۵۳ انچ کے اور بال نہایت ستھرے مگر سر شکاری کتے کے سر کی طرح جس کا چکر ۸۰ سے ۹۰ انچ کا ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ ششدر کرنیوالی اُنکی عام صورت ہے۔

پنیسہ قوم کے چار آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں جن کے قد بہت طویل اور سر کے بال موج دریا کی طرح ادھر اُدھر بکھرے ہوئے یہ صورت قوم سکائی کی عورتوں کے ساتھ قوم اکٹ کے مردوں کی شادی ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ پنیسہ اکٹ قوم اصل میں ٹینج پنیسہ تھی جس نے اپنی بستی چھوڑ کر قوم سکائی کی بستیوں میں آبادی کرلی۔ جیسا کہ پہلے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض اکٹ آدمیوں نے اپنے ہاں کی قلت عورات کے سبب قوم سکائی کی عورتوں سے شادی کرلی ہے جو اپنی قوم کی پُرانی بستیوں میں آباد تھے جسکی بقا بہن خود قوم اکٹ کے آدمیوں کی زبانی بھی ہوتی ہے مگر اخیر بھی دو آدمی مختلف وضع کے پائے گئے ہیں۔

(باقی آیندہ)

اودھم سنگھ سردار۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ امرتسری

بدنصیب گائے

او فتنہ ساز دیکھ جفا کاریاں نہ کر
مجھ بے گنہ کے قتل کی تیاریاں نہ کر
مجھ سے دمِ اخیر یہ عیاریاں نہ کر
مَیں گاؤ بے زباں ہوں ستمگاریاں نہ کر
قصاب کے سپرد نکر مجھ غریب کو
دم توڑنے دے اپنے ہی گھر بدنصیب کو

میرے لہو میں ہاتھ نہ بھر کینہ ساز تو
پھیلا نہ اتنا دامنِ صد حرص و آز تو
بیکس پہ کر نہ دستِ تعدّی دراز تو
نیکی بدی کا سوچ نشیب و فراز تو
خواہاں نہ ہو تو ظلم رسیدہ کی جان کا
انسان ہے تو صبر نہ لے بیزبان کا

سامان قتل کا نہ مرے ناسپاس کر
خدمتگذاریوں کا مری کچھ تو پاس کر
دل میں ذرا خیال تو ناحق شناس کر
ہیں بھی تو جان رکھتی ہوں آخر۔ قیاس کر
تو مرتے دم جواب نہ دے خانہ زاد کو
صدقے میں اپنے چھوڑ دے مجھ نامراد کو

کیوں زار و ناتوان کے پیچھے پڑا ہے تو
کیوں ہاتھ دھو کے جان کے پیچھے پڑا ہے تو
کیوں صید بے زبان کے پیچھے پڑا ہے تو
دو دن کے میہمان کے پیچھے پڑا ہے تو
تو اپنے سر بُرائی نہ لے مجھ کو مار کر
تیرِ ستم نہ میرے کلیجے کے پار کر

بیچل نہ چوک میں مجھے نیلام کے لیئے
تو کوششیں نہ کر مرے آلام کے لیئے
کیا تیرے دل میں رحم نہیں نام کے لیئے
لیتا ہے جان کیوں طمعِ خام کے لیئے
کیوں کان دھر کے تو نہیں سنتا فغان میری
نقش بر آب ہو گئیں سب نیکیاں مری

گردن پہ اپنی خون نہ لے بے گناہ کا
کچھ تو خیال کر مرے حالِ تباہ کا
اُلٹا بلائے جاں نہ ہو مجھ خیر خواہ کا
ظالم ستم بھی اچھا ہے۔ بس راہ راہ کا
مجھ کو نہ مار کشتۂ رنج و تعب ہوں میں
پیری میں فرطِ ضعف سے خود جاں بلب ہوں میں

کیوں بے کسی میں ساتھ مرا چھوڑتا ہے تو
کیوں مجھ فلک زدہ پہ ستم توڑتا ہے تو
کیوں میری التجاؤں سے مُنہ موڑتا ہے تو
کیوں اور بھی نصیب مرے پھوڑتا ہے تو
کیوں خاک ڈالتا ہے وفاؤں پہ تو میری
سب خدمتوں کو بھول گیا کیسہ جو میری

مندرجۂ بالا نظم منشی مہاراج بہادر صاحب برقؔ دہلوی کی تصنیف سے ہے آپنے عاشقانہ رنگ کے علاوہ اس نیچرل نظم میں جو خوبیاں پیدا

لالچ میں پڑکے اپنے نہ کھو ہوش - یاد کر
میری وفائیں زود فراموش - یاد کر

برسوں کیا ہے دودھ مرا نوش - یاد کر
پہلے یہی تھا تیرا تن و توش - یاد کر

پی پی کے میرا دودھ ہوا شیر اسقدر
پیاسا ہے خون کا مرے اندھیر اسقدر

دیکھ اپنے منہ کو - اپنے گریباں میں ڈالکر
اتنا بڑا کیا ہے تجھے میں نے پال کر

میں تیری ماں ہوں لیں ذرا تو خیال کر
بہتر ہے اپنے ہاتھ سے مجھ کو حلال کر

لیکن مجھے نہ بیچ قصائی کے ہاتھ تو
اتنا دم اخیر تو دے میرا ساتھ تو

تو میری نیکیوں کا ذرا دل میں کر شمار
برسوں پلائی ہے تجھے امرت کی میں نے دہار

کڑیاں اٹھائیں لاکھ - سہیں سختیاں ہزار
ہونے دیا نہ تجکو کسی طرح زیر بار

ہر روز صبر و شکر سے کھا کر بھلا برا
رکھا ہے نعمتوں سے ترا گھر بھرا پرا

بے عذر کھائی تو نے کھلائی جو خشک گھاس
جیسا ملا نصیب سے پانی - بجھائی پیاس

اسپر بھی رنج و غم کو پھٹکنے دیا نہ پاس
ہر وقت میں تو تیری مناتی رہی ہوں آس

افسوس محنتوں کا ملے یہ صلہ مجھے
اب بھی ترے ستم کا نہ ہوگا گلہ مجھے

بچوں نے میرے تیرے لیئے ہل چلائے ہیں
انکے ہی دم سے کھیت ترے لہلہائے ہیں

کندھوں پہ اپنے آہ منوں بوجھ اٹھائے ہیں
القصہ ہر طرح وہ ترے کام آئے ہیں

پھر بھی تو ان پہ رحم نہ کھایا کسی طرح
محسن کشی سے باز نہ آیا کسی طرح

اب میں ہوئی ضعیف تو صورت سے عار ہے
اک جانِ ناتوان تری گردن پہ بار ہے

مجھ خاکسار سے ترے دل میں غبار ہے
میں کیا ہوا ابھی اب تو مری ناگوار ہے

معذور دودھ دینے سے جو آجکل ہوں میں
بے موت بے بسی سے شکار اجل ہوں میں

کیا تیرے ہاتھ آئیگا اب بیچکر مجھے
بیفائدہ کا پہنچے گا الٹا ضرر مجھے

لے لیگا مول کوئی قصائی اگر مجھے
جینا نہ چھوڑے گا کبھی بیداد گر مجھے

لے جائیگا وہ مجکو کمیلے میں گھیر کر
تڑپائے گا گلے پہ چھری پھیر پھیر کر

تجھ سے بصد نیاز ہے یہ التجا مری
دل سے بھلا نہ اپنے گزشتہ وفا مری

گردن بلا میں تو نہ پھنسا بے خطا مری
میں جاں بلب ہوں تو لے دعا مری

قصاب کی چھری سے جو مجھکو بچائیگا — پوتوں پھلیگا اور تو دودوں نہائیگا

برق دہلوی

رباعیات

(سنسکرت اشلوکوں کا ترجمہ)

جناب لالہ سورج نراین صاحب مہر دہلوی سے کون ہے جو واقف نہیں آپ تصوف میں اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتے ہیں آپ کی تصنیف سے ایک دیوان موسوم کلام مہر ہو چکا ہے۔ آپ کا نظم کلام تمام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم انکی تازہ تصنیفات سے چند قابل قدر رباعیاں ناظرین کی ضیافت

کام آئے گی خیرات جو کر جائے گا — خیرات سے گھٹ نہ زرا زر جائیگا
پیاسا پانی جو پی لے دریا سے مہر — پانی دریا کا کیا اتر جائے گا؟

ایضاً

تحصیل کیا تو ہے تحفظ کا خیال — محفوظ رہا تو صرف کا ہے جنجال
آنے میں بھی رنج اور جانے میں بھی رنج — لعنت تجھ پہ ہزار لعنت اے مال

ایضاً

کیوں خوفِ اجل سے دل ہے تیرا بیکل — کیا خوف زدوں کو بخش دیتی ہے اجل
مرنا برحق ہے مہر مرنا برحق — گر آج نہ بچے تو دوسرا دن ہے کل

ایضاً

جس شخص نے موت کو فنا مانا ہے — اے مہر وہ شخص محض دیوانہ ہے
دروازۂ زندگی ہے مرگ اے غافل — اس در سے تجھے اور کہیں جانا ہے

ایضاً

جس طرح کہ مہر چھوڑ کر رخت کہن — کر لیتے ہیں ہم جامۂ نو زیب بدن
کرتی ہے حلول اور جسموں میں روح — ہو جاتا ہے کہنہ جب یہ جامۂ تن

ایضاً

کیا فکر بیش و کم سے پھل پائے گا — جو مہر مقدر میں ہے مل جائیگا
لٹکائے جا کنوئیں پہ یا دریا پر — پانی تو بقدر ظرف ہی سکے گا

ایضاً

سعی و تقدیر تو ہے اپنی اپنی — لیکن ملتا ہے جو مقدر ہے وہی
لے مہر سمندر میں لگا کر غوطہ — کوڑی لاتا ہے کوئی موتی کوئی

(باقی آئندہ)

سورج نراین مہر دہلوی

اُصول شاعری

وجدانِ صحیح سے یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علوم و فنون اور ہر وہ چیز جس کا تعلق دل و دماغ اور خیال سے ہے اگر صحیح پیمانہ پر استعمال کیئے جائیں اور اُنکے وجوہ تعلق ترکیب۔ انضباط۔ اور ترتیب و تفہیم وغیرہ میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ تو اُنکے اثرات کا وجود طبیعی قوت سے بھی کہیں بڑھا ہوا رہتا ہے اور اگر اُنکے استعمالات میں صحت و سقم کا لحاظ نہیں ہے۔ اور رطب و یابس اشیاء کے وجود سے بھی وہ معرّا نہیں ہے تو اُن کا تاثر بھی کسی خاص پہلو سے متعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ حسب استعداد فاعل و انفعال اُس کے اثر کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔

پس تکمیل علوم و فنون اور اُنکے اثرات کو نام بنانے کے لیئے ضرورت ہے اُن کے صحیح و درست استعمال کی اور عمدہ ترتیب و تعلق کی تاکہ وہ اُنکی وجہ سے سقم کی حدود سے نکل کر صحیح کہلائیں اور اُن کا اثر بھی کامل طور پر ظاہر ہو جاوے۔

اُوپر کے مختصر الفاظ علاوہ دیگر علوم و فنون کے خصوصیت سے اُصولِ شاعری پر نظر ڈالتے ہیں۔ شاعری اپنی اُن خصوصیات کے لحاظ سے جو اُس میں خمیر یا طبیعت کی طرح داخل و حلول کئے ہوئے ہیں۔ جسقدر مشکل اور دشوار تر فن ہے۔ اُس سے وہ کامل الفن اور کہنہ مشق اصحاب اچھی طرح واقف ہیں۔ جنھوں نے برسوں استادوں کی خدمت میں رہ کر اور اپنی محنت کو انتہا مدارج پر پہنچا کر کچھ حاصل کیا ہے۔ لیکن موجود وقت کی شاعری کا عنصر جن خصوصیات پر مبنی ہے اُن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فن حقیقت میں اتنا مشکل نہیں ہے جسقدر کہ لوگ اسکو سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ایک متعلمی معاصر کا خیال ہے کہ شاعری کے لیئے علوم و فنون کی تحصیل لازمی نہیں ہے۔ بلکہ کافی مشق بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر طبیعت اچھی ہے تو زیادہ مشق کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال جس حد تک صحیح ہے اُس کا اندازہ صرف کملاءِ فن کر سکتے ہیں۔

موجودہ وقت کے حشرات الارض شاعر۔

ہمارے نزدیک شاعری جن مخصوص ارکان اور اصول کو اپنا جزو جسم بنائے ہوئے ہے اُن کا اکثر حصہ وہ ضروری علوم ہیں جن سے انسان شرف و بزرگی اور علم کا پتلہ بن سکتا ہے اور جن کے مبادی گویا اصول علوم ہیں۔

فن شعر کے علاوہ جسقدر اور علوم و فنون ہیں اُنکے لیئے واضعان فن نے کثیر الوجود قوانین کو ضبط کر دیا ہے۔ جن کے حصول سے انسان کامل الفن بن سکتا ہے۔ لیکن فن شعر علاوہ اس خاص امر کے صحت ذوق اور طبع سلیم کی ضرورت سے بھی معلوم نظر آتا ہے۔ جو شخص ذوقِ سلیم اور طبع وقاد نہیں رکھتا وہ فن شعر میں ہرگز کامل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ استاد مرحوم و مغفور فرماتے ہیں ؎

سچ ہے یہ بات کہ ہوتی ہے طبیعت اُستاد دین اللہ کی ہے جبکہ یہ نعمت ہو عطا

فن شعر کی عظمت دیکھتے ہوئے یہ خیال بالکل غیر وقیع ہو جاتا ہے کہ شعر گوئی کے لیئے حصول علوم کی کوئی ضرورت نہیں۔ شعر گوئی میں جسقدر باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ وہ اُنکی وقعت کا لحاظ رکھتے ہوئے علوم کے وہ خاص حصص ہیں۔ جن پر کاحقہ واقفیت کا اطلاق باقاعدہ حصول سے قبل نازیبا اور بیجا ہے۔ شاعری اور اُسکے حسن و قبح پر واقف ہونے کے لیئے اُن خاص اُصول کی ضرورت ہے جو ذیل میں مختصراً تفصیل وار درج کئے جاتے ہیں۔ اور جن کے جاننے سمجھنے اور کامل طور پر جانچنے کے لیئے ضرورت ہے ذوق سلیم کی جس طرح شاعر اور سخن پرست شعر کی عظمت و تاثر سے واقف ہیں اسی طرح اُن کو اُسکے اصول سے محبت رکھنی چاہیئے۔ اس لیئے کہ بغیر اصول کے کوئی چیز وقیع نہیں ٹھیر سکتی اور جس چیز کے اصول نہوں اُسکی ترقی ناممکن ہے۔

فن شعر کی عظمت سے متعلق شعرا و کملا کے مختلف خیال ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ درد رسیدہ لوگوں کا کلام جو خاص طور پر مؤثر دل سے نکلتا ہے اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ مشتاق لوگ ایسے شخص کے کلام کو بیچارے سے لے کر پڑھتے ہیں اور ذوق اُٹھاتے ہیں۔ پس جس شخص کا دل چوٹ کھایا ہوا نہ ہو یا عشق و

و محبت سے اُسکے دل و دماغ خالی پڑے ہوں اُس کا کلام بے لطف ہوگا۔ لوگوں کو اُسکے پڑھنے میں مزا نہیں آسکتا۔

بعض کا خیال ہے کہ شعر میں اثر پیدا ہو جانے کے لیئے ضرورت ہو اُن سچے واقعات کی جن کا وقوع ممکن ہو۔ اور جس میں [illegible] زیادہ مبالغہ اور ناممکن الوقوع۔ و محالات سے احتراز ہو۔ اگر خلاف [illegible] ہو سے معرا ہے تا فیر اُس سے کوسوں دور ہے

بعض اِس طرف راجع ہیں کہ شعر کا تاثر وسعتِ خیال اور دنیا کے اہم تعلقات منقطع ہو جانے پر موقوف ہے۔ جس شخص کی خیالی قوت اعلیٰ درجے پر پہنچی ہوئی ہو اور ساتھ ہی دنیا کے تعلقات بھی اُس سے غیر متعلق ہوں اُسکے اشعار تیر و نشتر جیسے اثر میں ڈوبے ہوئے ہونگے۔ پڑھنے والے جھوم جھوم کر اُن سے دل چسپیاں اُٹھائیں گے

مذکورہ بالا اقوال کی صحت و عدم صحت سے ہمیں بحث نہیں۔ ناظرین کا ذوق سلیم اور طبیعت رسا خود فیصلہ کریگی۔ البتہ اتنا کہنا ضروری ہے کہ شعر کی اچھائی یا موثر ہونے کے لیئے صرف ایک ہی خیال کا مطیع و منقاد ہو جانا اور اُسی میں کمالِ فن کا حصر کر دینا بہت کچھ بعید ہے۔ سچے واقعات یا ناممکن الوقوع امور پر اثر کا انحصار غلط ہے چنانچہ اِس خصوص سے متعلق کسی کا شعر ہے۔ ؎

در شعر مپیچ و در فن او　　　چوں اکذب اوست احسن او

غرض یہ کہ مذکورہ بالا اقوال کچھ زیادہ قابل وقعت نہیں اور ان سب کے لیئے ایک ایسی خاص چیز کی ضرورت ہو جسکی وجہ سے یہ تمام اقوال بھی صحیح ہو جائیں اور علیحدگانہ بھی وہ ایک قابلِ قدر اور شاعری کے لیئے جزو لاینفک قرار پائے۔

اب ذیل میں ہم اُن اصول کا ذکر کرتے ہیں جو شاعر کو بحیثیتِ شاعر ہونے یا شعر کہنے کے نہایت ضروری ہیں اور جن کا لحاظ کیئے بغیر شعر کا حسن و قبح معلوم ہونا دشوار تر ہے۔ اُمید ہے کہ نو مشق اصحاب سے لیکر کملا و فن تک اِن اصولِ ضروری کا لحاظ فرما کر شعر لکھا کریں تاکہ شاعری کا وہ عنصر جسکی وجہ سے وہ بیچاری نہایت کمزور اور اُس کا لٹریچر غیر موقع ہو گیا ہے۔ اصلاح پذیر ہو جائے ÷

(۱) بندش کی چستی۔ شعر میں جب تک لفظوں کی بندش چست نہ ہو شعر میں مزا نہیں آتا ترکیب کی چستی شعر میں لطف پیدا کر دیتی ہے۔ ترکیب کی سستی شعر کے حسن کو مٹا دیتی ہے شعر اچھا ہو معنی خیز ہو لطیف استعارات وکنایات سے بھی مملو ہو لیکن بندش سست ہو ہرگز پورے لطف کا شعر نہیں ہے۔ شاعر کی طبع ونقاد کے لیئے بندش کی سستی نہایت بُرا عیب ہے حرف گرنا دبنا یا اپنی اصلی آواز سے متغیر ہو جانا بندش کو سست کر دیتا ہے اور علمِ فصاحت میں یہ بہت بُرا عیب ہے +

حروفِ علت اگرچہ علمِ عروض میں ارکانِ بحر سے خارج ہیں اور اوزان میں اُن کا لحاظ وشمار اکثر لوگوں کے نزدیک ناجائز اور غیر ضروری ہے لیکن اُن کا گرنا و دبنا یا اصل مخرج سے غیر طریقہ پر ادا کیا جانا بھی عیوب میں سے ہے۔ حروفِ علت اگرچہ فارسی وعربی الفاظ کی ترکیب میں بلکہ استعمال ہوں مگر ایسی صورت میں بھی اُن کا گرنا دبنا ہر طرح سے ناجائز ہے

چست بندش ہو نہ ہو سست یہی خوبی ہے وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دیا

(۲) تعقید و گنجلک۔ شعر کی ترکیب کے الفاظ کچھ ایسے بے ربط ہوں جن سے شعر کا سمجھنا دشوار ہو جائے یا الفاظ کی تقدیم وتاخیر سے شعر کی ترکیب وترتیب میں فرق پڑ جائے اسی کو "تعقید و گنجلک" کہتے ہیں۔ تعقید کی صورتیں مختلف ہیں جس تعقید میں شعر کے پڑھنے والے کو پریشانی اُٹھانی پڑے اور شعر آسانی سے سمجھ میں نہ آئے وہ بہت بُری تعقید ہے۔ مثلاً مصرعہ اولیٰ وثانی میں کسی خاص چیز کا ذکر مقصود ہو لیکن وہ ایسے متفرق الفاظ میں بیان کیجائے کہ جسکے حروف دونوں مصرعوں میں تتر بتر ہوں اور مشکل سے سمجھ میں آئیں اور صاف طور پر اُس چیز کا اظہار نہ ہو اس قسم کی تعقید ناجائز ہے۔ البتہ وہ تعقید جس میں کوئی لطیف اشارہ مضمر ہو باعث خوبی ہے اور بحیثیت صنائع لفظی ومعنوی جیسی اسکی صورت ہو احسن تعقید ہے + ؎

گرچہ تعقید بُری ہے مگر اچھی ہے کہیں ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا

گنجلک کنایہ کا وہ حصہ ہے جس میں اعلیٰ قسم کا کنایہ بوجود دشواری سے سمجھ میں آوے۔ صراحت

الف وصل اگر تقطیع دبحر میں گر جائے تو اُساتذۂ حال کے نزدیک ناجائز نہیں ہے کیونکہ الف وصل حروف اصلی میں شمار نہیں کیا گیا ہے
رفیق

گنجلک کی ضد ہے۔ وہ کنایہ جس کا سمجھنا آسان ہو۔ پہلو پر ہو گنجلک سے بدرجہا اچھا ہے۔

گنجلک اول تو خود شاعر کو ناگوار معلوم ہوتی ہے دوسرے پڑھنے والے کو بھی بہت بڑی تشویش میں ڈال دیتی ہے اور پھر اس تشویش میں شاعر کا اصل مفہوم ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور شعر کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

غرض گنجلک شعر کی خوبیوں کو مٹا دیتی ہے اور شاعر کو اس مفہوم و معنی خیز مضمون کو جو اُسنے بہت سی کاوشوں سے پیدا کیا ہے مٹی میں ملجاتا ہے اِس لیئے ضروری ہے کہ شاعر لوگ شعر میں گنجلک سے بچنے کی کوشش کیا کریں اور شعر کے مطلب کو فی ذہن الشاعر کے مفہوم سے بچائیں۔ س

جس میں گنجلک نہو تھوڑی اچھی احت ہوئی وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولی

(۳) متروکات کا لحاظ۔ زبان ہر قرن اور ہر زمانے میں جداگانہ پہلو اختیار کرتی رہتی ہے پس جو الفاظ گزشتہ زمانے میں استعمال کیئے جاتے تھے اور اب زمانہ حال میں اُنکی جگہ دوسرے اچھے الفاظ استعمال کیئے جانے لگے ہیں تو شعراء حال کو موجود الوقت الفاظ ہی استعمال کرنے چاہیئیں۔ متروک الفاظ استعمال کرنا شاعری کے خلاف ہے چھوڑے ہوئے الفاظ پچھلے لوگوں کی زبانوں پر زیادہ مزے دیتے تھے شعراء و فصحاء حال کے نزدیک یہ الفاظ اس وقت فصاحت میں داخل نہیں ہیں۔ ش

ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا

متروکات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیئے اہل دہلی و لکھنؤ کے رسائل دیکھنے چاہیئیں

(۴) ایطاء۔ ایطاء چند قسم پر ہے۔ بعض اقسام عیوب میں داخل ہیں اور بعض صنعت ہیں۔ ایطاء اسکو کہتے ہیں کہ ایک شعر یا مطلع میں ایک ہی قافیہ ایک ہی معنی میں مکرر استعمال ہو اور اسکی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) قافیہ کا پورا لفظ دونوں مصرعوں میں ہم معنی ہو انکو ایطاء جلی کہتے ہیں اور یہ بالکل ناجائز ہے۔

(۲) ایک ہی لفظ قافیہ اور روی دونوں میں مشترک ہو یعنی ایک جز قافیہ میں شمار ہو

اور دوسرا جز ردیف ہیں جیسے اِس شعر میں۔

داغِ الفت خزینہ ہو جائے　　　　تو میسّر دفینہ ہو جائے

بری۔ دری کے قافیہ میں آخری قافیہ ہے اور نہ ہو جائے ردیف۔ خزینہ اور دفینہ کا اول حصہ قافیہ ہے اور دوسرا جز ردیف میں شامل ہے۔ اِس قسم کا ایطاء اساتذہ کے نزدیک غزل میں ایک دفعہ اور قصیدے میں تین مرتبہ جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ ایطاء جلی جسکے معنے آوپر بیان ہوئے ہیں۔ اور جسکی دوسری تعریف یہ ہے کہ آخری قافیہ کے حرف روی اصلی کو دور کر دیا جائے تو شعر کے دونوں قوافی کے باقی الفاظ بامعنی رہیں۔ اسکے علاوہ ایطاء کی بہت سی اقسام ہیں لیکن کملاء فن کے نزدیک سب میں بُری ایطاء جلی ہے اِس سے شعراء کو بچنا چاہیے۔ ؎

گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے　　　　وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں کُھلے بے معنی

(۵) **قوافی کی پابندی**۔ قافیہ کی بحث ایک مشکل بحث ہے۔ قافیہ میں حرفِ روی کا خیال رکھنا ضروری ہے قوافی کی صحت اول تو ذوقِ سلیم پر مبنی ہے دوسرے باقاعدہ حرکات و سکنات کا لحاظ رکھنے پر موقوف۔ اکثر شعراء قافیہ کی بحث سے ناآشنا ہیں۔ اور یہ ایک نہایت کارآمد و ضروری چیز ہے کیونکہ صحت شعر کی بناء قافیہ پر ہے اگر قافیہ صحیح نہیں ہے شعر کی صحت غیر معتبر ہے۔ چونکہ یہ بحث ذرا طوالت پسند ہے اِس لئے ہم کسی دوسرے وقت اُسکو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

(۶) **حشو و زوائد**۔ حشو و زوائد سے شعر کا پاک ہونا شاعر کی کہنہ مشقی پر دلالت کرتا ہے حشو و زوائد الفاظ سے شعر کا وہ حسن جاتا رہتا ہے جو خاص بہ چیدہ الفاظ کی ترکیب سے پیدا ہو جانا چاہیے تھا۔ جو شخص طبعِ سلیم اور ذوقِ صحیح لیکر پیدا ہوا ہے حشو و زوائد سے اُسے طبعًا نفرت ہو جاتی ہے۔

عام طور پر حشو و زوائد کا صدور آورد میں ہوتا ہے جن لوگوں کی طبیعت میں آمد ہے اُنکے اشعار حشو و زوائد سے اکثر پاک ہوتے ہیں۔ اس قسم کا حشو جو معنی میں کچھ لطف نہ پیدا کرتا ہو اُردو میں بھرتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شعر میں بھرتی کے الفاظ سے شعراء کو

احتراز واجب ہے۔ ؎

شعر میں حشو و زوائد بھی بُرے ہوتے ہیں ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا

(۷) تکثیر اضافت و عطف۔ ایک مصرعہ میں متواتر اضافت یا عطف جبکی تعداد تین سے متجاوز ہوجائے ناجائز ہے۔ اضافت و عطف بُری چیز نہیں اور جائز طریقہ پر ان کا استعمال ہونے سے شعر کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ لیکن متوالی طریقہ پر استعمال کیے جانے سے لطف ہی جاتا رہتا ہے۔ شعرا کو اس سے بھی احتراز لازم ہے ✣

(۸) شتر گربہ۔ غزل کے اشعار میں یا قصائد و رباعی و مخمس میں چند متوالی اشعار کے ضمن میں متکلم و مخاطب اور غائب کے صیغوں کا مختلف ہونا شتر گربہ ہے مثلاً ایک مصرعہ میں یا قصیدے کے دو یا تین متوالی مصرعوں میں ایک جگہ تم ہو اور دوسری جگہ تو یا اول میں آپ اور دوسرے میں خود ہو اس قسم کے الفاظ کے استعمالات کو شتر گربہ کہتے ہیں اور یہ ناجائز ہے۔ زمانہ حال کے اساتذہ نے اسکو خلاف اصول شاعری قرار دیا ہے۔ مگر اب سے دُور اس قسم کے استعمالات عیوب میں داخل نہ تھے۔ مگر ترقی زبان اردو کے ساتھ کملائے فن کے نزدیک ایسے استعمالات بھی قابل ترک شمار کیئے گئے ہیں استاد مرحوم و مغفور فرماتے ہیں۔ ؎

ایک مصرعہ میں ہو تم دوسرے مصرعہ میں ہو تو یہ شتر گربہ ہوا میں نے اِسے ترک کیا

(۹) واقفیت علم عروض۔ اردو میں عروض کی چند بحریں مشہور و متعارف ہیں ان کا سیکھنا بھی شعر گوئی کے لیئے ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے عروض کے ارکان افاعیل وغیرہ سے علاوہ دوسری قسم کے ارکان تجویز کیئے ہیں۔ لیکن وہ ایسے ناتمام ہیں کہ تمام بحوروں میں پورے طور پر آجانا ناممکن تھا۔ آنشار مرحوم نے بھی اک دفعہ یہ کوشش کی تھی لیکن عربی کے مقابلہ میں اِس قسم کی تمام کوششیں ناکامیاب رہیں۔

اردو میں عروض سے متعلق جو بحور رائج ہیں انکو ہم کسی دوسرے موقع پر علم عروض کی شرح سے تحریر کرینگے حسن و قبح کی جانچ تو اِس فن میں نہایت مشکل امر ہے لیکن مذکورہ بالا اصول کا لحاظ رکھنا شاعر پر ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ اِن اصول کے علاوہ اور بھی

اُصول ہوں جو اِس وقت میرے ذہن میں موجود نہیں ہیں۔لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اِس قسم کے اُصول کا مآل و ماحصل صرف مذکورہ اُصول ہی پر منتہی ہوتا ہے اس لحاظ سے شاعر کو اُنکی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

شاعری ایک ایسا وسیع میدان ہے جس میں دنیا کی بہترین سے بہترین اشیا اور خراب سے خراب چیزیں دونوں قسم کا مواد جمع ہے۔جو شخص اِس میدان میں گزرتا ہے وہاں سے چیزیں نکالنے اور حاصل کرنے پر اُسکی استعداد اور قابلیت کا اندازہ دیکھا جاتا ہے۔اگر اچھی طبیعت پائی ہے اور اُصول اور نکات راہ سے واقف ہے تو گوہر آبدار ہی تلاش کرے گا ورنہ حسب استعداد جیسا کچھ اُسکو ملیگا پیدا کرے گا۔اُسے اچھے بُرے کا امتیاز مشکل سے ہوگا۔اول الذکر صورت کا حصول اساتذہ کی خدمت اور کمال فن سے سبقاً سبقاً حاصل کرنے پر موقوف ہے۔غرض کہ یہ فن نہایت مشکل ہے۔بغیر طبیعتِ خداداد یا اساتذہ کے فیض صحبت سے حاصل نہ کیئے بغیر اسکی تکمیل دشوار تر ہے۔اُمید ہے کہ شعراء تکمیل فن سے قبل ادعاء محض کے مطیع و منقاد نہونگے +

آغا رفیق۔ بلند شہری

ناول نویسی

یورپ میں مختلف علوم و فنون کے علاوہ ناول نویسی بھی ایک نہایت مفید اور لطیف فن شمار کیا جاتا ہے۔ناول اپنے لکھنے والے کی دماغی قابلیت کا ایک بیش قیمت نمونہ ہوتا ہے اور اگر سچ پوچھیئے تو مغربی تہذیب کی ترقی کا راز بہت کچھ ناولوں ہی کے پردے میں چھپا ہوا پایا جاتا ہے ناول نویسی کے ذریعے سے یورپ کی اصلاح کرنے والوں نے اسقدر نمایاں کام انجام دیئے ہیں اور یورپ کے رہنے والوں کی اخلاقی۔تمدنی۔اور معاشرتی حالت میں اسقدر جلد انقلاب عظیم پیدا کر دیئے ہیں جو کسی اور طرح ممکن نہ تھے۔یہ اُنکے ہی قلم جادو رقم کے اعجاز کا اثر تھا کہ اِس وقت ہم یورپ بھر کو ترقی کے پہاڑوں کی چوٹی پر دیکھ رہے ہیں۔اگر ناول نویسی کو مغربی تہذیب اور تمدن کی روح رواں کہا جائے تو نہایت ہی موزوں ہوگا۔یہ بات ہر طرح ماننے

کے قابل ہے کہ انسانی خیالات کی رَو کو باتوں ہی باتوں میں پلٹ دینے اور ایک سیدھے راستہ پر لے آنیکے لیئے مثال ونظیر سے زیادہ اور کوئی شئے مؤثر نہیں ہوسکتی صحیح مثالیں جسقدر دلچسپ اور دلپذیر پیرایہ میں عوام کے سامنے پیش کیجائیں گی۔ اتنی ہی زیادہ مفید ہونگی اور اگر اس کے معانی کو وسعت دیں تو یہی ناول نویسی کا اصل اصول ٹھہرتا ہے۔

ناول نویسی ہندوستان میں۔ یہ ہماری بدقسمتی کی ایک روشن دلیل ہے کہ جو چیز یورپ والوں کے لیئے آب حیات کا کام دیتی ہے ہمارے لیئے زہر سے زیادہ نقصان پہنچانے والی بن گئی ہے۔ یہاں کے ناول نویسوں نے یورپ کی تقلید تو کی لیکن افسوس اپنے دماغ کو اُس سانچے میں نہ ڈھال سکے جس میں اُنکے اُستاد یورپ والوں کا دماغ ڈھلا ہوا تھا دراصل اگر سچ پوچھئے تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہاں وہ ایک دماغی جنون بن گیا ہے جسنے صرف علم ادب کی ہی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا نہیں لگایا۔ بلکہ یہاں کے بچوں اور نوجوانوں سے گزر کر بڈھوں تک کے دماغ میں اپنا گندہ اثر بھر دیا۔ مخرب اخلاق تحریر اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ بوستان خیال۔ فسانہ عجائب۔ سروش سخن وغیرہ نثر ہیں۔ مثنوی میر حسن گلزار نسیم۔ وغیرہ نظم میں پہلے مذاق کی کتابیں یہاں پیشتر ہی سے موجود تھیں۔ اسپر ناول نویسوں نے اپنی تحریر سے اور اضافہ کر دیا۔ موجودہ ناول جو ملک میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن میں فیصدی شاید ایک بھی نہ نکلے گا جس کو مغربی ناول نویسوں کے اصول کے مقابل پیش کیا جائے۔

یہاں تو حسن وعشق کی پرجوش داستانیں دل ودماغ پر اسقدر قبضہ کیئے بیٹھی ہیں کہ خواب تک میں بھی یہاں کے مصنفین کو اُنہی کی جلوہ آرائی نظر آتی ہے اِس برباد کرنے والی خرابی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں اُنکے بھگتنے کے لیئے معرض وجود درکار ہے۔ ملک میں ایسے نوجوانوں کی کمی نہیں جو محض ایسی ناپاک تحریروں کی بدولت اپنی قابل قدر اور بیش بہا زندگی کو عشق و نفس پرستی کے گہرے گڑھے میں دفن کر چکے ہیں۔ جو ملک و قوم کے لیئے اکسیر بننے کو تھے وہ خود زہر ہو رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں کے ناول نگار دماغی قابلیت نہ رکھکر بھی ناول نویسوں کی فہرست میں اپنا نام زبردستی لکھوانے کو موجود ہوجاتے تھے

گویا ع لہو لگا کے شہیدوں میں نام کرتے ہیں۔ فنِ ناول نویسی کے اصول سے تو واقف نہیں اور لکھنا چاہیں ناول۔ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اُنکے نزدیک ناول گویا ایک مجموعۂ خرافات ہے۔ کہیں ایک راجہ کی لڑکی پر ایک مسلمان سپہ سالار کا بیٹا فریفتہ ہوا ہے اور اُسکو مسلمان بنا کر اپنے ملک کو لیگیا۔ کہیں ایک بازاری طوائف کے عشق میں ایک شخص نے گھر بھر کو قتل کر ڈالا اور آپ پھانسی پائی۔ کہیں ایک عاشق اپنے رقیب کو قتل کرتا ہے اور بعض حالتوں میں اپنی چاہیتی معشوقہ کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور انجام کار پھانسی کی سیڑھیوں پر پکڑا جاتا ہے۔ دراصل یہ بے نتیجہ اور بے اصل باتوں کی بھونڈی رنگ آمیزیاں دکھانا۔ نوجوانان ملک کے اخلاق پر زہر کے بجھے ہوئے تیر برسانا ہے۔ جن اصحاب کی ناول نویسی کا رنگ ارباب نشاط کی گالیوں اور ناز و ادا پر منحصر ہو وہ قوم اور ملک کی کیا خاک اصلاح کرینگے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے پاکیزہ خیال اصحاب اس گندے علم ادب (لٹریچر) کو نہایت ہی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور کسی طرح نہیں چاہتے کہ یہ مخرب اخلاق ذخیرہ اشاعت پائے۔ پچھلے فسانوں کا رنگ جو ایشیائی ناظم و ناشروں کے خمیر میں داخل ہو چکا ہے اب ضرورۃ ہے کہ اس بوسیدہ و ناپاک خرقہ کو پھاڑ کر پھینکدیا جائے یا جلا دینا اس سے زیادہ مناسب ہے۔

وہ کتاب کیا کوئی عمدہ سبق سکھا سکتی ہے جو خود عشقبازی و حسن پرستی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ قومی و ملکی ترقی کے لیئے ناول نویسی کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کو کس قسم کے ناولوں کی ضرورت ہے اور ہمارے مصنفین کہانتک اپنی دماغی قابلیت سے اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔ دراصل ناول نویس اپنے خیال میں آزادی کے ملک میں رہتا ہے آزادی کی ہوا میں اُسکا خیال نشو و نما پاتا ہے اُسے اختیار ہے کہ اپنے ناول کو کسی ملک کسی شہر کسی خاندان سے شروع کرے اور جس قسم کے منظر چاہے دکھائے وہ اس زمین کا گویا خود مختار بادشاہ ہے جس طرح چاہے اُسپر حکومت کرے۔ خواہ عدل و انصاف کی تصویریں دکھائے۔ خواہ بہادری کے پھولوں سے اپنے چمنستان کو مہکائے۔ خواہ ظلم و ستم کے بھیانک نظاروں سے ناظرین کے دل دہلائے۔ وہ سب کچھ اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ جس طرز جس طریق۔ جس وضع کو پسند کرے اختیار کر سکتا ہے۔ ناول نویس کا پہلا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اُسکے ناول سے کسی خاص

گروہ یا فرقے کی دل آزاری نہ ہو اُس کا پلاٹ حقیقت سے دُور اور ناممکنات سے بھرا ہوا نہ ہونا چاہئے اصلیت اور حقیقت کسی طرح ہاتھ سے نہ جائے۔ جو نتائج ضروری ہیں وہ اُسکی عبارت سے صاف صاف پیدا ہوتے ہوں اور ایسی تصاویر بنائی جائیں جو صورت حال سے اندرونی جذبات کا پورا عکس دکھاتی ہوں واقعات مسلسل ہوں بے جوڑ اور بے ربط نہ پائے جائیں۔ ناول کا ہر سین کم از کم ایک نتیجہ ضرور مد نظر رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو ناول قالب بے جان ہے الفاظ ایسے پاک اور ستھرے ہوں عبارت ایسی سادہ ہو کہ کم علم والا بھی اُسکو سمجھ سکے اور اُسکے دکھائے ہوئے نتیجے سے متاثر ہو جائے۔ حسن و عشق کے رنگ میں فرضی کہانیاں معشوق و عاشق کی میٹھی میٹھی باتیں لکھنے کی بجائے علمی۔ اخلاقی فلسفی خیالات کا اظہار آسان ترکیبوں کے ساتھ کیا جائے۔ سچ بولنا۔ وعدہ کو ایفا کرنا کسی کو بے سبب نہ ستانا غصہ کے برے نتائج رحلم کی خوبیاں۔ غرضکہ صدہا ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر ناول میں لطف سے خالی نہیں ہو سکتا ناول نویس ایک ایسا ناصح مشفق ہونا چاہیئے جو ساری باتوں میں موثر نظاروں کے ذریعے سے اپنے ناول کے ناظرین کو مجسم نیک بنا دے +

چونکہ وہ بچے جو اردو آسانی سے پڑھ سکتے ہیں اُنکو ناولوں کے دیکھنے میں بہت جی لگتا ہے اور اگر ناول مخرب اخلاق باتوں کا مجموعہ ہیں تو گویا دیکھنے والے کے نشو و نما میں زہر سرایت کر رہا ہے۔ اِس لیئے ناول نویسوں سے التجا ہے کہ وہ اپنے بیش قیمت وقت کو قابل قدر تصانیف میں صرف کریں اور اس فضولیات سے قطعی پرہیز فرمائیں جو آجکل طوفان بے تمیزی کی صورت میں نمودار ہو رہی ہے۔

شیدا۔ دہلوی۔

انجمن ہمدرد سخن مراد آباد

حال میں یہ ایک جدید انجمن شہر مراد آباد میں زبان اُردو کی توسیع اور اُسکی نشو و نما کے لیئے مقرر ہوئی ہے اسکی بنیاد قاضی عبد العلی صاحب عابد تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ اڈیٹر اخبار مخبر عالم مراد آباد نے ڈالی ہے [illegible]

کی وسعت اور جوش ہمدردی زبان اُردو کا پورا پتہ دے رہی ہے ظاہر ہو کہ زبان اُردو کی کشتی منجدھار میں ہے اُسکو تھوڑا بہت سہارا دینا اور اُسکے پار لگانیکی کوشش کرنا بڑے ہمدرد اور ہمت والوں کا کام ہے۔ اِس انجمن کے مقاصد و اغراض نہایت تسلی بخش اور اُمید دلانے والے ہیں اور جو شرائط و ضوابط مقرر ہوئے ہیں اُن سے قوی اُمید ہے کہ یہ انجمن اپنے دلی ارادے میں اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کرے گی۔

اِس انجمن کے پریزیڈنٹ شاعر یکتا مولوی سید فرید احمد صاحب فاؔمر مرادآبادی جو نہایت قابل سخنور ہیں مقرر ہوئے ہیں۔ اور قاضی صاحب موصوف اِس جلسہ کے سکرٹری قرار پائے ہیں۔ اِس انجمن کا اصلی مقصد زبانِ اُردو کی توسیع ہے اور اُن تمام انجمنوں کی جو ہندوستان میں اِس بنا پر قائم ہیں یا آیندہ ہوں معین و موید ہو گی۔ تحفظ و صحت زبان میں کوشاں رہیگی۔ تخیل بہ اُصولِ قدیم کی پابند رہے گی۔ زبانِ دہلی و لکھنؤ دونوں کی یکساں ترقی و توسیع کی کوشش کرے گی۔

مسئلہ زبان کو باتفاق آرا مشاہیر شعرا و اہل زبان کے طے و حل کریگی۔ اِس انجمن نے ایک ماہوار (مشاعرہ کا بھی) اعلان دیا ہے جس کا گلدستہ طبع ہو کر ملک کے سامنے پیش کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ

اِن تمام قواعد پر نظر ڈالنے سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ قاضی عبد العلی صاحب عاؔبد زبانِ اُردو کے بہت بڑی حمایت اور معاونت پر کمربستہ ہیں جسکی بابت ہم شکرانہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور اس انجمن کے مضمون خیر مقدم کو اُسکی ترقی عمر و کامیابی مقاصد کی دعا پر ختم کرتے ہیں آیندہ جو حالات اِس انجمن کے وقوع میں آئیں گے وقتاً فوقتاً حوالۂ قلم ہونگے۔ فقط

راقم کمترین رؔسا شاعر دربار ریاست رامپور
شاگرد فصیح الملک دہلوی

نوٹ۔ اِس انجمن کا ۴ر ماہوار فیس داخل کرنے پر ہر شخص ممبر ہو سکتا ہے۔ دیگر دریافت طلب امور بذریعۂ خط و کتابت سکرٹری صاحب سے طے ہو سکتے ہیں +

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل کے برادر زادے کنور راج بہادر کرشن

خلف الصدق عالیجناب کنور گروَر کرشن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ و رئیس سکندرآباد کی تقریب شادی میں جو اکثر احباب نے جوشِ مسرت میں سہرے لکھکر عنایت فرمائے وہ بجنسہ درج گلدستہ ہذا ہیں یقین ہے کہ ناظرین اسکے پڑھنے سے خالی از لطف ثابت نہ ہونگے ہم جناب موصوف کو اس شادی کی تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اڈیٹر

از تصنیف جناب منشی عنایت اللہ صاحب رازؔ سکندرآبادی

راجہ صاحب کو مبارک ہو پسر کا سہرا
نیک ساعت میں گندھا ہے گلِ تر کا سہرا

لال و گوہر کا ہے یا ہے گلِ تر کا سہرا
جلوۂ نورِ خدا ہے ترے سر کا سہرا

نہیں رکھتا ہے زمانے میں کہیں مثل و نظیر
اے کنور راج بہادر ترے سر کا سہرا

ہاتھ پھیلاؤ ذرا پھولنے پھلنے کے لیے
آج باندھا ہے دعاؤں نے اثر کا سہرا

آنکھیں پڑتی ہیں زمانے کی تو خطرہ کیا ہے
ہے محافظ رخِ زیبا پہ نظر کا سہرا

معنیِ خوبیِ رنگ رخ روشن ہے اگر
تو نزاکت میں بھی مضموں ہے کمر کا سہرا

فرق پر ہو کے فدا کیوں نہ قدموں پہ نثار
یوں جھکا پاؤں پہ اُس رشکِ قمر کا سہرا

چھیڑ سی ہونے لگی بلبل و پروانہ میں
روئے تاباں سے جو اے گل ترے سر کا سہرا

بلبلِ نغمہ سرا عشق ہوئی لایا ہے جو رازؔ
گلِ مضموں سے بنا کر ترے سر کا سہرا

از جناب قاضی غیاث الدین صاحب خورشید رئیس سکندرآباد

لائی ہر رنگ کے پھولوں کا جو مالن سہرا
سر پہ دولہا کے بندھا غیرتِ گلشن سہرا

مصلحت تھی رخِ گلگوں کو نہ دیکھے کوئی
بن گیا یوں گلِ رخسار پہ چلمن سہرا

حور کیوں پھولوں سے جنت کے بنا کر لائی
شرط یہ ہے ترا گوندھے گی سہاگن سہرا

یوں تو پہلے ہی سے تھی وہ تری شادی کی لہاں
باغ باغ آج ہوئی دیکھ کے سمدھن سہرا

[illegible] جو [illegible] وہ شرمندہ ہیں اس حسرت سے
لوٹے لو [illegible] عارض گلرنگ کا [illegible] سہرا

ہو مبارک یہ تجھے راج بہادر شادی
تجھ سے کہتا ہے پکڑ کر ترا دامن سہرا

پڑتی ہیں سہرہ پہ نوشہ کی نگاہیں خورشید
سیکڑوں مرغ نظر کا ہے نشیمن سہرا

از تصنیف جناب منشی شوچرن داس صاحب دہلوی

تہنیت گو ہے یہ اقبال کا سر پر سہرا
ظاہرا جلال کو کرتا ہے سراسر سہرا

گوہر و لعل سے اٹا ہے منور سہرا
غیرت عقد ثریا نہ ہو کیونکر سہرا

دست گلچیں کا یہ تحفہ ہے ترے سر نوشہ
تازہ پھولوں کا بنالایا معنبر سہرا

رونمائی میں دلہن ملتی ہے اللہ اللہ
آج نوشاہ کے ہے عیش کا سر پر سہرا

روز افزوں رہے یہ جاہ و جلال نوشہ
روئے روشن پہ بنے بخت سکندر سہرا

محفل رقص کی زینت ہو دوبالا اس سے
گائیں ارباب نشاط آکے یہ بکسر سہرا

سب براتی ہوئے تیار جلو مین اسکے
گایا شہنائی نے کس میٹھے سروں پر سہرا

تا ابد دولہا دلہن میں رہے اخلاص بہم
شوچرن داس دعا دیتا ہے لکھکر سہرا

از نتیجہ طبع وقاد عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل و رئیس عظیم آباد سکندرآباد

جب بندھا راج بہادر ترے سر پر سہرا
گایا زہرہ نے ترا بزم میں آکر سہرا

آج کس دست نزاکت نے اسے گوندھا ہے
برگ گل سے بھی زیادہ ہے سبکتر سہرا

صنعت دست نگاریں ہو مبارک تجھکو
قدرت حق کا نمونہ ہے یہ سر پر سہرا

تابش حسن خداداد کا اللہ رے اثر
بن گیا رخ پہ ترے نور کی چادر سہرا

کیوں نہ لیں بڑھ کے بلائیں مہ و پرویں اسکی
چرخ سے آیا ہے انجم کا اُتر کر سہرا

تار مقیش ہیں یا تار شعاع خورشید
گوندھکر لائی ہے مالن ترا پرزر سہرا

ہو رہا ہے عجب انداز سے تجھ پر صدقے
جنبش باد سے اتراتا ہے رخ پر سہرا

زینت حسن خداداد کمر پر بڑھی
رونق افزائے جمال رخ انور سہرا

طرہ پر کلغی ہے اور کلغی پہ رشتہ پیچ
پیچ پر پیچ ہیں اور پیچ کے اوپر سہرا

پاکے آئینہ رخسار سے نوشہ کے فروغ
بن گیا افسر دیہیم سکندر سہرا

حور جنت بھی ہے مشتاق جمال نوشہ
کہ صبا رخ سے ہٹا دے کہیں دم بھر سہرا

ق

شور و غوغا ہے زمانے میں سخن سنجی کا ـ لکھنے بیٹھا ہے یہ کون آج سخنور سہرا
ذوق و غالب کے بھی اس بحر میں ہے سہرہ فروغ ـ تو نے اُن سے بھی مگر لکھا ہے بڑھکر سہرا

از نتیجہ فکر خاکسار پیارے لال رونق دہلوی ایڈیٹر رسالہ ہذا

جشن شادی کا سزاوار ہو رُخ پر سہرا ـ آج ہے عیش و مسرت کا ترے سر سہرا
ہو بصد عیش مبارک تجھے اے راج کرشن ـ رخ پُر نور پہ شادی کا منور سہرا
پنجۂ مہر نے لیں بڑھ کے بلائیں جو تری ـ بن گیا تار شعاعی کا سراسر سہرا
باغ دنیا میں رہا جب نہ کوئی گل باقی ـ لائیں حوریں ترا جنت سے بنا کر سہرا
بکھرے جاتے ہیں جو ہر ایک لڑی سے موتی ـ صدقے کرتا ہے ترے رُخ پہ جواہر سہرا
سر سے لینے کو بلائیں جو بڑھا قدموں کی ـ ہو گیا جھک کے ترے قد کے برابر سہرا
فرط عشرت کے سبب کلیاں کھلی جاتی ہیں ـ پھولا جامے میں سماتا نہیں دم بھر سہرا
شان عالی تری وہ - اور یہ اس کا رتبہ ـ فلک حسن ہے تو ماہ منور سہرا
تیرے آئینہ رخسار پہ قبضہ پاکر ـ ہو گیا اپنے نصیبے کا سکندر سہرا
چمن حسن پہ ہے باد بہاری صدقے ـ روئے گلگوں پہ ہے پھولوں کا معطر سہرا
وہ پروئے دُرِ خوش آب مضامین رونق ـ بن گیا سلکِ جواہر کا سراسر سہرا

ایضاً

رخ نوشاہ پہ ہے باد بہاری سہرا ـ لیکے آیا ہے مسرت کی سواری سہرا
تیرا وہ رتبۂ اعلیٰ ہے۔ یہ منصب اسکا ـ کشورِ حسن ہے تو ۔ ہفت ہزاری سہرا
ہمسری حسن کی کرتا ہے قطر میں نکلکر ـ پھولوں ہلکا ہے۔ مگر پھر بھی ہے بھاری سہرا
دیکھنے کے لیئے ہر وقت تماشائے جمال ـ حسن کی کرنے لگا آئینہ داری سہرا
ہر لڑی سے دُرِ عشرت کی لگی آج جھڑی ـ تیرے سر چڑھ کے بنا رحمت باری سہرا
پھول کیا سامنے گوہر کے جچیں آنکھوں میں ـ سب ہے راج بہادر ترا بھاری سہرا
سہرا چہرہ کی پھبن سہرے کی زینت عارض ـ گلشن حسن ہے تو باد بہاری سہرا
ساغر گل جو ہے عیش و طرب سے چھلکے ـ لطف سے کرنے لگا بادہ گساری سہرا
حسن دنداں پہ جو پڑتے ہوئی نظریں کھچیں ـ چشم دشمن کے لیئے بن گیا آری سہرا
رنگ صہبائی طرب وہ ہی پیام عیش ـ چشم مخمور پہ ہے آج خماری سہرا
طبع رنگیں نے عجب پھول کھلائے رونق ـ بن گیا نظم کے گلشن کی کیاری سہرا

غزل حضرت رسا وکیل عدالت و شاعر دربار ریاست رامپور

ملائیں آنکھ وہ کیونکر کہ رُخ نقاب میں ہے ـ حجاب کیا ہے نظر میں۔ نظر حجاب میں ہے

نگاہِ شرم غضب آمدِ شباب میں ہے
حیا اس آنکھ میں کیا ہے دلہن حجاب میں ہے

نہ بے حجاب ہے کافر نہ کچھ حجاب میں ہے
عجیب بات تری چشمِ نیم خواب میں ہے

ترا ہی جلوہ ہے یارب جو آفتاب میں ہے
قصور ہے یہ نظر کا کہ تو حجاب میں ہے

ادھر ہے شوق۔ تغافل ادھر جواب میں ہے
ہمارے دل کی تمنا بڑے عذاب میں ہے

مجھے تو شرم گناہوں کی تجھ سے ہے یارب
تجھے حجاب ہے کس سے جو تو حجاب میں ہے

آپ آئینہ بھی کبھی سامنے نہیں آتا
وہ شوخ اپنی نظر سے بھی اب حجاب میں ہے

یہ کوئی بات ہے اس کم سنی میں یہ پردہ
ترے حجاب کے دن ہیں جو تو حجاب میں ہے

خدائے پاک کو بندوں کا پردہ رکھنا تھا
یہ سب ہیں کہنے کی باتیں کہ وہ حجاب میں ہے

نقابِ رخ سے جو الٹی تو آنکھ سے نیچی
وہ بے حجاب ہے لیکن نظر حجاب میں ہے

خطا پہ حشر میں نازاں ہوں اس لئے یارب
کہ مجھ غریب کی پرسش تری جناب میں ہے

برائے دل کا ستانا روا ہے کب تمکو
یہ کس حدیث میں آیا ہے کس کتاب میں ہے

مجھے کچھ اور بھی کمبخت کے سوا کہیے
کہ یہ تو لفظ ازل سے مرے خطاب میں ہے

نحیف دیکھ کے مجکو کیا نہ کوئی سوال
فرشتے قبر کے بولے یہ کس حساب میں ہے

جگر میں اٹھے کہ دل میں کہاں کہاں اٹھے
کسی کا دردِ محبت بڑے عذاب میں ہے

ہمیں شباب بھی پیری میں یاد آئے گا
کہ جیسے یاد لڑکپن ہمیں شباب میں ہے

ہم اور تلخی مے کا گلہ معاذ اللہ
روا ہے ہمکو اگر زہر بھی شراب میں ہے

نوشتہ میرے مقدر کا مٹ نہیں سکتا
یہ کوئی حرف غلط ہے کہ اک کتاب میں ہے

یہ طولِ حشر سمائے نظر میں کیا میری
شبِ فراق کے آگے یہ کس حساب میں ہے

شراب پیتا ہوں توبہ کو رکھ کے مدِ نظر
گناہ کرتا ہوں لیکن نظر ثواب میں ہے

سوار توسنِ عمرِ دو روزہ ہے یہ بشر
سفر ہے ملکِ عدم کا قدم رکاب میں ہے

جنابِ شیخ اسی طرح بزمِ وعظ میں تھے
کہ جیسے پیرِ مغاں محفلِ شراب میں ہے

سوالِ وصل پہ وعدہ بھی ہے تبسم بھی
امید و یاس کا پہلو ترے جواب میں ہے

ہمیشہ کی ہے دریار پر جبیں سائی
یہ بندگی بھی الٰہی کسی حساب میں ہے

اثر پڑے نہ محبت کا اسکے کیا معنے
جو بیقرار ہیں ہم وہ بھی اضطراب میں ہے

شراب پینے سے عزت ہے بزمِ ساقی میں
گناہ کرنا بھی داخل یہاں ثواب میں ہے

رسا بھی آیا ہے محشر میں دادرِ محشر
قصور وار بھی حاضر تری جناب میں ہے

کمالِ دہلی

مصرع طرح

دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

اخلاق۔ جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی

اشک خوں میں جان اور رنگینی گل کا جواب
نالۂ پُر درد سمجھو شور بلبل کا جواب

اُس کے آنے کی نہ آنے کی خبر تو کچھ ملے
لائے تو قاصد کہیں اُس غیرتِ گل کا جواب

اُس نے کی بے اعتنائی مجھ پہ عشق طاری ہوا
جان جوکھوں سے دیا میں نے تغافل کا جواب

فصلِ گل میں کس خطا پر کر لیا اُس کو اسیر
کچھ تو دے صیاد آخر عرضِ بلبل کا جواب

مضطرب دل کے لئے دونوں دوائیں زہر ہیں
وہ تامل ہو تمہارا یا تامل کا جواب

بارہا دیکھا ہے آئینہ میں اُس کا ہم شبیہ
کون کہتا ہے نہیں اُس غیرتِ گل کا جواب

اُس کے ہونٹوں کا تبسم کہہ رہا ہے صاف صاف
ہم سے بڑھکر کون دیگا خندۂ گل کا جواب

چپکے چپکے کہہ رہے ہیں غنچہ و گل باغ میں
کچھ نہیں آتا سمجھ میں عرضِ بلبل کا جواب

حالِ دل تک اُن سے کہنا ترک ہم نے کر دیا
اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا تغافل کا جواب

دل کے خوش کرنے کو اخلاق تو ہے مغتنم
کم ہی ہوتی ہیں تری شانِ تغزل کا جواب

احسان۔ جناب ابو الاحسان منشی عبدالقادر صاحب استاد انجمن اربابِ محبت بھڑوچ

اگر ہے بیلا چنبیلی اور ہے چمپا گلاب
سارے گلشن میں نہ نکلا کوئی اس گل کا جواب

اب کہاں نغمہ سرائی لب پہ اک نالہ نہیں
میری خاموشی بھی ہے تصویرِ بلبل کا جواب

غربتِ عشاق ہو گی آپ ہی اپنی نظیر
افتخارِ عاشقی ہوگا تجمل کا جواب

اِس لیئے اُنکی جُدائی میں کیا صبر اختیار
شورِ محشر ہو نہ میرے نالوں کے غل کا جواب

کچھ اگر ہشیار ہو شاہِ فقیری جہان پر
ہو گلیم فقر سلطانوں کے فرغل کا جواب

ہے دورنگی زمانہ بھی جہاں میں بے مثال
رُخ کا ثانی ہے نہ کوئی تیری کاکل کا جواب

ازل - جناب عبد المجید صاحب تلمیذ جناب فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

میرے لب نالوں سے ہیں منقارِ بلبل کا جواب
اور ہنس دینا کسی کا خندۂ گل کا جواب

یادِ گیسو میں نہ ہو کیوں آہ سنبل کا جواب
عشق روئے یار میں ہو داغِ دل گل کا جواب

میری مژگاں میں نہیں اٹکا ہوا لختِ جگر
چشمِ پُرنم ہے اگر دریا تو یہ [illegible]ل کا جواب

اپنی گردن پر چُھری ہم پھیر کر خود مر گئے
کیا لگا لاسہ چکر اُن کے تغافل کا جواب

خواہشیں لاکھوں طرح کی دل میں تم رکھتے تو ہو
اِک نہیں اُنکی مگر ہے اے ازل کل کا جواب

اُلفت - جناب بابو پرتاب سنگھ صاحب دہلوی

مشتعل داغ جگر سے کر بہت ڈھونڈا مگر
باغ میں پاتا نہیں اُس غیرتِ گل کا جواب

اسد - جناب محمد علی صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

اِس ادا سے اُنکو سوتے ظن نہ ہو جائے کہیں
میری بیہوشی ہوئی اُنکے تغافل کا جواب

جس سے سوفتنے اُٹھیں وہ آپکی رفتار ہے
شورِ محشر اُسکو کہہ دوں یا تزلزل کا جواب

جب کیا اظہارِ شوقِ وصل تو برہم ہوئے
کاش ملجاتا مجھے طرزِ تغافل کا جواب

خونِ دل اِس تنگدستی نے ہمیں پلوا دیا
روزِ بد نے یہ دکھا یا ساغرِ مُل کا جواب

برق - جناب بابو مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر دہلوی

کچھ نہیں جز خامشی فریاد و بلبل کا جواب
ایک چُپ سو کو ہرا تی ہے یہ ہے گل کا جواب

مست ہوں صدقے میں ساقی کی گلابی آنکھ
بے پیئے ہو میری مستی نشۂ مُل کا جواب

پُر عرق ہو کر ترے رخسار تابِ حسن سے
بن گئے ہیں شبنم آلودہ رخِ گل کا جواب

جھڑ رہے ہیں اُنکے ہنسنے سے مری تربت پہ پھول
سنگِ مرقد بن گیا ہے چادرِ گل کا جواب

پوچھتے ہیں عشق کیا شے ہے؟ کسے کہتے ہیں حسن؟
دم بخود ہوں میں کہ کیا دوں اِس تجاہل کا جواب

سُن کے شرحِ آرزو وہ مسکرا کر چپ ہوئے
اِک ادائے شرمگیں سے دے دیا [illegible] کا جواب

سُرخیِ اشکِ شفق گوں سے رنگیں سر بسر
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

دن چڑھا کر صبح وعدہ آئے وہ میں غش ہوا
بیخودی میری ہے اُن کے تغافل کا جواب

گوش بر آواز ہے کنجِ قفس میں عندلیب
آئے نسیمِ صبح تو پہنچا اُسے گل کا جواب

واہ وا کیا گل کھلائے تیغِ قاتل واہ وا
میرا اک اک زخمِ تن ہے خندۂ گل کا جواب

یہ جفائیں یہ ستم یہ جور مجھ ناشاد پر
یاد رکھو! دینا پڑیگا ایک دن کل کا جواب

جب صبا لائی مشامِ جاں معطر کر دیا
ہے شمیمِ زلفِ جاناں نکہتِ گل کا جواب

اس میں بو خوشبو نہیں۔ ایسی کرم کی خو نہیں
دل ہے بے فیض آدمی کا شمع کے گل کا جواب

کسقدر آئی ہے برق گل ہے محوِ استغنا سے حسن
پھوٹے منہ دیتا نہیں فریادِ بلبل کا جواب

بدر۔ جناب شیخ بدر الدین صاحب اکبر آبادی تلمیذ جناب مہر اکبر آبادی

[illegible] وحشی نابۂ دل ساغرِ مل کا جواب
ہائے ہوئے میکشاں ہے شورِ قلقل کا جواب

داغ کھائے ہیں بہت ننگ گلرخوں کے عشق میں
اپنا سینہ بن گیا ہے تختۂ گل کا جواب

زلفِ قسمت دیکھئے لپٹی لڑی ہے اپنی آنکھ
سارے عالم میں نہیں جسکے تغافل کا جواب

نافۂ مشکِ ختن ہوا سکے گیسو کی تاب
اور گلِ عارض کی خوشبو نکہتِ گل کا جواب

وقتِ آرائش یہ بل کی لے رہی ہے سر بسر
کیوں نہیں دیتی زبانِ شانہ کاکل کا جواب

کرکے بیخود مجکو وہ خود پوچھتے ہیں کیا ہوا
کہہ دو بولے آپ کہ غفلت ہے تجاہل کا جواب

وہ جوانی کا زمانہ اور یہ پیری کی فصل
اک خزاں کا دَور ہے اک موسمِ گل کا جواب

خون روتے روتے کلیاں تک گلابی ہوگئیں
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

گوشِ گل کر ہو گئے۔ غنچوں کے بھی منہ بند ہیں
کون دے اب باغ میں فریادِ بلبل کا جواب

دل فقیری میں دیا حق نے امیرانہ مجھے
کیوں نہ ہو کملی مری اے بدر فرغل کا جواب

بیتاب۔ جناب محمد خیرات علی صاحب تلمیذ حضرت رسا۔ از مقام کالپی

جس طرح ممکن نہیں اُس کے تغافل کا جواب
ہو نہیں سکتا مرے صبر و تحمل کا جواب

بسمل۔ جناب محمد اسمعیل خانصاحب تلمیذ جناب رسا از جہانگیر آباد

عشق میں ہمیں آیا نہیں آیا جو اس گل کا جواب
ہے ہماری بیخودی اُسکے تغافل کا جواب

چیخ اٹھتی ہو قیامت سُن کے نالوں کو مرے — شورِ محشر ہو نہیں سکتا مرے غل کا جواب

رہ گیا صیاد بھی اپنا کلیجہ تھام کر — موسمِ گل میں سُنا جب اُسنے بلبل کا جواب

فرق اس میں تل برابر بھی نہیں جانِ جہاں — خالِ مشکیں آپ کا ہے شمع کے گُل کا جواب

ہچکیاں آنا تہِ خنجر تو ہے بسمل کا بھی — مو بمو اب ہو گیا ہے شورِ قلقل کا جواب

[illegible]

ہیجان - جناب محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی

مضطرب وہ یاد گل میں بھی ہیں فراق یار میں — میرے نالے کیوں نہوں فریادِ بلبل کا جواب

آپ ہیجان اُسنے کرتے ہیں گلے شکوے عبث — دو ہی فقروں میں ہمیں دیجائیگے کل کا جواب

تسلیم - عالیجناب شیخ امیر اللہ صاحب مدظلہ یادگار حضرت نسیم دہلوی

شمع تربت کا مری ہر پھول ہو گل کا جواب — سوز پروانہ ہے سوز داغ بلبل کا جواب

اپنی کہتا ہے نہیں سنتا کسی میخوار کی — کیا غرض ہو کون دے شیشہ کی قلقل کا جواب

رات بھر عرضِ تمنا بیٹھے چپ سنتے رہے — اِک نہیں اُنکی ہوئی وقتِ سحر کل کا جواب

کیوں نہوں مشتاقِ نغمہ زخم مثل گوش گل — نوکِ پیکاں دل میں ہو منقار بلبل کا جواب

دیکھئے تقدیر میں لکھے ہیں کیا کیا پیچ و خم — تو و دل میرا بنا ہو اُسکی کاکل کا جواب

یہ فاختہ لئے سرو ہے وہ ہے نثارِ حسنِ گل — عاشقوں میں کون ہے قمری و بلبل کا جواب

آپ سے جاتا رہا ہوں یاد کچھ آتا نہیں — بیخودی میری بھی ہے تیرے تغافل کا جواب

روز آتی ہے قیامت ایک دن آتی نہیں — دونوں عالم میں نہیں اسکے تکاہل کا جواب

غنچہ و گل دونوں سنتے ہیں مگر خاموش ہیں — ایک بھی دیتا نہیں فریادِ بلبل کا جواب

ہمسری اور اسکی زلفوں سے طمانچے مار کر — دے رہی ہے باد صبا دعوائے سنبل کا جواب

شکل نقشِ پا ہوں اے زاہد خدا پر ہو نظر — بے زبانی ہے مری تیرے توکل کا جواب

چرخ پائے گا کہاں مشکل کشا سا شہسوار — گر ہلالِ مہ بنا بھی نعل دلدل کا جواب

چھپ گیا نظروں سے سر اتنا چڑھایا چرخ نے — آج میرا ہو گیا میرے تنزل کا جواب

تھے نسیم دہلوی تسلیم رشکِ گلشنی — اب سمجھتے ہیں ہمیں استاد آمُل کا جواب

جوش - جناب پنڈت لبھو رام صاحب ملسیانی مدرس اول مدرسہ محرم پور جالندھر

یار کے رخسار کو باندھوں اگر گل کا جواب
نالۂ دل ہو مرا فریاد بلبل کا جواب

ہیں تیرے بہانے نازک غنچۂ گل کا جواب
سنبلیں گیسو بنے ہیں شاخ سنبل کا جواب

جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے جوش گریہ میں
رونیوالوں! یہ ترقی ہے تنزل کا جواب

گریۂ خونیں نے کی ہیں کیا عجب گلکاریاں
دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

سو سمندر ہیں نہاں ایک ایک قطرہ میں یہاں
چشم بینا کے لیے ہر جزو ہے کل کا جواب

وصل کی شب ہو چکی اب دم بخود بیٹھا ہوں میں
میری خاموشی ہے مرغ صبح کے غل کا جواب

خود گل تر کو بھی حسن بے بقا کا غم ہے جوش
قطرۂ شبنم بنا ہے اشک بلبل کا جواب

حیران - جناب محمد صادق صاحب تلمیذ جناب حسن و سائل دہلوی

اک خموشی کا عوض ہے ایک ہی غل کا جواب
غیرت گل تو اگر [illegible] بلبل کا جواب

دیر قاصد کو لگی ہے یا الٰہی خیر [illegible]
[illegible] کیا رنگ لاتا ہے تامل کا جواب

پڑ گئی جس پر نظر ساقی کی [illegible]
کیوں نہ ہو وہ چشم میگوں ساغر مل کا جواب

خود بخود آئے جگر تھامے ہوئے وہ میرے گھر
مل گیا مجھکو مرے صبر و تحمل کا جواب

خلیق - جناب منشی عبدالخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل دہلوی

انکے عارض نے دیا رنگینئ گل کا جواب
میرا نالہ بن گیا ہے شور بلبل کا جواب

پینا ہی پڑتا ہے یہ مجھکو گزیر و ناگزیر
خون دل کو جانتا ہوں ہجر میں مل کا جواب

چند روزہ ہے بہار حسن اے جان یاد رکھ
کہتے ہیں دور خزاں کو موسم گل کا جواب

ذاکر - جناب شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ہے رخ رنگیں ترا رشک چمن گل کا جواب
مو بمو ہے گیسوے پرپیچ سنبل کا جواب

شکوۂ جور و جفا بیکار ثابت ہو گئے
چین پیشانی نے انکی دیدیا کل کا جواب

گو غرور حسن سے ہوتا نہیں ہے ہمکلام
گل کی خاموشی ہے گویا شور بلبل کا جواب

جتنے وہ کھنچتے رہے بڑھتی گئی ہے آرزو
مضطرب دل ہے میرا انکے تغافل کا جواب

خون ہو ہو کر سراپا چاک پیراہن کیا
یوں دیا گلشن میں گل نے عرض بلبل کا جواب

اوس کے قطرے نہیں ہیں پھوٹکر روئے ہیں گل
ہے زبان حال میں فریاد بلبل کا جواب

...خونیں دل سے کچھ کچھ چھلکنے بھی رہے
میری آنکھیں ہو گئی ہیں ساغر مل کا جواب

...شب میں بکھر کر لٹیاں لینے لگا
ہے دھواں آہوں کا میری انکی کاکل کا جواب

...ہے طرز سخن پر میری ہے اکرک جہاں
خوش بیانی ہو گئی آہنگ بلبل کا جواب

...رحمت - جناب رحمت اللہ صاحب - بلند شہری

...ہے رخسار اُس گلرو کے ہیں گل کا جواب
اور مری فریاد ہے فریاد بلبل کا جواب

...نا کی نیند سوئے جب نہ لی اُسنے خبر
اور کیا کرتے تغافل تھا تغافل کا جواب

...بل میرے زخموں پر چھڑکنا چاہئے
تا ادا ہووے ان سے قاتل خندۂ گل کا جواب

...موئے کمر ہے موجب دلبستگی
ہے سیہ بختی ہماری اسکی کاکل کا جواب

...باں سے پوچھ لو تشریح درد جسم زار
جزو گو کہنے کو ہے لیکن مگر کل کا جواب

...سا ر پیارے لال رونق دہلوی - ایڈیٹر گلدستہ ...

...دل - داغ جگر ہیں لالہ و گل کا جواب
نقش فریادی ہوں ہیں تصویر بلبل کا جواب

...کس گھر سے کوئی تیرے تغافل کا جواب
بیقراری ہو نہیں سکتی تحمل کا جواب

...لی میری ہمرنگ نزاکت ہو گئی
وہ جواب برگ گل ہے میں رگ گل کا جواب

...ٹ پیتے ہیں لہو کے یاد چشم مست میں
شیشۂ دل ہے ہمارا ساغر مل کا جواب

...لیئے بدلا ستم کا نزع میں چوکا نہیں
پھیر کر آنکھیں دیا اُسنے تغافل کا جواب

...ر موئے پریشاں ہر گھڑی ہے پیچ و تاب
بن گئی تار رگ جاں اُن کی کاکل کا جواب

...اتل نے کھلا رکھا ہے دل میں اک چمن
خندۂ زخم جگر ہے خندۂ گل کا جواب

...ہے وحدت کے نظر آتے ہیں کثرت میں ہمیں
صاف ہے آئینہ جز ہیں عین کل کا جواب

...ہے بادۂ الفت سے حق حق کی صدا
شیشۂ دل دے رہا ہے شور قلقل کا جواب

...ستی بھر دیا دونوں میں عشق یار نے
دل مرا مینا ہے آنکھیں ساغر مل کا جواب

...ے یاد زلف میں نکلی جو آہ آتشیں
بن گیا دود فغاں گلشن میں سنبل کا جواب

...و گردن دیکھ کر ساقی کی ہو جاتا ہوں مست
اک صراحی کا ہے اک ہے ساغر مل کا جواب

...یں پڑھنے لگیں رونق پریشانی میں ہے
شام ہجراں بن گئی ہے انکی کاکل کا جواب

شیدا۔ خاکسار چندی پرشاد دہلوی ایڈیٹر رسالہ ہذا

رنج و راحت سے چمن میں ہے تقابل کا جواب
نالۂ بلبل بنا ہے خندۂ گل کا جواب

آ رہا ہے چرخ سے یوں آہ بلبل کا جواب
آسماں پر ہے دھواں سا آتش گل کا جواب

پڑ گئی کیسی چمن میں اس رخ سادہ سے اوس
رنگ عارض دے رہا ہے آتش گل کا جواب

پھانس رکھی ہیں ہزاروں گردنیں عشاق کی
حلقۂ جوہر بنا خنجر میں کاکل کا جواب

باغ رضواں کا قبالہ ہو گیا ضبط نفس
حسن کے پردے میں ہے میرے توکل کا جواب

بن گیا قطرہ بھی دریا اے سرور بیخودی
جوش مستی نے دیا ہے جزو میں کل کا جواب

زخم رنگیں کر گئی دل کے تری نوک مژہ
میرا پہلو بن گیا ہے تختۂ گل کا جواب

سوز پنہاں نے اتارا سیکڑوں ارمان کو پار
بحر دنیا میں نہیں اس آتشیں پل کا جواب

دود آہ عاشقاں ژولیدہ موز لف بتاں
دیکھ دُہرا باغباں ہے تیرے سنبل کا جواب

ہائے رے الفت سکوں بھی ہے برابر کا حریف
بیقراری ہے مری انکے تغافل کا جواب

اڑ رہی ہیں کیا چمن میں ہر طرف چنگاریاں
نالۂ بلبل میں دیکھا آتش گل کا جواب

شام پنہاں ہے سحر میں واہ رے اعجاز حسن
کان کی لو کا دھواں دیتا ہے کاکل کا جواب

منزل دنیا میں یوں سوتے ہیں ہم آرام سے
شکر بستر ہے تو ہے تکیہ توکل کا جواب

انکی نظروں کے تصور ہی میں شیدا مست ہیں
جنکی آنکھیں ہیں جہاں میں ساغر مل کا جواب

شمیم۔ جناب بابو چھیتر مل صاحب بجر تھوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ہے خیال چشم میگوں شیشۂ مل کا جواب
آمد و شد ہے نفس کی شور قلقل کا جواب

اپنا دود آہ ہے پیچیدہ سنبل کا جواب
نالۂ شوریدہ ہے فریاد بلبل کا جواب

وہ سیاہی نامۂ اعمال کی روشن ہوئی
رحمت حق بن گئی میرے توکل کا جواب

عارض رنگیں تمھارا بن گیا رشک چمن
باغ عالم میں کہاں پیدا ہے اس گل کا جواب

فصل گل آتے ہی وحشت نے جمایا اپنا رنگ
اپنی حالت کا تغیر ہے تبدل کا جواب

چل بسی صبح جوانی شام پیری آگئی
دے دیا حال تغیر نے تبدل کا جواب

تم شب وعدہ نہ آئے میں تڑپ کر مرگیا
بن گئی میری قضا تیغ تغافل کا جواب

یہ بلاے جاں ہے وہ آفت ہے دل کے واسطے
ہے ادائے شب غم اُن کی کاکل کا جواب

چشم حق بیں کو جزو کل ایک آتا ہے نظر
کل میں ہے جزو کا ہر جزو میں کل کا جواب

عمر کا بڑھنا گھٹاتا ہے متاعِ زیست کو
ہے نہاں اپنی ترقی میں تنزل کا جواب

داغ کھائے اک گل خوبی کی الفت میں شمیم
بن گیا طاؤس دل اپنا بھی بلبل کا جواب

شوق۔ جناب سید محمد اسد اللہ صاحب بنارسی ساکن محلہ چوہٹہ لعل خان

بڑھتی جاتی ہے ابھی سے دل کی الجھن ہجر میں
بن گئی آخر شب غم تیری کاکل کا جواب

دل کے بدلے دردِ دل دیکر کیا مضطر مجھے
کیا یہی تھا اے ستمگر اس تحمل کا جواب

کر دیا بیہوش محفل میں جمال یار نے
ہو گئی جوشِ جوانی ساغر مل کا جواب

دیکھ لے زاہد اگر چشم حقیقت کھول کر
ایک نقطہ میں نظر آنے لگے کل کا جواب

دیدیا اے شوق گلزار جہاں میں سب نے
چشم نے نرگس کا اور گیسو نے سنبل کا جواب

صبر۔ جناب حاجی محمد اسمعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی

دلفریبی میں اگر ہو تیری کاکل کا جواب
باغ عالم میں نہ نکلے پھر تو سنبل کا جواب

غیر سے کیا پوچھتا ہے دیکھ لے او بے خبر
میرا خواب مرگ ہے تیرے تغافل کا جواب

عشق میں کس غیرتِ گلزار کے کھائے ہیں داغ
اپنے جوبن میں ہر اک ہے عارضِ گل کا جواب

بیخودی ہوتی ہے پیدا دیدے او مست ناز
تیری آنکھیں ہیں نشیلی ساغر مل کا جواب

لطف سیر گلستاں ہے سینۂ مجروح میں
خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب

کٹ گیا سر بھی مرا قاتل مگر اف تک نہ کی
غیر ممکن ہے مرے صبر و تحمل کا جواب

جان کر انجان بنجائیں تمھاری طرح سے
جب ملے پورا ہمیں اپنے تجاہل کا جواب

اُف رے سوز شعلۂ غم کیا ٹھکانا ہے ترا
کھلتے کھلتے ہو گئی بلبل رگِ گل کا جواب

مجھکو ساغر جب دیا دشمن کو ہچکی لگ گئی
شیشۂ مے کو ملا اس طرح قلقل کا جواب

یہ جنونی ہے کہ سودائی ہے سنبل ہر گھڑی
ہر اسی انجمن میں ہو جاؤں میں کاکل کا جواب

سانس کا ڈورا چلا جس دم دمِ شمشیر پر
مل گیا دنیا میں مجھکو حشر کے پل کا جواب

ہم سمجھتے ہیں اُسے اہلِ بلاغت دہر میں
جو وہم تقریر میں دے اِک جزو میں کُل کا جواب

سب چٹک جاتے ہیں غنچے جب صبا کہتی ہے یہ
ہر کلی ہے غنچۂ منقارِ بلبل کا جواب

مَیں وہ ہوں دیوانۂ زلفِ مسلسل وحشتا یں
شورِ محشر ہے مری زنجیر کے غُل کا جواب

سر چڑھا کر اُسنے نظروں سے گرایا جب مجھے
آنکھ سے آنسو گرا بنکر تنزل کا جواب

کہنے دو کہتے ہیں جو کچھ حاسدانِ کینہ جو
اِک خموشی صبر عالی ظرف پر کل کا جواب

طالبؔ - جناب حافظ و قاری محمد عبد الرحمن صاحب رامپوری تلمیذ حضرت رساؔ

مثلِ غنچہ ہے دہن رخسار ہیں گُل کا جواب
چشم نرگس ہے تری زلفیں ہیں سنبل کا جواب

بحرِ اُلفت سے اُترنا غیر ممکن تھا مگر
تیغ قاتل ہو گئی میرے لیئے پُل کا جواب

دین و ایمان جان و دل مَیں نے فدا تم پر کیئے
پھر بھی تم ملتے نہیں کیا اِس تغافل کا جواب

فخرِ عالم ہے رسول اللہ کی ذاتِ شریف
شانِ خالق ہے یہی جز کو کہا کل کا جواب

باغِ عالم میں بہت دیکھے ہیں مثلِ گُل حسیں
اے صبا پایا کہیں بھی تو نے اُس گُل کا جواب

ہائے وہ انداز وہ شوخی وہ حسنِ دلفریب
ہو نہیں سکتا کہیں اُنکے تجمل کا جواب

عدیلؔ - جناب منشی رادھے لال صاحب باندوی تلمیذ جناب آمر باندوی

کیا فقط ہی عارضِ رنگیں سا رخِ گُل کا جواب
کاکُلِ پُر پیچ بھی ہے اُنکی سنبل کا جواب

داستانِ غم مری سنکر کہا بالکل غلط
ایک فقرے میں دیا اُس شوخ نے کل کا جواب

گُل شگفتہ دیکھ کر جو وہ ہنستے ہیں باغ میں
کیا ہی برجستہ دیا ہے خندۂ گُل کا جواب

ہجر میں دیتے ہیں اکثر لے جوانانِ چمن
نالہائے دل مرے فریادِ بلبل کا جواب

رنگِ عارض ہی نہیں ہے غیرتِ گُل آپکا
ہے کمر بھی آپ کی تارِ رگِ گُل کا جواب

وعدہ پر آیا نہیں وہ لالہ رو جوا عدیلؔ
ہے دلِ پژمردہ مرجھائے ہوئے گُل کا جواب

عاجزؔ - جناب لالہ بھاگیرت لال صاحب تلمیذ حضرت وجاہتؔ

بادۂ اطہر کے قصے زاہدو رہنے بھی دو
آبِ کوثر ہو نہیں سکتا کبھی مُل کا جواب

ذرّے ذرّے میں چمک ہی مہرِ عالمتاب کی
غور سے دیکھو تو ہر اک جزو ہی کُل کا جواب

مدرسے ہندوستاں میں یوں تو عاجزؔ ہیں بہت
آج تک دیکھا نہیں ہم نے گروکل کا جواب

عاجز۔ جناب مولانا ابوالاتقیا سید لئیق احمد صاحب رئیس سہسوان

خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب — نالۂ پرشورِ دل ہے شورِ بلبل کا جواب

برگِ گل لب ہیں تو رخ رنگینیِ گل کا جواب — چشمِ نرگس کا ہے زلفِ یار سنبل کا جواب

یہ پیا زخونِ جگر اس میں شرابِ لالہ رنگ — آبلۂ دل کا بنا ہے شیشۂ مل کا جواب

اس چمن میں دیکھنے آیا گلِ رخسارِ یار — ہو کے عاشق بن گیا ہوں چشمِ بلبل کا جواب

آج محفل میں جو وہ ساقی کرم فرما نہیں — ہو گیا قیدِ گلوئے شیشہ قلقل کا جواب

عمر بھر میں نے جگر کھایا لہو اپنا پیا — دے کوئی اک جو برابر اس توکل کا جواب

یاالٰہی بند رکھنا منہ کو میرے روزِ حشر — شورِ محشر ہو نہیں سکتا مرے غل کا جواب

گزرے ہیں عاجز کے یارانِ طریقت فاقہ مست — کون دیکھتا ہے اربابِ توکل کا جواب

عاشق۔ جناب محمد عاشق علی صاحب مہرولوی تلمیذ حضرت راسخ دہلوی

چشمِ بد دور آپ کا رخ ہے اگر گل کا جواب — تو ہمارا بھی دلِ وحشی ہے بلبل کا جواب

فصلِ گل آتے ہی لائی رنگ چشمِ خونچکاں — دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

چپ رہا سہ کر جفائیں تو جفائیں اور کیں — تھا ستمگر یہ مرے صبر و تحمل کا جواب

روکشِ مینائے مے ہے گردنِ ساقی اگر — چشمِ میگوں ہے سراسر ساغرِ مل کا جواب

اس میں شانِ خاکساری اس میں ہے بوئے ریا — ہے گلیم اپنی بھی زاہد تیری فرغل کا جواب

میرے پھولوں میں سجائی بزمِ عشرت آپ نے — واہ کیا کہنا دیا کیا محفلِ قل کا جواب

رشکِ فصلِ گل ہے عاشق میرے سینہ کی بہار — خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب

غوث۔ عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ بھرتپور

گو کہ ممکن ہی جہاں میں جزو اور کل کا جواب — پر حریصوں ہو نہیں سکتا توکل کا جواب

جسکو دیکھا اُسکو فوراً مست و بیخود کر دیا — اُنکی چشمِ مست بھی ہے ساغرِ مل کا جواب

یاس ہی ہوتی تو بیڑہ عاشقوں کا غرق تھا — عشق کے دریا میں ہو امید ہی پل کا جواب

وہ اگر ہے گل پہ مفتوں یہ گل رخسار پر — چشمِ عاشق بن گئی ہے چشمِ بلبل کا جواب

سائل بوسہ ہوا اُس شاہِ خوباں سے جو میں — مفلسی میری بنی اُسکے تمول کا جواب

پا کے تنہا جب ہوا سائل میں فرطِ شوق سے
ہنس کے فرمایا تحیر ہے تو وصل کا جواب

عرضِ مطلب پر وہ بولے بات کو یوں ٹالکر
تیری بینائی ہوئی میرے تساہل کا جواب

تیرگی مثلِ شبِ ہجراں کبھی جاتی نہیں
بختِ عاشق بن گیا ہے انکی کاکل کا جواب

طولِ شوقِ مدعا کی کچھ نہو جب انتہا
غور کب ہو سکتا ہے کوئی اس تسلسل کا جواب

فیاض - جناب فضل الدین صاحب از کپور تھلہ - تلمیذ حضرتِ رنجور

عارضِ رنگیں ہے تیرا لالہ و گل کا جواب
زلفِ عنبر بیز ہے ریحان و سنبل کا جواب

خوب سنبل کو ملی آشفتہ رہنے کی سزا
بنکے آیا تھا جہاں میں اسکی کاکل کا جواب

بزمِ مے میں ہنسکر اسنے جام کو منہ مار دیا
قہقہہ سے دیدیا مینا کی قلقل کا جواب

کب یہ ممکن ہے کہ اے فیاض دنیا میں ملے
عشق کا اس میں مزا - خوبی میں اس گل کا جواب

جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

الله الله رہ جائے وصل کا یہ اختصار
میں سوالِ جز میں بھی پانے لگا کل کا جواب

ٹکر سے ٹکرے محتسب کا بزم میں دل ہو گیا
چشمِ میکش ہو گئی ہے ساغرِ مل کا جواب

قیس - جناب ہدایت اللہ صاحب تلمیذ حضرت سائل دہلوی

کیا کہوں اے نامہ بر لکھا ہے کیا اسنے مجھے
نا رہے میرے لیے اس غیرتِ گل کا جواب

حال کہنے کا طریقہ اور ہے معشوق سے
گل بھلا کیا خاک دیتا شورِ بلبل کا جواب

وہ حسینوں میں ہے یکتا - چاہنے والے ہیں ہم
اب ہمارا ہی جہاں میں ہے نہ اس گل کا جواب

کائناتِ دہر کی ساری حقیقت کھل گئی
دیدۂ بینا سے دیکھا جزو میں کل کا جواب

بے زبانی پر ترس کھا کر گلوں کی باغ میں
غنچے دیتے ہیں چٹک کر شورِ بلبل کا جواب

عشق میں اک لیلی نازک بدن کے ہے یہ حال
پسلیاں ای قیس میری ہیں رگِ گل کا جواب

[illegible]

مشتاق - جناب محمد مرزا صاحب تلمیذ جناب بدر اکبر آبادی

آنکھ جس سے ملتی ہے بدست ہو جاتا ہے وہی
دیدۂ ساقی ہے گویا ساغرِ مل کا جواب

تیغِ قاتل نے عطا کیں اسقدر گلکاریاں
ہو گیا ہر زخم میرے جسم پر گل کا جواب

حلق پر چل کر مجھے ملکِ عدم پہنچا گئی
تیغِ قاتل ہو گئی حق میں مرے پل کا جواب

جام کی صورت ہے گل اور قطرۂ شبنم ہے پھول
رنگ گلشن آجکل ہے ساغر و مل کا جواب

آتشِ رخ نے کسی کی اسقدر پھونکا چمن
چشم بلبل میں ہوا گل شمع کے گل کا جواب

ہے کسی کے موے کاکل کی محبت رات دن
کیوں نہ ہر تارِ نفس ہو تار سنبل کا جواب

معجز - جناب عبد الرحمٰن صاحب قادرآبادی تلمیذ جناب رونق دہلوی

نالہ ہائے دل نہوں کیوں شور بلبل کا جواب
ہے کسی کا مسکرانا خندۂ گل کا جواب

مے پرستی سے ہوئے مدہوش ایسے بادہ خوار
قہقہہ دینے لگا شیشہ کی قلقل کا جواب

خارزار دشت الفت میں اُڑا کر دھجیاں
دامن عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

وہ تماشاگاہِ جم اس سے زمانہ فیضیاب
ساغر جم خاک ہوگا ساغر مل کا جواب

پہلے تو کم فرصتی کا عذر تھا قاصد نہیں
دیکھئے اب خط میں کیا لکھیں تامل کا جواب

جانتا ہوں میں حقیقت نرگس و سنبل کی خوب
ہم شبیہ چشم وہ - یہ اُن کی کاکل کا جواب

عشق میں تمکو ہے معجز کسقدر خود رفتگی
تذکرہ ہے مصر کا - دیتے ہو کابل کا جواب

محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب - از ڈیرہ اسمٰعیل خان

ہیں بتوں کی مشکبو زلفیں تو عارض لالہ رنگ
ہند کا ہر شہر ہے تاتار و کابل کا جواب

پنجۂ وحشت سے کچھ - کچھ دیدۂ خونبار سے
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

سرنگوں خورشید ہے - ماہ مبیں ہے داغدار
کس سے بن سکئے تری شانِ تجمل کا جواب

باغ دنیا سے اُٹھیں گے دیکھ لینا شاد شاد
ہیں سبک روحی میں ہم بھی نکہت گل کا جواب

شعر طالب پر تو لے محروم مجکو وجد ہے
ہے یہ طالب - طالب خوشگو و آمل کا جواب

مرزا - جناب سید علی مرزا صاحب محرر جنگی و برادر حقیقی چچازاد نواب سید سلطان مرزا

نالہ شبگیر ہے یاں شور قلقل کا جواب
چشم پرخوں ہے ہماری ساغرِ مل کا جواب

سب سے بڑھکر ہو غزل اک سعی لاحاصل ہے
جزو ہو سکتا نہیں مرزا کبھی کل کا جواب

مشتاق - بٹالوی خلف مولوی عبد العزیز خاں صاحب تلمیذ جناب رسا

ہیں اگر رخسار اُس سفاک کے گل کا جواب
مو بمو ہے زلف بھی ریحان و سنبل کا جواب

شور محشر - اُسکے کشتوں نے بپا مزار [illegible]
ایک ٹھوکر اُنکی ہو سکتی ہے ان کل کا جواب

کیا کہا ہے خوب مصرع کسی استاد نے — دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

مضطر۔ عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب رئیس دہلی

ظلم اُس کا صبر میرا ہے تقابل کا جواب — وہ ستمگر اور میں۔ صیاد و بلبل کا جواب

زیر شاخ گل ہے ما من عندلیب زار کا — گل کا ہمسایہ ہے بیشک دامن گل کا جواب

میرے نالوں سے ہوا جاتا ہے محشر گوشہ گیر — بانگ صور حشر دیگی کیا مرے غل کا جواب

ہوں پریشاں کس طرح سنبل سے نسبت دیجیے — گھاس ہو سکتی ہے کیونکر انکی کاکل کا جواب

آپ کیونکر کر سکیں گے رشک دشمن دل سے دور — آپ دینگے کس طرح میرے تخیل کا جواب

غور سے دیکھو زمین و آسماں کا فرق ہے — کاسۂ مہر فلک ہے ساغر گل کا جواب

باعث جور و جفا ہے کیا مرا صبر و شکیب — کیا ستم ہے آپ کا میرے تحمل کا جواب

پرسش عرض تمنا ہو رہی ہے نعش سے — کون دے ظالم بس مردن ترے قل کا جواب

لیگئی اُسکی درازی روز محشر پر فروغ — میری شام غم بنی ہو اُنکی کاکل کا جواب

فکر میری کچھ پرے ہے عالم ادراک سے — کوئی دیسکتا ہے کیا میرے تخیل کا جواب

گریہ خونیں برنگ بادہ احمر نہیں — چشم عاشق بن گئی ہے ساغر گل کا جواب

بادہ کش کیا تجھی لیں گے ہو نہ جتبک بیخودی — آب حیواں ہو نہیں سکتا کبھی مل جواب

کیوں مٹے فریاد بیکس کیوں کھا ہے اپنا دل — کیا غرض گل کو وہ کیوں دے شور بلبل کا جواب

سوز فرقت سے برنگ اخگر سوزاں ہے دل — میرا ہر لخت جگر ہے شمع کے گل کا جواب

اک جہاں برہم ہے تیری شوخی رفتار سے — رستخیز حشر ہوگی اس تنزل کا جواب

زار نالی عاشقوں کی ہے حسینوں کی ہنسی — نالۂ بلبل نہ ہو کیوں خندۂ گل کا جواب

مانتے ہیں تجکو مضطر خوشنوا ئے روزگار — کیوں نہ ہو تیرا سخن ہم آہنگ بلبل کا جواب

گلچیں بھی دیتا ہے کیوں شوخی بلبل کا جواب — ایک خاموشی ہے گویا شوخی گل کا جواب

نادر۔ جناب محمد اسحق صاحب وشنائی فروش تلمیذ جناب سائل دہلوی

تیرے عارض بن گئے رنگینی گل کا جواب — میرے نالے دیرہے ہیں شور بلبل کا جواب

گردن ساقی صراحی وار آئی ہے نظر — دیدۂ مخمور سمجھو ساغر مل کا جواب

اُڑ رہے ہیں میکدے میں ہر طرف جام شراب
ہل رہا ہے چار سو سے شور قلقل کا جواب

کس لئے سر پر اٹھایا تو نے گلشن عندلیب
کون دیگا تجھکو تیرے شورش غل کا جواب

میرے اشکوں کی لڑی سلک در نایاب ہے
ابر نیساں سے بنے کیا اس تسلسل کا جواب

جان جو کی دل لیا صدمے ہزاروں سہ لیے
بے نیازی کی ادا سے تم نہ دو کل کا جواب

بات یہ ایمان کی کہتا ہے نادر سچ تو ہے
ہمنے دیکھا ہی نہیں اُردو تغزل کا جواب

ندیم۔ جناب مشتاق احمد صاحب تلمیذ جناب صمیم بلند شہری

طائر دل آہ و نالے میں ہے بلبل کا جواب
داغ سینہ میں مرے بڑھکر ہوا گل کا جواب

کاکل مشکیں پڑھیں اب اُنکے عارض کی طرف
تو نظر آنے لگا پھولوں میں سنبل کا جواب

آفتاب مے کی گرمی رنگ لائیگی ضرور
ساغر زریں ہے رندو ساغر مل کا جواب

وصل گر مجھکو نہیں منظور کہیئے صاف صاف
سادہ کاغذ ہو نہیں سکتا کہیں کل کا جواب

اُنکے گالوں کی جو سُرخی نے دکھایا اپنا رنگ
باد صرصر نے نہ رکھا گلشن و گل کا جواب

ابروؤں سے مصحف رخ کی تجلی ہے دو چند
مجھکو محراب عبادت میں ملا قُل کا جواب

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ حضرت قمر بدایونی

تو ہے خود رشک چمن عارض ترے گل کا جواب
آنکھ رشک چشم نرگس زلف سنبل کا جواب

وہ گل گلزار خوبی ہے اگر گل کا جواب
عاشق ناشاد و نالاں بھی ہے بلبل کا جواب

مجھ پریشاں سے اُلجھنے کا مزا آجائیگا
بل مری قسمت کے دینگے تیری کاکل کا جواب

کیا کہیے اُس بات پر جسکو نہ سمجھے آدمی
میکشوں میں کون دیسکتا ہے قلقل کا جواب

رنگ میں خوشبو میں اے گلگوں قبا اے گلبدن
سر بسر ہے تیرا دامن دامن گل کا جواب

پھول ہنس کر رہ گئے غنچہ چٹک کر رہ گئے
سوسن تر تو بھی دے فریاد بلبل کا جواب

اپنے حصے کی پلائی شیخ گھر بیٹھے تمہیں
فاقہ مستی میں دیا ہمنے توکل کا جواب

اک نظر دیکھا جسے وہ مست و بے خود ہو گیا
چشم ساقی بن گئی ہے ساغر مل کا جواب

اور تو جوش جنوں میں کون سنتا تھا مری
میرے نالے تھے فقط زنجیر کے غل کا جواب

لیجیے مجھ سے مرا دل بھی ہائے تم واقف نہیں
اب تمہیں کیا دوں تمہارے اس تجاہل کا جواب

خطا کو میرے پڑھکے اُسپر لکھدیا بالکل غلط
ایک فقرے میں دیا ہے میرے کل کا جواب

وہ جواب خط نہ لکھیں اب یہ سمجھ میں آگیا
صبر سے دو ننگا نازانکے شامل کا جواب

مجرمؔ ۔ جناب محمد زکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق صاحب دہلوی

اشک خونیں دامنِ عاشق میں ہیں گل کا جواب
نالہ پر درد ہے فریادِ بلبل کا جواب

جس کو دیکھا میکدے میں مست و بیخود کردیا
چشمِ ساقی دیرہی ہے ساغرِ مُل کا جواب

جامِ جم گو آئینہ بن جائے اسکندر کا آج
ہو نہیں سکتا ہمارے ساغرِ مُل کا جواب

کیوں کرے فریاد و زاری ہجرِ گل میں عندلیب
رنگ خاموشی میں پنہاں ہو تغافل کا جواب

اِس میں شانِ عزّ و تمکیں ۔ یہیں استغنا کی بو
ہے گلیم فقر بھی شاہوں کی قرقل کا جواب

شکوہ ہائے جور پہ مجرمؔ ہوئے ہیں برہمی
کس نئے انداز سے دیتے ہیں وہ کل کا جواب

وجاہتؔ ۔ جناب وجاہت حسین صاحب اڈیٹر اصلاحِ سخن ۔ لاہور

ہے کہاں مسجد میں زاہد شیشۂ مُل کا جواب
تیری ہو حق ہو نہیں سکتی ہے قلقل کا جواب

اُس سہی قامت نے چھوڑیں اپنی زلفیں دوش پر
سر و میں پیدا ہوا ہے آج سنبل کا جواب

قتل کر ڈالو جو تم مجھ کو تو میرے خون سے
توسنِ عمرِ رواں بن جائے دُلدل کا جواب

ہو گئے ہیں اُسکی چشمِ مست سے کتنے ہی مست
ہے یہ چھوٹی سی پیالی اک خُمِ مُل کا جواب

کان رکھ کر گل نہیں سنتے نہیں سنتے ذرا
اِن کی یہ خاموشیاں ہیں شورِ بلبل کا جواب

اشک خونیں سے کھلائے ہیں عجب خوش رنگ پھول
آج بلبل نے دیا ہے باغ میں گل کا جواب

بعدِ مردن بھی رہیگی ان میں باہم لاگ ڈانٹ
برہمن کے پھول ہونگے شیخ کے قل کا جواب

چھوڑ دے سامان اطمینان پیدا کر ذرا
ورنہ استغنا ہے اس تیرے توکل کا جواب

عمر بھی کیا چیز ہے جتنی بڑھی اُتنی گھٹی
اِس ترقی میں نظر آیا تنزل کا جواب

عاشقوں کے حلم پر ایسی شرارت لے بتو
شوخیوں سے تم نہ دو صبر و تحمل کا جواب

دیکھ لو اے عاشقو مضمون خط نقدیر کا
لکھدیا ہے یار نے اِک مرتبہ کل کا جواب

دل کے آئینہ میں اُس کا عکس ہے جلوہ فگن
ہم نے پیدا کرلیا ہے تیری کاکل کا جواب

[illegible]

ناچیز۔ جناب رگھوناتھ سنگھ صاحب دہلوی۔

جلد ملتا ہے قاتل سے قاتل کا جواب
ہے توجہ یار کی میرے تحمل کا جواب

ہنجر۔ جناب نواب ناظم علیخاں صاحب ایڈیٹر زبان اردو تلمیذ حضرت داغ

ہم وہ عاشق جنکی الفت عشق بلبل کا جواب
ہم وہ گلرو جس کا عارض عارض گل کا جواب

وہ تو وہ الفت میں ہمکو بھی خبر اپنی نہیں
ہے ہماری بے خودی انکے تغافل کا جواب

داغ دل داغ جگر دونوں برابر ہیں ہمیں
سچ تو یہ ہے ایک گل ہے دوسرے گل کا جواب

کس کو یاد آئی مرے اللہ مجھ میخوار کی
ہوگئی ہیں ہچکیاں شیشے کی قلقل کا جواب

جب سے گھائل ہیں کسی گلرو کی تیغ عشق کے
خندۂ زخم جگر ہے خندۂ گل کا جواب

یا یہی کہہ دو تغافل پیشہ ہوتے ہیں حسیں
یا کوئی معقول دو اپنے تغافل کا جواب

سچ تو یہ ہے رشک گلشن تمکو کہنا چاہئے
پھول سے رخسار ہیں زلفیں ہیں سنبل کا جواب

ہم تو بلبل اس گل گلزار خوبی کے ہیں ہنجر
ہو بہو صورت ہے جس کی چہرۂ گل کا جواب

زوار۔ جناب سید زوار حسین صاحب ساکن جلال آباد ضلع مظفر نگر

یہ دل پرخوں ہے اپنا ساغر مل کا جواب
نالہ و فریاد ہے مینا کی قلقل کا جواب

عشق میں اس عارض رنگیں کے ہوکر چاک چاک
دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

لاکھ نالاں ہوں کریں فریاد بھی خواہان وصل
کون دیتا ہے وہاں اس شورش و غل کا جواب

دیکھنا زوار نا ثانی ہے وہ نام خدا
خلق میں ملتا نہیں اس حامی کل کا جواب

ہمارا ارادہ ہے کہ نئے سال سے اس پرچہ کو مفید نظم و نثر مضامین سے اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیں لیکن یہ ایک آدمی کا کام نہیں۔ جبتک متفقہ کوشش نہ کیجائے اس لئے یقین ہے کہ ہمارے معزز احباب ناظرین گلدستہ ہذا اپنی فراخ دلی کا کامل ثبوت دیکر مالی و قلمی امداد سے کمال کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نفرمائینگے۔ قدر افزایان رسالہ میں جو صاحب کم از کم مبلغ ۵ روپیہ زر چندہ بطور اعانت عطا فرمائینگے انکے اسم نامی ایک سال تک فہرست سرپرستان و معاونین میں شکریہ کے ساتھ شائع ہوتے رہینگے مصرع پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات مرحمت ہوں "یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی"۔ بابت ماہ مارچ "جلیسی ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو"

نوٹ۔ پچھلی دفعہ بوجہ دیر میں چھپنے کے ناول کا حصہ شامل گلدستہ نہ ہوسکا انشاء اللہ اسکی آیندہ کے نمبر میں پوری کر دیجائیگی۔ ایڈیٹر

معزز شعرا و قابل نامہ نگاروں کی خدمت میں التماس ہے کہ اپنے اپنے مفید و دلچسپ مضامین و غزلیات وغیرہ بہت جلد ارسال فرمایا کریں تاکہ اشاعت رسالہ میں تاخیر نہوا کرے ہم چاہتے ہیں کہ رسالہ ٹھیک وقت پر ناظرین کے قابل قدر ہاتھوں میں پہنچ جایا کرے بعض احباب محسوبت غزلیں رسال فرماتے ہیں جبکہ رسالہ بالکل تیار ہوجاتا ہے آیندہ وہ صاحب ٹھیک وقت پر ارسال فرمایا کرینگے ۔۔۔

رُمبلڈ، تحقیقات کی غرض سے۔ اور یہ موقع کیونکر ہوا۔
دو اسپ سوار مسافروں نے میری جھونپڑی کے پاس سخت سفر کے بعد آرام کرنے کی غرض سے قیام کیا۔ ایک کا نام "رمرسے" تھا اور دوسرے کا نام "ولکاٹ"۔
رُمبلڈ:- آہ میرے پورانے ساتھی دلی دوست۔ کیا وہ تمہاری جھونپڑی کے پاس ٹھیرے۔ مجکو اُن کا سفر ہمیشہ یاد ہے۔ جو چند ہفتہ پیشتر کیا تھا۔
"بد قسمت عورت":- ہاں وہ میرے بوسیدہ جھونپڑے کے پاس ٹھیرے تھے اور وہ صرف ایک گھنٹہ۔ اُسوقت تک کہ اُن کے گھوڑوں نے تازہ گھاس کھائی اُنہوں نے ایک دوسرے کا نام لیکر گفتگو کرنی شروع کی۔ تب میں نے اُن کو معلوم کیا کہ وہ کون تھے اور اپنی گفتگو کے مابین اُنہوں نے اتفاقاً تمہارا ذکر کیا۔
آہ۔ میرا دل کسطرح تھر تھرایا جبکہ تمہارا نام پھر ایک مرتبہ انسانی آواز میں میرے کانوں تک پہونچا۔ اور اُنہوں نے کچھ ایسے الفاظ میں تمہارا ذکر کیا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ تمہارے قدیمی دوست تھے۔ اُنہیں کی زبانی آپکے مسکن کا بھی حال سُنا جب وہ چلے گئے تو میں نے اس واقعہ کو خدا ساز امر سمجھا۔ اور معلوم کیا کہ تم زندہ ہو۔ اور یہاں رہتے ہو۔ لیکن تاہم میں نے وہاں سے روانہ ہونے اور تمہارے مسکن کو تلاش کرنے میں پس و پیش کیا۔ اِس خوف سے کہ مبادا جب میں اپنے آپ کو تمہارے قدموں میں ڈالونگی۔ تو آپ کی حضوری سے لات مار کر نکال دی جاؤنگی۔ انجام کار میں نے نہایت ہمت اور مضبوطی کے ساتھ سفر اختیار کیا اور خدا خدا کر کے خود کو آپ تک پہونچایا۔
رُمبلڈ:- میرنا تمہاری تکلیفات اُس سے زیادہ ہیں جس غلطی کیلئے تم نے توبہ کی ہے۔ اب تم اس سقف کے نیچے ایک مکان پاؤگی جو تمہارے رہنے کیلئے ہے لیکن ایک بات اور ہے کہ مجھ سے اُس آدمی کا جس نے تمہارے ساتھ دغا کی حلیہ

بیان کرو۔ کہ جس سے میں خیال کر سکوں کہ آیا میں نے کبھی ایسے آدمی کو دیکھا بھی ہے
نہیں اور اگر نہیں دیکھا ہے تو میں اُسکو تمہارے بیان کردہ حلیہ سے اتفاقیہ ملجا
پر شناخت کر سکوں۔
ہیرنٹا۔" خوف کے جوش میں آکر۔ نہیں نہیں رچرڈ میں اس بارے میں کچھ بیا
نہیں کر سکتی۔ میں التماس کرتی ہوں کہ مجکو اُس بیرحمی کے امتحان میں نہ ڈالو
اُن گذشتہ واقعات پر زیادہ بسر نہیں کر سکتی۔ یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ میرے دما
پھر دیوانگی کا اثر ڈالیگا۔ یعنی وہ خیال مجکو سخت رنج دہ ہوگا۔ آہ مجکو معاف رکھو
رکھو۔ رمبلڈ نے یہ ارادہ کر کے کہ آئندہ اور مناسب موقع کیلئے اُس بیان کو جو
وہ جاننا چاہتا تھا ملتوی کیا جائے۔ کہا اچھا۔ تم اِسوقت اپنے آپ کو تسکین
ہیرنٹا۔" (کچھ دیر ٹھیر کر) تم نے اپنے مکان کے نیچے میرے لئے ایک پناہ گاہ د
کیا ہے اور میں بھی اسکو قبول کرتی ہوں۔ لیکن تم میری ناسازی حالت پر اسقدر مہ
کروگے۔ کہ مجکو حجرے میں بالکل تنہائی میں رہنے دوگے۔ اور خوشی اور شادی کی جلسہ
میں کبھی مجکو شامل ہونیکے لئے نہ بلاؤ گے۔"
رمبلڈ" (بات کاٹ کر) بہن ایک لفظ کافی ہے تم اپنے خاص افعال کے خود مالک
اور اب مجکو وہاں چلنا چاہئے۔ کہ تم کو وہ مکان بتا دوں۔ جو اسوقت سے خاص
تمہارے لئے ہوگا۔ میں بعد اسقدر جوش کے جو تم کو اسوقت ہوا ہے یہ تجویز نہ
کرونگا کہ تم میری زوجہ و دختر سے آج شام کو ملو۔ کل تمہارے دل کو اُس آرام سے جو
تم کو زیادہ ضرورت ہے تسکین ہو جائیگی۔
ہیرنٹا۔" ہاں ہماری اوّل ملاقات کل کے لئے رکھو۔ اور اسوقت میں ملاقات
کیلئے اچھی طرح تیار ہو جاؤنگی۔ اسپر کرنیل اپنی بہن کو ایک جُداگانہ کوٹھری میں
اور عمدہ بستر اُس کیلئے مہیا کر دیا۔ اور سلام بندگی کر کے اپنے دیوانخانہ کی طرف اپنی

اور زوجہ کو ٹے ہاؤس میں ہیرنٹا کی آمد کی اطلاع دینے کیلئے چلا گیا۔

باب چہارم

ماہی گیر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اس واقعہ کے بعد جو ابھی بیان ہوا ہے اگلے دن دوپہر کو درختوں کے کنجان سایہ میں ٹائی ہوپر سے چوتھائی میل کے قریب ایک نوجوان شریف دریا میں مچھلی کا شکار کررہا تھا وہ ایک خوبصورت جگہ تھی جہاں وہ اپنے شکار کے انتظار میں تھا۔ زمین گھاس کے گداز قالین سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جھکے ہوئے درختوں کی گنجان شاخوں سے جو اپنے جھلملاتے ہوئے سایوں کو چشمہ پر پریشان کررہی تھیں۔ ایک کنج نما سر خلوت بن گئی تھی۔ دن گرم تھا یعنے (اس روز زیادہ گرمی تھی) آفتاب نیلگوں شفاف آسمان میں چمک رہا تھا اور اگرچہ ہوا ہلکے جھونکے کے ساتھ نہیں چل رہی تھی لیکن باوجود اسکے گھاس کی خوشبو سرنگ دار پھولوں کی خوشبو کے ساتھ جو چاروں طرف کھل رہے تھے۔ ملکر نہایت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ ماہی گیر جو ایسا تھا جسکی موجودگی اسطرف گذرنے والے مسافر کا جوش میلان اپنی طرف کھینچے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ کیونکہ اُن کی شباہت صرف چہرے کی انسانی خوبصورتی اور رنگ و روغن اور عمدہ تناسب قد کے باعث ہی قابل لحاظ یا قابل تعریف نہ تھی بلکہ اُسکی وضع بھی درست اور موزوں تھی۔ اُسکی نہایت معمولی انداز میں یہ قدرتی صفت پائی جاتی تھی۔ اور اُس کے خط و خال کے اظہار دیکھنے والے پر پہلی ہی نظر

میں تحکمانہ اثر ڈالنے کیلئے نہایت موزوں تھے - اُسکی عمر قریب ۲۲ یا ۲۳ برس کی تھی - اُس کے بال جو سیاہی مائل تھے اور اپنی تیز چمک کے سبب قطعی سیاہ معلوم ہوتے تھے - کسیقدر دراز تھے اور اُس کے طرحدار سر کے چاروں طرف باقاعدہ بل کھائے ہوئے تھے - اُسکی آنکھیں سیاہ تھیں - اور دانشمندی اور انسانی لیاقت اُس سے ظاہر ہوتی تھی - اُسکی سردارانہ پیشانی سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے اعلیٰ فیاضانہ خیالات کبھی عالم بیکاری میں نہیں رہے تھے - ایماندارانہ راستبازی اُسپر تاج شاہی کی مانند موجود تھی - جو اُس معمولی تاج سے بھی جو کسی بادشاہ کے سر پر ہوتا ہے زیادہ بیش قیمت تھی - اور باوجود اس کے اُس کے عمدہ لب نہایت خوبصورتی کے ساتھ معرف تھے - اور کوئی ناواجب فخر ظاہر نہیں کرتے تھے کہ جو انسانی ہیئت کی مناسب عظمت سے زیادہ ہو - اسکا چہرہ ٹھیک مطابق یونانیوں کے شکل کا تھا - اور تناسبت اعضا میں کوئی قصور نہ تھا اور اُس کے چہرے کے آئینہ میں مردانہ روح کے خیالات پرتو انداز تھے - اُس کی ابرو جو اُس کے بالوں سے زیادہ سیاہ تھے - اور بہ بنوجہ بالکل کالے تھے نہایت عمدگی سے محرابدار بنے ہوئے تھے - اور اُسکی کشادہ پیشانی کے شریفانہ ظہور کو ترقی دے رہے تھے - لیکن اگرچہ اسطرح پر گہرے خط کشیدہ تھے - لیکن وہ معرف خطوط میں بے قاعدہ نہ تھے - اُسکی آنکھیں جو ابروؤں کی مانند تھیں اسقدر گھندار تھیں کہ اوپر کے لب کو چھپاتیں بلکہ اور زیادہ زیب دیتی تھیں - اُسکی کل مونچھیں بڑی نہ تھیں بلکہ گھونگروالی اور چمکدار تھیں - اور خلاف دستور زمانہ اُسکی ڈاڑھی ٹھوڑی کے مقام سے تھوڑی سی مونڈی ہوئی تھی - اسکا قد لمبا تھا قریباً چھ فٹ اسکی بلندی تھی اور بالکل سیدھا تھا - اور اگرچہ کمر نازک تھی - تاہم شانوں کے مناسب فربہی اور سینہ کی چوڑائی اور کشادگی سے اسکی طاقت اور

ڈاکٹر برمن کی بنائی مشہور دوائیں

پچیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں۔

(۱) دمہ جیسے زور سے اچھلتا ہوا ہو دوا کی دو ایک مقدار ہی سے دب جاتا ہے

(۲) نیار ہتے اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پورانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں۔

دمہ کی دوا

ڈاک محصول ایک سے ۴ شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ ۱۲؍

مقوی باہ کی گولیاں

ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفورس۔ اسٹکنیا اور ڈیمینا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز ریڑھ ورگ۔ ماس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے۔ اس لئے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری۔ ہول دل۔ یاد بھول نا۔ ہاتھ پیر کا کنپنا۔ لقوہ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں۔ دو ہفتہ کی خوراک تیس گولیوں کی شیشی۔ قیمت ایکروپیہ۔ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔

امراض مستورات کی دوا

یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی بیماری پر ور روگ۔ حمل کی کمزوری۔ پیڑو جانگ میں درد۔ وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمائش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایکروپیہ چار آنے ۱۴؍ (۶ خوراک) ڈاک محصول ۶؍۔ ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکٹوں کے پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھیئے۔

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن

نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

قواعد وضوابط

(۱) یہ رسالہ سرپرستی عالیجناب نواب فخر الدولہ سر میرزا امیر الدین احمد خان صاحب بہادر کے سی آئی فرمانروائے ریاست لوہارو و عالیجناب کنور بہدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ سری رام صاحب ایم اے مصنف مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید و نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اُردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی ... معاونین ... مہربان ... سے ... گورنمنٹ و والیانِ ملک سے جو کچھ عطا ہو

(۳) جواب طلب اُمور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف

(۴) خریدار و غیر خریدار سب کا کلام منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی شعر ... اُجرت پر چھپ سکتا ہے

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق زیبِ گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندۂ سالانہ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۳ ؎ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اُسے مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر معہ نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق ایک دلچسپ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بہدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ... دہلی یا بنام ایڈیٹران ہونی چاہیئے۔

نوٹ۔ یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا ایڈیٹران سے ہر وقت ... کم از کم مبلغ ... سالانہ چندہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں ... رہا کرے گا

چھاپے لال رونق دہلوی و چندی پرشاد شیدا دہلوی - ایڈیٹران

نظامِ شمسی

اہلِ حق نے اِس عالمِ خلا کے (جس کو آسمان کہتے ہیں) بیشمار سیاروں میں سے سات ستاروں کو بڑا مانا ہے اور ان ہی کے ناموں پر ہفتے کے سات دن منسوب کیے ہیں جو ساری دنیا میں رائج ہیں جس سے پتہ ملتا ہے کہ ضرور سب ایک ہی علمی خوان کے لذت چش ہیں کیونکہ سات دن کا ہفتہ اور بارہ مہینے کا سال سب ہی نے مانا ہے۔ گو مہینے کے دنوں میں شمسی اور قمری حساب سے کچھ فرق پڑ گیا ہو لیکن سال ہر جگہ بارہ مہینہ کا ہی شمار ہوتا ہے۔ ہم اِن سات سیاروں کا کسیقدر حال اپنے احباب کی دلچسپی کے لیئے ذیل میں درج کرتے ہیں ؂

آفتاب۔ اہلِ ہیئت نے آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ تراسی ہزار دو سو چھیالیس میل لکھا ہے ۲۵ دن میں آفتاب اپنے محور پر ایک دورہ تمام کرتا ہے اور زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ اگر آفتاب سے ایک توپ چھوڑی جائے تو اُس کا گولہ ۱۹ برس میں بھی زمین تک نہیں پہنچے گا۔ ؂

عطارد۔ بہ نسبت اور سیاروں کے عطارد آفتاب سے جسکی دوری تین کروڑ ستر لاکھ میل اور قطر اس کا تین ہزار دو سو چوبیس میل ہے) بہت قریب ہو آفتاب کے گرد ۸۸ دن ۲۳ گھنٹہ میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے اور ایک گھنٹہ میں ایک لاکھ پانچ ہزار میل مسافت طے کرتا ہے عطارد کے باشندوں کو بہ نسبت ہمارے سورج سات گنا بڑا نظر آتا ہو۔ کیونکہ ہماری زمین سورج سے زیادہ فاصلے پر واقع ہوئی ہے۔ سورج سے اگر توپ چھوڑی جائے تو اُس کا گولہ عطارد تک ساڑھے سات سال میں پہنچے گا ؂

زہرہ۔ یہ ستارہ آفتاب سے چھ کروڑ اسّی لاکھ میل دور ہے اور دو سو چوبیس دن کے گھنٹہ

ہیں سورج کے گرد ایک دورہ تمام کرتا ہے اور فی گھنٹہ ۶۷ میل چلتا ہے عطارد سے بڑا لیکن
زمین سے چھوٹا ہے کیونکہ قطر اس کا سات ہزار چھ سو ستاسی میل ہے۔

زمین (جس پر ہم رہتے ہیں) آفتاب سے ساڑھے ۹ کروڑ میل دور ہے اور آٹھ ہزار
میل اسکا قطر ہے آفتاب کے گرد ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۸ سکنڈ میں گھوم
جاتی ہے اور فی گھنٹہ ۶۸ ہزار میل چلتی ہے توپ کے گولہ سے ایک سو پینتیس گنی اسکی
رفتار زیادہ ہے چاند اور سورج کی طرح گول ہے اور ایک دن میں اپنے محور پر ایک دور تمام
کرتی ہے اور یہ رفتار اسکی فی گھنٹہ ہزار میل ہے۔ زمین کی ان دونوں حرکتوں کی تشبیہ جو ایک
تو آفتاب کے گرد اور دوسری اپنے محور پر گھومتی ہے غبارے سے دی جاسکتی ہے کہ
جیسے کہ غبارہ ایک حرکت سے تو آفتاب کی طرف جاتا ہے اور دوسری حرکت سے گھومتا جاتا ہے

چاند۔ فاصلہ کی زیادتی سے آفتاب کی روشنی زمین تک کم پہنچتی ہے اس واسطے قدرت
نے زمین کو ایک قندیل عطا کی ہے جسے ہم چاند کہتے ہیں۔ اور ستاروں کی بہ نسبت چاند
زمین سے بہت قریب ہے۔ لیکن اس نزدیکی پر بھی ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔
چاند کا قطر دو ہزار ایک سو اسی میل ہے۔ زمین کے گرد ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ میں گھوم جاتا ہے۔
اور فی گھنٹہ دو ہزار دو سو نوے میل چلتا ہے۔ جو صورتیں کہ چاند میں نظر آتی ہیں وہ دریا
پہاڑ اور سایہ ہیں۔ زمین کے باشندے اسکی نزدیکی کی وجہ سے اسکی حقیقت زیادہ معلوم
کرسکتے ہیں سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک شخص بیان کرتے تھے کہ پیرس کی بڑی نمائش میں جو ۱۹۰۰ء
میں ہوئی تھی ایک بڑی دوربین سے دیکھا گیا تو زمین کی طرح چاند میں بھی آبادی معلوم
ہوئی۔ وہاں کے باشندے کسی قدر پست قد اور برہنہ دیکھے گئے۔ اُنکے جسموں پر
تقریباً ایک ایک فٹ سنہری بال اور وہ ایک قسم کا پھل کھاتے تھے جو خربوزہ کی
مانند تھا۔ اور ایک نئی قسم کے جانور جو قد میں بھیڑ کی مانند تھے۔ درختوں کے نیچے بیٹھے
ہوئے دیکھے گئے منجملہ دیگر عجائبات کے ایک سنگین اور خوبصورت قلعہ تھا جو سراسر
سنگ سفید کا دکھائی دیتا تھا۔ یہی کیفیت غالباً دوسرے سیاروں کی بھی سمجھ لینی چاہیے
جیسا کہ یہ ستارہ ہم کو چاند معلوم ہوتا ہے [illegible]

چاند پر سترہ حصہ زیادہ پڑتی ہے۔ کیونکہ زمین چاند سے کسیقدر بڑی ہے۔

مریخ۔ یہ ستارہ اپنی جسامت میں زمین سے بہت بڑا ہے اور آفتاب سے ۱۴ کروڑ ۵۰ لاکھ میل دور ہے۔ اور اس دوری کیوجہ سے وہاں کے باشندوں کو آفتاب آدھا نظر آتا ہے۔ مریخ ایک گھنٹہ میں ۵۲ ہزار میل چلتا ہے اور آفتاب کے گرد ۶۸۷ دن میں گھوم جاتا ہے۔ قطر اس کا صرف ۴ ہزار دو سو میل ہے۔ وہاں کے باشندوں کی صورتیں آدمیوں کی سی ہیں البتہ اس قدر فرق ہے کہ بجائے پانوں کے انکے کھر معلوم ہوتے ہیں اور بندر کی سی دم دیکھنے میں آتی ہے وہ ترقی اور تہذیب میں ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ اور علم طبیعات میں ان کو خاص قسم کا ملکہ ہے۔ زمانۂ حال کے علما رسائنس اہل مریخ سے گفتگو کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں اور مسٹر ولیم مارکونی کو تو یہاں تک دعوی ہے کہ ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء تک وہ اپنی بے تار کی تار برقی سے مریخ تک پیغام پہنچا دینگے ✤

مشتری۔ اس ستارے کا قطر ۹۰ ہزار میل یعنی زمین سے ۱۴ سو گنا بڑا ہے اور آفتاب سے ۵۰ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس دوری سے آفتاب کی روشنی وہاں کم پہنچتی ہے اس واسطے قدرت نے مشتری کو ۴ چاند عطا کئے ہیں اور وہ اپنی روشنی سے مشتری کو منور کرتے ہیں اور اس ترتیب سے پھرتے ہیں کہ وہاں کبھی اندھیرا نہیں ہوتا۔ ان چاندوں میں کوئی ہماری زمین سے بڑا کوئی چھوٹا ہے۔ پہلا چاند مشتری سے ۲ لاکھ ۶۰ ہزار میل دور ہے اور ایک دن آٹھ گھنٹہ میں مشتری کے گرد گھوم جاتا ہے۔ مشتری کے باشندوں کو عطارد۔ زہرہ۔ مریخ۔ اور ہماری زمین نظر نہیں آتی۔ اس سیارے کی چال فی گھنٹہ ۲۹ ہزار میل ہے۔

زحل۔ اس کا قطر ۷۹ ہزار میل یعنی زمین سے ۶ سو گنا بڑا اور آفتاب سے ۹۰ کروڑ میل دور ہے اور سورج کے گرد ۳۰ برس میں اپنا دورہ تمام کرتا ہے اگر آفتاب سے توپ چھوڑی جائے تو اس کا گولہ زحل تک ۲۰۰ پندرہ برس میں پہنچے گا۔ اس کے گرد سات چاند دورہ کرتے ہیں اور زحل کے باشندے ایک رات میں کئی چاند دیکھ سکتے ہیں۔ ان چاندوں کے علاوہ زحل کے گرد ایک منور حلقہ اور بھی ہے جو زحل تک روشنی پہنچاتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ زمین سے

ہزاروں عالم اُس میں سما سکتے ہیں صرف چوڑائی ہی اِس حلقہ کی ۲۷ ہزار میل ہے زحل کے چاند اور یہ منور حلقے دوربین سے صاف نظر آتے ہیں۔ اہل زحل ہماری زمین کو نہیں دیکھ سکتے البتہ وُہ اگر دوربین سے دیکھیں تو ایک نقطہ کی برابر نظر آ سکتی ہے۔ (ایڈیٹر)

ہوائی گاڑی

ہر فرد بشر کے دل میں قدرتی یہ خواہش ہوتی ہے کہ پرند کی طرح عالم ہوا کی سیر کرے اور بلندی سے قدرت کی نیرنگیوں کا تماشا دیکھے۔ غبارہ کا ہوائی گاڑی سے مقابلہ کرتے وقت یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ دونوں میں وہی تفاوت ہے جو بچوں کی لکڑی کے گھوڑے اور زمانۂ حال کی موٹر کار میں ہے۔ موٹر کار کے موجد نے پہلے پہل ایک چھوٹی سی گاڑی میں اپنی پیاری چنپا نطّع کو کرۂ ہوا کی سیر کرا کے موجودہ ہوائی گاڑی کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور اُس دن سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ کسی نہ کسی طرح ہوائی جہاز بھی ایجاد ہوں جو زمین سے اُوپر ہی اُوپر سینکڑوں کوس نکل جائیں۔ گاڑی کی ساخت بالکل سیدھی سادھی ہے مختلف مسافروں کے بوجھ کو اِس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ گاڑی کے ہر ایک حصہ پر بہت ہی کم بوجھ پڑے اور یہ تقسیم کچھ اس خوش اسلوبی سے کی گئی ہے کہ گاڑی کے لیئے مسافر کا عدم وجود برابر ہے گاڑی کا جزو اعلی ایک چھوٹی سی کل ہے جو ساخت میں بہت معمولی ہوتی ہے کل پرزوں کو حرکت میں لاتی ہے اور گاڑی کو ایک پرند بنا دیتی ہے جو مسافر کو اپنے پروں پر ہنسی خوشی اس لطیف عنصر ہوا میں لیئے پھرتی ہے اور لطف دوبالا کرتی ہے۔ پروں کی حرکت کم و بیش کر کے مسافر اپنا رُخ اور اپنی رفتار کو بدل سکتا ہے۔ غرض یہ مصنوعی پرند جسکی جان اور طاقت برقی قوت پر منحصر ہے حضرت انسان کی تابعداری سے ذرا بھی انحراف نہیں کرتا ہے ڈیلی میل کے انعام کے مشتہر ہوتے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ انعام اُس ہوائی گاڑی کے موجد کا حصہ ہوگا جسکی گاڑی اتنے لمبے سفر کے قابل ہو۔

[illegible]

وقت اور دماغ صرف کرنے والا موجد انعام کا شاید اسقدر مستحق نہیں جسقدر کہ اس کا استعمال
کنندہ ہے بشرطیکہ وہ جان و مال کھپا کر اس میں کمال حاصل کر سکے۔ موجد کی اکثر یہی خواہش
ہوا کرتی ہے کہ کوئی نہ کوئی اُسکی ایجاد میں کمال حاصل کرکے دنیا کو عالم تحیر میں ڈالے اور
اُسکے لیئے اطراف عالم سے تحسین و آفریں کے نعرے بلند ہوں۔ اِس انعام کے لینے والے
مسٹر ویر رائٹ کا بھی یہی حال تھا اُسنے اپنی جان عزیز اس ہوائی گاڑی کی نذر کردی تھی۔
چونکہ سفر خطرہ سے خالی نہ تھا اس لیئے اپنی جان ہتیلی پر رکھے ہوئے سفر کرتا تھا۔ گاڑی
چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ اور سفر نہایت کامیابی کے ساتھ کیا گیا۔ لوگوں
کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ گاڑی سو یا دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے
جا سکیگی۔ مگر کئی وجہ سے لمبے سفر میں کم رفتاری کو ترجیح دیجاتی ہے۔ پرندوں کی پرواز میں
بھی اکثر مبالغے سے کام لیا جاتا ہے کوا بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں اُڑ سکتا۔
ہاں جنگلی بطخ ہی لمبے سفر میں بہت تیز اُڑ سکتی ہے مگر وہ بھی چالیس میل کی رفتار سے زیادہ
کبھی اُڑتی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔ ہوائی گاڑی میں کئی مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ وہ پرند جو آگے
اُڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور جان کی حفاظت اُنکو کسی
دوسری سمت میں لیگئی ہے۔ پالتو کبوتر آندھی کے رخ چالیس میل کی رفتار سے زیادہ
اُڑ سکتا ہے ؎

ہوائی گاڑی آیندہ زمانے میں بہت ہی مفید ثابت ہوگی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی
کہ عمدہ اور مضبوط بنی ہوئی دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نہ جا سکے اُمید ہے کہ چند سال کے
عرصے میں یہ اُڑنے والی گاڑیاں عام ہو جائیں گی اور قیمت صرف چھ سات سو روپیہ تک
ٹھہریگی اور متوسط درجے کے لوگ بھی اسکے لطف سے محروم نہ رہیں گے۔ ولایت میں ایک
کلب بننے کی تجویز ہو رہی ہے جسکے اجلاس ہوائی گاڑیوں پر ہوا کرینگے اور اُمید ہے کہ چند
سال کے اندر ہی غباروں کی دوڑ ایک پرانی چیز معلوم ہونے لگے گی اور ہوائی گاڑیوں
کی بدولت آسمانی سیر کا حظ اُٹھایا جائیگا ؎

([illegible])

انجمن اتحاد سخن دہلی

اِس انجمن کا ماہواری مشاعرہ بتاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۱۱ء بروز آخر ہفتہ مکان سعینہ واقع سڑک جدید نہایت شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ بوجہ جلسۂ مسلم لیگ کے شعرا بہت کم تشریف لائے تھے البتہ تعدادِ سامعین بہت زیادہ تھی۔ عالیجناب نواب سید غوث محمد صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور کی تحریک اور پیارے لال آرونق کی تائید سے عالیجناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاستِ لوہارو صدر انجمن مقرر ہوئے۔ قریب ساڑھے نو بجے کے شمع کو گردش دی گئی۔ نواب صاحب ممدوح نے چند شعر غیر طرح پر فرمائے جو نہایت ہی پرلطف اور زوردار تھے۔ تمام غزلیات طرح اور غیر طرح ہر ایک صاحب نے بقدر لیاقت بہت عمدہ عمدہ پڑھیں جس سے سامعین کمال محظوظ ہوئے یہ مشاعرہ ایک بجے شب کو جناب صدر انجمن کے شکریہ کے ساتھ ختم کیا گیا۔ آئندہ کے لیے مصرع طرح حسب ذیل اعلان ہوا "عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" یار وغیرہ قافیہ

فہرست سرپرستان ومعاونین رسالہ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب بہادر خلد آشیاں ریاستِ رامپور

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو

عالیجناب لالہ بابو مل صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکزکٹو انجینیر درجۂ اول رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید۔ رئیس دہلی

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندرآباد۔

عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ دہلوی

عالیجناب لالہ سری کشن داس صاحب ساہو گوڑوالے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بہادر لالہ شو پرشاد صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی
عالیجناب ابوالعظم نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی
عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بہاولپور
عالیجناب بابو مہاراج کرشن صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی
عالیجناب پنڈت شنو نرائن صاحب شرما وید دہلی۔
عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹ ماسٹر دہلی۔
عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار مصاحب اعلیٰ سرکار ریاست رامپور
عالیجناب لالہ جھبول صاحب رئیس دہلی۔

مسمریزم

دنیا میں جسقدر غلط فہمی اس علم کے متعلق موجود ہے شاید ہی کسی علم و فن کے متعلق اتنی ہو اگر قدامت کے لحاظ سے بھی اس علم کی تاریخ پر ہم غور کریں تو دنیا کی تاریخ کا جہاں تک پتہ چلتا ہے اسکا نشان بھی وہیں تک پایا جاتا ہے۔ لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں سال قبل مسیح ہم اس علم کے عجیب و غریب کرشمے ہندوستان میں دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں یہ خاص طور پر مذہبی مقتداؤں اور خصوصاً یوگیوں کے قبضہ میں "گپت ودیا" کے نام سے عوام کے دلوں پر اپنا رعب جمائے ہوئے ہے "راج یوگ" اور "ہٹ یوگ" کے درمیان حد فاصل بنا ہوا ہے اکثر بڑے بڑے مذہبی مقتدا اسی کے ذریعے سے غیب کی باتیں بتا رہے ہیں۔ کہیں مشعلوں کے ذریعے سے گزشتہ واقعات کی خبریں دی جا رہی ہیں کہیں قیمتی پتھروں میں دیکھکر دنیا کے حالات سے واقفیت بہم پہنچائی جا رہی ہے کہیں مصیبت زدہ دل کو

جارہا ہے" راج یوگ اور ہٹ یوگ" یہ دو طریقے یوگ کے ہیں جنہیں" راج یوگ" خالص عشق الٰہی میں مبہوت ہو کر خدارسی کے لیئے ریاضت وغیرہ کیجاتی ہے - مگر" ہٹ یوگ" میں اپنے قوائے روحانی وقلبی کو اکثر شعوریہ ترقی دیتے ہیں جسکے ذریعے سے مختلف طاقتیں ہٹ یوگی کو حاصل ہوجاتی ہیں - یہ تمام طاقتیں راج یوگی کو بھی ضمناً حاصل ہوجاتی ہیں لیکن نہ وہ اس کا استعمال کرتا ہے اور نہ اُس کا اظہار کیونکہ وہ اسکو شعبدہ بازی سے زیادہ نہیں سمجھتا" گپت ودیا" یا آجکل کی اصطلاح میں" مسمریزم" یہ اُس زمانے میں اِس ترکیب کا علم تھا کہ جسکی ضرورت راج یوگی اور ہٹ یوگی دونوں کو ہوتی تھی - علاوہ دیگر تمام باتوں کے امراض کے علاج میں اِس کا استعمال خاص طور سے ہوا کرتا تھا -

ہندوستان کے بعد مصر میں اسکی موجودگی کا پتہ تقریباً تین ہزار برس قبل مسیح تک چلتا ہے - مصر کی ایک قدیم تاریخ جس کا نام" ایبرس پیپرس" ہے اِس کا ترجمہ جرمن زبان میں ڈاکٹر ہنری بوشم نے کیا ہے - جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵۵۲ء قبل مسیح سے بہت پہلے مصر میں ایسے ایسے لوگ موجود تھے جو صرف ہاتھ رکھکر مرض کو دور کردیتے تھے مصر میں بھی یہ فن مذہبی پجاریوں کے ہاتھ میں تھا - جو اس سے قریب قریب اتنے ہی کام لے سکتے تھے جتنے ہندوستان کے یوگی - مصر میں یہ فن ہندوستان ہی سے گیا تھا - لیکن اسکی تاریخ کا ٹھیک پتہ لگانا ناممکن ہے -

اُسی زمانے یا اسکے کچھ بعد جاپان میں بھی ایسے ایسے مذہبی پیشواؤں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے - جو قریب قریب ہندوستان کی طرح بعض اوقات مصریوں سے زیادہ اِس علم سے کام لیتے رہے ہیں - اِس میں شک نہیں کہ جاپان میں بھی یہ طریقہ ہندوستان ہی سے پہنچا - پہلی صدی عیسوی میں ناسٹکس میں یہ طریقہ مذہبی رسوم ادا کرتے وقت خصوصاً استعمال کیا جاتا تھا - تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ ایران میں ایک خاص فرقہ اسکے ذریعے سے بڑے بڑے کام لیتا تھا -

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جہاں ہاتھ رکھ کر پھونک کر - یا جھاڑ کر محض تصور سے علاج نہ کیا جاتا ہو - اگلے زمانے کی شائستہ قوموں کا حال تو ابھی ہمنے لکھا ہے لیکن

لیکن وحشی قوموں میں بھی اسکی موجودگی کے آثار کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔

موجودہ مذاہب اقوام میں ایکہزار برس بعد کے حالات دیکھو تو مسلمانوں کی ان کا حاضرات کا طریقہ۔ سلب مرض یا محض ہاتھ رکھ کر علاج کرنے کا قاعدہ بھی وہی ہے۔ اسلام سے پہلے عیسائی راہبوں اور بت پرستوں میں بھی یہ علم پایا جاتا تھا۔

ایک زمانے کے بعد جب مذہبی کشاکش زیادہ ہونے لگی اور ہر فرقے کے لوگ ناسمجھی کے سبب ان باتوں سے اپنے مذہب کی عظمت ثابت کرنے لگے تو ہر فرقہ میں اس علم کو خاص طور سے ترقی دیجانی شروع ہوئی۔ اب یہ علم بہت زیادہ مذہبی رنگ پکڑ گیا۔ مذہبی اصول اس کے اصول ہو گئے اور رائج ہو گ۔ تصوف کے معنی بھی غلطی سے یہی سمجھے جانے لگے کہ انسان میں مختلف کرشمے دکھانے کی قوت ہو جائے۔ مگر ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی خاص فرقہ ایسا بھی موجود تھا جو اسکی اصلیت سے باخبر تھا اور رائج ہوگی اسے شعبدہ بازی سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے کیونکہ وہ ایسے ایسے کشف و کرامات میں پھنس جانیکو عشق الٰہی کم ہونیکا ذریعہ خیال کرتے تھے۔

ان اعتراضات کی وقعت اُس وقت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم عشق مجازی (دنیوی عشق) کی مثالیں دیکھتے ہیں جن میں عقل و ہوش کو اول خیرباد کہدیا جاتا ہے۔ معشوق اور صرف معشوق کا خیال دل میں رہتا ہے۔ اور تمام شان و شوکت سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ کمال روحانی حاصل ہو جانے کے بعد طبیعت کو سیری نہیں ہوتی بلکہ روز بروز نئی نئی تجلیات کی خواہش دل میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر دوئی کے پردوں کا اُٹھ جانا انسان کو ایسا محو رکھتا ہے کہ اسے اور کسی چیز کی سدھ بدھ ہی نہیں رہتی لیکن خواہش تجلیات ایک خاص حالت ہے جو اکثر صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کی گری ہوئی حالت کو ترقی دینے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ انسان پر اوپکار یعنی دوسروں کی خدمت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہ فرض اس کو اُس وقت زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے جب وہ قید نفس سے آزاد ہونا شروع ہوتا ہے۔ اپنے دوسرے ہمجنسوں کی گری ہوئی حالت سنبھالنے کے لئے اُنکے خیالات بعض وقت فوراً

ہی پھیرنے ہوتے ہیں۔ جس کے لیئے کرامت کا ظاہر کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اظہار کرامت ہوتے ہی جوق جوق خلقت اُمنڈ آتی ہے۔ جن میں جاہل عالم۔ کم ظرف عالی ظرف۔ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جاہلوں کے عقائد اکثر دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔ اُس پر ایک انوکھی طاقت حاصل کرنے کا شوق اُن سے ایسی سخت محنتیں اور ریاضتیں کرا دیتا ہے کہ اُنھیں کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے مگر کم ظرفی یا عالی ظرفی تو جہل اور علم پر منحصر نہیں۔ اس لیئے اکثر جاہل لوگ ایسی عالی ظرفی کا ثبوت دے جاتے ہیں کہ گرو جی یا مرشد صاحب کو اُن پر بہت اعتماد ہو جاتا ہے۔ اور وہ بہت کچھ حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ بعض جو اتنے بڑے ظرف کے نہیں ہوتے اُن کو اُنکی جفاکشی۔ خدمات اور ریاضتوں کے صلے میں دو چار انچھر بتا دیئے جاتے ہیں اور یہی وہ مہلک فرقہ ہے جو ہلدی کی گرہ پاکر پنساری بن بیٹھتا ہے۔

ہندوؤں میں بہت سے "ہٹ یوگی" سادھو۔ سوامی وغیرہ۔ اور مسلمانوں میں سینکڑوں شاہ صاحب قلندر صاحب۔ سائیں جی۔ اخوند جی۔ پیر جی۔ اور بہت سے عامل اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب یہ سوال بالکل پیچیدہ نہیں رہتا کہ یہ فن شریف ایسے ہاتھوں میں گیا ہی کیوں جو اسکی قدر نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی ان دو چار انچھر جاننے والوں کو بھی یا تو اپنے ذاتی فوائد یا اصلاح کے واسطے جب اظہار قوت کی ضرورت پڑی تو خلقت نے ان کا پیچھا کیا اور انھوں نے بھی اپنی لیاقت کے موافق ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیا۔ اِنکے چیلوں میں سے کوئی ایسا ہو گیا کہ جسے کچھ لطف آنے لگا تو وہ آیندہ ترقیوں کے خیال سے اودھر اُدھر نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اکثر ایسے ہوتے ہیں جنھیں صرف ایک یا دو ہی نسخے آتے ہیں یہ فرقہ رفتہ رفتہ کچھ تو اس خیال سے کہ جو کچھ انھیں آتا تھا ہر گھڑی اپنا رعب جمانے کے واسطے دکھاتے رہتے تھے اور کچھ اپنی کثرت کے لحاظ سے بھی دنیا کے ہر مذہب میں زیادتی کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کی کرامتیں زیادہ تر گپت وِدیا یا علم باطن پر منحصر نہ تھیں بلکہ اکثر اوقات شعبدہ بازی اور ابلہ فریبی کو ان میں اس خوبی سے شامل

کر لیا جاتا ہے کہ خلقت اچھی طرح دھوکہ میں آجائے ۔

آجکل بھی ہندو مسلمانوں میں بہت سے ایسے عامل موجود ہیں جو اکثر امراض کے واسطے پوری دوا بتادیتے ہیں اور ایک جھوٹ موٹ کا تعویذ بھی اُسکے ساتھ گھول کر پی لینے کو دیدیتے ہیں۔ اہلِ غرض کا دل معمولی آدمیوں کا سا نہیں ہوتا ضرورت کے وقت آدمی کو صرف اپنے فائدے ہی سے غرض رہتی ہے۔ اِس وجہ سے اِن حضرات کا جل بے خبر اور باخبر دونوں قسم کے لوگوں پر چل جاتا ہے۔ یہی حالت اب تک بھی قائم رہتی بلکہ اس میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی۔ اگر اٹھارہویں صدی کے آخر میں ڈاکٹر مسمر کی تحقیقات سے معالمات کی حالت دگرگوں نہ ہو جاتی۔

سنہ ۱۷۳۴ء میں ڈاکٹر مسمر ملک آسٹریا کے دارالخلافہ وائنا میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۶۶ء کے بعد اسنے وہاں کے علم نجوم کے قواعد کے مطابق مقناطیس کے ٹکڑوں کے ذریعے سے ستاروں اور سیاروں کے اثرات دیکھکر مرضوں کا علاج کرنا شروع کیا۔ ایک مرتبہ بالعوض مقناطیس کے اُسنے تانبے کے ٹکڑوں سے بھی کام لیا۔ اور نتیجہ حسب مراد نکلنے پر اُس کا خیال دوسری طرف رجوع ہوا۔ پھر اُسنے صرف ہاتھ سے کام لینا شروع کردیا اور اُس میں کامیابی ہونے کے بعد یہ رائے ظاہر کی۔

(۱) نہ صرف اجرام فلکی کا اثر انسان پر ہوتا ہے بلکہ ہر انسان کا اثر بھی ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔

(۲) یہ اثر ایک دوسرے تک ایک خاص قسم کے رقیق مادے (اوڈ ائل) کے ذریعے سے پہنچتا ہے جو اپنے خواص میں مقناطیس سے بہت کچھ مشابہ ہے اور جو ہر طرف فضائے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

(۳) یہ مادہ اتنا لطیف ہے کہ معمولی طور سے انسان کو نظر نہیں آسکتا۔

(۴) صحتِ انسانی کا مدار اسی مادہ پر ہے۔ جب تک یہ مادہ اعصاب میں باقاعدہ گردش کرتا رہتا ہے صحت برقرار رہتی ہے اور جب کسی خاص وجہ سے بعض اعصاب میں سے یہ رقیق مادہ کم ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا خلط اُسکی جگہ لے لیتا ہے اور اُس جگہ مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) یہ مادہ اپنی معمولی گردش کے موافق ایک جسم سے دوسرے جسم تک بھی پہنچتا رہتا ہے۔
(۶) اگر انسان کافی ذرائع بہم پہنچالیں تو وہ اپنی خواہش کے مطابق اس مادہ کو جتنا چاہیں اپنے یا کسی دوسرے کے جسم میں داخل کر سکتے ہیں۔
(۷) صورت متذکرہ بالا کا انحصار زیادہ تر قوت ارادی (وِل پاور) "سنکلپ" پر منحصر ہے
(۸) اس مادے سے علاوہ ازالۂ مرض کے اور بہت سے کام لیئے جاتے ہیں اور قوت باطنی کا انحصار زیادہ تر اسی پر ہے۔
یہ ڈاکٹر مسیمر کے تمام اصولوں کا لب لباب ہے۔
اِس میں کلام کی ضرورت نہیں کہ ڈاکٹر مسیمر نے یہی اصول نہیں قائم کئے تھے بلکہ یہ صورت بڑی ردو بدل کے بعد قرار پائی ہے۔ مگر سب سے اول باقاعدہ تحقیقات کی بنا ڈالنے والے کے نام نامی کی رعایت سے اہل یورپ نے اِس علم کا نام مسمریزم رکھا جسکے معنی ہیں مسمر کا تحقیق کیا ہوا علم۔
ہمنے ابھی بیان کیا ہے کہ خود مسیمر بھی سوائے علاج کے اِس رقیق مادے سے کچھ کام نہیں لے سکتا تھا اس لیئے اسکی توجہ زیادہ تر اسی شاخ کی طرف رہی۔ اور مذکورۂ بالا اصول میں سے بہت سے اُسکے بعد قائم کئے گئے۔ یہ تھیوری تھوڑے ہی دنوں میں باوجود مخالفتوں کے خلقت کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنے میں کامیاب ہوئی۔ آسٹریا۔ فرانس۔ جرمنی وغیرہ ممالک میں اِس کے متعلق باقاعدہ تحقیقاتیں کی گئیں۔ اکثر رائے اسکے مخالف رہی۔ کبھی سائنس داں اصحاب اسکے موافق بھی رہے۔
۱۸۱۵ء میں مسیمر کے انتقال کے بعد اسکے شاگردوں میں سے بہت سے اشخاص اسکے متعلق تحقیقاتیں کرتے رہے۔ لیکن مسمر کے عین حیات ہی میں اسکے ایک شاگرد چیٹینٹ دی ہائسی گور نے ۱۷۸۴ء میں اپنے تجربے سے یہ ثابت کیا کہ معمول میں ایک قسم کے خواب کی حالت پیدا کی جا سکتی ہے جس میں وہ عامل کے تمام احکام کی پابندی بلا حیل و حجت کرتا ہے۔ اور اس حالت میں لاکر ازالۂ مرض میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔
اُس مادۂ رقیق کا نام مسیمر نے اینمل مگنیٹزم رکھا تھا۔ جس کا ترجمہ مقناطیس حیوانی

اتفاق سے اصلی لفظ سے زیادہ مطلب خیز ہے۔ سنسکرت زبان میں اسکو تیج کہتے ہیں۔ اینیمل مگنٹیزم کو میسمر نے اِس مقناطیسی قوت کے معنوں میں لیا تھا جس پر زندگی کا مدار ہے مگر یہ معنی مقناطیس حیوانی سے زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتے ہیں۔ اور اس حالت کا نام جو پائیسی گور نے طاری کی تھی خواب مقناطیسی رکھا گیا۔ چونکہ خواب مقناطیسی طاری کرنے کے بعد ازالۂ مرض میں زیادہ آسانی ہوتی تھی اِس لیئے آیندہ سے تمام تجربات اسی حالت میں ہونے لگے۔ اب اِس علم نے ایک نئی صورت اختیار کی۔

سنہ ۱۸۴۱ء میں ایک فرنچ ناپیر مسمی لافونٹین نے شہر مینچسٹر میں چند تجربات دکھائے جن کو دیکھ کر ایک انگریزی ڈاکٹر مسمی بریڈ نے اس طرف توجہ کی۔ ادہر یہ فن یورپ سے باہر نکلکر امریکہ میں بھی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہا تھا۔ چنانچہ دو جگہ باقاعدہ دو مختلف پہلوؤں کے ساتھ تحقیقات شروع ہوگئی۔ امریکہ میں تھوڑے دن تک تحقیقات میں جب وہ تمام نتائج نہ حاصل کیئے جا سکے جن کا کہ دعویٰ کیا جاتا تھا۔ تو دو خیر خواہان قوم اسکی تحقیق کے واسطے گھر سے نکلے اُن میں سے ایک میم صاحبہ میڈم بلیوٹسکی تھیں اور ایک صاحب کرنل الکاٹ تھے اِن دونوں بزرگوں نے اس علم کو اسکے اصل منبع و مخرج ہندوستان میں دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں آکر مختلف سادھوؤں سے ملے۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اول تو اسکے اصلی راز بتانے میں بخل سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ دوسرے ہر گرو کی تعلیم ایک دوسرے سے ملتی جلتی نہیں تو ہمالیہ پار چلے گئے۔ جہاں بدھ مذہب کے درویشوں کی ایک بڑی تعداد فیض پہنچانے میں حسب ظرف مرید دریغ نہیں کرتی تھی۔ وہاں اِن حضرات نے اچھی طرح روحانیت کی طرف توجہ کی اور نہ صرف "گپت ودیا" سیکھی بلکہ اور بہت سے علوم سے واقفیت حاصل کی۔ مختلف قسم کی ریاضتیں کیں اور اچھی خاصی روحانی قوتیں حاصل کرکے خلق خدا کو فیض پہنچانے کی نیت سے نکلے۔

سب سے پہلا کام جو انھوں نے کیا وہ سائینس اور مذہب کو تطبیق دینے کی کوشش تھی جسکی باقاعدہ کارروائی جاری رہنے کے واسطے بنارس میں اول ایک سوسائٹی قائم کی گئی جس کا نام "تھیوسوفیکل سوسائٹی" ہے بعد ازاں مختلف ملکوں میں رفتہ رفتہ اس

قسم کی سوسائٹیاں قائم ہوتی رہیں ۔

ادھر انگلستان میں ڈاکٹر بریڈ نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری رکھا چونکہ وہ اصلی راز سے واقف نہ تھا اور محض ذاتی علم ہی کے بھروسہ پر سب کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس لیئے وہ ایک اور نتیجہ پر پہنچا اُسنے بہت سے تجربوں کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ انسان پر خواب مقناطیسی طاری ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی مقناطیسیت یا روحانی طاقت کا نتیجہ نہیں بلکہ محض خیال جم جانے سے اعصاب میں ایک قسم کی تکان سی پیدا ہو جاتی ہے اور انسان پر ایک قسم کی غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مقناطیس حیوانی کی تھیوری کو رد کر کے اُسنے اِس علم کا نام ہپناٹیزم رکھا جو یونانی لفظ ہپنا س سے بنایا گیا ہے اور جس کے معنے صرف سو جانے کے ہیں۔

اب بیچارے مسمریزم کو مذبذب حالت میں چھوڑ کر دو فرقے قائم ہو گئے ایک نے اس کا نام تھیوصوفی یا اکلیٹزم رکھا جسکے معنے تصوف یا روحانیت کے ہیں اور صرف علاج ہی پر قناعت نہ کی بلکہ پھر اُن تمام روحانی قوتوں کا سرے سے دعویٰ کیا جو فی زمانہ اگلے زمانے کی کہانیاں سمجھی جاتی تھیں۔ اور جہانتک ہو سکا دلائل ساطعہ سے اُن تمام دعووں کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔ ان تھیوسوفسٹ میں سے میڈم بلیوٹسکی کا پایہ سب سے اعلیٰ تھا مگر عرصہ ہوا کہ وہ انتقال کر چکی ہیں۔ اور کرنل الکاٹ کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو میڈم صاحبہ کے قریب قریب ہمرتبہ تھے۔ ہندوستان میں مسٹر اے۔ پی سنٹ۔ اور مسز اینی بیسنٹ اُنکی یادگار اب موجود ہیں۔

اسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں مس لیلین ایجر ایم اے وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ اپنی ریاضتوں میں بھی مصروف ہیں۔ باقاعدہ تحقیقات بھی کرتے ہیں اور خلقت کو امتحان کرنے کے واسطے دعوتیں بھی دیتے ہیں ۔

دوسرے فرقے نے اس کا نام ہپناٹیزم یا بریڈزم ڈاکٹر بریڈ کی رعایت سے رکھا انھوں نے ڈاکٹر مسمر کو محض غلط فہمی کا شکار سمجھا۔ بلکہ اکثر نے تو اُسکو حریص خود غرض اور ابلہ فریب بھی ٹھیرایا۔ اور صاف اعلان کر دیا کہ باطنی قوت کوئی چیز نہیں مقناطیس

حیوانی محض دہوکے کی ٹٹی تھی اور جو کچھ ہے ہپناٹیزم ہے جس کا تعلق صرف معمول ہی سے ہے عامل کی بھی ضرورت نہیں۔ فرانس آجکل اس ہپناٹیزم کا خاص مرکز ہے جہاں دو شخصوں نے مختلف قواعد سے اسکی درسگاہیں قائم کی ہیں۔

خیر یہاں تک جو کچھ ہوا محض علمی شوق اور تحقیق کی غرض سے تھا۔ جسکی پیروی چونکہ ذرا بے غرضی کا پہلو لیے ہوئے تھی ہندوستان میں نہو سکی۔ انگریز بڑے تجارت کے دلدادہ ہیں انھوں نے ایک سوسائٹی اسکے متعلق قائم کر لی۔ جس کا نام "سائنٹیفک ریسرچ" رکھا گیا اور مسمریزم اور ہپناٹیزم کو خلط ملط کر کے ایک سلسلہ کتابوں کا چھاپا گیا۔ جسکی قیمت پندرہ روپیہ رکھی گئی۔ اور جس کے خریداروں سے اول حلف رازداری لیا جاتا ہے۔ اس طرز کی ایک سوسائٹی امریکہ میں بھی قائم ہوئی جو لندن والی سوسائٹی کی شاخ ہے۔ اب ہم پھر ہندوستان کی طرف ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں۔ اول تو یہاں مسمریزم یا ہپناٹیزم سے بہت کم واقف ہیں اور جو ہیں انھوں نے اس کو ایک مذہبی کام سمجھ رکھا ہے اس لیئے وہ اس کا اظہار بہت کم کرتے ہیں۔ اور دراصل جیسا کہ شروع میں ظاہر کیا گیا ہے ان کو ضرورت ہی کیا ہے اور فرصت ہی کہاں؟

لیکن مسمریزم جاننے کا دعوی کرنے والے بہت سے ہیں جنھوں نے آنکھیں لڑانے کا نام مسمریزم رکھ چھوڑا ہے اور جن کا خیال ہے کہ پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے آنکھیں لڑانے سے کاغذ پر کالا قرص بنا کر دیکھنے سے چراغ کی طرف نظر کرنے سے۔ پھولوں پر نگاہ جمانے سے علم مسمریزم آجاتا ہے۔

بعض حضرات ایسے ہیں جنھوں نے پاس کرنے کا نام مسمریزم رکھ چھوڑا ہے افسوس ان کو خبر نہیں کہ ہم اصلیت سے بہت دور ہیں۔ غرضکہ ہندوستان میں جتنے بہت سے دعوی کرنے والے ہیں اُتنے ہی بہت سے قاعدے بھی ہیں" ہر کسی بخیال خویش خبطے دارد" مگر ان لوگوں کے افعال ان ہی تک محدود رہتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ خلق خدا کو طلبے طبے وعدے کرکے دہوکے میں نہ ڈالنے کی کوشش کیجاتی۔ کوئی مسمریزم کا ماہر ۵ اور کوئی ۵ اور کوئی ۵ جلسے میں سیکھنے والے کو کامل بنا دینے کا دعویدار ہے

اور بعض تو ایک روپیہ پر ہی قانع ہیں اور وہ وہ قوتیں ودیعت کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں جو شاید کسی بڑے سے بڑے عامل۔ سوامی یا ولی اللہ کو بھی سکھا دینے میں تامل ہوگا۔ کیا لطف کی بات ہے کہ روحانی قوتیں غیر معمولی طاقتیں۔ حتیٰ کہ خدائی کا انتظام در در میں بیچا جا رہا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

لوگوں نے مسمریزم جیسے شریف علم کو کھانے کمانے کا ایک وسیلہ قرار دے لیا ہے اور بھولے بھالے آدمیوں کے لیئے اِس کے پردے میں دام تزویر بچھا رکھا ہے ہم پھر کسی وقت اِس علم کے متعلق ناظرین سے عرض کرینگے کہ ہندوستان میں پہلے اِس علم کی کیا صورت تھی اور اب کس حالت میں پایا جاتا ہے۔ فقط

شیدا۔ دہلوی

جو خط جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی نے جناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو کے نام روانہ کیا تھا۔ جناب موصوف نے جو کچھ اسکے جواب میں ارشاد فرمایا ہے وہ بجنسہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ مضمون نفس نفیس پرزور اور قابل داد ہے۔ یقین ہے کہ ناظرین اس سے لطف اٹھائیں گے (ایڈیٹر)

(جناب فروغ صاحب کا خط)

مکرمی۔ جناب طالب صاحب۔ تسلیم و شوق

رسالہ "نیرنگ" میں جناب کی غزل کے اشعار پر کچھ اعتراضات چھپے ہیں اور جنکے جوابات اڈیٹر کمال دہلی نے اپنی طرف سے بہت معقولیت کے ساتھ بھی دیئے ہیں لیکن میرے خیال میں اگر آپ بھی اپنے اشعار کی نسبت کچھ ارقام فرمائیں تو اور بھی مستحسن ہوگا۔

زیادہ نیاز۔ کنور بدری کرشن۔ وکیل۔

مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۱۰ء

حضرت طالب صاحب کا جواب

مشفق من۔ آپ بار بار تقاضا کر کے کیوں مجھے مجوب و منفعل فرماتے ہیں۔ غالباً آپ

سمجھتے ہونگے کہ آپکے استفسارات سے پہلو تہی کرتا ہوں - ہرگز نہیں - امر واقعی یہ ہے کہ مجھے یہ کاغذ کے گھوڑے دوڑانے پسند نہیں لیکن بیہودہ اور لغو اعتراضوں کا جواب آپ لکھواتے ہیں صرف اِس نظر سے کہ آپ کی تسلی و تشفی ہوجائے اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ اعتراض اُٹھ نہیں سکتے - مطلع اول پر جو اعتراض ہے اُس کا بہت مختصر جواب لکھتا ہوں

مطلع ہے

خارا شگاف آپ جو خنجر بنائیں گے   ہم دل کو آپکے لیئے پتھر بنائیں گے

سب سے بڑا اعتراض "خارا شگاف" پر ہے کہ یہ صفت خنجر کی جنگجو جوانوں کی ہو سکتی ہے - معشوقوں کی نہیں ہو سکتی - شاہنامہ ملاحظہ فرمایئے - جہاں فردوسی - عنصری - فرخی - عسجدی سے ملاقی ہوا ہے تو ان چاروں نے ملکر ایک رباعی گھڑی ہے -

عنصری - چوں عارضِ تو ماہ نباشد روشن
فرخی - مانند رخت گل نبود در گلشن -
عسجدی - مژگانت ہمی گزر کند از جوشن
فردوسی - مانند سنانِ گیو در جنگِ پشن

معلوم نہیں کہ عنصری جس معشوق کے عارض ماہ سے زیادہ منور بتاتا ہوا اور فرخی کو اُسکے رُخ کے مقابل گلشن میں کوئی گل نہیں دکھائی دیتا تو عسجدی ایسے معشوق کی مژگان ایسی کیوں قرار دیتا ہے کہ وہ کسیکا سینہ پھوڑنے دل توڑنے پر بس نہیں کرتیں بلکہ جوشن کے پار ہوئی جاتی ہیں - اُس پر میاں فردوسی حاشیہ چڑھاتے ہیں مخصوص سنان گیو کی تشبیہ کا خاص جنگِ پشن میں - جنگِ پشن وہ ہے جہاں پیران ویسہ نے طوس نوذری پر شب خون مارا ہے اور ایرانیوں کو تورانیوں سے شکست ہوئی ہے - اور ملاحظہ ہو داستان یعنی زال رستم کا باپ رودابہ پر عاشق ہو کر اس کے دولتسرا کی طرف جاتا ہے - رودابہ بھی لب بام آجاتی ہے اور جب دوچار ہوتے ہیں تو وہاں فردوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں - ؎

کمندے کشاد او ز سرو بلند   کس از مشک زانسانہ پیچد کمند

خم اندر خم و مار بر مار بود	بران عنبریں تار بر تار بود
فرو ہشت گیسو ازاں کنگرہ	کہ ناز ید و شد تا بہ بن یکسرہ
پس از بارہ رودابہ آواز داد	کہ اے پہلواں بچۂ گرد زاد
کنوں زود بتار و برکش میاں	بر شیر بکشا و چنگ کیاں
بگیر این سیہ گیسو از یک سویم	ز بہر تو باید ہمی گیسویم

ظاہر ہے کہ حکیم طوسی نے معشوق کی زلف کو لاؤ کا رسّا بنا دیا ہے۔ پھر میں نے اگر معشوق کے خنجر کو خارا شگاف بنایا تو کیا قصور کیا۔ آپ رہا دل کا پتھر بنانا۔ سو کچھ ضرور نہیں کہ یہاں محاورے کا لحاظ کیا جائے اور اصطلاحی معنے لیئے جائیں۔ بلکہ واقعی معنے لیئے جائیں۔ یہ کیوں؟ اس لیئے کہ جب معشوق خنجر خارا شگاف بناتا ہے تو ہم دل کو پتھر بناتے ہیں تاکہ اُسے امتحان کرنے کے لیئے اور کسی پتھر کی تلاش و جستجو نہ ہو۔ ہم پر ہی امتحان کرے۔ اور عاشق صادق کی ہمیشہ یہی مُراد ہوتی ہے۔ کہ معشوق اپنی ہی طرف رجوع رہے خواہ جور و جفا سے خواہ لطف و عطا سے۔ آپ غور فرمائیں کہ مجھے اپنے اشغال سے کہاں فرصت جو میں اس بیہودہ خامہ فرسائی میں مبتلا ہوں۔ ہاں اگر آپ اطمینانِ خاطر چاہتے ہیں تو غریب خانہ پر تشریف لے آیئے اور کل اعتراضوں کا جواب سُن لیجئے۔ اور مجھے تو اسپر تعجب آتا ہے کہ آپ جیسا سخن فہم اور زبان شناس ایسے پوچ و لچر اعتراضوں کا جواب لکھنے کے لیئے اسقدر کیوں تاکید کرتا ہے؟ حالانکہ منشی پیارے لال آروق نے مجھ سے خود کہا تھا کہ انور صاحب نے اعتراضات دیکھکر کہا کہ کل اعتراضات مہمل ہیں۔ ہاں میں اب سمجھا آپ تو جملہ اعتراضات کو مہمل جانتے ہیں مگر معترض کی تسکین خاطر چاہتے ہیں۔ مہربان یہ امر میرے اور آپکے بس کا نہیں ہے۔ اپنا دل کسی کے دل میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ یہ جو کچھ معرض تحریر میں آ رہا ہے اس سب کا جواب لَا نُسَلِّمُ ہو سکتا ہے۔ فرمایئے! معترض اگر یہ فرمائیں تو ہم۔ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ÷

احمد سعید طالب عفی عنہ۔ از گلی قاسم جان۔ ۲۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

جواب الجواب

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی نے نومبر ۹ء کے "کمال دہلی" میں جو اعتراض میرے ناچیز مضمون "زبان دہلی" پر کیا ہے اُس کا جواب میں خود دینے کی بجائے جناب کیفی ہی کی زبان سے دیتا ہوں۔ وہ خود بنظر انصاف دیکھیں اور ناظرین کمال بھی۔

خیر مقدم گرامی میں جو منظوم ایڈریس جناب کیفی نے پڑھا ہے اُسکے یہ چار شعر میرے جواب کے لیئے کافی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ؎

وہ فضائل اب کہاں ہیں ہند کی تہذیب میں　　جن پہ شرق و غرب کی اقوام قربان ہو گئیں
اب رہے باقی ادیب اگلے۔ نہ وہ علم ادب　　سب پرانی شکلیں زیب طاق نسیاں ہو گئیں
ہے نوا سنج آجکل سُن لو گرامی کو کہ پھر　　نغمۂ بلبل سے خالی بوستاں ہو جائے گا
کہتے ہیں اک تازہ لٹریچر بنا ہونیکو ہے　　دیکھتے ہیں ہم کہ یہ فن ہی فنا ہونیکو ہے

اگرچہ اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وجہ تسلی نہ ہوئے ہوں تو غیروں کی زبان سے (جو میرے طرفدار ہیں نہ آپکے بلکہ حق الگتی کہتے ہیں) میرے خیالات کی تائید کی شہادت سُن لیجئے۔ اکتوبر ۹ء کے "فصیح الملک" میں میرے شفیق مکرم دوست حضرت احسن مارہروی نے حضرت جلال نوراللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات پر دو تاریخیں لکھی ہیں۔ اُن میں سے ایک کو میں اپنے خیالات کا بعینہ عکس سمجھکر شامل شہادت کرتا ہوں ؎

افسوس کیوں نہ کیجئے دنیا کے کال پر　　خالی وہ ہوتی جاتی ہے اہل کمال سے
پیدائش بشر میں کمی گو نہیں۔ مگر　　عالم ہے ہو کا علم کے قحط الرجال سے
ہیں جسقدر علوم و فنون قدیم ہائے　　سب مٹتے جاتے ہیں وہ نئی چال ڈھال سے
ہے یوں تو بالعموم ہر اک علم میں کمی　　نقصان شاعری کا سوا ہے زوال سے
شاعر اگرچہ اب بھی ہیں سو میں پچانوے　　بے بہرہ لیکن اُنمیں ہیں اکثر کمال سے

سوداؔ و میرؔ و ذوقؔ کا کیا ذکر کیجیے — اُن کا تو عہد محو ہوا ہے خیال سے
کل تک امیرؔ و داغؔ جو تھے ہم میں میہماں — انکو بھی دیکھتے نہیں اب چند سال سے
باقی رہا تھا ایک دم حضرت جلال کا — وہ بھی بچا رہا نہ اجل تیرے جال سے
مدت ہوئی کہ داغؔ نے کی تھی یہ آرزو — ملتے امیر احمد و سید جلال سے
وہ آرزو بر آئی پس مرگ یوں کہ اب — تینوں وہ مطمئن ہیں غم انفصال سے
اے موت! اب ہمیں بھی کوئی راہ تو بتا — کب تک ملیں گے داغؔ و امیرؔ و جلال سے
افسوس شاعری کا بہت غیر حال ہے — اللہ رے جو اب وہ بچے ایسے حال سے
تاریخ انتقال کہوں احسنؔ اور کیا — بکس سخن ہے مُردہ وصال جلال سے

دسمبر ۹ء کے "زمانہ" میں ایڈیٹر صاحب زمانہ نے "کمال دہلی" پر ریویو کرتے ہوئے یہ فقرہ ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ "دہلی کی شاعری کے قالب نیم جان میں جان ڈالنے کی نیت سے نکالا گیا ہے" جو میری ناچیز تحریر کا زبردست مؤید ہے۔ میں یہیں تک لکھنے پایا تھا کہ ۱۴ فروری ۱۹۱۰ء کا آگرہ اخبار مجھے ملا۔ قلم کو ہاتھ سے رکھکر میں نے اسے کھولا اور پڑھنے لگا پڑھتے پڑھتے حضرت عیش کی غزل پر میری نظر جم گئی اور میں تائید غیبی سے پھولا نہ سمایا کہ اس غزل میں بھی ایک نہیں دو نہیں پورے سات شعر میرے مختصر مضمون کی تائید میں نکل آئے جن کو میں بصد شکر یہاں نقل کرتا ہوں۔

کیوں نہ مردہ ہو بغیر اسکے زبان دہلی — شعر گوئی تو ہے کیا داغ تھا جان دہلی
داغ کے دم سے تھا جو کچھ کہ تھا دلی کا عروج — شان والا نہ رہا کیا رہے شان دہلی
تھا جو اک داغ سخنور تو سدا بار وہ بھی — ہائے اب کس سے چلے نام و نشان دہلی
رونا آجائے نہ کیوں دیکھ کے گلاویں کو — جو بہار اب ہے یہی تو ہے خزان دہلی
یہی دلی تھی جو دلی تھی زباں زد سب کی — یہی دہلی ہے نہیں جس پہ گمان دہلی
کون اب نوحہ کرے کون سنائے ماتم — مر گئے وہ بھی جو تھے مرثیہ خوان دہلی
ہائے یہ قصۂ غم ہائے یہ افسانۂ درد — رونا آتا ہے مجھے سن کے بیان دہلی

مقتدر ناظرین! ان حق بجانب اور مبنی بر واقعیت اشعار کے ساتھ میرے مضمون کے

ہیڈنگ کا شعر (جو کل مضمون کا آئینہ ہے) بھی پڑھیے اور انصاف کیجیے کہ جناب کیفی کے اعتراضات کس درجہ وقیع اور وزندار ہیں۔ عنوان کا شعر اگر آپ کو یاد نہ رہا ہو تو میں بغرضِ "قولِ فیصل" پڑھے دیتا ہوں۔ ہائے سنئے اور دل پکڑ کر سنئے

کیا کروں اپنی زباں سے ہیں بیانِ دہلی مٹ چکی، روح رواں تھی جو زبانِ دہلی

راقم سید دلگیر۔ اکبر آبادی۔

مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قومیں

(گذشتہ سے پیوستہ)

اِن دونوں قوموں کی شباہت ملکا کی قوم سیمنگ سے ملتی جلتی ہے لیکن بال صرف سر کے پچھلے حصہ پر انکی صورت کے ہوتے ہیں حالانکہ پیشانی کے بال بالکل بکھرے ہوئے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں قومیں "نگریٹو اکٹ" کی آمیزش سے پیدا ہوئی ہیں اور یہ آمیزش موجودہ زمانے تک بالکل پوشیدہ تھی۔ لیکن اب اِسکی نسبت کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ چند ہی ماہ ہوئے ہیں کہ سیاک میں قوم اکٹ کی بستیوں کو دیکھنے سے اور بارہ کس کے حالات دریافت کئے گئے ہیں ان میں سے تین آدمیوں کے سر کے بال قوم جیکن کی طرح صاف اور ملائم تھے لیکن ایک کے بال کٹے ہوئے تھے جسکی وجہ سے اُسکی پیمایش نہو سکی اور سات آدمی ایسے تھے جن کے قد بہت پست اور سر کے بال بکھرے ہوئے قوم "پینیہ اکٹ" کی نسبت اِنکے سر کی پیمایش میں بڑا فرق تھا یعنی انکے سر کے حلقے ۸۳ء انچ سے ۴۰.۴۸ انچ تھا۔ قوم سیاک اکٹ کے ایک آدمی کے سر کے بال بالکل سیاہ بھی دیکھنے میں آئے ہیں جس کا جسم بھی بہت سیاہ تھا لیکن قد ۵۵ء۱۵ انچ اور سر کا حلقہ ۵۲ء۱۸ انچ تھا *

افسوس ہے کہ اس ملک میں عورتوں کے ناپنے کی ممانعت ہے۔ ان ملکوں میں مغربی ممالک کی نسبت عورتیں اپنے ذاتی سلوکوں سے مردوں کی زیادہ نگہبانی اور خاطر و مدارات کرتی

ہیں۔ یہ عام طور پر مسلمہ امر ہے کہ جس شخص نے کسی مرد کو ناپ لیا ہو وہ پھر اس پر پورا قبضہ رکھ سکتا ہے۔

قوم اکٹ کے لوگ کاشتکاری کے زیادہ مشتاق نہیں بلکہ اس بات کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ماہی گیری اور شکار سے اپنا پیٹ پالیں۔ انھیں عیش وعشرت کے لیے صرف چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کپڑا۔ کلہاڑی۔ چاقو۔ تمباکو اور پان۔ جسکے وہ بہت ہی مشتاق ہیں۔ یہ سب چیزیں وہ اپنے جنگلوں کی پیداوار یعنی بید۔ ربڑ اور موم وغیرہ کے تبادلہ میں حاصل کرتے ہیں اور تمام قسم کے جانور یعنی بندر۔ چمگادڑ چھپکلی اور خارپشت وغیرہ کھا لیتے ہیں۔ بندروں کے شکار کرنے میں وہ پھکنی کا استعمال کرتے ہیں اور دیگر جانوروں کو جو انکی خاص خوراک ہیں کمند سے پکڑتے ہیں۔ لیکن ماہی گیری میں کمال درجے کے ماہر ہوتے ہیں۔ یعنی طوبا کی جڑ سے پانی کو زہردار کر دیتے ہیں جب یہ جڑ پانی میں گھلتی ہے تو تمام پانی پر دودھ کا سا سفید رس آجاتا ہے جسکے اثر سے مچھلیاں بے ہوش ہو کر پانی کی سطح پر آجاتی ہیں جہاں انکو قلم یا پھکنی سے پکڑ لیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات ایک چھڑی کے ساتھ پھندا بھی استعمال کیا جاتا ہے اسکے علاوہ چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں نہایت تنگ اور وسطی فاصلہ چھوڑ کر اور وہاں جنگلے لگا کر ان جنگلوں کے عین وسط میں چبوترے بناتے ہیں اور وہاں مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ عام طور پر وہ کئی قسم کے کانٹے بھی استعمال کرتے ہیں جو دیگر جزیروں میں بھی برتے جاتے ہیں لیکن عام طور پر ان کا طریق شکار یہ ہے کہ دریا کو بید کے درختوں کے بونے سے بہت ہی تنگ کر دیا جاتا ہے جہاں مچھلیاں پھانس لی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اس وقت مچھلی کو کھاتے ہیں جب وہ بلفصت سے زیادہ سڑ جاتی ہے۔

یہ لوگ جس درخت کی کاشتکاری کرتے ہیں وہ صرف ایک بدوضع دانہ دار پھل والا درخت ہوتا ہے جسکو انکی زبان میں "پیٹی اوگا" کہتے ہیں۔ لیکن اس کو بھی وہ وقت پر نہیں بوتے نہ ہی اپنے بادشاہ کے تاکیدی حکم کے ہونے پر بھی چاول کی کاشت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو مذہبی ضرورتیں بہت کم پڑتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اب انکے خیالات کسیقدر جوشیلے

ہو گئے ہیں مگر یہ سب میلے والوں کا فیض ہے۔

اگر قوم اکٹ کے باجوں کی بابت پوچھا جائے تو صرف ڈھول۔ رباب۔ بین کار دیکھنے
میں آتے ہیں۔ یہ رباب دیگر ملکوں میں بھی موجود ہیں مگر اس قوم کے رباب خاص قسم کے
ہیں یعنی رباب کے ڈورے اناناس کے پتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کا
ڈھول جو نصف ناریل کے خول کا ہوتا ہے ایک مچھلی کے خاردار چمڑے سے منڈھا
ہوتا ہے۔ قوم اکٹ کے باہمی میل ملاپ کی مجالس کا انعقاد غیر ضروری ہوتا ہے مگر ماتمی
مجلسوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

چونکہ سینسیہ کے قریب ربڑ کی کاشتکاری ہے اس لیئے شاہ سیاک نے دریائے
منڈا کو اس جگہ سے بالکل ہٹا دیا ہے تاہم موسم گرما میں دریا اسقدر ہو جاتا ہے کہ اس
میں صرف ایک بڑے درخت کی ساختہ چھوٹی کشتیاں چلائی جائیں۔ اس طرح دریا تنگ
ہوتا ہوا آخرکار جنگل میں معدوم ہو جاتا ہے۔

سوماٹرا کے لق و دق صحرا میں صرف ہاتھیوں کے نقش پا کے ذریعے آدمی
چل پھر سکتا ہے۔ جس جگہ یہ نقش پا نہیں ہوتے وہاں راستہ کو کلہاڑیوں یا بڑی
چھریوں سے کاٹا جاتا ہے اکثر یہ راستے گرے ہوئے درختوں کے نیچے آکر گھنٹوں تک
معلوم نہیں ہوتے اس موقعہ پر وہ مزدور واقعی تحسین کے مستحق ہیں جو ان درختوں کے
جلانے کا سامان اپنی پیٹھ یا سر پر اٹھا کر مسافر کو ان تنگ راستوں سے بآسانی لیجاتے
ہیں جہاں بغیر انکے ناواقف آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ سب سے زیادہ اس وقت
دقت پیش آتی ہے جب سکائی کی بستیوں میں جانا ہوتا ہے۔

قوم سکائی کے لوگ اپنے گاؤں کیمپونگ کو سور۔ ہاتھی۔ شیر۔ اور دیگر جنگلی جانوروں
سے بچانے کے لیئے اپنی بستیوں کے اردگرد بڑے بڑے درختوں کا ایک ترچھا احاطہ
کر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ایم۔ موزوکووسکی تحریر کرتے ہیں کہ اس احاطے سے گزرتے
وقت بلا کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو تمام لوگ
ہماری اجنبی صورت دیکھکر وہاں سے بھاگ گئے صرف ایک دو بوڑھی عورتیں بیٹھی رہیں

پیشوائی کے لئے وہاں رہ گئیں۔ لیکن ہمارے ایک رہنما جو سیاک کا ساجنٹ میجر تھا
اور عام طور پر لوگوں میں نامور باوقار گنا جاتا تھا) کے بلانے پر سب واپس آگئے اُن میں
سے تقریباً ایک سو اسی آدمیوں کی پیمایش سے معلوم ہوا کہ اُن کے سر کا حلقہ ۷۷ سے
۸۳۔ انچ تک ہے اور دریائے منڈا کے بائیں کنارے کے باشندوں کے سر کا
حلقہ ۷۵۔ اور ۷۶۔ انچ کے درمیان تھا۔ اور موضع کیمپونگ پاہو کے باشندوں (جو
میلے والوں سے قریبی رشتہ داری رکھتے ہیں) کے سروں کے حلقے ۷۷ اور ۸۷
انچ کے درمیان پاسے گئے ہیں۔ ان لوگوں کے سر کے بال پریشان لیکن اکثر بہت باریک
اور لمبے ناک چوڑی اور موٹی اور آنکھیں اندر کو جھکی ہوئی اور سیاہ مائل بھوری اور اکثر
نصف بند۔ دہن لمبا مگر ہونٹ پتلے اور ان کے دونوں طرف ترچھی لکیریں ہوتی ہیں
اوپر کا ہونٹ اکثر نیچے کے ہونٹ سے زیادہ پتلا ہوتا ہے تاہم بالعموم سب کا ایک ہی
حلیہ پایا جاتا ہے۔ یعنی پیشانی لمبی اور قدرے پیچھے کو ہٹی ہوئی اور اسی طرح ٹھوڑی
لیکن زیادہ سخت۔ چہرہ چوڑا اور قدرے مربع شکل کا۔ ریش حسب دستور بالکل ندارد
ہوتی ہے۔ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی ایسا بھی دیکھا گیا ہے جس کی ٹھوڑی کے نیچے
اور منہ کے کناروں پر صرف تھوڑے تھوڑے بال تھے۔

قوم سکائی کے آدمیوں کا قد ۱۵۶۔ اور ۱۵۷۔ انچ کے درمیان پایا گیا ہے اور
اُنکی نسبت عام کا خیال ہے کہ وہ قوم اور نگ اکٹ کے آدمیوں سے دراز قد کے ہوتے
ہیں لیکن اس میں بھی بڑا فرق ہے اِن کا قد ۱۴۴۔ اور ۱۶۸۔ انچ کے درمیان ہوتا ہے
اور یہ اختلاف سکائی کی آٹھوں قوموں میں یکساں پایا جاتا ہے۔ البتہ قوم سکائی اور اکٹ
کے جسمی رنگ میں ضرور فرق ہے لیکن بالعموم میلے والوں کے جسمی رنگ سے زیادہ ہلکا
اور آواز بھی دھیمی اور خوشگوار ہوتی ہے۔

سیلون کی قوم ویدا کے آدمیوں کی صورت نہایت عجیب قسم کی ہوتی ہے اس
قوم کی عورتوں میں مردوں کی نسبت پیشگوئی کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ ہیگن اور
مارٹن۔ قوم کیوبو۔ اور سنوئی کے پاؤں میں ایک خاص انوکھا پن ظاہر کرتے ہیں جو

قوم سکائی کے پاؤں میں بھی موجود ہے یعنی اِن کے پاؤں ہموار پشت پا قدرے گہری اور خطوط بالکل سیدھے اور یہی پاؤں بڑے بھاری بوجھ کو برداشت کرتے ہیں۔ انگوٹھا دوسری انگلی سے زیادہ فاصلہ پر اور الگ ہوتا ہے باقی کی چاروں انگلیاں قدرے اندر کو جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔

قوم سکائی کے لوگوں میں جسمانی امراض بہت پائے جاتے ہیں۔ یعنی خارش اور جوڑوں کے درد میں ۸۰ سے ۹۰ فیصدی تک ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں پہلے وقتوں میں روکن کی سکائی قوم اُنکو اپنی اولاد نہیں سمجھتی تھی۔ جنکو یہ بیماریاں لاحق ہوتی ہوں۔ اِن بیماریوں یا دیگر بیماریوں کے لیئے اِنکے پاس کوئی علاج نہیں۔ جب کوئی آدمی بیمار پڑتا ہے تو کسی جادوگر سے صرف افسوں کرا کے بیار کو اُسکی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے یا تو مریض صحتیاب ہوجاتا ہے یا مر جاتا ہے۔ اِن جسمانی بیماریوں کے علاوہ وہ اپنی غلاظت کے سبب اور بیماریوں میں بھی مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اندرونی امراض میں سب سے زیادہ چیچک اور ملیریا اور سنگ ریزہ کی بیماری بہت پھیلتی ہے۔

قوم سکائی کے لوگوں کی عمر بھی بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ یعنی کوئی شخص شاذ و نادر ہی ساٹھ برس سے زیادہ کا ہوتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو اُسکو ایک دن گھر میں رکھا جاتا ہے۔ پھر اُس کے رشتہ دار آتے ہیں اور اُن میں سے بہت بوڑھے آدمی اپنے سروں سے خون نکالکر تھوڑا سا خون اُس لاش پر چھڑکتے ہیں۔ تب اُس کو ایک قبر میں ڈالکر اوپر سقف باندھ دیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اِن لوگوں کی قبروں کا اندرونی حصہ پہلے والوں کی قبروں کا سا بنایا جاتا ہے۔ یعنی ایک موٹا تختہ لاش پر ترچھا رکھکر ڈالا جاتا ہے۔ اِس قوم میں یہ بھی رواج ہے کہ مردہ شخص کی عورت اور اُسکے بچوں کو قبر کے پاس آگ جلا کر برابر تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا ہے اگر کوئی بزرگ مر جائے تو اسی طرح سات دن تک بیٹھنا پڑتا ہے یہ لوگ مردہ شخص کی قبر پر سجاوٹ کے لیئے علم مساحت کی معمولی شکلیں لکھ دیتے ہیں جن سے کوئی

خاص معنی ظاہر نہیں ہوتے۔ اور پھر قبر پر کسی برتن میں یا ویسے ہی کچھ نیاز پکا کر رکھدیتے ہیں۔ اس نیاز والے برتن کو ان کی زبان میں "ازمر" کہتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قوم سکائی کے لوگ مردہ عورت کی جائداد میں سے ۱/۴ حصہ اسکی قبر میں رکھدیتے ہیں چنانچہ ایک قبر کے کھودنے سے تین برتن کچھ چاقو اور چھریاں ایک ڈھال۔ تانبے کی انگوٹھیاں اور چوڑیاں اور ایک پاندان معہ سامان متعلقہ کے برآمد ہوا تھا۔ اسکے مقابلہ میں مرد کی قبر میں صرف ایک چاقو اور تانبے کا ایک پیسہ رکھا جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر کوئی رسم نہیں کیجاتی۔ پہلے وقتوں میں لڑکا اور لڑکی آپس میں خود ہی ہمبستری کرلیتے تھے اور جب لڑکے کے والدین کو خبر ہوجاتی تو صرف مٹھائی کا ایک تھال لڑکی والوں کے ہاں بھیجدیا جاتا جس سے شادی کی تکمیل سمجھی جاتی۔ اب یہ رسم ہے کہ لڑکی کی والدہ سے پہلے دریافت کیا جاتا ہے۔

قوم سکائی میں کثیر الازدواجی کا زیادہ رواج نہیں۔ البتہ عورتوں کو طلاق حاصل کرنے میں پوری آزادی ہے۔ جس سے ایک عورت اپنی زندگی میں آٹھ یا دس خاوند خود کرلیتی ہے۔ عورت کو ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے خاوند کو گھر سے نکالدے مگر مکان بچے اور گھر کا اسباب سب عورت کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ مرد بھی عورت کو طلاق دیسکتا ہے۔ لیکن اگر اُسنے اپنی عورت کے لیئے کوئی مکان نہ بنوایا ہو تو پھر اُسکو وہ تمام اخراجات ادا کرنے پڑتے ہیں جو عورت والوں نے اُس وقت تک کیئے ہوں شادی کے بابین حسب دستور خاوند اور عورت آپس میں وفاداری کا دم بھرتے ہیں تاہم معمولی وجوہات سے بدگمان ہوکر مرد کی طرف سے عورت کو مارپیٹ ہوتی رہتی ہے (باقی آیندہ)

راقم سردار۔ امرتسری

ایطار

جناب شاد میرٹھی نے جو ایطائے خفی جلی کی اپنے قابل قدر مضمون میں تشریح کی ہے وہ فی الحقیقت رسالہ ہذا کے ناظرین کی معلومات وسیع کرنے کے لئے ایک اچھا ذخیرہ ہے لیکن چونکہ فی زمانہ اکثر اصحاب اس پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے ہیں اور یہ عیب اب اُس نظر سے نہیں دیکھا جاتا جیسا کہ پیشتر محسوس کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اکثر رسالجات میں ایسے قوافی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمنے بھی اُنکی پیروی کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے خفیف عیوب کی وجہ سے اشعار داخل رسالہ نہ کیئے جائیں تو بیچارے شاعروں کی دماغ سوزی کا خمیازہ کس پر پڑے گا۔ ہاں اِس لیے اِس مضمون کے دیکھ لینے سے اگر مبتدی شعرا اُس سے اجتناب کرنے لگیں گے تو گلدستہ آپ ہی ایسے عیوب سے پاک ہو جائیگا۔ اور اگر پھر بھی شاذ و نادر کسی نے لکھ دیا تو وہ شعر داخل گلدستہ نہوگا لیکن بعض ایطا ایسے بھی ہیں جو نظر انداز کر دیئے جانے کے قابل ہیں اور وہی نظر انداز کئے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اِس قسم کی قیود سے شاعری کا دائرہ وسیع نہیں ہو سکتا۔ (ایڈیٹر)

رسالۂ فصیح الملک مارہرہ اور گلدستہ کمال دہلی اُن سر برآوردہ پرچوں میں شمار کئے جانے کے قابل درجہ رکھتے ہیں جنکا اجرا محض زبان اُردو کی ترقی کے لیئے عالم ظہور میں آیا ہے چنانچہ اِن ہر دو معزز صحیفوں کے ایڈیٹر بھی حضرت احسن مارہروی اور جناب رونق صاحب و شیدا صاحب دہلوی جیسے قابل بزرگوار ہیں تاہم دسمبر کے اشیوع دیکھنے سے مجھے اِس امر کا اندازہ بخوبی لگ گیا ہے کہ یا تو یہ اصحاب اندراج غزلیات کیوقت محض تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اور یا یہ بات ہے کہ شعراء کے کلام موصولہ کو ملاحظہ ہی نہیں فرماتے بلکہ بجنسہٖ کاتب کے حوالے کر دیتے ہیں ورنہ یہ ناممکن ہے کہ غلط اشعار اشاعت پذیر ہوں۔ فصیح الملک کے حصہ نظم میں سب سے اول جناب مولوی حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ کی ایک غزل درج ہے جسکے قوافی سنور جانا۔ بکھر جانا۔ ٹھہر جانا۔ اُتر جانا۔ وغیرہ ہیں مگر مطلع ملاحظہ ہو ؎ تلاشِ رزق کی خاطر اِدھر جانا اُدھر جانا ؎ مقدر میں جو لکھا ہے وہی پانا جدھر جانا ؎ مندرجہ بالا قوافی کی غزل کے مطلع میں "جدھر اِدھر اُدھر" کے قافیے ضم کرنا

ایک ایسی فاش غلطی ہے جس کا مولانا حامد جیسے لائق شخص کی ذات والاصفات سے سرزد ہونا (گو وہ لکھنوی ہی سہی) سراسر خلاف اُمید ہے۔ اسیطرح رسالہ کمال میں اس مرتبہ بعض اشعار اسی عیب سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں مصرع طرح یہ تھا "رشک خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا" حسب ذیل اشعار خاص طور سے ملاحظہ طلب ہیں۔

جہاں دیکھو وہاں مجمع ہے ستمگاروں کا (راز) کوئی پرساں نہیں کمبخت دل افگاروں کا مشتری ایک زمانہ ہے طرح داروں کا (شوق) بھیڑ لوگوں کی ہے مجمع ہے خریداروں کا شہرہ بازار میں سُن سن کے طرح داروں کا (مجرم) حوصلہ اور بڑھا اُن کے خریداروں کا دلبروں میں عجب انداز ہے عیاروں کا طالب آنکھ جب چوک گئی مال ہوا یاروں کا کمال ؔ اور فصیح الملک" میں ایسا کلام دیکھکر اُردو کے بہی خواہوں اور قواعد فن سخن کے پیروکاروں کو جسقدر تعجب و افسوس محسوس ہو وہ کم ہے بالخصوص آخر الذکر دو مطلع اور بھی رنج کے قابل ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک تو ہمارے قدیمی عنایت فرما اور قابل مکرم جناب نوح صاحب دہلوی فخر تلامذہ و یادگار حضرت راسخ مرحوم کے شاگرد حضرت مجرم کی تصنیف سے ہے جو ایک لائق و فاضل شخص کے شاگرد میو ستے کے علاوہ خود دہلوی بھی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ بے اصلاحی غزل طبع کرا کر دہلی اور استادوں کے کمال پر بٹہ لگانا چاہتے ہیں۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؎ دوسرا مطلع منشی دنا نک پرشاد صاحب طالب (دیکھئے سب سے آخری) بنارسی کی قلم سے نکلا ہے۔ طالب صاحب صرف ایک پرانے ڈراماٹسٹ ہی نہیں بلکہ شاعر (نیچرل اور عاشقانہ دونوں مذاق کا کلام لکھنے والے) بھی ہیں۔ ہم پندرہ سولہ سال سے انکا کلام بلاغت نظام اکثر صحائف میں دیکھتے ہیں۔ کسقدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک ایسا کہنہ مشق شاعر بھی جو فصیح الملک داغ دہلوی کا نام لیوا ہو عیوب شاعرانہ کو نظر انداز کر دے یہ عیب جو ان پانچوں مطلعوں میں ایطاء کہلاتا ہے جس پر میری خواہش ہے کہ ایک مختصر سی بحث اسوقت پر کروں (۱) ایطاء کے لغوی معنی کسی ایک شے کو اُبھارنا اور دوسری کو پامال کرنا ہے فارسی میں اسے شائگاں (یعنی بیگار) کہتے ہیں اسکی کئی قسمیں ہیں جنکا فرداً فرداً تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (۲) ایطاء صرف مطلع میں ہوتا ہے اور قافیہ کے اعادہ کرنے یا مکرر لانے کو کہتے

ہیں ایطائے خفی کا مطلب یہ ہے کہ تکرار قوافی ظاہر نہو مثال کے طور پر صاحبزادہ شبیر رامپوری مدظلہٗ کا مطلع پیش کیا جاتا ہے ؎ آئے مزا کسی پہ تمھارا جو آئے دل + میری طرح سے تم بھی کرو ہائے ہائے دل اگرچہ ہائے ہائے میں بھی آئے "ے" موجود ہے مگر وہ ہائے ہو ز سے ایسا مخلوط و مشترک ہو گیا ہے کہ قطعی معلوم نہیں ہوتا چنانچہ یہ تکرار جائز تسلیم کی گئی ہے آب اور گلاب اور خریداروں اور آروں وغیرہ قوافی بھی اسی ذیل میں ہیں (۳) ایطائے جلی یعنی ظاہر کا منشا یہ ہے کہ روی کسی ایسے حرف کو کریں جو ہو نہ سکتا ہو مثلاً علامت مصدر یا مضارع کو روی بنائیں جسطرح جانا اور کہنا یا آئے اور سوئے وغیرہ (۴) ایک ہی قافیہ دونوں مصرعوں میں آئے تو وہ ایطائے جلی اور نا جائز ہے الا اگر وہ لفظ دونوں جگہ مختلف معنی رکھتا ہو تو جائز بلکہ داخل صنعت ہے مثلاً ؎ رخ روشن تمھارا کوئی کیونکر دیکھ سکتا ہے + اگر خورشید حیراں ہے تو آئینہ کو سکتا ہے + اس غزل کا قافیہ سکتا۔ تکتا۔ بھٹکتا۔ سرکتا ہے مگر مطلع میں ایک ہی لفظ دونوں جگہ لایا گیا ہے چونکہ مختلف معنی رکھتا ہے اس لیئے صحیح بلکہ صنعت ہے (۵) تکرار قافیہ معمول۔ اسکی دو اقسام ہیں ایک ترکیبی اور دوسری تحلیلی۔ ترکیبی وہ ہے کہ قافیۂ ثانی دو الفاظ سے مرکب ہو ؎ لا اعلم رنج پہنچاتی ہے فرقت میں کلائی مجکو + آجکل کیا نہیں مدت سے کل آئی مجکو + (۶) تحلیلی اُسے کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو ٹکڑے کر کے ایک کو داخل قافیہ اور دوسرے کو شامل ردیف کر دیں (شاد میرٹھی) بعد مردن مری رسوائی کا چرچا نہ ہوا + رنج و غم ساتھ رہے دفن میں تنہا نہ ہوا + چشم مشتاق کہاں اور سر سودا کیا + واشید دل کے لیئے یہ بھی اک افسانہ ہوا (۶) اگر قافیوں میں ایسے الفاظ ہوں جو صیغہ واحد سے جمع کئے گئے ہوں تو ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دونوں قافیہ ایک صورت کے ہوں اگر ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہوگا تو ایطا سمجھا جائیگا جس طرح کمال کے اسی نمبر میں مندرجہ ذیل مطلع ہے اخلاق صاحب کا ؎ ہے کاتب اعمال پہ طوماروں کا + بوجھ سر پہ لئے پھرتے ہیں گنہگاروں کا + اس میں طومار مفرد اور گنہگار مرکب ہے (بدر اکبرآبادی) کون محشر میں طرفدار تھا بیچاروں کا + پردہ رکھا تری رحمت نے گنہگاروں کا + اس مطلع میں بھی ایطا ہے کیونکہ دونوں قافیوں کے صیغہ واحد میں (بیچارہ و گنہگار) مختلف شکلیں ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے لائق دوست جناب اختر سہارنپوری نے ایک غزل "مسلمانوں کا۔ عریانوں کا" وغیرہ قوافی میں لکھکر بغرض اصلاح اپنے استاد راقم الدولہ مولانا ظہیر دہلوی کے پاس بھیجی تھی جب واپس آئی تو اس میں ایک مطلع پر (جسمیں مسلمانوں

اور پریچانوں کے قوافی تھے) نوٹ درج تھا مکرمی اختر صاحب نے اُس خط کو مجھے بھی دکھایا تھا بخدا
کہ سے پڑھکر مجھے بجد مسرت حاصل ہوئی کہ مولٰنا ممدوح اپنے شاگردوں کو کس قابلیت اور تفصیل مع اجمال کے ساتھ
اصلاح دیتے اور فن کے نکتے بتاتے ہیں بلکہ مجھے اُس وقت اپنے والد مرحوم جناب جگر میرٹھی کی یاد آگئی
اور سخت غم ہوا کہ کاش وہ آج زندہ ہوتے اور میں اُن سے کچھ سیکھتا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب میں برسر مطلب آتا
ظہیر نے اس قسم کی ایطاء کو بھی ناجائز قرار دیا ہے لیکن دیگر اساتذہ سلف و حال نے جائز مانا ہے کیونکہ یہ قسم خفی ہے نہ کہ
جلی (۹) ایطاء کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اگر قوافی کے حروف روی اُڑا دیئے جائیں تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ الفاظ
کے ماقبی ٹکڑے بے معنی ہیں یا بامعنی اگر دونوں ایک صورت رکھتے ہوں یعنی دونوں بے معنی ہوں یا دونوں
بامعنی تو ایطا ہے اور ایک بے معنی اور دوسرا بامعنی ہو تو صحیح ہے تاہم جملہ مستند اساتذہ متقدمین و متاخرین کا
کلام دیکھنے سے اِس امر کا پتہ اچھی طرح چلتا ہے کہ ایطائے معنوی کی رُو سے کوئی بھی نہیں بچا صرف ایطائے
صوری اور وہ بھی قسم جلی کو ملحوظ خاطر و مدِ نظر رکھا ہے لہٰذا معزز ناظرین کمال کو بھی اِس پر توجہ
مبذول کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ❊

راقم ـ شاد میرٹھی ـ از اجمیر

قصیدہ

از جناب شیخ عنایت اللہ صاحب راز سکندر آبادی ـ در مدح
عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فرخ وکیل دہلی
و رئیس اعظم سکندر آباد

ہے باغ دہر میں لطف سخن سے یہ تبدیل ‖ کہ رشکِ تختۂ سوسن بنا ہے عرصۂ غیل
ہر ایک قطرۂ شبنم چمن میں شیچے ہے ‖ زبانِ غنچہ سے شکرِ خدائے ربِ جلیل
بیاں کیا ہے کہ گلچیں جہنمی ہوگا ‖ گلوں نے سر پہ فضیلت کی باندھا کر مندیل
بچھڑ گیا ہے نسیم سحر سے کیا کوئی گل ‖ زبان بلبل تصویر پہ ہے قال و قیل
وہ عندلیب خوش الحاں کے چھیچے ہر دم ‖ صبا کی چھیڑ وہ سرو سہی سے طول طویل

پسند خاطر عاشق ہزار جان سے ہو
طبیب کو ہو تامل اگر دم تشخیص
ہر ایک شخص کی ہے گفتگو فصیح و بلیغ
گلوئے شیشہ میں ہچکی نہ مے میں تلخی ہے
جو اچھی طرح سے اے۔ بی کو پڑھ نہیں سکتا
سمجھ میں آیا نہ جب یہ معاملہ اپنی
بدل گئی ہے مذاقِ سخن سے لاعلمی
عجب نہیں کہ کنور جی کی گفتگو کا اثر
یہ سن کے میں نے بھی فی الفور لکھا مطلع
بہارِ شمع بزم کلام و رشک عقیل
سراپا صدق ہے ایسا تری صداقت پر
دہن ہو بند یہ تقریر کو تری سُنکر
درِ عدالتِ الفت میں گر کوئی عاشق
پئے ثبوت کچھ اشعار راز پیش کرے
ہر ایک مصرع کے معنی بیاں کرے لاکھوں
سزائے جرم سے زائد سزا ملے نہ اُسے
کہ دولت اسکی جو سُن پائیں ہوشان جہاں
کتاب معنی قانون حافظہ میں ترے
ترا دماغ ہے علم و خرد کا گنجینہ
جگہ بیاضِ جہاں میں ملے نہ لکھنے کو
بزرگوں میں تو اگر خضر کا ہو ہم پہلو
لکھوں قلم سے میں کیونکر تری صفات کو
دعا پہ ختم کرے اب ترا زوجتب سے کو

شب وصال سُنے گر صدائے مرغ اصیل
لپک کے بولنے لگتی ہے آپ نبض علیل
نہیں گنوار کے لب پر بھی کوئی حرف ثقیل
لگائی قند سخن سے ہی شاعروں نے سبیل
خدا کی شان وہ بی اے سے کر رہا ہے دلیل
تو کی ہمارے یہ فکر رسا نے پیش دلیل
زباں کی قدرتِ گویائی ہوتی ہے تسہیل
کرآئے بحث جو گونگوں کے منہ سے طول طویل
کہ جس کو مخزن معنی سے کیجیئے تاویل
رئیس اعظم و والا گہر فروغ و کیل
اُٹھا سکے نہ شیخ جو مصحف تو پادری انجیل
نہ صور پھونک سکے روز حشر اسرافیل
گزارے دعوی ظلم و جفائی چرخ بخیل
اور اُس مقدمہ میں تو ہو مدعی کا وکیل
ہر ایک معنی کی تو سو طرح سے دے تمثیل
نظر میں خلق خدا کی ہو اس طرح کا ذلیل
تو حکم عاشقِ جاں باز کی کریں تعمیل
ہیں اِس طرح سے کہ جوں روشنی تہِ قندیل
ترا خیال ہے علم و عمل کی اک زنبیل
اگر تو معنی موہوم کی کرے تفصیل
تو نوجوانوں میں تو ایک ہے جوان شکیل
نہ مجکو علم ہے اتنا نہ میں ہوں ایسا عقیل
کہ یہ تو رحمتِ پروردگار کی ہے دلیل

رکھے خدا دو عالم ہمیشہ شاد تجھے   ترا عدو رہے ناشاد و روسیاہ و ذلیل

محروم جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مرغ دل پھانسنے کو زلف کا جال اچھا ہے   حیلہ بازی کے لیے دانۂ خال اچھا ہے

دل کے طالب نظر آتے ہیں حسیں ہر جانب   اسکے لاکھوں ہیں خریدار کہ مال اچھا ہے

بوالہوس الفت خوباں کے مزے لوٹے دیکھ   غم دنیا سے محبت کا مآل اچھا ہے

تاب نظارہ نہیں گو مجھے خود بھی لیکن   رشک کہتا ہے کہ ایسا ہی جمال اچھا ہے

دل میں کہتے ہیں کہ اے کاش نہ آئے ہوتے   ان کے آنے سے جو بیمار کا حال اچھا ہے

مطمئن بیٹھ نہ اے راہرو راہ عروج   نیر ار ہیر ہے اگر خوف زوال اچھا ہے

اس سے محروم بڑھی رونق میدان سخن   نظم اردو کے رسالوں میں کمال اچھا ہے

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلی جاگیردار لوہارو

پھنسا نہیں دل صد پارہ زلف پرخم میں   کہ لعل جڑ دیئے الفت نے تیرے پرچم میں

ہے تجکو نخوت و پندار کیونکہ عالم میں   کہ زندگی کو تغیر ہے موت کے دم میں

جو حال اس دل بیخود میں ہم نے دیکھا ہے   کسی کو کب نظر آیا وہ ساغر جم میں

اثر ہے چاہ زنخداں میں یار کی جیسا   نہیں وہ چشمۂ حیوان و چاہ زمزم میں

شب وصال میں انکی نہیں نہیں ہاں ہاں   مجھے تھا قند مکرر مذاق پیہم میں

الٰہی موت کو میری نہ موت کیوں آئے   کہ سوگوار وہ بیٹھے ہیں بزم ماتم میں

اٹھائیں بار محبت جو اس ستمگر کا   نہ تاب سام میں اتنی نہ زور رستم میں

تجھے ہے چند گہر پر یہ ناز اے نیساں   ہزاروں لعل و گہر یاں ہیں چشم پرنم میں

گزر گیا ترا دیوانہ کیا بیاباں سے   کہ آہوں کو تکلف ہے جست میں رم میں

ہمیں ہے فکر وفا اور سر جفا تم کو   یہی تو فرق ہے تھوڑا سا آپ میں ہم میں

رضائے دوست کے جویا کو سب برابر ہیں   نہ کچھ ہے بیش میں بیشی نہ کچھ کمی کم میں

سکون پاتا ہے سوزش سے کچھ دل زخمی   ملا دو شور بھی تھوڑا سا آج مرہم میں

مزاج حضرت طالب کا بھی نرالا ہے   خوشی میں رہتے ہیں مغموم اور خوش غم میں

کمال دہلی

مصرع طرح

یہاں دلکی ضرورت ہی یہ باتیں ہیں حقیقت کی

اخلاق - جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی

یہ بالکل سچ ہی دنیا جا نہیں ہی عیش و عشرت کی
یہ عبرت کا مرقع ہے یہ ہی تصویر حیرت کی

لکھوں تفصیل کیا ای ہمدمو شبہای فرقت کی
درازی میں نمونہ تھی ہر اک روز قیامت کی

نہ پروا مجکو دولت کی نہ خواہش کچھ امارت کی
مگر یارب رہے مجھپر نظر تیری عنایت کی

عبث شکوہ ہی میرے آہ و نالہ کا تجھے مجھ سے
ترے جور و ستم کی مینے بھی تجھ سے شکایت کی

اسیر لطمۂ گرداب عصیاں ہوں مگر یارب
اُمیدیں دلمیں رکھتا ہوں ترے احسان و رحمت کی

گنہگاروں کا بیڑا پار کرنا بات ہی کیا ہے
ادھر بھی موج آ جائے کوئی دریائے رحمت کی

اُنھیں شکوہ کہ رسوا کر دیا مجکو زمانے میں
مجھے دعوی کہ مینے ہی جہاں میں اُنکی شہرت کی

لڑکپن کھیل میں کھویا جوانی عیش میں کاٹی
بڑھاپے میں ہوئی ہی فکر مرنے کی قیامت کی

بشر کو چاہیے شاکر رہے اپنے مقدر پر
خدا کا شکوہ کرنا ہے شکایت کرنی قسمت کی

نہ پھیلایا کسی کے سامنے تیرے سوا دامن
ترے در سے ہمیں جو کچھ ملا اُس پر قناعت کی

جہاں سے [illegible] عاشقوں کا کھوج کھو دیگا
اگر چرخ ستمگر نے یونہی کچھ دن عنایت کی

مرا دل ٹیکے تلووں سے مسل ڈالا ستمگر نے
ہوئی مٹی خراب آخر مرے ارمان حسرت کی

رضائے حق پہ راضی ہوں ہر اک حالت میں شاکر ہوں
نہ غم مجکو کسی غم کا نہ شادی ہی مسرت کی

ہمیشہ اپنے کمبل کو سوا سمجھا دوشالے سے
فقیری میں بھی اے آخلاق تھے باوشاہت کی

آشک۔ جناب شیخ عبد العلی صاحب سہسوانی

بہت دشوار غواصی تھی دریائے حقیقت کی
ہوئی موج فنا سے آشنائی بحر وحدت کی

عجب شوخی نگاہ ناز میں ہے سرو قامت کی
چمن میں آرزو ہے نرگس شہلا کو روئیت کی

حباب آسا نظر آئیں نہ کیوں شمش قمر دونوں
کہ سانوں آسماں موجیں ہیں دریائے حقیقت کی

خرام ناز پر نیچی نظر سے اور تڑپایا
نئی شوخی تمہاری ہر ادا میں ہے قیامت کی

تصور سے کھنچا نقشہ مرے آئینہ دل میں
کیا کرتا ہوں گھر بیٹھے زیارت اُنکی صورت کی

بہت مشکل ہے بندیکو خدا کے بھید کا پانا
یہاں دلکی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

جو دیکھا حسن آئینہ میں اپنا اُس پری وش نے
سراپا محو ہو کر بن گیا تصویر حیرت کی

حسینو! پردہ عفت میں چھپکر تمکو رہنا تھا
یہ مُنہ اور غیر دیکھیں کسقدر ہے بات غیرت کی

آدمی۔ جناب محمد عوض صاحب بلند شہری تلمیذ جناب صوفی

شب غم تارے گن گن کر بسر ہوتی ہے اے ہمدم
نہیں کاٹے سے کٹتی ہجر میں اب رات فرقت کی

دکھا دے جلوہ نورِ محمد خواب میں یارب
لگی رہتی ہے ہر دم میرے دلکو یاد حضرت کی

کریں ہم کیوں نہ آدمی سجدہ شکر خدا ہر دم
کہ اُمت میں کیا پیدا ہمیں ختم رسالت کی

اختر۔ جناب لالہ کشن چند صاحب دہلوی سابق نائب تحصیلدار رابطہ

چراغ داغ دل لیکر بہت ڈھونڈا زمانے میں
نظر آئی جھلک ہمکو نہ ہرگز تیری صورت کی

نگاہ ناز نے عالم کو دیوانہ بنایا ہے
خرامِ ناز مستانہ نے برپا اک قیامت کی

گرا کر اپنی نظروں سے ملایا خاک میں تم نے
وفا کا کیا یہی شیوہ ہے اُلفت میں عداوت کی

تڑپ کر ہجر جاناں میں گزارو زندگی اختر
کہ تا معلوم ہو جائے حقیقت سوزِ اُلفت کی

ازل۔ جناب محمد عبد المجید صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی

نہ ارماں کوئی بر آیا۔ نہ کوئی آرزو نکلی
یہ میں ہوں بزم عالم میں کہ اک تصویر حسرت کی

رضا جوئی تری یارب ہے مقصد زندگانی کا
وہ دوزخ میں جلے جسکو ہو خواہش باغ جنت کی

اگر ہو کاروبار دہر میں تکیہ توکل پر
تو شکوہ چرخ سے کیوں ہو شکایت کیوں ہو قسمت کی

ہوا ہوں بیخبر ایسا کو پی کر دونوں عالم سے
بچا رکھی تھی ساقی نے یہ کیسی میری نیت کی

یقیں ہے خود بخود ہی کھنچ کے وہ آجائینگے ہم تک
ہمارے جذبۂ دل نے اگر کچھ اور ہمت کی

کسی پردہ نشیں کے عشق کا وہ راز ہے دل میں
کہ اپنے آپ سے بھی ہے ضرورت مجکو خلوت کی

نہ چھوڑا بیخودی نے ایکدم بھی وقت نظارہ
عبث اُس شوخ سے ہمنے نہ ملنے کی شکایت کی

الٰہی مجکو دینا ہے تو درد عشق دے اپنا
نہ حاجت مالکی کچھ ہے نہ خواہش مجکو دولت کی

شکست ساز ہستی ہے سنورنا میری قسمت کا
جو دم دنیا میں گزرا ہے گھڑی ہے اک قیامت کی

رہے آٹھوں پہر گردش میں ہم قسمت کے ہاتھوں سے
میسر آئی عالم میں نہ اک ساعت بھی راحت کی

وفا کی آزمایش - امتحاں اُلفت کا لینا ہے
الٰہی اور بڑھ جائے گھڑی رنج و مصیبت کی

بہت اچھا ہے میری زندگی غفلت میں کٹ جائے
ادھر کچھ ہوش آتا ہے اُدھر لیتا ہوں وحشت کی

نہ دیکھا عمر بھر ہمنے کبھی مُنہ تنگدستی کا
ملا جو کچھ ازل سے ہر حال میں اسیر قناعت کی

آسد - جناب محمد علی صاحب دہلوی - تلمیذ جناب سائل دہلوی

بہت سی خاک چھانی مدتوں صحرائے غربت کی
جہاں کی سیر ہمنے اے جنوں تیری بدولت کی

مری طاعت پہ زاہد معترض ہیں اُس کے تقوے پر
مجھے خواہش تو کچھ ہے تو اُسکو حور جنت کی

گئے ہیں زندوز اہد داور محشر کی خدمت میں
خدا ہے دیکھئے کس پہ نظر پڑتی ہے رحمت کی

تمھارے ہاتھ سے مجبور ہمیشہ ظلم ہوتے ہیں
تمھیں یہاں سے کہو کبھی میں نے شکایت کی

جناب خضر بھی آئیں تو رستہ بھول جائینگے
گئی ہیں ایسی ایسی پیچ سے راہیں محبت کی

اِدھر رخسار پر گیسو بکھر کر آ گئے اُنکے
اُدھر سودائیان زلف نے لی خوب وحشت کی

حمایت کون لیگا حشر میں ہم بھی تو دیکھیں گے
ترے فریادیوں نے گر وہاں تیری شکایت کی

گلے شکوے نکر اے دل مجھے یہ خوف آتا ہے
کہ باتوں میں گزر جائے نہ ساری رات عشرت کی

عدو سے لڑکے آئی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے
کچھ ایسی تن کے بیٹھی ہے مرے گھر رات فرقت کی

سیہ بختی پہ میری بجلیاں ہونے لگیں یعنی
کلونس اس میں کہاں سے آ گئی ہے شام فرقت کی

کفن سے خاک چھن چھن کر مری میت پہ گرتی ہے
آسد جو فرش کی صورت ہے وہ صورت ہوئی چھت کی

بشیر - جناب بشیر الرحمن صاحب دہلوی خلف مولوی اتو جان صاحب دہلی

طفیل حسن گر ہیں تیز زمانے میں ہوا شہرا — تو ہم نے دل تجھے دیکر جہاں میں اپنی شہرت کی
لگائیں ٹھوکریں صد ہا جلانے کے بہانے سے — اُڑائی ہے مگر اُسنے خاک آخر میری تربت کی
مری قسمت ہو سیدھی کیسے جب وہ نہیں ہیں ایکا — فلک نے ہر ستم میں اُس ستمگر کی اعانت کی
بدلتا ہے زمانہ رنگ لیکن میں تو جب جانوں — بدلدے وہ شب عشرت سے میری رات فرقت کی
جہاں میں کوئی ہمسا اور پُر حسرت بتاؤ تو — نہ آئی عمر بھر میں جسکی اک ساعت بھی عشرت کی

برق - جناب بالے مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر دہلوی

شباب آتے ہی شوخی نے حیا آنکھوں سے رخصت کی — اُمنگیں لے اُڑیں اُٹھتی جوانی کو طبیعت کی
بُرا ہو آہ کا۔ اِسنے اُڑائی خاک چاہت کی — نہیں تو کیوں ہوا فاش نکلتی راز الفت کی
یہ کہکر تم نے ٹھوکر سے برابر میری تربت کی — کہ اب مٹی ٹھکانے لگ گئی ناکام حسرت کی
چُھٹیں نبضیں۔ لبوں پر دم ہے۔ تیاری ہے رخصت کی — خبر لی تم نے اچھے وقت بیمار محبت کی
تمہاری آنکھ میں ہے ایک تو شوخی قیامت کی — سیہ پتلی پھر اُس پر اور پر کالہ ہے آفت کی
لگی رہتی ہے ہر دم ٹھوکروں سے فتنہ قامت کی — خرام ناز سے وہ گم ہوئی مستی قیامت کی
ہوئے ہیں ہم ضعف سے غش وار تو اوچھا تھا قاتل کا — ہماری سخت جانی نے ہوا باندھی نزاکت کی
نہ لینگے خفتگان خاک کروٹ کنج مرقد میں — یہ سونے والے لائینگے خبر صبح قیامت کی
زکاتِ حسن اک بوسہ ملے رخسار تاباں کا — ہمارے دل سے نکلینگی دعائیں بڑھتی دولت کی
تصدق ہو کے جلتی آگ میں گرتے ہیں پروانے — بُری ہوتی ہے جلنے کو لگی سوز محبت کی
پس مُردن بھی مجھکو ضعف سے پستی میسر ہو — کہ اُٹھکر بیٹھ جاتی ہے زمیں پر گرد تربت کی
غم دنیا سے ہم چھوٹے پہنچکر کنج مرقد میں — نظر آئی ہے مر مر کے ہمیں تو شکل راحت کی
جو گر کر جل بجھا پروانہ دل سوختہ کوئی — تو بھر دوں نم زباں اشکوں سے آنکھیں شمع تربت کی
اکیلا جب کبھی میں رند بادہ نوش پیتا ہوں — چھڑک دیتا ہوں پہلے [illegible] پر نامہ کی جنت کی
لڑا دی جان شیریں کوہکن نے عشقبازی میں — مگر ناکامی قسمت نے برباد محنت کی
چھپا رکھا تھا مجھکو نیستی نے برق پردے میں — عدم سے لائی ہے ہستی میں گردش میری قسمت کی

بدر - جناب شیخ بدر الدین صاحب اکبر آبادی تلمیذ جناب مرزا حاتم علی مہر اکبر آبادی

لئے پھرتی ہے ہر سو مجکو گردش میری قسمت کی
زمین بھی کم نہیں ہے آسمان سے دشت غربت کی

بہار گل میں یہ کہتی ہے جولانی طبیعت کی
وطن کو چھوڑ غافل سیر کر صحرا ے وحشت کی

مرا لاشہ لئے ہمدم جو گزرے اُسکے کوچہ سے
ہوا سے آنے لگی راہِ عدم میں مجکو جنت کی

خدائی کر کے یہ نخلِ خودی کا اپنی پھل پایا
تمنا لے گئی شداد کو دوزخ میں جنت کی

فلک نے نام میٹا یا د صرصر نے نشان میٹا
اُڑا کر خاک تک برباد کر دی میری تربت کی

دمِ آخر ہے شاید آ رہے ہیں نیند کے جھوکے
ہوئی جاتی ہیں آنکھیں بند بیمار محبت کی

کیا جب وصل کی شب شکوۂ فرقت تو فرمایا
کہانی عیش میں بھی یاد ہے تمکو مصیبت کی

خبر مرنے کی سنکر بھی وہ گل آیا نہ پرسے کو
مرے پھولوں میں کیونکر بو نہ آئے داغ حسرت کی

مجھے کیونکر نہ ہمدم دفن کرتے کوے جاناں میں
لکھا لایا تھا میں تقدیر میں جاگیر جنت کی

پس مردن ہماری بیکسی رہتی ہے مدفن پر
محافظ بن کے تربت کی مجاور بن کے تربت کی

ہلال آسا ہوے ہیں گھٹتے گھٹتے غم میں بدر
محبت ہی نہیں اے مہرباں کس ماہ طلعت کی

بیتاب۔ جناب سید محمد خیرات علی صاحب تلمیذ جناب رسا۔ از کا

نظر بھر کر کسی کو بھی اگر دیکھوں قسم لے لے
ترے آگے حقیقت ہے بھلا کیا حور جنت کی

بلانا ہر کسی کو بے تکلف چھوڑ دو گھر پر
یہ بدنامی کی صورت ہے نہیں باتیں شرافت کی

تسلیم۔ جناب منشی محمد امیر اللہ صاحب لکھنوی مظلہ یادگار حضرت نسیم د

ملا دے خاک میں اِس سے دعا انکو جو رغبت کی
ہمیشہ سے سمجھ اُلٹی ہے چرخ پست ہمت کی

رہی سرگشتگی ہم مرکے بھی ہمراہ قسمت کے
بگولا بن کے اُڑتی پھرتی ہے خاک اپنی تربت کی

یہاں سے گئے عدم سے دیکھئے اب ہم کہاں جائیں
ابھی تو ابتدا ہے انتہا ہے جوشش وحشت کی

وہ بیکس تھا کہ بعد از مرگ بہر مغفرت ہمدم
یہی میرے لئے دست دعا لو شمع تربت کی

برنگ کشتۂ سیماب ہوں بیکار ہر غم سے
نہ حسرت گور کی مجکو نہ پروا شمع تربت کی

کروں سو مرتبہ میں شکوۂ جور بتاں لیکن
سُنے گا کون محشر میں حقیقت بے حقیقت کی

تو کیا اہل معانی کی خبر اے اہل فن جانے
کہ تجکو فکر ہے ہر دم فصاحت کی بلاغت کی

اگر پوچھے دمِ محشر زہے عزت زہی عظمت
وگرنہ کیا سیہ کاری مری کیا شان رحمت کی

بہت دشوار ہے اے دل پہنچنا اُسکی خلوت تک
کہ بام عرشِ اعظم پہلی منزل ہے حقیقت کی

سوائے فعلِ بد کوئی نکوکاری نہیں مجھ میں
کہوں کس منہ سے اے تسلیم ہوں اُمت میں حضرت کی

حمید۔ جناب ابو الحمید صاحب میرٹھی۔ ایڈیٹر رسالہ الحمید میرٹھ

ہوئی رسوائی بازارِ جہاں میں حسنِ صورت کی
تماشائی نہیں نظریں نظر بازانِ الفت کی

قلق کی۔ رنج کی۔ حرماں کی غم کی۔ درد و فرقت کی
محبت میں ہمیں راتیں ملیں کس کس مصیبت کی

نگاہیں مجھ سے پھیریں کیا سے دشمن چشمِ الفت کی
یہ کیا رسمِ وفا تو نے ادا او بے مروت کی

کہاں تصویر کھینچتی ہے تمہاری فتنہ صورت کی
بلائیں لے رہا ہے کلکِ مانی کلکِ قدرت کی

جو کوئے یار کا ہم لیکے نقشہ دل میں پہنچیں گے
ہوا کچھ اور ہی ہوجائیگی گلزارِ جنت کی

جنھیں سمجھا ہے قاتل بیل بوٹے اپنے دامن کے
وہ ہیں گلکاریاں خونِ شہیدانِ محبت کی

تمہارے در کے سجدے پھر میسر کب مجھے ہونگے
مٹاؤں آج ہی گھسکر جبیں تحریرِ قسمت کی

چلی آتی ہے پیچھے پیچھے کیوں تمہارے ہو دامن
قیامت کیا سہیلی بن گئی اُس فتنہ قامت کی

عدم تک لے ہی پہنچے گا یہ شوقِ دشت پیمائی
سلامت ہے اگر گردش ہمارے پائے وحشت کی

بُرا کہنے لگے کوسے بتاں کو کچھ خلل آیا
ہوا کھائیں کوئی دن شیخ صاحب باغِ جنت کی

جو پوچھا ہم نے اُنسے کیا سبب کیوں ستاتے ہو
تو بولے تم نہیں واقف یہ باتیں ہیں محبت کی

حمید آئینہ میں شاید کوئی جادو کا پتلا تھا
وہ جسکو دیکھتے ہی بن گئے تصویر حیرت کی

حیراں۔ جناب محمد صادق صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب سائل دہلوی

اِدھر اُٹھے وہ پہلو سے اُدھر عاشق نے رحلت کی
جدائی کی گھڑی تھی یا گھڑی تھی اک قیامت کی

نکلتی آرزو کیا خاک مشتاقِ شہادت کی
نزاکت ہوگئی مانع اگر قاتل نے ہمت کی

نکالا گالیاں دیکر بھری محفل سے عاشق کو
تمہاری قدر دانی دیکھ لی بس خوب عزت کی

سوالِ وصل پر یہ کیا خبر تھی ایسے بگڑینگے
گر اب مقبول توبہ ہے نہ شنوائی ہے منت کی

زبانی ادعائے قتلِ عاشق کا یقین کیا ہو
کمر کیا کہہ رہی ہے کچھ خبر بھی ہے نزاکت کی

ہوئی ہے بزمِ جاناں تک رسائی ہوکے رسوائی
خوشامد کی رقیبوں کی نگہبانوں کی منت کی

نہ دل کو چین لینے دے نہ شکوہ ماجرا کیا ہے
فلک سے سیکھ لیں چالیں مگر ہم نے قیامت کی

قضا تو ہی خبر دے تا کجا تڑپا کروں آخر
خدا ہی جانتا ہے کب سحر ہو شامِ فرقت کی

علاجِ دردِ دل تجھ سے نہ ہوگا چارہ گر ہٹ جا
خدا سے لو لگی ہے اب مریضانِ محبت کی

بنایا جائے گھر دنیا میں کس بنیاد پر آخر
صدائیں کان میں آتی ہیں ہم کو کوسِ رحلت کی

تمہارے واسطے دنیا و دیں کھوئے ہیں مر حیراں
بتوں سے دل لگی کی حق سے ہے امیدِ رحمت کی

حالب - جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

ہماری محویت پر طعنہ زن ہوتا ہے کیوں واعظ
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

ہوا چرچا زمانے میں ہماری شعر گوئی کا
نہ ہو بزمِ سخن میں دھوم کیوں حالب فصاحت کی

خلیق - جناب عبد الخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

بلا تقصیر مجھ سے آپ نے میری شکایت کی
کبھی کچھ آپ سے چاہا - کبھی کچھ عرضِ حاجت کی

فضائے صحنِ میخانہ ہے یا ہے ارضِ جنت کی
یہاں آکر برستی ہیں گھٹائیں خاص رحمت کی

ریاکاری میں ساری عمر کردی رائگاں اپنی
جو ان میں جسنے جنت کی تمنا پر عبادت کی

نہ تھا اتنا کوئی جو آہ و نالے پر ترس کھاتا
فقط اک بیکسی ہمدم تھی یا تھی شامِ غربت کی

خوشی سے جان دینے کے لئے موجود ہوں میں تو
جگہ مل جائے کوچہ میں ترے گر ایک تربت کی

بھلیں ہو آیۂ رحمت بھلیں ہو شافعِ محشر
تمہارے ہاتھ ہے عزت گنہگارانِ امت کی

کبھی دل میں جگہ دی ہے کبھی آنکھوں پہ رکھا ہے
تصور کی ترے جو ہو سکی ہم نے حفاظت کی

میں جسکو دیکھتا دل ہو گیا اس کا بس اے زاہد
نہ کر تعریف میرے سامنے حورانِ جنت کی

رقیب روسیہ پر روز ہوتے ہیں کرم لیکن
کسی دن بھول کر بھی آپنے مجھ پر عنایت کی

تمہارے اعتمادِ عاشقی پر حرف آئے گا
خلیق اچھے اگر معشوق کی تم نے شکایت کی

ذاکر - جناب شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا

خدا کیواسطے اے بت سزا دے جورِ قسمت کی
گنہگاروں میں شامل ہیں ترے ہم نے محبت کی

ملا ہے چاہ کا بدلہ یہی تم نے عداوت کی
رلایا ہے جلایا ہے مجھے اچھی محبت کی

جدائی کے بھی دن میں کچھ ادائیں ہیں قیامت کی
نظر آنے لگے تارے تڑپ میں دردِ فرقت کی

ابھی جاؤ بھی بس بیٹھے رہو اب منہ نہ کھلواؤ
ہمیں معلوم ہے کل گھر بلا کر جسکی دعوت کی

ندرت بجے خود۔ اگر ہم آپ لیلیں پھر نہ شرمانا
ذرا جھک جاؤ کچھ کہنا ہے باتیں ہیں ضرورت کی

انھیں پر جان دیتا ہوں انھیں پر میں تو مرتا ہوں
تری زلفوں میں آئی ہے سیاہی میری قسمت کی

ہمارے دل کے ٹکڑے کر دیئے غیروں نے الفت میں
کہو تو لاکھ میں کہدیں محبت میں عداوت کی

شب غم میں جھڑی مژگان نے اشکوں کی لگا دی ہے
گھٹا چھائی ہوئی ہے پھر سر سویدا میں حسرت کی

خبر بھی کچھ ہے کیا کہتی ہے دنیا رات دن تم کو
زمانہ بھر میں اب مشہور رسوائی ہے شہرت کی

خیال خام میں کیوں عمر کھوئی حضرت زاہد
اجی بس جاؤ بھی حوریں ملینگی تمکو جنت کی

گریباں کی ہے شب فرقت خبر لی جوش وحشت نے
اڑے ہیں پرزے اسکے جنوں نے جب عنایت کی

سوال وصل پر میرے نہیں ہے انکے ہونٹوں پر
یہ حصہ ہو گیا میرا یہی ہے میری قسمت کی

ترا ذکر ہوں میں پہلا سفر ہے رات بھاری ہے
الٰہی بھیجدے مرقد میں کوئی حور جنت کی

رتنا۔ جناب منجب لال صاحب دلیل و آنریری مجسٹریٹ بھنڈ۔ گوالیار

مجھے جب یاد آتی ہے کسی کی پیاری صورت کی
تو اک تصویر پھر جاتی ہے آنکھوں میں حقیقت کی

نہ پوچھیں میرے ہمدم میری کیفیت مصیبت کی
شب غم کی گھڑی ایک ایک گھڑی ہے قیامت کی

بہت پچھتاتے ہیں کیوں فتنہ گر سے ہم نے چاہت کی
یہ کیا بیٹھے بٹھائے جان پر برپا مصیبت کی

الٰہی خیر کرنا آج پھر لی دل نے وحشت کی
نگاہ شوخ نے کسکی خدا جانے عنایت کی

میں کہہ سکتا نہیں پوچھو نہ مجھ سے میری کیفیت
تمھیں خود دیکھ لو اس عشق نے جو میری صورت کی

بہت جنت میں ہم گھومے بہت فردوس بھی چھانا
مگر کوئی نہ دیکھی حور تیرے حسن و صورت کی

ترا وہ دیکھ لینا شرمگیں چتوں سے رہ رہ کر
مرے دلمیں تڑپ ہو ہو کے رہ جانا قیامت کی

نگاہ ناز نے چپکے سے آکر دلمیں چٹکی لی
تمھاری آنکھ نے پھر دیکھ لو مجھ سے شرارت کی

دل آیا بھی تو کس ظالم پہ اپنا ہائے دل آیا
محبت بھی جو کی تو کس ستمگر سے محبت کی

تری وہ بھولی صورت شرمگیں چتون بھی آفت تھی
اب آکر شوخیوں نے اور بھی برپا قیامت کی

ہنسے بولے بھی تو کیا خاک وہ مجھ سے ہنسے بولے
بتاتی ہیں نگاہیں گرد دلمیں ہے کدورت کی

کرم اسکا ستم سے بڑھ کے دشمن جان کا نکلا
مجھے رہ رہ کے تڑپاتی ہیں باتیں وہ محبت کی

نظر آئینہ رو پر پڑتے ہی وہ بیخودی چھائی
سراپا محو ہو کر رہ گیا تصویر حیرت کی

نظر کے ملتے ہی اُس سنگدل کے منہ سے اُف نکلی — اثر جادو کا رکھتی ہیں نگاہیں میری حسرت کی
چھپایا تو بہت تم عدو نے راز محبت کو — نہیں چھپتی نہیں چھپتی نظر لیکن محبت کی

زنگ - جناب حاجی محمد وزیر خان صاحب حیدرآبادی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی

نہ حوروں کی تمنا ہے نہ خواہش قصر جنت کی — اگر کچھ ہے تو ہے حسرت مدینہ کی زیارت کی
یہ میں نے مرتبہ پایا زیارت کر کے حضرت کی — فرشتے خاک لیجاتے ہیں آ کر میری تربت کی
نہ گھبراؤ گنہگارو چلو میدان محشر میں — رسول اللہ کے قبضہ میں ہے دولت شفاعت کی

رحمت جناب محمد رحمت اللہ صاحب تلمیذ شہری - شاگرد حضرت ناظر سکندرآبادی مدظلہ

نہ ہو کیوں مہوم ہر سو صانع قدرت کی صنعت کی — کہ لاکھوں صورتوں میں ڈھونڈ رکھیں ایک صورت کی
دکھا دے کوئے جاناں اے فلک بہر خدا مجکو — تمنا ہے کہ دنیا میں بھی کرلوں سیر جنت کی
تعجب ہے کہ میری اضطرابی پر تو طعنے ہیں — نہیں لیتے خبر وہ اپنی شوخی کی شرارت کی
بلائیں دردمیں دکھ میں مصیبت میں جدائی میں — رفاقت کی ہمارے ساتھ تو دل نے رفاقت کی
کیا بیتاب ہمکو اور بڑھکر غم کی راتوں نے — جو دی تشبیہ زلف یار سے شبہائے فرقت کی
یونہیں اک آن ہی میں پھر گئیں وہ ہم سے اے رحمت — جنھیں سمجھے ہوئے تھے ہم یہ آنکھیں ہیں مروت کی

زیرک - جناب علی احمد صاحب قنوجی مقیم حال حیدرآباد تلمیذ حضرت برتر

بلائے جاں ہوئیں بیتابیاں شوق شہادت کی — خدا ہی شرم رکھ لے اُسکے انداز نزاکت کی
ہجوم ضعف سے رکتا ہے دم رہ رہ کے سینے میں — تن بسمل میں ہے جان حزیں اب کوئی ساعت کی
جلیں چپ چاپ جسکے عشق میں ہم شکل پروانہ — وہ شمع بزم دشمن ہو یہ خوبی اپنی قسمت کی
تری خلخال کی آواز نے اے فتنۂ محشر — جگا کر خفتگان خاک کو برپا قیامت کی
نگاہیں دیکھتی ہی رہ گئیں وارفتہ ہو ہو کر — بلائیں چرخ کے لیں پنجۂ مژگان نے صورت کی
لیا کرتا ہے دل کی اے فلک کیوں راست بازوں سے — نہیں جاتی نہیں جاتی کجی تیری طبیعت کی
نہ چھوٹا پر نہ چھوٹا طائر دل دام گیسو سے — بہت تڑپا بہت پھڑکا بہت کچھ اسنے ہمت کی
زمین و آسماں برگ و شجر جن و بشر یکسر — شہادت دیتے ہیں اس صانع مطلق کی صنعت کی
سیاہی نامۂ اعمال کی کافور ہو جائے — ادھر اک موج آجائے اگر دریائے رحمت کی

وہی وہ گز زمیں ہو کل تری تقدیر میں غافل — یہ مانا آج ہفت اقلیم پر تو نے حکومت کی

صفائی کی کوئی صورت نظر آتی نہیں یارب — جگہ اُس سنگدل کے دلمیں ہو گرد کدورت کی

شب وعدہ اگر ملجائیں زیرک مجھ سے وہ آکر — قسم کھا نے لگے خوبی قسمت میری قسمت کی

سالک - ابو العجز جناب محمد عبد المجید خان بٹالوی تلمیذ حضرت رسا مدظلہ

نہیں ہو بات میری کوئی بھی اَب آدمیت کی — یہ ساری مہربانی ہے جنوں کی اور وحشت کی

ضرورت شامیانے کی نہیں تربت پہ عاشق کی — ازل ہی سے تنی ہو اس پہ چادر یاس حسرت کی

بتانِ مہوش کے جھگڑے دیکھے ہیں دُنیا میں — تو حوریں ہمکو زاہد کیا پسند آئینگی جنت کی

وہی دل ہو کہ جو تھا گھر خدا کا اِک زمانے میں — وہی دل ہو کہ منزل ان دنوں ہو یاس حسرت کی

تعجب ہو اُٹھا سکتے نہیں رنگِ حنا کو بھی — حسینانِ جہاں میں بھی کوئی حد ہو نزاکت کی

بروز حشر ہاسئے برسر دربار رسوا ہوں — گناہوں نے مری اپنے پراؤں میں فضیحت کی

ملیں یارانِ جلسہ عیش کا پھر دور دورہ ہو — غموں کا سرد ہو بازار محفل گرم عشرت کی

شاکر - جناب شاکر علیصاحب خلف الرشید و تلمیذ حضرت برقؔ

کہاں تک نیند - کھول آنکھیں کوئی حد بھی غفلت کی — تعبیر خواب اے غافل صدا ہو کوس رحلت کی

نگاہ شوخ میں اتنی ہوئی کثرت شرارت کی — کہ آنکھوں میں رہی باقی نہ گنجایش مروت کی

کسی سے وعدۂ دیدار ٹھیرا ہو وہاں لیکن — قیامت بھی تو ہو پابند انداز نزاکت کی

جس آئینے پہ تیری خود نمائی ناز کرتی ہے — وہ اک بگڑی ہوئی صورت ہو تمہاری حیرت کی

ہمارا خونِ ناحق رنگ لائے گا سرِ محشر — بدلجائیگی رنگت عارضِ صبحِ قیامت کی

الٰہی یہ کرشمے ہیں تری قدرت کے بھی کیا کیا — کروڑوں میں نہیں دو صورتیں بھی ایک صورت کی

ذرا تو سوچئے اِس بے نیازی کی کوئی حد بھی — جفا کیا کی کوئی مجھپر پڑی گویا عنایت کی

کچھ ایسے بھر گئے ہیں شوخی رفتار کے فتنے — رہی باقی نہ دنیا میں جگہ کوئی قیامت کی

سیاہی نامۂ اعمال کی دُھل جائیگی شاکر — اگر برسے گی بدلی گریۂ اشک ندامت کی

[illegible]

شاد - آپ کا اسم و پتہ خط تحریر نہ تھا اُمید کہ آیندہ آپ اطلاع دیجئے

کہاں پہلے دل آزاری کہاں اب اتنی دلداری — وہ باتیں تھیں شرارت کی یہ باتیں ہیں محبت کی

ملے مٹی میں کیسے کیسے گل اس باغ عالم کے
حسیں کیا کیا نشے خاک اُڑ رہی ہی جنکی تربت کی

شمیم - جناب بابو چھیتر مل صاحب بھرتپوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ضیا سے طور سے بڑھکر ہمارے کنج تربت کی
جلا رکھی ہی شمع سوز غم سے داغ حسرت کی

جبیں سائی سے کچھ حاصل نہ حاجت زہد و طاعت کی
یہاں دل کی ضرورت ہی یہ باتیں ہیں حقیقت کی

اُڑینگی دھجیاں ای شیخ دستار فضیلت کی
اگر رندوں کے آگے دختر رز کی مذمت کی

بڑھی یہ میکشوں کی شان اُسے زاہد سر محشر
جھڑی ابر کرم سے لگ گئی باران رحمت کی

عدو کو دیکے خط بھیجا مری بیمار پرسی کو
نئے انداز سے ظالم عنایت میں عداوت کی

زمانے میں ہر انساں کی جدا ہی سیرت و صورت
جو سچ پوچھو تو یکتا صنعتیں ہیں دست قدرت کی

تمھارے خنجر ابرو کی پرسش بھی قیامت ہے
زباں کے ہوگئے ٹکڑے دہن میں گر شکایت کی

تمھارا روے زیبا چھپ نہیں سکتا ہی پردے میں
مگر درکار ہیں انسان کو آنکھیں حقیقت کی

کسی کی تیزی رفتار کے فتنوں نے بڑھ بڑھ کر
اُڑائیں دھجیاں محشر میں دامان قیامت کی

مضمون لفت شمیم آخر ہی کسکے روے رنگیں سے
گل داغ جگر میں بس گئی ہی بو محبت کی

شفیق - جناب منشی مہدی حسن صاحب از جہانگیر آباد - تلمیذ حضرت رسا

بڑی ہی آبرو ریزی ہوئی روز قیامت کی
ہوئی سایہ فگن جسدم درازی تیرے قامت کی

خلش دل میں چلی جاتی ہی میرے خار وحشت کی
پس مردن ملی جاگیر کیا صحرائے غربت کی

نہ پیش آئیگی اب کوئی یقین ہی سختی منزل
اُٹھائے چل قدم ای دل یہ راہیں ہیں حقیقت کی

نظر آتے ہی پہلو سے اُڑا جاتا ہے دل اپنا
کہ عکس زلف مشکیں ہی سیاہی شام فرقت کی

چلی ہی بے سر و ساماں نکلکر کوے جاناں کو
الٰہی آبرو رکھنا شب فرقت مصیبت کی

بتا دینگے کسی دن آپ کیسے کھینچنے والے ہیں
اگر باقی رہی تاثیر کچھ بھی جذب الفت کی

رکاوٹ خنجر قاتل کو ہی کچھ سخت جانوں سے
کہیں مٹی نہ ہو برباد پھر شوق شہادت کی

نہ چھوڑا کا نزع میں بھی پردہ چلمن سے ظالم نے
تمنا رہ گئی سر پیٹتی شوق شہادت کی

اُٹھائیں بار الفت اسے شفیق پھر کس طرح کوئی
نرالی ہیں زمانے بھر سے اُفتادیں محبت کی

خنجر - جناب بابو کندن لال صاحب سہارنپوری سررشتہ دار سب ججی لکھنؤ

غضب ہے حضرت دل آج پھر پیتے ہیں وحشت کی
کسی ناز آفریں نے کیا کہیں چشم عنایت کی

رسائی ہو [illegible] سودائیان دشت وحشت کا
اڑاتیں دھجیاں دامان صحرائے قیامت کی

شب غم کو پھر دعو لے رفاقت صبح محشر تک
گزر جاتی ہیں لحظہ بھر میں گھڑیاں عیش و عشرت کی

عدو کو ساتھ لیکر آئی ہے طرفہ مسیحائی
مجھے بے موت مارا آپنے اچھی عیادت کی

کہوں کیا راز حسن و عشق تیرے آگے او ظالم
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں عقیدت کی

بھری محفل میں وہ نظریں بچا کر دیکھنا مجکو
قیامت تک نہ بھولونگا کبھی نظریں عنایت کی

ابھی کیا کہتے تھے؟ تم صاف ہوا! پھر گز نہ مانونگا
زباں پر دل سے آہی جاتی ہیں باتیں کدورت کی

نہاں قطرہ میں دریا ہے نہاں ذرہ میں صحرا ہے
عیاں آئینہ کثرت میں ہے تصویر وحدت کی

پلا ہی دی مجھے ساقی نے آخر قسمیں دے دیکر
کمائی عمر بھر کی دشمن ایماں نے غارت کی

نہیں کس سے کہنے بیٹھا آپکی اور غیر کی باتیں
ضرورت کیا مجھے اس مزخرف حرف و حکایت کی

وہ کیا مذہب ہیں جو دو دل اکھٹے کر نہیں سکتے
یہ تفریق مذاہب اور پھر تلقین وحدت کی

تمھیں سے چرخ نے انداز آفت کے اڑائے ہیں
تمھیں نے حشر کو چالیں سکھائی ہیں قیامت کی

جتوں پر جان دینا حاصل صد زندگانی ہے
شرر جو بات تھی کہدی ہے پردہ میں نے طبیعت کی

شیدا۔ خاکسار چنی پرشاد دہلوی۔ ایڈیٹر رسالہ ہذا

صفا ہو گوہر مضموں کے رخ پر آب شہرت کی
روانی جوش پر ہے آج دریائے طبیعت کی

بنی ہے غیرت محشر اداسی شام فرقت کی
نہاں تصویر ہے ہر نالۂ دل میں قیامت کی

سمٹکر کیوں نہ آجائے ہماری آنکھ کے تل میں
کہ رشک زلف جاناں ہے سیاہی شام فرقت کی

پس مردن بھی یوں انکی نگاہوں میں سمایا ہوں
عدو کی آنکھ کا سرمہ بنی ہے خاک تربت کی

اثر اتنا پس مردن بھی ہے سوز محبت کا
کہ خورشید قیامت لو ہے میری شمع تربت کی

دعا کیونکر نہیں کانٹے مرے پاؤں کے چھالوں کو
لگا دی ہیں سبیلیں جا بجا جنگل میں شربت کی

پہنچ جاؤں گا یونہی میں کسی دن کوئے جاناں میں
تڑپنے نے شام ہجراں میں اگر توڑی بھی ہمت کی

شب فرقت کو دھو دھو کر کیا نور سحر پیدا
ہمارے دیدۂ تر نے محبت میں یہ خدمت کی

یقیں ہے صبح امید کی اب نکلا دیکھیں تھے
خطوں میں صرف کر دی ہے سیاہی شام فرقت کی

تصور عکس عارض کا نہیں ہے شام ہجراں میں
نظر میں آ گئی ہے روشنی صبح قیامت کی

کسی کی آنکھ کی گردش ہے سوز و ساز کا پردا
جھلک ہمکو نظر آتی ہے جنت میں قیامت کی

تمھاری یاد دھوئے دیتی ہے فرقت کی لذت کو
نئے پہلو سے یہ صورت نکالی ہے عداوت کی

ابھر آئے ہیں زخم دل ہرے ہو ہو کے مرقد پر
تری تلوار کا یہ کھیت اب چادر ہے تربت کی

رقیب روسیہ کی بزم میں مذکور جاناں ہے
ہوائیں آ رہی ہیں آج کچھ دوزخ میں جنت کی

ہجوم گلفروشاں ہر گھڑی رہتا ہے مدفن پر
مرے پھولوں میں اتنی بس گئی ہے بو محبت کی

سحاب خاک دہلی تھا یہ فیض عام ہے شیدا
زبان خار تک پر اب تعلی ہے فصاحت کی

صبر - جناب محمد اسمٰعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی مدظلہ

عجب یہ گلشن ایجاد میں صانع نے صنعت کی
کہ پتا پتا دیتا ہے گواہی رنگ قدرت کی

نہ مر کر بھی گئی قسمت میں بربادی جو لکھی تھی
صبا آ کر اڑا جاتی ہے اکثر خاک تربت کی

یہاں تک پاؤں پھیلائے ہمارے دست وحشت نے
کہ چادر ہو گئی کوتاہ بڑھتے بڑھتے ہمت کی

مرے آگے نہ دیکھا سوئے دشمن یہ غنیمت ہے
نگاہ شوخ نے تل بھر تو آنکھوں کی مروت کی

جلاتا ہے فلک شب بھر چراغ ماہ تربت پر
خدا نے یہ پس مردن تری کشتے کی حرمت کی

مرے آگے مرے دشمن سے سرگوشی نہیں اچھی
یہ مر جانے کی باتیں ہیں یہ شوخی ہے قیامت کی

نہ آنا تھا نہ آیا راہ پر یہ ضد اثر کو ہے
در ایجاب پر جا کر دعا نے لاکھ منت کی

عدو کا قصہ الفت سنایا تم نے پھر مجھکو
وہی باتیں نکالیں پھر صفائی میں کدورت کی

زمانہ یعنی روز قیامت جس کو کہتا ہے
گھڑی آفت بھری وہ بھی ہے میرے روز فرقت کی

مجھے شام غریباں گھیرتی ہے روز کیوں آ کر
ملی ہے تن پہ میرے خاک شاید دشت غربت کی

جنون قیس کا عالم فقط نظروں سے دیکھا تھا
کرا تبک چشم آہو میں وہی شوخی ہے وحشت کی

عجب حیرت فزا حسن جہاں آرا تمھارا ہے
مصور آئینہ ہے کھینچکر تصویر صورت کی

جسے حسن بتاں کہتے ہیں ہم شان خدا سمجھے
ہمیشہ بت پرستی میں بھی ہم نے تو عبادت کی

دم گفتار اعجاز مسیحائی نظر آیا
دم رفتار دیکھی چال میں شوخی قیامت کی

حق و ناحق بگڑتے ہو یہ کوئی آدمیت ہے
عدو کو کچھ کہا ایسی کوئی تم سے شکایت کی

نظر سے دیکھ لو جا کر بیاباں میں بگولوں کو — اگر ہے دیکھنی تصویر بربادی قسمت کی
ازل میں جو بری تقدیر دنیا بھر سے باقی تھی — سراپا صبر سمجھا حق نے وہ مجکو عنایت کی

صابر۔ جناب ہیم چند صاحب۔ بی اے۔ دہلوی

یہ دیکھو بن سنور کر آج پھر نکلے ہیں وہ گھر سے — الٰہی خیر کیجو پھر انھیں سوجھی شرارت کی
میں مر کر بھی رہا ثابت قدم تیری محبت میں — اڑا کی خاک تربت تک جہاں میں میری تربت کی
بتوں کی بیوفائی کا گلہ شکوہ نکر صابر — زمانہ ہی سے اب تو اٹھ گئی ہے قدر الفت کی

عاجز۔ جناب مولانا مولوی ابوالاتقیا سید شفیق احمد صاحب رئیس سہسوان

سپئے جاؤ عجب لذت ہے اس جام محبت کی — ابھی سے فکر کیا ہے میکشو مت سوقیامت کی
خفا مجھ پر ہوئے جب جور کی مُنے شکایت کی — عدو سے کچھ نہ بن آئی تو یہ مجھ پر عنایت کی
تڑپتی لاش چھوڑی وادی پرخار میں تو نے — جفا کیسی شہید ناز پر یہ سب بے مروت کی
دیا بوسہ عدو کو اور وہ بھی سامنے میرے — جفا مجھ پر نئی یہ اور تو نے بے مروت کی
ہمارے راہبر جب حضرت ختم الرسل ٹھیرے — تو کیا حاجت ہے پھر ہمکو کلید قفل جنت کی
وہ بت بدمست ہے غیروں کی الفت میں محبت میں — بھلا کیا ہو خبر اس کو ہمارے درد فرقت کی
جفائے تازہ کی فریاد پر کہنے لگے ہنسکر — ہمیں تم سے شکایت ہے کہ کیوں تم نے شکایت کی
گنہ کہتے ہیں میرے جلد ڈالو اسکو دوزخ میں — الٰہی بخشدے اسکو شفارش ہے یہ رحمت کی
نقاب رخ بھی اٹھ سکتا نہیں ہے دست نازک سے — مری جاں انتہا بھی ہے تمھاری اس نزاکت کی
عدو کو حکم محفل میں دیا ہے مے پلانے کا — ہمارے ساتھ اس بت نے یہ دعوت میں عداوت کی
نہ پوچھو حال دل مجھ سے فقط تم دیکھ لو صورت — مجسم بن گیا ہوں کھنچ کے میں تصویر عبرت کی
کیا گلزار تو نے آتش سوزاں کو دم بھر میں — الٰہی ایک ادنیٰ بات ہے یہ تیری قدرت کی
کسی کے عشق میں کھوتا ہے جاں ذرات رو رو کر — عجب حالت ہوئی ہے عاجز بیمار فرقت کی

عادل۔ جناب رادھے لال صاحب باندوی تلمیذ جناب ... مرباندوی

فدا ہوں جسپر میں اُسپر نظر ہے خود بدولت کی — جناب دل نے بھی ٹھیرائی ہے مجھسے رقابت کی
دوا کرتے تو ہیں عیسی بہت درد محبت کی — مگر بیمار کو ہوتی نہیں امید صحت کی

نہ دل دیتے نہ اس درجہ تمھیں اغماز ہو جاتا
خطا کی بندہ پرور ہمنے جو تم سے محبت کی

پھبن کیسا۔ بانکپن کیسا۔ اٹھتا جوبن کیسا شرارت کیا
ہر اک انداز کہتا ہے کہ آمد ہے قیامت کی

رقیب رو سیہ پر آپ کا دل جب سے آیا ہے
نہ وہ چشم عنایت ہے نہ وہ باتیں ہیں الفت کی

اجل بھی دیکھتی ہے شکل پہچانی نہیں جاتی
بدل دی ضعف نے حالت یہ بیمار محبت کی

نہیں ممکن خرام ناز سے محشر نہ برپا ہو
غضب ہے قہر ہے رفتار ہے فتنہ قامت کی

تصور بھی ہمارا بن گیا ہے آئینہ خانہ
ہزاروں صورتیں پھرتی ہیں کیا شکل و شباہت کی

نہ وہ شوخی نہ وہ چتون۔ نہ وہ اب چلبلا پن ہے
نگاہ شرمگیں کہتی ہے رخصت ہے شرارت کی

شب تاریک فرقت کی سیاہی جسنے دیکھی ہے
ذرا ایسی اسے کیا خاک اندھیری کنج تربت کی

عدیل ایسا مٹایا دہر سے چرخ ستمگر نے
نشاں کیسا نہ رہی خاک تک بھی میری تربت کی

عاجز۔ جناب منشی بھاگیرت لال صاحب چلبیڑی تلمیذ حضرت وجاہت از لاہور

نکل کر گھر سے جس نے دیس ہی پردیس کو سمجھا
اسے صبح وطن سے کم نہیں کچھ شام غربت کی

لڑائی اب تو بھائی بھائی آپس میں لگے لڑنے
کسی میں بھی نظر آتی نہیں کچھ بات الفت کی

اٹھا کر بزم سے مجکو وہ کہتے ہیں رقیبوں سے
کہ دیکھو کس طرح محفل سے ہمنے دور آفت کی

خرام ناز سے اس فتنہ گر نے کر دیا محشر
قیامت والے کہتے ہیں قیامت ہے قیامت کی

یہ محفل میں بجھاتا دل جلوں کا رنگ لایا ہے
کہ دود آہ سے کالی ہوئی رنگت تری چھت کی

ذرا سوچو تو جس کی سادگی پر مرتے لاکھوں
ضرورت کیا ہے اس کافر صنم کو زیب و زینت کی

یہ تیری عاجزی اسکو پسند آ جائیگی عاجز
سمجھ لے اب خدا نے دستگیری کی عنایت کی

غوث۔ جناب نواب سید غوث محمد صاحب رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ بہرتپو

شفاعت کو کھلے جسدم زبان پاک حضرت کی
نہ کیوں محشر میں بخشش ہو گنہگاران امت کی

ہوا کیا شیخ نے گر دختر رز کی مذمت کی
جہاں میں سینکڑوں باتیں ہوا کرتی ہیں تہمت کی

فقط ہے داد احباب کے حسن سماعت کی
حقیقت جانتا ہوں ورنہ میں اپنی لیاقت کی

فراق یار میں حالت ہے یہ بیمار الفت کی
اگر دن حشر کا گزرا تو شب آئی قیامت کی

بیاں کیا ہو حقیقت دردمندان محبت کی
کہ خود تصویر صورت بن گئی رنج و مصیبت کی

یہ کیا سوجھی تمھیں اے حضرت واعظ نصیحت کی
کہ اس کوچہ میں جا کر اپنی عزت دل بھی غارت کی

میں اُن کو دیکھتا ہوں اور وہ آئینہ میں شکل اپنی
مجھے سکتے کا عالم ہے وہ ہیں تصویر حیرت کی

خیال یار میں دن رات ہم بیہوش رہتے ہیں
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

جو حق سے بیخودی میں بادہ خلد و نے دعا مانگی
گھٹائیں جھوم کر اُٹھیں وہیں باران رحمت کی

خدا کا شکر بیٹھا ہوں پری رویوں کے جھرمٹ میں
ہوائیں آ رہی ہیں ہر طرف سے باغ جنت کی

تڑپتا کیوں ہے ہجر یار میں تو اے دل ناداں
زمانہ میں ہوا کرتی ہے اک حد رنج و راحت کی

جو تم آؤ تو نکلے خانۂ دل سے کہیں باہر
چھپی بیٹھی ہے بیچاری تمنا ایک مدت کی

ظہور احمد مرسل سے عالم ہو گیا روشن
فروزاں غوث کثرت میں ہوئی یہ شمع وحدت کی

کھلے ہیں کیا گل مضمون نو گلزار دیواں میں
زمین شعر میں اے غوث تم نے خوب جدت کی

قنبر۔ جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

اسی کا نام الفت ہے یہی ہے رسم الفت کی
کہ ہم سے رنج کی باتیں عدو سے ہیں محبت کی

زہے قسمت کہ باتیں کرتے ہیں بے پردہ محبت کی
خدا نے آبرو رکھ لی مرے اشک ندامت کی

برا ہو اس تمنا کا خرابی ہو یہ حسرت کی
دگرگوں ہو رہی ہے ان دنوں حالت طبیعت کی

تماشا گاہ صحن باغ میں گل تھے تماشائی
بلائیں لے رہی تھی چشم نرگس چشم حیرت کی

تمھیں پر جان دیتے ہیں تمھیں پر دل سے قرباں ہیں
تمھارے چاہنے والوں نے کب حوروں کی چاہت کی

نہ چڑھتے پھول تو ہر روز اُنکی تیوریاں چڑھتیں
جگہ ملتی جو کوئی یار میں اے کاش تربت کی

بھلا کیا پرسش روز قیامت کا مجھے غم ہو
محبت جان و دل سے ہے شہنشاہ ولایت کی

تری دہلیز پر جو ہم برہمن بن کے بیٹھے ہیں
بظاہر بت پرستی کی حقیقت میں عبادت کی

تمھیں کہیے کہ مجھ ہیچ زباں سے کیا صفت ہوگی
ادا کی ناز کی غمزے کی شوخی کی شرارت کی

نہ لے تو نام جانے کا خدارا دو گھڑی کا فر
تڑپ جاتا ہے دل پہلو میں سن کر بات رخصت کی

مری رسوائی پہ اتنے نہ ہوں اے طعنہ زن کہہ دو
محبت میں کسی کو بھی خبر ہوتی ہے ذلت کی

نہ پوچھے کوئی مجھ سے مردم دیدہ کی حیرانی
مری آنکھوں میں ہے تصویر گویا شام غربت کی

غنی ہوں داغ عشق سرور کونین سے قنبر
نظر کھی ہے نہ رکھوں گا تمنا مال و دولت کی

قمر۔ جناب شیخ محمد شریف صاحب بٹالوی تلمیذ حضرت رسا رامپوری

قیامت میں جو یاد آئی ہمیں اس سرو قامت کی
نظر سے گر گئی توقیر جو کچھ تھی قیامت کی

نئے ہر روز وہ ہم پر ستم ایجاد کرتے ہیں
ادائیں ہیں جو آفت کی تو باتیں ہیں قیامت کی

لڑکپن میں ہیں یہ بیباکیاں اللہ کی قدرت
جوانی اُن پہ آئیگی الٰہی کس قیامت کی

الٰہی تیری قدرت ہے جو وہ آیا ہے میرے گھر
بنا ہے یہ دلِ حیرت زدہ تصویر حیرت کی

جفا سے ناروا سے باز آؤ اے حسینو تم
کہ ہونگے داد رس عاشق عدالت میں قیامت کی

زلیخا نام بھی لیتی نہ یوسف کا قیامت تک
نظر آتی جو شکلِ دلفریب اُس ماہ طلعت کی

گلے پر عید کے دن چل گئی تلوار قاتل کی
خوشی کیونکر نہ ہو مجکو بھلا اپنی شہادت کی

شب مہتاب جیوں بے بلائے میرے گھر آئے
بہت یہ آپنے احسان فرمایا عنایت کی

غزل پڑھ کر کیا ہے شاد اہلِ بزم کو تو نے
قمر صد آفریں کیا بات ہے تیری طبیعت کی

کاشف۔ جناب منشی محمد کاشف صاحب ڈرامین چیف انجینئری تلمیذ جناب

لگی رہتی ہے ہر دم آگ سی سینے میں فرقت کی
مثالِ شمع جلتا ہوں یہ سوزش ہے محبت کی

لیئے تیغ برہنہ آج وہ مقتل میں آتے ہیں
خدا جانے کسے دیجائیں گے دولت شہادت کی

ہوا ہے زعم زاہد کو بھی اپنے چار سجدوں پر
خدا سے مل گئی ہے مول کیا جاگیر جنت کی

کروں کیا اور وصف اُسکے قد و قامت کا میں کاشف
کہ ظاہر اُسکے قامت سے نشانی ہے قیامت کی

مجرم۔ جناب محمد زکریا صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب رونق دہلوی

نہ پوچھو داستانِ غم اسیرانِ محبت کی
کہانی کہہ نہیں سکتی زباں کچھ بھی مصیبت کی

خدارا کھول دے بوتل نکر اب دیر اے ساقی
گھٹائیں چرخ پر چھائی ہوئی ہیں آج رحمت کی

خدا کی شان ہے کیا بیوفائی کا زمانہ ہے
بڑھائی جس سے الفت ہمنے اُس نے کم محبت کی

کیا سیراب کس دن تو نے قاتل آبِ خنجر سے
بر آئی آرزو کب تشنہ کامانِ محبت کی

ہمارے قتل کو تلوار قاتل نے سنبھالی ہے
الٰہی شرم رکھ لیجو دمِ کشتن نزاکت کی

شب وعدہ دبے پاؤں چلے آتے تو کیا ہوتا
تمھاری شوخیٔ رفتار نے برپا قیامت کی

نکلکر کیا نسیم صبح آئی اُسکے کوچے سے
ہوائیں ہر طرف سے آرہی ہیں باغ جنت کی

کرو بھی اَب کہیں توبہ سیہ کاری سے اَے مجرم / خبر بھی ہے تمھیں کچھ پرسش روز قیامت کی

معجز - جناب سید عبد الرحمن صاحب از قادر آباد ضلع بدایوں تلمیذ ذوق

سہا غم ناز اُٹھائے خاک چھانی دشت وحشت کی / خدا کا شکر پوری ہو گئیں شرطیں محبت کی

طبیعت سیر ہو کیا سیر گل سے باغ عالم میں / نہ بدلی ہیں یہ آنکھیں اُس رخ گلگوں کی رویت کی

حسین ٹھوکر لگاتے ہیں جو آ کر خاک مرقد پر / صدا آتی ہے کانوں میں مرے شور قیامت کی

بھری ہے صانع قدرت نے کیسی کوٹ کر شوخی / نہیں تل بھر تری آنکھوں میں گنجائش مروت کی

بظاہر پارسا بنتے ہیں مطلب ور ہی کچھ ہے / بھری ہے آرزو زاہد کے دل میں حور جنت کی

کہاں کا وصل کیسا پیار چاہت کسکو کہتے ہیں / کبھی صورت نظر آتی نہیں اُس بے مروت کی

اُسی بیدرد کے ہاتھوں سے چین آئے تو کچھ آئے / نہ ہوگی چارہ گر تدبیر تجھ سے درد اُلفت کی

ملے گا کیا ملا کر خاک میں ہم خاکساروں کو / غبار دل نکالو چھوڑ دو باتیں کدورت کی

ادا و ناز و غمزہ صبح تک گھیرے رہے انکو / نہ پہنچی وصل میں بھی ہائے نوبت آج خلوت کی

جگر میں چٹکیاں لیتے ہیں یا دل کو مسلتے ہیں / حسیں جو بات کرتے ہیں وہ کرتے ہیں شرارت کی

لگاتا ہوں در مضموں کے انبار اے معجز / روانی کم نہیں ہوتی کبھی بحر طبیعت کی

مشتاق - جناب مشتاق صاحب بٹالوی تلمیذ جناب رسا

بتوں پر شیفتہ ہونا ازل سے اپنا شیوہ ہے / نہیں ہے ہمکو اے ناصح کبھی حاجت نصیحت کی

کسی کا شکوہ کرنے کی ہمیں کیا خاک جرأت ہو / نہیں سنتا دل اپنا ہی کہانی اب مصیبت کی

بہا کر اشک ظالم نے بجھا دی ہے مری تربت / اُڑیگی کس طرح مٹی الٰہی میری تربت کی

کبھی صحرا کو جاتا ہوں کبھی جاتا ہوں بستی کو / الٰہی کوئی حد بھی ہے جہاں میں میری وحشت کی

غزل مشتاق کیا لکھیں نہیں انصاف سے کہدو / نہیں کیا اک گھڑی بھی اب کہیں ملتی ہے فرصت کی

مضطر - جناب منشی سورج بلی نگم باندوی تلمیذ جناب بیدل باندوی

شب فرقت نہیں اے دل یاد کر کے اُنکے قامت کی / یہ اپنے ہاتھوں سر پر تو نے برپا اک قیامت کی

سوال وصل پر زیبا نہ تھا تمکو گالیاں دینا / عنایت کی جو میرے حال پر تو یہ عنایت کی

اب اے دل سورۂ والفجر پڑھنا چاہیئے تجکو / جو اُسکے مصحف رخسار کی تو نے زیارت کی

صفحہ ۴ سطر ۲۲ میں لفظ لکھا ہے کے بعد اتنی عبارت رہ گئی ہے۔ صاحب کشف و غیاث و جال کا لقب بھی اسی سبب سے تبلاتے ہیں صاحب غیاث نے

مشتاق - جناب محمد میرزا صاحب تلمیذ جناب بدر صاحب

اندھیری خود بخود کافور ہو جائیگی تربت کی
چلا ہوں ساتھ لیکر روشنی میں داغ حسرت کی

تجھے خنجر بکف دیکھا جو مقتل میں جواد قاتل
ہر اک جانباز کو تیرے تمنا ہے شہادت کی

کسی کے مصحف رخ کا جو تھا منظور نظارہ
ہمیشہ سورہ والشمس کی ہم نے تلاوت کی

فغاں منہ سے نکلتے ہی الٰہی دم نکلجائے
صدا لے نالۂ دلکش صدا ہو کوس رحلت کی

ہزاروں گل کھلا رکھے ہیں تیغ یار نے تن پر
نئی صورت نظر آتی ہے گلزار محبت کی

تمہاری آرزو یوں دیدۂ و دلمیں سمائی ہے
کہ جیسے حور مالک ہو میری جاں قصر جنت کی

خدا رکھ لیتا ہے رندوں کا پردہ وقت مے نوشی
تنی رہتی ہے میخانہ پہ چادر ابر رحمت کی

ہمیشہ آئینہ میں عکس بنکر وقت آرائش
بلائیں لیتی ہے روح سکندر تیری صورت کی

دم کشتن زبان تیغ میں چھالے نظر آئے
ہماری گرمئ خوں نے جواد مشتاق حدت کی

مرزا - جناب سید علی مرزا صاحب برادر چچا زاد نواب سلطان مرزا صاحب

لڑکپن میں تو بھولے تھے شباب آیا غضب آیا
اسے کوٹا اُسے مارا قیامت پر قیامت کی

اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کچھ کہیے
جو عرض حال کرتا ہوں تو کہتے ہیں شکایت کی

خدا کی شان ہے مرزا کہ وہ ہیں گل سے نازک تر
قسم کھاتے ہیں دنیا کے حسیں اُنکی نزاکت کی

نثار - جناب مسعود صاحب منیجر دواخانہ شاہجہانی دہلی تلمیذ جناب قمر دہلوی

نہ مجکو خواہش جنت نہ حسرت حور جنت کی
ملے وہ ماہ طلعت یا گلی اُس ماہ طلعت کی

مزا آنے لگا عشق حقیقی کا مجازی میں
ہوئی توصیف صانع کی جو کی تعریف صنعت کی

گدائے کوئے الفت ہوں سر و ساماں کیا مطلب
فقیری چاہیئے مجکو ضرورت کیا ہے دولت کی

نزاکت گر نہو مانع تو قصہ پاک ہو جائے
سنا ہے آج میرے قتل پر قاتل نے ہمت کی

ادھر ہے سرو سکتہ میں اُدھر شمشاد حیرت میں
تمہارے قامت موزوں سے دونوں پر قیامت کی

جنھیں اپنا بنایا تھا جنھیں ہمدرد سمجھا تھا
وہ خوش ہوتے ہیں سُن سُنکر کہانی درد فرقت کی

نثار اُس بھولی صورت پر عجب صورت بنائی ہے
جو ہاتھ آئے تو میں لیلوں بلائیں مست قدرت کی

فنشر - جناب قاضی محمد حافظ الدین صاحب تلمیذ حضرت رسا عموی خود

تو ہی انصاف سے کہدے کہ آخر انتہا بھی ہے
الٰہی میرے جرموں کی خدایا تیری رحمت کی

ذرا جسنے اٹھایا ہے ذرا بھی خاکساری کا
حقیقت کچھ نہیں اسکی نظر میں بادشاہت کی

یہ کچھ اچھی نہیں عادت یہ کچھ اچھی نہیں باتیں
کبھی مجھ سے محبت کی کبھی دشمن سے الفت کی

کسی کے حسن روز افزوں نے جادو کردیا ایسا
کہ زاہد نے بھلادی یاد دل سے حور جنت کی

کہیں نہ ... حسینوں کی رحم باتوں میں آجانا
یہ دل لینے کے حیلہ ہیں یہ چالیں ہیں شرارت کی

نصیر۔ جناب قاضی نصیر الدین صاحب کرکٹر سکندرآبادی

عدو دوروں کی فرقت میں پریشاں حال پھرتے ہیں
یہاں تو عمر بھر صورت نہیں دیکھی ہے راحت کی

تصدق ہوتے ہیں فتنہ خرام ناز پر ہر دم
خدا رکھے ابھی سے انکی چالیں ہیں قیامت کی

کسی کی چاند سی صورت ہے نقش کالحجر دل میں
نصیر اچھی نشانی مل گئی ہمکو محبت کی

نوح۔ جناب مولوی منشی محمد نوح صاحب رئیس و تعلقدار نارہ ضلع الہ آباد تلمیذ جناب داغ

وہ مستغنی ہوں میں جس نے کبھی ہوس کی حسرت کی
نہ دنیا کی۔ نہ عقبیٰ کی۔ نہ دوزخ کی۔ نہ جنت کی

جو مٹتے مٹتے تاریکی مٹی بھی شام فرقت کی
ہمارے گھر میں پھیلی روشنی صبح قیامت کی

یہ کہکر حضرت واعظ اٹھے رندوں کی صحبت سے
نظر آتی نہیں اب خیر دستار فضیلت کی

الٰہی میں تو جب ہوں انقلاب دہر کا قائل
بھلائی سے بدلجائے برائی میری قسمت کی

خدا سے گر کریں شکوہ تو ہاں شکوہ کا موقع ہے
تجھی سے ہم نے تیرے ظلم بیجا کی شکایت کی

ہمیشہ ناامیدی ہی میں گزری زندگی اپنی
تمنا کی تمنا ہم نے کی حسرت کی حسرت کی

جو دمتک بھی نہ آیا تھا کبھی اے داور محشر
قیامت میں بلا کر اس کو تو نے کیا قیامت کی

انھیں کیا آپ جانیں آپ کو وہ لوگ کیا جانیں
بجا ہے واقعی اغیار سے میں نے محبت کی

کسے طاقت جو بزم غیر میں ہو ہمسخن اس سے
بچا کر آنکھ میں نے دور سے صاحب سلامت کی

در جاناں پہ میں پہنچا نکل کر بزم دشمن سے
جہنم سے ملی ہے راہ مجھکو باغ جنت کی

ہم اپنے دل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں
الٰہی ہو چکی حد شدت درد محبت کی

جہاں ہے بوسہ عارض کے ملنے کی خوشی مجھکو
وہاں افسوس یہ بھی ہے اسی پر کیوں قناعت کی

فنا کے بعد کام آیا کوئی تو بیکسی آئی
بنی وہ میری تربت پر مجاور میری تربت کی

زمیں پر لالہ و گل ہیں فلک پر مہر و انجم ہیں — نظر بازوں کو دنیا میں کمی کیا اچھی صورت کی
وہ لیتے ہیں وفا کا امتحاں پڑنے ہی پڑے ہیں — وہ اکثر رنگ دیتے ہیں مجھے ترک محبت کی
بڑھے دہلی کے گلدستہ کی رونق اور ای رونق — مثال نوح سب کوشش کریں اس کی اشاعت کی

رونق - خاکسار پیارے لال - ایڈیٹر گلدستہ ہذا

نظر آتی ہے کثرت میں بھی ہمکو شان وحدت کی — چمک ہر خاک کے ذرے میں ہے نور حقیقت کی
طلب ہر دم کرم کی ہے تمنا تیری رحمت کی — نہ حاجت سیم و زر کی ہے نہ خواہش مال و دولت کی
رقم توصیف کرتا ہے ترے حسن و نزاکت کی — بلائیں لے رہا ہے آج خامہ دست قدرت کی
مجھے صورت سے اسکی آئینہ کو مجھ سے سکتا ہے — سراپا ہوں جہاں میں میں بھی اک تصویر حیرت کی
نہ پوچھو تا لب گور آئے کس دقت سے مشکل سے — ملی ہے آج مر مر کر یہ منزل ہمکو راحت کی
جسے سب حشر کہتے ہیں وہ ہے اک تیری ٹھوکر کا — تری رفتار کے آگے حقیقت کیا قیامت کی
اثر بعد فنا بھی رنگ لایا تیرہ بختی کا — کفن کی ہے سفیدی میں سیاہی شام غربت کی
خیال زلف جاناں میں مصیبت پر مصیبت ہے — بلائیں بن کے نازل ہو رہی ہے شام فرقت کی
دل سوزاں میں رہتا ہے خیال حور وش ہر دم — بہاریں لوٹتے رہتے ہیں دوزخ میں بھی جنت کی
دبے بیٹھے ہیں فتنے لاکھ ان نیچی نگاہوں میں — تمہاری ہر نظر تصویر ہے گویا قیامت کی
نگاہ ناز انکی مجھسے کہتی ہے سر محشر — ابھی ہم کیل دینگے منہ ذرا بھی گر شکایت کی
کھلا رکھا ہے رونق اک چمن مضمون و معنی کا — خدا دیکھے تو کوئی شوخیاں رنگ طبیعت کی

انداز - بی موتی جان صاحبہ دہلوی بنت دونی جان - دہلی چھتہ شاہجی

کبھی ہے تیغ پر تصویر کیا قاتل کی صورت کی — کہ جھپکی جاتی ہیں آنکھیں شہیدان محبت کی
ہمارے دل کے زخموں میں غضب کی ٹیس ہوتی ہے — چھڑکتی ہے نمک تاروں بھری یہ رات فرقت کی
ہمارا عکس بھی آئینہ میں مشکل سے آتا ہے — ستمگر دیکھ تو حد ہو گئی ضعف و نقاہت کی
ابھی بارکیو نکر پا میں شام ہجر کے نالے — کسی کے دل میں اک دیوار ہے گرد کدورت کی
بچھا رکھے ہیں سر قدموں کے نیچے دشت غربت میں — ہماری آبلہ پائی کی کانٹوں نے یہ عزت کی
بنا رکھا ہے اے انداز رضواں کا چمن گویا — بہاریں کوچہ جاناں میں دیکھیں ہم نے جنت کی

اثیم جناب سید سلیمان حسنی الحسینی ثریاتوری

خنجر ظلم کرے بعد مرگ بھی پیتے ہیں تربت کی
الٰہی انتہا بھی ہے کوئی آنکی کدورت کی

اٹھائیں سختیاں ہم نے اثیم اس درجہ فرقت کی
طبیعت رفتہ رفتہ ہوگئی خوگر مصیبت کی

کسی کے روئے روشن کا تصور ہے مگر دل میں
کہ میری شام فرقت بن گئی ہے صبح عشرت کی

شباب آیا گیا بچپن خدا حافظ ہے عصمت کا
کہ انکے دل میں بھی پیدا امنگیں ہیں محبت کی

بہانے سے خرام ناز کے پامال کر ڈالا
ہوئی توقیر اچھی بعد مردن میری میت کی

کسی دن جذبۂ دل کھینچ لائیگا انھیں لیکن
ذرا سی رسم بھی تو چاہیئے صاحب سلامت کی

پسند خاطر نازش دکھائی نہو کیوں کر
کہ آتی ہے نظر صورت مجھے کثرت میں وحدت کی

اثیم اس بت کا ہرگز رشتۂ الفت نہ ٹوٹے گا
کہ باندھی ہے گلے میں شوق نے زنجیر الفت کی

اشک ۔ جناب منشی نواب حسین صاحب

بیاں کیا کر سکوں میں شوخیاں اس سرو قامت کی
جو باتیں بھولی بھولی ہیں تو چالیں ہیں قیامت کی

کہیں جبہ کہیں پٹکا کہیں پگڑی تھی حضرت کی
سنا ہے حضرت ناصح کی رندوں نے بری گت کی

کوئی مجنوں بتاتا ہے کوئی دیوانہ کہتا ہے
پری رو تیری چاہت میں یہ ہے اپنی حالت کی

جمال یار کا جلوہ رہے ہر دم نگاہوں میں
نہ حوروں کی مجھے پروا نہ خواہش مجکو جنت کی

شب عشرت گزر جاتی ہے کیسی آنکھوں آنکھوں میں
نہیں کٹتی الٰہی رات فرقت کی مصیبت کی

پھنسا کر عشق میں دل کو کہن نے کیا مزا پایا
گنوائی جان شیریں مفت میں بربا محنت کی

کہی کیسی غزل اے اشک تو نے واہ کیا کہنا
جہاں میں دھوم ہے تیری فصاحت کی بلاغت کی

بقیہ طرح گزشتہ

طالب ۔ جناب منشی دینا ناتھ پرشاد صاحب بنارسی مقیم بمبی

شعلۂ داغ جگر ہے عارض گل کا جواب
نالۂ دل دیتا ہے شور بلبل کا جواب

ہے کہاں مخلوق میں اس خالق کل کا جواب
تیری کاکل کو بنایا جسنے سنبل کا جواب

جو نہ پھیلائے کسی کے سامنے دست سوال
غیب سے اسکو ملے اسکے توکل کا جواب

پی لیا جب پھول تو چہرہ گلابی ہوگیا
یا تجمل جسنے پایا نشۂ مل کا جواب

وصل کا۔ دیدار کا، بوسوں کا تھا اُس سے سوال
دے گیا وہ بیمروت اک نہیں ہر کل کا جواب

بزمِ مے میں ہر طرف اُڑتی ہے زاہد کی ہنسی
قاہ قاہ مے کشاں ہے شورِ قلقل کا جواب

دار پر کھنچے گئے۔ سانپوں سے ڈسوائے گئے
مل گیا ہمکو سرِ سودائے کاکل کا جواب

کاہلی کی جس نے اُسکو کامیابی کب ہوئی
نامرادی ہے ہر انساں کے تکاہل کا جواب

چار عنصر موت نے اُنکے بھی برہم کر دیئے
چار عالم میں نہ تھا جن کے تمول کا جواب

وہ اگر بے رخ ہوئے تو ہم بھی بے پروا ہوئے
یاں بھی استغنا ہے اب اُنکے تغافل کا جواب

سادہ کاغذ سے جوابِ صاف کا ایما کیا
لاجواب آیا مجھے میرے ترسل کا جواب

سوچ کر جو بات کرتا ہے وہی ذی عقل ہے
کیمیا سے کم نہیں ہوتا تامل کا جواب

پیشِ دانشور خموشی ہے جوابِ جاہلاں
رند کیوں دینے لگے واعظ ترے غل کا جواب

یہ تجاہل اور وہ بھی عارفانہ کیوں نہ ہو
آجتک کسکو ملا تیرے تجاہل کا جواب

صاحبِ دیواں بھی ہیں پھر صاحبِ احساں بھی ہیں
بمبئی میں کون ہے طالب تحمل کا جواب

سرور۔ جناب عبدالصمد صاحب قادری ناظرِ عدالت دیوانی بھوپال

اپنی شوریدہ سری میں ہو نہیں بلبل کا جواب
زخمِ دل دیتے ہیں ہنسکر خندۂ گل کا جواب

چاہیے ہو حق بھی تھوڑی سی بوقتِ میکشی
بادہ نوشو کچھ تو دو مینا کی قلقل کا جواب

طعنہ زن ہیں اہلِ دنیا اسقدر کیوں اے سرور
ہے میری بے مائگی میرے توکل کا جواب

عاجز۔ ابوالاتقیا مولوی سید لئیق احمد صاحب رئیسِ اعظم سہسوان

نالہ و آہ و فغاں ہیں شورِ قلقل کا جواب
دیدۂ تر ہیں ہمارے ساغرِ مل کا جواب

ایک کلمہ سے ہی تھا وہ دولت کو فروغ
رنگ و حدت میں دیئے دیتے ہیں ہم کل کا جواب

جھوٹے وعدے سے بنا کر مطمئن اچھے چھٹے
ہے تغافل آپکا میرے توکل کا جواب

دم نہیں نکلا ابھی اے ترک کچھ باقی ہے جان
ہر دہانِ زخمِ دل دیتا ہے اُس قتل کا جواب

آنکھ سے بہکر جو اشک لالہ گوں اسپر پڑے
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

لکھدیا ہے جسنے خطِ شوق میں پیغامِ وصل
دیکھئے کیا آئے اس وہم و تخیل کا جواب

کردیا ہے خط میں تو عاجز بہت اظہارِ عجز
دیکھئے کیا آئے اُس مستِ تغافل کا جواب

غیر طرح

حضرت رسا وکیل عدالت و شاعر دربار ریاست رامپور

ہاتھ اُٹھے تو ادا حرفِ تمنا نہ ہوا
اس دعا گو کو دعا کا بھی سلیقہ نہوا

شکر ہے دیکے اُنھیں دل کوئی جھگڑا نہوا
میرا تیرا نہ ہوا۔ اپنا پرایا نہ ہوا

کونسا عشقِ بتاں میں ہمیں صدمہ نہوا
درد فرقت نہوا۔ غم نہ ہوا۔ کیا نہ ہوا

ہمسے بڑھکر کہیں آوارہ وطن ہیں یہ بت
جب سے نکلے ہیں میسر انھیں کعبہ ہوا

دل ہوا چاک تو ارمان کہیں کے نہ رہے
پھر کسی گھر بھی غریبوں کا ٹھکانا نہ ہوا

غیر نے بات تو کی بات تو پوچھی میری
خیر سے تمکو تو اتنا بھی سلیقہ نہ ہوا

بیٹھے بیٹھے بھی وہی شغل جنوں ہے ہمکو
گھر میں ہم خاک اُڑاتے ہیں جو صحرا نہوا

خواب میں بھی تو نظر بھر کے نہ دیکھا اُنکو
یہ بھی آداب محبت کو گوارا نہ ہوا

محو حیرت ہیں تو دونوں ہیں تری محفل میں
ہم سے پردا ہوا آئینہ سے پردا نہ ہوا

جوش پر شانِ کریمی جو سرِ حشر آئی
پیش پھر کاتبِ اعمال کا لکھا نہ ہوا

کیا توقع ہے کہ وہ زینتِ پہلو ہوگا
جو تصور میں بھی ہم آغوشِ تمنا نہ ہوا

آگئے آپ دمِ نزع بڑی خیر ہوئی
کہ ہمارا ملک الموت سے جھگڑا نہ ہوا

کر دیا آپ پہ صدقے دلِ ناداں اپنا
لاکھ پیارا تھا مگر آپ سے پیارا نہ ہوا

کاش اُچٹ کر ہی ترا تیر نظر آجاتا
ہائے اس دل کے برابر یہ کلیجہ نہ ہوا

آپکی یہ خوبیِ اخلاق کہ وعدہ تو کیا
میری یہ شومیِ تقدیر کہ ایفا نہ ہوا

جوشِ وحشت میں بھی اشکوں کی روانی نگئی
خشک دم بھر کے لیے دامنِ صحرا نہوا

جذبۂ عشق سے ہم اُنکو بلا لیتے رسا
یہ بھی کمبخت طبیعت کو گوارا نہ ہوا

پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات آنی چاہئیں "عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" ۲۰ مارچ تک۔ اُن سے "کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو" بسمل وغیرہ قافیہ ماہ اپریل تک "کہاں یہ مرتبہ میرا کہ میں ہوں رازداں تیرا" نہاں وغیرہ قافیہ۔ جو اصحاب غزلیات و مضامین بھیجنے میں تساہل کرتے ہیں انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر وہ بھی غزلیات و مضامین بعد ترتیب رسالہ وصول ہوئے تو داخل دفتر کر دئے جائینگے اور آیندہ نمبر میں بھی انکا خیال نہ کیا جائیگا۔ (نوٹ) کم از کم یکسالہ چندہ عطا کرنیوالوں کا نام تا ہی ایک سال تک فہرست معاونین میں شائع ہوتا رہیگا

[illegible] شیخ احمد اللہ صاحب [illegible] مدظلہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں [illegible]

مضبوطی ظاہر ہوتی تھی اور اسکی خارجی نزاکت کو دور کرتی تھی۔ اُس کے سڈول اور دراز
قد نے اُسکے مناسب اعضا اور شباہت کو زیادہ خوبصورت بنادیا تھا اور ساتھ ہی
اسکو مضبوط اور قوی ہیکل ظاہر کرتا تھا۔ پس ہمارا شریف نوجوان جس کا ہم ذکر کررہے
ہیں کیسنہ گھر میں بھی اپنا پارٹ نہایت عمدگی سے ادا کرنے والا ثابت ہوتا تھا۔ اور نیز
ایسا ہی جنگ وجدال کے وقت بھی خیال کیا جاسکتا ہے۔ وہ آزادانہ اور معمولی
پوشاک جو شکار کے واسطے موزوں ہوتی ہے زیب تن کئے ہوئے تھا۔ پارچہ
کتان کا ایک کوٹ پرانے زمانے کی وضع کا اور کمر کے مقام پر ایک چمڑے کی پیٹی
بندھی ہوئی تھی۔ سینہ بالکل کھلا ہوا تھا جسکے باعث نہایت عمدہ کتان کی قمیص
دکھائی دیتی تھی جسمیں ایک جڑاؤ نورتن بندھا ہوا تھا اور کوٹ کی کسیقدر چھوٹے۔ اور
ڈھیلی آستینوں سے ریشمی کتان کی قمیص کے کف دکھائی دیتے تھے۔ ایک لانگ
بوٹ کا نہایت خوشنما چمڑے کا تھا اور پنڈلیوں کے وسط پہونچتا تھا۔ ٹوپی صرف ایک
سُرخ پر سے آراستہ تھی اور زمین پر ٹوکری کے نزدیک رکھی ہوئی تھی جس میں
اُس کا مچھلی پکڑنے کا کانٹا اور کچھ مچھلیاں تھیں جنکو اُسنے دریا سے پکڑا تھا۔
ٹوکری کے نزدیک ایک کتاب بھی پڑی ہوئی تھی اور اُسکے اوراق کو دیکھا جائے
تو معلوم ہوجاویگا کہ جون ملٹن کی لازوال تصنیف "پیری ڈائیس لاسٹ" ہے
اُس زمانے میں یہ کتاب زیادہ مشہور اور عام پسند نہ تھی۔ لہذا یہ لارنس (جبکا
ذکر ہم ناظرین کو سنا رہے ہیں) کی لیاقت اور عقل کا ایک ثبوت سمجھا جاسکتا ہے۔

ہم ناظرین کو اپنے ہیرو سے واقف کرکے قصہ کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ موسم
گرما کے ایک روز روشن میں تقریباً ۴ بجے سہ پہر ہم اُسکو دریا پر مچھلی کا شکار کھیلتے
ہوئے پاتے ہیں۔ چند گھنٹہ تک وہ شکار کھیلتا رہا۔ چونکہ اپنے ساتھ کچھ ناشتہ
وغیرہ نہ لایا تھا دن بھر کچھ نہ کھانے کیوجہ سے بہت تیز بھوک معلوم ہوئی اور اپنا

بھی لگنے لگی۔ دوسری مچھلی پکڑنے کے بعد اُسنے شکار ختم کرکے اپنا کانٹا ڈور اور چرخ سنبھالکر "ند۔ ہال" کی جانب دیکھا جو وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر تھا اور پھر اُسنے اُسکے مقابل یعنی "رائی ہوس" کی طرف نظر ڈالی اور یہ سمجھکر کہ وہ چھوٹی گرم اور آرام دہ سرائے "کنگر آرمز" سے چند قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے اپنے دل میں کہنے لگا۔ "فی الحقیقت میں وہاں تازہ دم ہو جاؤں گا۔ اور آرام لیکر شام کو ٹھنڈک کے وقت فرصت میں اپنے گھر کا رستہ لونگا"

پس ٹوپی پہنکر ٹوکری اور کانٹا وغیرہ سنبھالکر اُسنے دریا کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا اور چند ہی منٹ میں "کنگر آرمز" میں پہنچ گیا۔

سرائے کی محافظہ نے جو ایک موٹی اور اوسط درجے کی خوبصورت چالیس سالہ عورت تھی اسکو خندہ پیشانی اور نہایت خاطر تواضع سے۔ ایک چھوٹے کمرہ میں جسکی کھڑکیاں دریا کی جانب کھلی ہوئی تھیں ٹھہرایا۔ یہ کمرہ بہت صاف ستھرا اور خانگی ضروریات۔ لیونڈر وغیرہ خوشبویات ضروری ساماں آراستہ۔ دھیمی دھیمی خوشبویات سے مہک رہا تھا۔ ہمارا خوبصورت ماہی گیر بیٹھ گیا۔ اپنی تشنگی فرو کرنے کے واسطے اول ایک گلاس ایل یعنی بیئر شراب کا طلب کیا۔ محافظہ نے حتی المقدور جلد مہیا کر دیا اسکے علاوہ اُسکی اور فرمایشات کی جن میں شراب بھی شامل تھی بہت جلد تعمیل کی گئی۔ میزبانہ نے اُسکی توجہ حاصل کرنے کے لیے زیادہ پھرتی سے کام کیا۔ لیکن یہ ایک معمولی بات تھی۔ اِس چھوٹے سے دیوانخانہ میں ایک نہایت نفیس میز جو اس سرائے میں موجود تھی سرائے کے دروازہ کے رخ بچھا کر میزبانہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ اور اپنے خاوند سے جو اِس وقت دہلیز کے پاس بیٹھا ہوا شراب اڑا رہا تھا کہنے لگی۔ "تم ہمارے اِس مہمان کی بابت کیا خیال کرتے ہو؟"

محافظ سرائے (جو اپنی بیوی سے عمر میں دس برس بڑا اور پستہ قد۔ دبلا تندمزاج

آپکی معلوم ہوتا تھا مائے بی بی تم مجکو ناحق دق کرتی ہو - میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہوٹل
شراب کش ہے جو اپنی رسوم یا فیس لینے کے لیے یہاں آیا ہے - تمھیں روپیہ ادا
کرکے اُس سے رسید لے لینا چاہیئے -
محافظ (اُس اثر سے جو "لارنس لی" کے آنے سے اُسپر ہوا تھا متاثر ہو کے خندہ پیشانی
سے) "شیپرڈ" تم کیسے بیوقوف ہو - اگر وہ ہوٹل ہوتا تو پل پر ہو کر نہ آتا - کیا تم نے اُسکو
یہاں آتا ہوا کبھی نہیں دیکھا ہے - اور کیا پہلے آپکی اُسکی صاحب سلامت نہیں ہوتی ہے؟
محافظ - پھر یہ کون شخص ہے ؟ -
مسنر شیپرڈ - سوائے کپتان لی کے اور کون شخص ہے -
شیپرڈ (متغیر چہرہ اور تند آواز بناکر) او ہونڈرہال کے سر ولیم برنیڈ کا بھتیجہ ہے
اور سرتھا تم کپتان لی کے روبرو جو شاہی افسر ہے چھتہ کے پیچھے ہنس رہی اور مسکرا
رہی تھیں - میں تمکو شرم دلاتا ہوں -
بی بی (خاوند کی طرف دیکھ کر غصہ سے) شیپرڈ! مجکو تمپر سخت تعجب آتا ہے - کیا یہ مہمانسرا
نہیں ہے ؟ اور کیا اسکے دروازے اُن سب لوگوں کے واسطے کھلے ہوئے نہیں ہیں
جنکی گرہ میں روپیہ ہو ؟ - بھلا ہمکو ہمارے مہمان کے پولیٹیکل خیالات سے کیا مطلب
فی زمانہ کپتان "لی" سے زیادہ خوبصورت ملنا مشکل ہے -
شیپرڈ (بات کاٹ کر) بیشک اِس میں شک نہیں ہو کہ تمھاری ایسی ہی رائے ہے - تم اُسکے
روبرو بیہودہ طور پر مسکرا کر باتیں کر رہی تھیں - بیوی دیکھو! (ذرا زور دیکر اور سخت لہجہ میں)
یہ ٹھیک ہو کہ یہ مہمانسرائے ہے اور جو اس میں داخل ہو اُسکی خاطرداری کرنا بھی تمھارا
فرض ہے - لیکن ایسے شخص کے روبرو کہ جو باعتبار اپنی رائے اور حالت کے تمھارے
خاوند سے فی الحقیقت نفرت رکھتا ہو - فضول مذاق کرنے کی ضرورت نہیں -
بی بی - تم اپنی جانب دیکھو - اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ میں نے اُس سے تمھارے پولیٹیکل

خیالات کی بابت اشارہ کردیا ہے تو یہ تمھاری غلطی ہے۔ تباہ شدہ جمہوری سلطنت کے خیال کے علاوہ تمکو اپنے مفاد اور کام کا بھی خیال کرنا چاہیئے۔ یعنی خواہ شاہی جانب دار ہو یا جمہوری ہو اپنا روپیہ کمانا چاہیئے۔ اور مجکو یقین ہے کہ اگر تم کپتان لی کو یہاں آکر وقتاً فوقتاً شراب پینے اور ناشتہ کرنے پر راغب کرلو تو تمکو بہت فائدہ ہوگا تم کپتان لی سے واقعی بہت روپیہ حاصل کرسکتے ہو۔ اُسنے صرف "ایل" ہی نہیں لی بلکہ "کلیرٹ" کی بوتل بھی طلب کی ہے۔

شیپرڈ (ایسے لہجہ میں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے پولیٹیکل خیالات کو اپنے مفاد پر ترجیح دیتا ہے) میں جانتا تھا کہ وہ اُسکے اور چارلس کے دیگر خواہوں کے گلے میں خراش ڈالیگی۔

پی بی۔ (بے پروائی سے) کیا کپتان لی اُس عظیم الشان رجمنٹ کے آدمیوں سے جو ہرٹ فورڈ میں رہتے تھے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ اور اگر تم نے "کنگز ارمز" کو اُسکے واسطے آسایش دہندہ بنا دیا تو کیا اُسکے افسر دوست نصف درجن بھی مچھلی کا شکار کھیلنے نہ آئیں گے۔ اور پھر ایسے اشخاص کیواسطے کھانا مہیا کرنے میں کسقدر کثیر منافع ہوگا۔

شیپرڈ۔ مرتھا (بیوی کا نام ہے) تم خوب خیالی پلاؤ پکا رہی ہو۔ تمکو غور کرنا چاہیئے تمھاری گفتگو ایسی ہی فضول ہے جیسی کہ ہوسکتی ہے۔

مرتھا۔ (ناراضگی سے) فضول۔ فی الحقیقت۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم افسروں کا ہرٹ فورڈ شائر سے راستہ طے کرکے یہاں آنا بڑا اہم کام خیال کرتے ہو۔ کیا آج شکار کھیلنے یہاں نہیں آیا۔ اور کیا لندن سے مسافر یہاں آکر قیام نہیں کرتے؟ جسکا پورا اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ حالانکہ ہرٹ فورڈ شائر یہاں سے صرف چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

شیپرڈ۔ (سختی سے) بات کا ٹکڑا ہوش کی لو۔ تم مجکو سخت تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اس باہمی گفتگو کو اب ختم کرو۔

رجسٹرڈ ایل ۶۸۳

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از جناب لکھو بدری کرشن صاحب فرخ وکیل دہلی ایڈیٹر مصرع

یہ وہ گلدستۂ گلشن ہی کہ جس سے ہر جا	آپ ظاہر ہے عجب جاہ و جلال دہلی
سال ہجری ہی بہم ہیں سے ہر اک مصرع سے	واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی
۱۳۲۸	۱۳۲۸

جلد ۱ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء نمبر ۱

فہرست مضامین

مہتمم لالہ [illegible] وچندی پرشاد رشید دہلوی

مقام اشاعت سڑک جدید - دہلی -

مطبع [illegible] دہلی [illegible] باہتمام بابو جانکی پرشاد [illegible] طبع ہوا

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب نواب فخر الدولہ سر میرزا امیر الدین احمد خاں صاحب بہادر کے سی آئی ای فرمانروای ریاست لوہارو و عالیجناب کنور بہدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ سری رام صاحب ایم اے مصنف و مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید و نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اُردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی ۱؎ معاونین سے ۵؎ مہربانان ۱؎ رئیسانِ عظام سے للعہ گورنمنٹ و والیانِ ملک سے جو کچھ عطا ہو۔

(۳) جواب طلب اُمور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف۔

(۴) خریدار و غیر خریدار کا کلام منتخب شائع ہوگا - فرمایشی کلام فی شعر ۲؍ اُجرت پر چھپ سکتا ہے

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں - مفید مضامین - دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندۂ سالانہ بذریعۂ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے - یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۳؍ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا -

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اُسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا -

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا -

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف و خوشخط علٰحدہ علٰحدہ کاغذ پر معہ نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق ایک دلچسپ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بہدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ہذا نئی سڑک دہلی یا بنام ایڈیٹران ہونی چاہیئے -

نوٹ - یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا ایڈیٹران سے ہر وقت ۳؍ نقد قیمت پر مل سکتا ہے کم از کم مبلغ ۵؎ سالانہ چندہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج رسالہ ہوتا رہیگا

پیارے لال رونق دہلوی و چندی پرشاد شیدا دہلوی - اڈیٹرز

اسم مقدس مسیحا کی نسبت

زبان اردو کو مہذب بنانے اور ترقی دینے والے فصحا کے خیالات

خاکسار ایڈیٹر جس وقت رامپور میں موجود تھا اُس وقت عالیجناب مولانا فرحی صاحب دہلوی اُجتبا ہز ہائنس نواب صاحب بہادر ریاست رامپور دام ملکہ واقبالہم ہیں کیخدمت اقدس میں نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا۔ دوران گفتگو میں چونکہ صاحب موصوف کو اپنے وطن اور اُسکے باشندوں سے ایک خاص قسم کا اُنس ہے جو فطرتاً ہونا بھی چاہیئے۔ میں نے رسالہ کمال کے لیئے التجا کی کہ اپنے بیش بہا مضامین سے اسکو ممتاز فرمائیں۔ میری عرضداشت کو مولٰنا صاحب نے قبول فرماکر مضمون ذیل سے اس رسالہ کی عزت افزائی کی ہے جو بعد شکریہ درج کیا جاتا ہے۔ آپنے لفظ مسیحا کی نسبت جو تحقیقات فرمائی ہے وہ بالکل نیا طرز لیئے ہوئے ہے اور کل جدید لذیذ کے خیال سے ناظرین کے لیئے بھی ضرور دلچسپی و توسیع معلومات کا باعث ہوگی۔ (ایڈیٹر)

کئی برس کے بعد میرے معزز دوست منشی پیارے لال صاحب رونق سلمہ اللہ تعالیٰ دہلی سے تشریف لائے۔ ہم وطنوں سے ملکر انسان کو جس قدر تفریح ہوتی ہے محتاج بیان نہیں زمانے میں دستور ہے کہ ملک میں جس بات کا چرچا ہوتا ہے اکثر ارباب ذوق کی صحبتوں میں اُسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ چونکہ آجکل فصحا لکھنؤ و دہلی خاصتہً اور بالعموم تمام اُردو کے قدردان اہل ملک اُردو زبان کی درستی پر اپنے اوقات گرامی کو صرف کر رہے

ہیں ریاست رامپور میں بھی جو زبانِ فارسی اور اردو کا ملجا و ماویٰ ہے اور جسکی بدولت فصحاے لکھنؤ قدردانی کی کمال معراج پر پہنچے ہیں۔ اعلیحضرت **نواب صاحب بہادر** دام اقبالہم کی کارفرمائی اور حافظ احمد علیخان صاحب شوق کی باسلیقگی و اہتمام سے منشی عبدالمجید خان صاحب ادیب ہند (جنکی عمر کے اٹھارہ انیس برس لغات اُردو کی تحقیق اور اُسکے الفاظ کے جمع کرنے میں نثار ہوئے ہیں) اُردو لغات کی فرہنگ مرتب کر رہے ہیں۔ منشی صاحب موصوف نے بغرض مزید تحقیق تذکرہ فرمایا کہ آجکل بعض محققین لفظ مسیحا کے الف کی نسبت چھان بین فرما رہے ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ الف ندائیہ ہے اس لیئے اِسکو منادی قرار دیکر اسپر دوسرا الفِ ندا لانا درست نہیں ہے مثلاً "اے مسیحا" کہنا۔ بعض بزرگوں کی رائے اِسکے خلاف ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ فرہنگِ حامدیہ کے محقق نے جو اکثر اعلیحضرت کے اصلاح اور ملاحظہ سے بھی مشرف ہوتی ہے اِس لفظ کو کیا لکھا ہے۔ مَیں نے عرض کیا اُسکی سند سے تو سردست کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ جو مجھے معلوم ہے لکھدیتا ہوں گو مجھکو اپنی یاد پر بھروسا نہیں ہے۔

"مسیح" ایک مذہبی لفظ ہے۔ توریتِ مقدّس کی اصطلاح میں مسیح اور ممسوح اُس شخص کو کہتے ہیں جسکی تقدیس کے لیئے کوئی نبی یا امام کاہن اُسکے سر پر مقدس روغن سے مسح کرے۔ جس کا ترجمہ انگریزی بائبل میں انوائن ٹڈ ہے یعنی تیل مَلا ہوا۔ روحانی مدد پائے ہوئے یا راج تلک کیا ہوا۔ کیونکہ بادشاہوں کو بھی امام کاہن اول مسیح بناتے تھے۔ مسیح عربی لفظ ہے۔ عربی کے طریق پر ہمیشہ حرف ندا اسم منادیٰ سے پہلے آتا ہے سوائے میم مشدد کے جو لفظ اللّٰہمّ میں ہے اور آخر میں بعض محل پر جو الف اور ہا ہوز بڑھاتے ہیں وہ استغاثہ اور ماتم کے لیئے ہے۔ جیسے وا محمداہ۔ یا زیداہ۔ اِس میں الف آخر ندائیہ نہیں ہے طوالتِ صوت کے لیئے ہے پس ممکن نہیں کہ مسیحا کا الف عربی طریق پر ندائیہ ہوسکے اور مسیح اُس کا منادیٰ۔

البتہ یہ الف اہل فارس نے اضافہ کیا ہے مگر نہ بطور ندا جو فی زمانا اسم شریف حضرت عیسیٰ کے لیئے علم ہو گیا ہے۔ فارسی والے فصاحت کی غرض سے اور کبھی بحر کو پورا کرنے کے لیئے کبھی بطور تعظیم الف بڑھا لیتے ہیں جسکی امثال آپ کے رسالہ میں جناب سید محمود حسن صاحب طالب نے بیان فرمادی ہیں۔ میں دو شعروں پر اکتفا کرتا ہوں جن میں الف بڑھایا گیا ہے۔

چو مہر ولسبم از ذرہ پروری کندا ز سینہ ام غم دیرینہ اسپری کندا
بلے بلے کہ بدور جہاں کہ بتو اند نظر بہ چشمۂ خورشید خاوری کندا

فرخ۔ دہلوی

انجمن اتحاد سخن دہلی

یہ مشاعرہ حسب معمول ۲۶ر فروری سنہ ۱۹۱۱ء یوم شنبہ بر مکان جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی واقع نئی سڑک دہلی نہایت شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ کی تحریک و جناب شیدا صاحب کی تائید سے اس وقت کے لیئے جناب منشی جینیشور داس صاحب مائل دہلوی سابق اڈیٹر رسالہ زبان میر مجلس مقرر کیئے گئے۔ تقریباً دس بجے شمع کو گردش دی گئی غزلیں نہایت پرزور پڑھی گئیں خصوصاً جناب بدر اکبرآبادی۔ جناب اخلاق حسین صاحب اخلاق دہلوی۔ جناب عمدۃ المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کی غزلیں قابل ذکر ہیں۔ معزز سامعین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض اصحاب کی غیر طرح غزلیں بھی نہایت دلکش و پرزور تھیں۔ قریب ڈھائی بجے شب کے یہ مشاعرہ میر مجلس صاحب کے شکریہ کے ساتھ ختم ہوا ٭ آیندہ کے لیئے حسب ذیل مصرع طرح اعلان ہوا۔ اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو۔ بسمل وغیرہ قافیہ۔ بابت ماہ اپریل۔ کہاں یہ مرتبہ میرا کہ بھن میں رازداں تیرا ۔ اے جان

فہرست سرپرستان و معاونین رسالۂ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخان صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب بہادر خلد آشیاں ریاست رامپور
عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو
عالیجناب رائے بابو لال صاحب رئیس انجینیر دہلی۔
عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکزکٹو انجنیر درجۂ اول رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ سریرام صاحب ایم اے مولف تذکرہ خمخانۂ جاوید۔ رئیس دہلی
عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندر آباد۔
عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ دہلوی۔
عالیجناب لالہ سریکشنداس صاحب ساہوگوڑوالے اونریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب اونریری مجسٹریٹ دہلی۔
عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب غوث رئیس دہلی و اونریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور۔
عالیجناب بابو مہاراج کرشن صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی
عالیجناب پنڈت شونراین صاحب شرما وید دہلی۔
عالیجناب بابو بھولاناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔
عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب مولوی محمد حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار و مصاحب اعلیٰ سرکار ریاست رامپور
عالیجناب لالہ جھبولال صاحب رئیس دہلی۔

مجربات بدری کرشن ۔ فوٹوگرافی میں بےنظیر ہے جسکے معائنہ سے ہر شخص بلا مدد استاد اس فن کو حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت مجلد ۸ ر بلا محصولڈاک

اُردو زبان کے خیالاتِ پریشاں کا جواب

فی زمانہ دنیائے سخن میں اُردو شعرا کی کثرت اور علم و فن کی قلت نے ایک طرفہ تماشا دکھا رکھا ہے۔ ہر تنگ بند اپنے آپ کو شاعر بے بدل اور سخنور بے مثال سمجھکر بجائے خود اُستاذ بننے کا دعویدار ہے اور بیشتر کمالِ شاعری کو اِس سے منسوب کیا ہے کہ کسی سربرآوردہ سخنور پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کر کے کسی رسالہ یا اخبار میں اُسکو چھپوا دیا اور اُسکی اشاعت کے بعد اپنی خوشامدی جماعت احباب میں کامل الفن اور نقادِ سخن بن بیٹھے۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کا مبلغ علم اور کمزوری طبیعت اُنکے کلام میں وہ جدت اور خوبی پیدا نہیں کرتی جس سے اُنکی شہرت اور اور مقبولیت کلام کا اُنکے سر سہرا ہو۔ پس اُنھوں نے یہ ایک طریقہ اپنی تشہیر و اظہارِ قابلیت کا ایجاد کیا ہے۔ حالانکہ یہ مفہوم خود اُنکے لیئے نہایت مضرت رساں ہے اور کبھی ایسے رکیک خیال سے اُمید فلاح کی نہیں ہے۔ بلکہ بجائے شہرت کے تمغۂ حسد اور تعصب حاصل ہوتا ہے۔ اور پبلک میں ہدف تیر ملامت بننے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جن کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے اُنکو تحصیل و توسیع فن میں کوشش بلیغ کرنی چاہیئے جس سے وہ اپنے ناقابلِ قدر کلام کو عام نگاہوں میں باعظمت و قابلِ وقعت ثابت کر سکیں۔ اور اپنے وقتِ عزیز کو اُن قواعد کثیر الوجود کے مطالعہ اور استعمال میں صرف کریں جو واضعانِ فن نے وضع کیئے ہیں۔ فی الحال ماہ نومبر سنہ۱۹۰۹ء کے رسالہ کمالِ دہلی میں ایک مضمون بعنوانِ (اُردو کے خیالاتِ پریشاں) شائع ہوا ہے جو رسالہ کمال میں کلام بھیجنے والوں کے لیئے بطور ہدایت نامہ کے جناب لالہ للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی ضبط تحریر میں لائے ہیں۔ لالہ صاحب موصوف نے متروکات و ممنوعات پر بحث کر کے اُردو زبان کو زیر بار منت بنایا ہے۔ منجملہ اُسکے لفظ سیجا میں الف ندا بتا کر مثل ولا۔ ساقیا۔

تاصحا کے متروک فرمایا ہے اور اس بحث میں یہ مطلع حضرت اُستاد جہاں فصیح الملک داغ مرحوم کا قرار دیکر پیش کیا ہے۔

علاج دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا — تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

مگر رسالۂ کمالِ دہلی مطبوعۂ جنوری سنہ ء میں جو لفظ مسیحا کی تحقیق کے عنوان سے سید محمود حسن صاحب ثاقب دہلوی کا مضمون سامنے آیا تو اُسنے رسالۂ کمال میں کلام بھیجنے والوں کے اُس اعتقاد کو جو شاد صاحب مہر بٹی کے طبعی اختراع سے غریبوں کو غلطی میں ڈال دیا تھا جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا۔ ہمارے ذی علم دوست سید ثاقب صاحب نے بحوالۂ کلامِ اساتذہ نیز علمی دلائل سے لفظ "مسیحا" میں الف ندا کو حرفِ علت کی طرح مٹا دیا۔ اور جناب شاد کی اس ہدایت کا بطلان کما حقہٗ کر دیا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ثاقب صاحب نے اِس لفظ کی تحقیقات کا شاد صاحب کو ایک سبق دیدیا۔

دوسری بات یہ کہ جناب شاد نے جو مطلع اُستاد داغ مرحوم کا پیش کیا ہے وہ کس دیوانِ داغ میں اُنکی نظر فیض اثر سے گزرا ہے۔ ہم نے تو بہت کچھ دیکھا بھالا مگر کسی دیوان میں اِس کا وجود نہیں ہے۔ اِس سے پہلے ہم اپنے معزز دوست حضرت مضطر خیرآبادی سے اس مطلع کو سُن چکے ہیں۔ اُنھوں نے اپنا مطلع کہہ کر یہ مطلع پڑھا تھا۔ جو غالباً اُنکے دیوان میں موجود ہے۔

علاوہ اِسکے رسالۂ فصیح الملک ماہ نومبر ۹ ء کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ رسالۂ مذکور کے صفحہ ۱۲ و ۲۲ میں ہمارے برادر مکرم حضرت احسن مارہروی نے نہایت تحقیق کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ یہ مطلع جناب مضطر کا ہے حضرت داغ کا نہیں ہے۔ بلکہ اُنکی غزل کا مطلع یہ ہے۔

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا — کہ جادوگر سے اعجازِ مسیحا ہو نہیں سکتا

لیکن افسوس ہے کہ اِس مطلع استادِ مرحوم سے لفظ مسیحا میں الف ندا بدنصیب کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اگر شاد صاحب نے مطلع سابق کو کسی دیوانِ داغ میں دیکھا ہو تو براہِ

مہربانی مطلع فرمائیں۔

یہاں تک تو لفظ مسیحا کی بحث نے جناب شاد کی سمع خراشی کی۔ اب اُسی تذکرہ ممنوعات و متروکات میں جناب موصوف نے لفظ "اَور" کی بابت ہدایت فرمائی ہے اور ہادی بنتے بنتے حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا ایک شعر درج فرماکر ؎

کہاں باغ جنت کہاں باغ یثرب | کہاں بوئے گل اور بوئے محمدؐ

فرمایا ہے کہ راقم الحروف کے خیال میں اس شعر میں لفظ اَور ٹھونسا ہوا اور بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ ہوا خواہانِ داغ مجھے معاف فرمائیں۔

اسکی نسبت گزارش ہے کہ جس روز سے مرزا داغ نے یہ شعر تصنیف فرمایا آج تک سوائے لالہ صاحب کے خیال کے اور کسی خیال کو یہ حوصلہ نصیب نہیں ہوا کہ اس شعر میں لفظ اَور کو بے جوڑا ور ٹھونسا ہوا بتاتا۔ یہ خیال لالہ صاحب موصوف کا کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اور درحالیکہ دعویٰ بے دلیل ہے تو وہی میری تمہید جو شروع میں لکھ چکا ہوں صادق آتی ہے۔ اور لالہ صاحب پر موقوف نہیں کوئی شخص ایسی بیکار بحث سے دوسرے کی شہرت اور قابلیت میں دھبہ نہیں لگا سکتا۔ نہ اپنے آپ کو مقبول خلائق بنا سکتا ہے۔

اُستاد داغ کے اس شعر میں جو "اَور" لفظ خوبی اور حُسن رکھتا ہے سچ یہ ہے کہ اس کا لطف وہ پاکیزہ خیال اُٹھا سکتے ہیں جنکو خدا نے اس حسن و پاکیزگی کے سمجھنے کا سلیقہ دیا ہے۔ ہر شخص اور ہر طبیعت کا کام نہیں۔ خصوصًا وہ طبائع جو حسد اور تعصب سے پاک نہیں۔ نواب فصیح الملک داغ مرحوم جو اپنی نظیر آپ تھے۔ جنھوں نے اپنی ستھری اور پاکیزہ زبان سے اُردو کو آئینہ کر دیا۔ جنکی نازک خیالی اور خوش کلامی کی شہرت نے فصیح الملک کا خطاب دیا۔ اور اُس رتبہ پر پہنچایا کہ کسی شاعر کو آجتک یہ مرتبہ خواب میں بھی نصیب نہیں ہوا۔ اُنکے کلام اور بندش اور محاورہ پر حرف زن ہونا شاد صاحب میرٹھی کو کبھی نیکنامی اور شہرت کا تمغہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ اُسکے خلاف جو کچھ اُمید کیجائے وہ تھوڑی ہے ❊

میں اسی قسم کا مضمون رسالہ "جلوۂ یار" میرٹھ میں لکھ چکا ہوں وہی کافی تھا مگر رسالہ "کمال دہلی" میں چونکہ یہ مضمون شاد صاحب کا نکلا اس لیے رسالہ مذکور میں بھی بھیجتا ہوں۔ تاکہ ناظرین شاد صاحب کے خیال کا بخوبی اندازہ کرسکیں۔

راقم خادم داغ

کمترین رسا شاعر دربار ریاست رامپور

عالیجناب حضرت لینا فرحی صاحب دہلوی استاد ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور دام اقبالہ

افاک اللہ عجب دوغا در باختی رفتی
مرا در ششدر دوام بلا انداختی رفتی

حدیث بے ریائی ہائے کردارم نہ سنجیدی
بقول افترای مفتری پرداختی رفتی

امیدم بد بکشتی نجات خویش برداری
مرا در ورطۂ بحر فنا انداختی ۔ رفتی

ربودی دل ز پہلو دانش از دل فکرت از دانش
حریم خانہ ام از ہر چہ بد پرداختی رفتی

بجرم اینکہ با غیر آشتی کردم بہ تقلیدت
مرا نغز یر کردی غیر را بنواختی رفتی

ہمی گویند تنہا این و آں خود نیز میدانی
حقوق خدمت دیرینہ ام نشناختی رفتی

بباز یگاہ عشقش فرحی برہمت نازم
متاع دین و دانش را چو سنجر باختی رفتی

ایضاً

محو نظارہ رویت نظرے نیست کہ نیست
مست سودای جمالت بصرے نیست کہ نیست

اشک چشم آہ بدل خوں بجگر نالہ بلب
پس پردہ نہاں پردہ درے نیست کہ نیست

قافلہ شد زمیاں نقش قدم ہا باقی ست
اثرے راہرواں بر گزرے نیست کہ نیست

خنک از مرہم لطف تو دلے نیست کہ ہست
زخمی ناوک نازت جگرے نیست کہ نیست

منکہ باشم کہ زنم لاف بہ آزادی دل
بستۂ حلقۂ موئے تو سرے نیست کہ نیست

من نہ تنہا گرو لطف تو ام اے نواب
بندہ خلق نکویت بشرے نیست کہ نیست

بلینک ورس

فصیح الملک" مارہرہ کی تحریک پر جو بلینک ورس کے متعلق جناب منشی فاضل سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی پنشنر پروفیسر مدرسہ عالیہ ریاست رامپور نے ایک بالتصریح بحث کے ساتھ مضمون تحریر فرمایا ہے وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے حقیقت میں منشی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے۔ واقعی جناب کی محنت و تحقیق قابل داد ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی رسالہ کمال کو اپنے بیش بہا مضامین سے محروم نہ رکھیں گے ۔

ایڈیٹر

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

فصیح الملک نمبر ۱۲ جلد ۴ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء میں ایک مضمون مولوی نجم الغنی صاحب کا میں نے دیکھا جس کا عنوان "انشا پردازان اردو سے ایک اہم سوال" ہے اس مضمون پر برادرم جناب احسن مارہروی نے ایک اڈیٹوریل نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے پہلے ہم اس نوٹ کو کسیقدر اختصار کرکے درج اور اس پر اپنی رائے ناقص کا اظہار کریں گے بعدہ اصل مضمون کی نسبت جو کہنا ہوگا عرض کرینگے

عبارت مختصر نوٹ

جناب احسن تحریر فرماتے ہیں کہ ایک ہمارے دوست نے "ہماری شاعری کے نئے میدان" کے عنوان سے اپریل ۱۹۰۹ء کے فصیح الملک میں "بلینک ورس" کو ایک نظم سمجھ کر پیش کیا تھا اور اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ اگر توسیع خیالات کے لیے اردو میں اس قسم کی نظمیں کبھی

جانے لگیں تو بہت فائدہ پہنچے۔

جناب حسن نے اُس مضمون پر جو رائے ظاہر کی تھی اُس میں ثابت کیا تھا کہ بلینک ورس" انگریزی زبان کا نام ضرور ہے مگر اس کا رواج انگریزی سے پہلے فارسی میں موجود ہے جسکو نثر مرجز کہتے ہیں۔

یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں مع پہلے ہمارا خیال تھا کہ ایشیائی علوم کی ناواقفیت کے سبب سے اکثر انگریزی داں حضرات ایشیائی اصناف سخن کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ مگر اس مضمون کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شمس العلما مولانا حالی بھی یہی خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ نثر مرجز جسکو انگریزی میں بلینک ورس کہتے ہیں از قسم نظم ہے۔

رائے حقیر

عام اس سے کہ بلینک ورس کا ترجمہ یا مقابل نثر مرجز ہو یا نہو مگر انگریزی میں ضرور ایک قسم نظم کی ہے جس میں قافیہ نہیں ہوتا ہے۔ زبان انگریزی میں بلینک کے معنی دمعری (از قافیہ) اور ورس کے معنے نظم کے ہیں۔ چونکہ نظم انگریزی میں ایک جزو قسم گریمری ہے اس لیے نحاۃ انگریزی تحت بیان پراسوڈی (علم العروض) گریمر میں قواعد نظم لکھا کرتے ہیں۔ چنانچہ جے۔ سی۔ نسفیلڈ صاحب بہادر سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ نے بھی اپنی گریمر منبر ۲ میں بلینک ورس کو تحت اقسام نظم تحریر فرمایا ہے۔ اور ملٹن صاحب کی پیراڈائز لاسٹ سے اسکی مثال لکھی ہے۔ انگریزی میں بلینک ورس کے منجملہ اقسام نظم ہونے میں کلام نہیں لہذا بلینک ورس کو نظم سمجھنا بہت درست ہے۔ فورٹ کے بقیہ امور کی تحقیق آگے لکھونگا۔ طول تکرار سے بچنے کے لیے یہاں ترک کرتا ہوں۔ +

اقتباس مضمون مولوی نجم الغنی صاحب مع رائے حقیر

مولوی نجم الغنی صاحب کا یہ فرمانا بہت درست ہے کہ نئی روشنی والے بموجب الناس علی دین ملوکہم اندھا دھند تقلید انگریزی پر مٹتے ہیں۔ اور خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل بالکل نہیں ؛

اس میں بھی شک نہیں کہ فی زمانہ جذبات اور نیچرل شاعری کی طرف طبیعتیں زیادہ مائل پائی جاتی ہیں مگر ہمارے اسلاف نے اس کام کو بھی باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ جناب میر انیس صاحب نے اپنے مراثی میں صبح۔ شب۔ گرمی۔ بہار صحرا اور بھائی بہن۔ ماں بیٹے۔ دولہا دلھن کی گفتگوؤں میں۔ اور منشی اسمٰعیل صاحب منیر نے اپنی مثنوی معراج المضامین میں۔ تعریف صبح بنارس میں۔ اور جناب میر نے گھر کی مذمت میں کیا کیا نیچرل سینریاں کھینچی ہیں۔ اور غزل گوئی میں میر و غالب (ایک رنگ کے اشعار میں) نے کیسے کیسے جذبات عاشقی کو نظم فرمایا ہے اور کیسے مؤثر اشعار کہے ہیں۔ انکی کس منہ سے تعریف کیجائے۔ یہ کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ کہ ایشیائی شاعری ایسے امور سے خالی تھی۔ البتہ مغربی خیالات جو اب اردو کے سانچے میں ڈھالے جاتے ہیں پیشتر نہ تھے کیونکہ اس وقت تک ہمارے اور اہل مغرب کے درمیان تبادلۂ خیالات کے ذرائع اچھی طرح حاصل نہ تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ بہ تقلید فارسی ہزارہا قیود کے پابند رہکر اس وادئ دشوار گزار کو بھی طے کیا ہے۔

بلینک ورس کی خواہش اردو میں بیجا ہے

اول تو ایک بات جو ایک ملک کے لوگ پسند کرتے ہوں اسکے پسند کرنے پر دوسرے کیوں مجبور کیے جائیں۔ ہماری طبائع اُن سے از روئے فطرت بلحاظ اختلاف آب و ہوا مختلف ہیں۔ جن چیزوں کو وہ حسن سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک قبیح ہیں اور اسی طرح بالعکس اسکے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی نہیں۔ اسوا حسن صدق و قبح کذب کے۔ بلکہ انتظام عالم اختلاف طبائع ہی سے منتظم ہے۔ اگر اختلاف طبائع نہ ہوتا تو تمام عالم کے انسان ایک صنعت ایک علم ایک پیشہ کو پسند کرتے۔ اور دوسری چیزوں کو ترک کر دیتے جس سے ضروریات عالم میں خلل واقع ہوتا۔ اس اختلاف میں عجب صنعت باری ہے۔ جل شانہ۔ اور ارتفاع اس اختلاف کا قدرت انسانی سے باہر ہے ::

جن اصول اور خصوصیات ملکی کے ساتھ یورپ والوں کی نظمیں ہوتی ہیں انمیں

اُن میں سے اکثر اصول بوجہ اختلاف طبائع ہماری طبیعتوں پر سخت گراں ہیں۔ چنانچہ اوزان انگریزی کو دیکھ لیجیے۔ اور انگریزی پر منحصر کیا ہے بعض بحور عربیہ بھی ہماری طبیعتوں پر موزوں نہیں۔ ایسی خواہشات بیجا سے معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ ہم سے کہا جائیگا کہ وزن انگریزی پر اردو میں غزلیں کہی جایا کریں۔ جب خود فطرت نے ہر ملک کے امزجہ و طبائع و آب و ہوا و اشیا و اشکال وغیرہ مختلف پیدا کئے ہیں۔ پھر ایک کی مرغوب چیزیں دوسروں کی پسند کیونکر ہو سکتی ہیں ایسے امور کا ہمکو پابند کرنا گویا اصولِ نیچر کے خلاف ہم کو چلانا ہے۔

دوسرے یہ کہ زبان انگریزی کا قافیہ تنگ ہے۔ چنانچہ انگریزی میں سن (آفتاب) بفتح اول کا قافیہ گوان (گیا) بروزنِ خوان اور فر (اچھا) کا قافیہ آر (ہیں) اور ٹپ بالضم (رکھنا) کا قافیہ نٹ بفتح (اخروٹ) اور لارڈ کا قافیہ ورڈ (لفظ) لاتے ہیں۔ ڈبلیو ورڈس ورتھ اور لارڈ ٹنیسن اور ایمرسن اور لانگ فیلو کی نظمیں ملاحظہ ہوں۔ بوجہ ضرورت قافیہ اِن الفاظ کے تلفظ میں تغیر کیا جاتا ہے۔ مگر نثر اور بول چال میں یہی تلفظ بتایا جاتا ہے جیسا کہ میں نے لکھا ہے۔ میں بہت سی مثالیں لکھتا مگر بخیالِ انقباض طبائع اردو دانان زیادہ مثالوں سے احتراز کیا۔ جو لوگ انگریزی پڑھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کے قوافی انگریزی میں کثیر الوقوع ہیں۔ پھر ایک اسٹینزے میں نہ تعدادِ مصاریع کا انتظام نہ قوافی کا کوئی بندوبست انھیں دقتوں نے انگریزوں کو نظم غیر مقفےٰ کہنے پر مجبور کیا۔ برخلاف ہماری زبان کے کہ ایک لفظ کے بکثرت قافیے موجود ہیں۔ ہمکو کیا ضرورت ہے کہ ہم نظم غیر مقفےٰ کہیں۔ کسی بڑے سے بڑے مضمون واقعہ۔ اور تاریخ کو ہم بہت آسانی کے ساتھ نظم کر سکتے ہیں۔ اور ایسے طولانی مضامین کے لیے مثنوی اور مسدس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیا عجب ہے کہ شاہنامہ کی اتنی ضخیم نظم انگریزی میں بلینک ورس کی بھی نہ ہوگی۔

تیسرے یہ کہ ہم ایشیائی لوگوں کی طبیعتوں کو بوجہ اُنس و عادت قدیم جو

خط کہ نظم مقفی سے ہوتا ہے وہ نظم غیر مقفی سے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ہم بلینک
ورس کی طرف میلان نہیں ہے۔ کچھ نظمیں غیر مقفی جو اردو میں اب تک کہی گئی ہیں
مرغوب طبع نہ ہونے سے انکو مقبولیت نہ حاصل ہوئی اور اُن کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ہے۔
سب سے زیادہ فائدہ نظم غیر مقفی کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نظم میں وسعت اور
سہولیت ہوگی۔ جب قید قافیہ ہمکو وقت میں نہیں ڈالتی ہے تو وسعت و سہولیت ہی
کیا ہوئی۔ بڑی بڑی ضخیم نظمیں ہونا دلیل عدم وشواری ہے۔ فارسی میں شاہنامہ
حملۂ حیدری۔ مرزا رفیع باذل۔ اور دو تین جلد ہائے مراثی انیس و دبیر موجود ہیں۔
اگر سہولت بلینک ورس میں ہم تسلیم کریں تو سب سے زیادہ سہولت نثر میں ہے
اور یہ بلینک ورس سے بھی آسان ہے۔ کیونکہ نظم غیر مقفی میں دقت وزن پھر بھی
رہتی ہے پس معلوم ہوا کہ محض سہولت کوئی چیز نہیں بلکہ مرغوب طبع ہونا بھی ضرور ہے
باوجود قیود پابندی جناب میر انیس نے وسیع میدانِ مرثیہ میں نیچرل شاعری کو
ٹھیک موافق بول چال کے نظم کرکے دکھا دیا۔ چنانچہ مولوی حالی فرماتے ہیں کہ اگر فردوسی
لکھنو میں ہوتا تو اُنکی تقلید کرتا۔ اور جناب شہری فرماتے ہیں کہ مرثیہ انکی طرح کسی نے
عربی و فارسی و انگریزی میں بھی نہیں کہا۔ پھر بتائیے قید قافیہ کیا خرابی لاتی ہے۔
بہر طور پہلے بلینک ورس کی خوبی اردو میں ثابت کی جائے اور اُسکی ناگواری کو
ہماری طبیعتوں سے دور کرکے ہمیں اُس سے مانوس بنایا جائے تو پھر ہمکو نظم غیر مقفی
کہنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ نظم بلا قافیہ ہماری چڑ نہیں ہے۔
اگر اسی وقت سے نام بر آوردہ اشخاص نظم بلا قافیہ کہتے رہیں بلا اسکے کہ اسی
وقت سب کو متفق کرنے کی فکر کریں تو آیندہ جب ہماری طبیعتیں اُس سے مانوس
ہو جائیں گی اور ہمارا توحش دور ہو گیا۔ اور اس کی خوبی ہماری سمجھ میں آگئی اور مقبولیت
عام کا خلعت اُس کو مل گیا۔ اپنے آپ نظم غیر مقفی کا رواج ہو جائیگا۔ اس وقت
متفق بنانے کی کیوں فکر ہے۔ وقت ایجاد سب اُس سے موافق نہیں ہوا کرتے
ہیں۔ آیندہ نسلوں کے مرغوب طبع اگر ایجاد ہوتی ہے تو شائع ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔

دیکھئے پہلے عبارت مقفیٰ و پرشوکت الفاظ کو لوگ بہت پسند کیا کرتے تھے۔ مگر اسی زمانے میں جناب غالب مرحوم نے خطوط زوذ مرہ اردو میں لکھنا شروع کئے۔ وہ بھی نہ بوجہ رغبت طبع بلکہ بہ مجبوری چنانچہ خود اس رنگ کی عبارت کو بوجہ ضعف قوائے جسمانی لکھنا ارشاد فرماتے ہیں مگر اب وہی رنگ عام پسند ہو گیا۔ اور اس طرح کی عبارت کو حسن سمجھا جاتا ہے۔

بلینک ورس و نثر مرجز

بلینک ورس کا مترادف نثر مرجز کو جناب شمس العلماء مولٰنا حالی و برادرم احسن مولوی بجم الغنی صاحب تینوں اشخاص سمجھتے ہیں۔ اور وزن بحور کا ہونا بھی نثر مرجز میں تینوں بزرگوار تجویز فرماتے ہیں۔ مگر مولٰنا حالی صاحب اسکو از قسم نظم شمار کرتے ہیں اور باقی دونوں صاحب منجملہ اقسام نثر۔

ان تینوں بزرگوں نے جو تعریف کہ نثر مرجز کی تسلیم کی ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔ اس وجہ سے بلینک ورس اور نثر مرجز میرے نزدیک ہم معنی الفاظ نہیں۔ کیونکہ بلینک ورس کا انگریزی میں از قسم نظم ہونا میں ثابت کر چکا ہوں۔ اور نثر مرجز از قسم نثر ہے۔ پس اس میں وزن بحور نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کلام کی دو ہی قسمیں ہیں ایک نظم اور دوسری نثر۔ جو کلام نظم ہے وہ نثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں دو متقابل چیزیں ہیں۔ نظم میں وزن بحور معتبر ہے اور نثر میں نہیں لہٰذا جس کلام میں وزن بحور ہو گا۔ عام اس سے کہ اس میں قافیہ ہو یا نہ ہو وہ نثر نہیں کہا جا سکتا۔ مرجز کو نثر کہنا اور اسکو از قسم نثر گننا خود دلیل اس امر کی ہے کہ اس میں وزن بحور نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ نثر کہنے کے کیا معنے ہونگے۔ اگر نظم و نثر میں فرق وزن بحور نہیں ہے تو ان دونوں میں بہ الامتیاز پھر کونسی شے ہے۔ کیونکہ قافیہ تو نثر میں بھی ہوتا ہے۔

میرے نزدیک جو لوگ کہ تعریف نثر مرجز میں وزن سے مراد وزن بحور لیتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں وزن عروضی مراد ہے چنانچہ عبدالرزاق یمانی مقدمات ظہوری میں تعریف نثر مرجز یوں تحریر فرماتے ہیں "در اصطلاح اہل انشا مرجز کلامیست

منثور کہ وزن دارد و سجع ندارد۔ ہمچوں عزیزا صرف اوقات بے فکر واہب کارساز۔ وخرج انفاس خبر ذکر قادر کردگار حضرت تمام وخسر کمال دارد" اور فرہنگ آنندراج میں لکھا ہے "مرجز بزنِ معجمہ بمعنی نوعے از شعر۔ وباصطلاح اہل انشا قسمے از سہ اقسام نثر۔ کہ مرجز ومسجع وعاری است۔ پس مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جاہا ہمہ ہموزن باشند درتقابلِ یکدیگر بدون رعایت سجع۔ مثال۔ خیالِ ناظم بے تعلق قامتِ دلربائے ناموزوں است وقیاس ناقص بے مشک کاکل مومیائے نامربوط" اور یہی مسلک مصنفین غیاث وانشاء فیض رسان واحسن القواعد کا ہے۔ دیکھئے صرف وخرج۔ اوقات وانفاس۔ بے وخبر۔ فکر وذکر۔ واہب وقادر۔ وکارساز وکردگار۔ اور اسی طرح دوسری مثال میں الفاظ متقابلہ فقرتین میں وزن عروضی ہے اور قافیہ نہیں ہے۔ اور فقراتِ امثلہ موزوں بھی نہیں ہیں۔

تعریف فرہنگ آنندراج میں نوعے از شعر سے مراد یہ نہیں کہ نثر مرجز میں وزن بحور ہوتا ہے بلکہ لفظ مرجز بلا قید لفظ نثر کے نسبت کہتے ہیں کہ جو شعر بحر رجز میں ہو اس کو مرجز کہتے ہیں۔ اور یہ معنی لغوی ووضعی بتائے ہیں۔ بعدہ معنی اصطلاحی نثر مرجز کو منجملہ سہ اقسام نثر بتا کر اور لفظ فقرتین لا کر اور مثال کلام منثور سے دیکر واضح کردیا کہ نثر مرجز نثر ہے اور اس میں وزن بحور نہیں ہوتا ہے۔ نثر ونظم دونوں کا وجود ایک ہی عبارت میں معاً ممکن نہیں۔ کیونکہ وزن ہی شعر کو نثر سے جدا کرتا ہی شعر کی تعریف میں قید مقفیٰ۔ اور نثر مرجز کی تعریف میں قید وزن نے بہتوں کو دہوکے میں ڈال دیا ہے۔ جسکی وجہ سے بجز وزن بحور بھی کرتے ہیں اسکو نثر بھی سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انشا پردازانِ اردو نے نظم بلا قافیہ کہی یہاں تک کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کو نثر مرجز سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اس پر طرہ یہ کیا۔ کہ تقابل میں الفاظ فقرتین کے ہموزن بوزنِ عروضی لانے کو بھی ترک کردیا۔ جسکے بغیر نثر مرجز ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

کوئی ان سے پوچھے کہ تعریف نثر مرجز میں کلمات فقرتین کے تقابل ہموزن ہونیکی

معنے کیا ہیں۔ اول تو لفظ کلمات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے اگر وزن سے مراد وزن بحور ہے تو تقابل میں ہموزن کیوں کہا۔ اس لیے کہ شعر کا دوسرا مصرع متقابل پہلے مصرع کے ہموزن ہی ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا ہے کہ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کا وزن مختلف ہو۔

تینوں صاحبوں کی تعریف مسلمہ نثر مرجز سے علاوہ مطالع کے (کیونکہ مطالع کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے) ہر شعر غزل۔ قصیدہ اور قطعہ کا نثر مرجز ہے۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور غزل و قصیدہ و قطعہ منجملہ اقسام نظم ہیں پس ایک ہی وقت میں نظم بھی ہوئی اور نثر بھی۔ اور یہ محال ہے۔

جناب مولوی نجم الغنی صاحب تو نثر مرجز میں وزن بحور مانتے ہیں اور فقرتین متقابلتین کا ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ اِنکی تعریف سے جب تقابل بھی نہ رہا تو پھر ہم ہر صنف نظم کو بلحاظ ہر ہر مصرع نثر مرجز کہنے کے مستحق ہیں اور اُنھوں نے خود بھی آیات کے ایک ایک مصرع لکھے ہیں اور اُن کو نثر مرجز مانا ہے

تعریف نثر مرجز میں مولوی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہر فقرہ وزن رکھتا ہو اور قافیہ ہو" اور آپ کی تحریر سے فقرۂ متقابلہ غیر ضروری ٹھہرتا ہے تو قافیہ ہونے یا نہونے کا لحاظ کس چیز سے کیا جائے گا۔ اور تعریف نثر مرجز میں قید قافیہ ہونے کی بیکار ہوجائیگی ناظرین میری تحریر کو غور سے ملاحظہ کریں۔

جب میں یہاں تک لکھ چکا تو چہار شربت مرزا قتیل کی مل گئی۔ اُنھوں نے یہ تعریف اور مثال لکھی ہے "مرجز نثرے باشد کہ از قافیہ پاک بود۔ اما فقرۂ اولا با فقرۂ ثانیہ مساوی الوزن باشد۔ مثال چشم کوکب مشتاق فیض از جمال پاک آن اختر لشکرست + و دست دولت محتاج خیر از عطائے عام آں دار احتشمت است" یہ بھی وزن سے مراد وزن عروضی ہی لیتے ہیں۔ اور مثال بھی نثر سے وہی ہے۔ امثلۂ نثر مرجز کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزن سے مراد وزنِ صرفی ہے مگر سبع موازنہ کی مثال میں جو شعر خاقانی کا آگے آئے گا اُس میں جگر کے مقابل بو ہموزن تھا ہے۔ اور جگر و قضا میں تو نقا

صرفی نہیں ہے بلکہ وزن عروضی ہے۔ خواہ وزن عروضی ہوتا ہو یا وزن صرفی نثر مرجز میں وزنِ بحور نہیں ہوتا۔

تعریف شعر

اب رہا یہ امر کہ قید قافیہ حد شعر میں جیسا کہ بعض اساتذۂ عروض نے تعریف شعر لکھی ہے آیا تحقیق نفس شعر میں قافیہ شرط ہے یا نہیں اس بارے میں محققین فن عروض کی یہی رائے ہے کہ تحقیق نفس شعر قافیہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ایک امر عارضی ہے ورنہ تعریف شعر ناقص ہوگی۔ کیونکہ فرد پر جو منجملہ اقسام شعر ہے صادق نہ آئیگی۔ اور تعریف کو جامع اور مانع ہونا چاہیئے۔

محقق طوسی علیہ الرحمتہ نے معیار الاشعار میں شعر کی تعریف کلام موزوں مخیل فرمائی ہے اور قافیہ کو داخل شعر نہیں سمجھا۔ اور سکاکی نے بھی اسی قول کو مفتاح العروض میں ترجیح دی ہے۔ ان محققین کے قول سے ہر وہ کلام کہ جس میں وزن بحور پایا جاتا ہو اور قافیہ چاہے ہو یا نہ ہو نظم ہی ہے۔ اس تعریف سے بلینک ورس یا نظم غیر مقفی داخل نظم ہے۔ مگر نثر مرجز کہ جس میں وزن بحور نہیں ہوتا ہے داخل نظم نہیں ہو سکتی ہے۔ پس یہ ارشاد جناب حالی کا کہ بلینک ورس یا نظم غیر مقفی داخل نظم ہے بہت درست ہے مگر تعبیر بلینک ورس کی نثر مرجز کے ساتھ صحیح نہیں۔

سجع موازنہ

اگر الفاظ متقابلہ ہم وزن بروزن عروضی میں وزن بحور بھی پایا جاوے تو اُسے سجع موازنہ کہتے ہیں (اور یہ صنعت قصیدہ یا غزل کے کسی شعر میں بھی ہوتی ہے) چنانچہ سکاکی تلخیص المفتاح میں اور میر شمس الدین فقیر دہلوی حدائق البلاغت میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ کل الفاظ دو فقرہ نثر یا دو مصرع نظم کے بر سبیل تقابل وزن میں متحد اور روی میں مختلف لانے کو سجع موازنہ کہتے ہیں اور یہ بمنزلہ ترصیع ہے سجع متوازی میں۔ (یہاں بھی اتحاد وزن سے مراد وزن عروضی ہے۔ ورنہ ایک شعر کے دو مصرعوں میں متحد الوزن کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ شعر کے دونوں مصرعے ہم وزن ہی ہوا کرتے

ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید و فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ۔ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہر لفظ پہلی آیت کا دوسری آیت کے ہر ہر لفظ کے ساتھ علی الترتیب ہموزن ہے مگر دونوں آیتوں میں وزن بحور نہیں۔ اور نظم میں یہ شعر حسان العجم خاقانی کا۔ سہ

رشک نظمِ من خورد حسانِ ثابت را جگر | دست نثرِ من زند سحبانِ وائل را قفا

علاوہ اسکے کہ یہ شعر بحر رمل محذوف میں ہے۔ رشک کے مقابل دوسرے مصرع میں دست رشک کا ہموزن۔ اور اسی طرح نظم۔ نثر۔ خورد۔ و زند۔ حسان۔ و سحبان۔ ثابت ووائل۔ جگر و قفا۔ باہمدگر وزن عروضی رکھتے ہیں۔ مگر ہم قافیہ نہیں ہیں۔ تعریف نثر مرجز میں وزن و قافیہ کے۔ تعریف نثر مرجز میں وزن و قافیہ کے یہی معنے ہیں پس نثر مرجز و سجع موازنہ میں نسبت عموم خصوص من وجہ ہے کیونکہ سجع موازنہ نثر و نظم دونوں میں پائی جاتی ہے۔ اور مرجز صرف نثر میں۔ مرجز کو نثر کہنا اور پھر اُسے نظم سمجھنا میرے نزدیک بڑی غلطی ہے نثر کا نظم نہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کیونکہ میں نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ نثر مرجز بایں حیثیت کہ قسم نثر ہے اُس میں وزن بحور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ قافیہ کے بغیر بھی وجود شعر پایا جاتا ہے۔ اور قافیہ شعر کے لیے ایک امر عارضی ہے۔ نظم و نثر میں شے مابہ الامتیاز سوائے وزن بحور کوئی دوسری چیز نہیں۔ کیونکہ وزن بحور مع القافیہ والے کلام کو اگر شعر کہیں تو یہ معنی فرد پر صادق نہیں آتے حالانکہ فرد شعر ہے +

میرا خیال یہ ہے کہ کلام موزوں غیر مقفیٰ کو داخل نظم اور خارج از نثر مرجز ثابت کرنے میں میں نے ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جسکو مولوی صاحب نے دشوار فرمایا تھا۔

بلینک ورس اور نظم غیر مقفیٰ ہم معنی و مترادف الفاظ ہیں مگر بلینک ورس کا مترادف نہ سجع موازنہ ہے اور نہ نثر مرجز۔ سجع موازنہ میں کلمات متقابلہ کا ہموزن بوزن عروضی ہونا شرط ہے اور وزن بحور بھی اُس میں پایا جاتا ہے۔ اور بلینک ورس میں صرف

وزن بحور ہوتا ہے اور نثر مرجز میں تقابل و وزن شرط ہے اور وزن بحور ندارد۔ پس نثر مرجز اور بلینک ورس میں یون بعید ہے۔ اِس سے تو سجع موازنہ ہی قریب ہے۔

رائے حقیر بر متعلقات مضمون جناب مولوی نجم الغنی صاحب قبلہ

جناب مولوی صاحب نے بجائے سہ اقسامِ نثر ایک چوتھی قسم مقفی اور لکھی ہے۔ حالانکہ مقفے کوئی مستقل قسم نثر کی نہیں۔ بلکہ سجع میں داخل ہے۔ چنانچہ علامۂ سکاکی تلخیص میں فرماتے ہیں السجع ھو فی النثر کالقافیۃ فی الشعر سجع کی تین قسمیں ہیں۔ مطرف و ترصیع و متوازی۔ متوازی کی ایک صورت مقفی بھی ہے۔ قتیل و عبدالرزاق وصاحب غیاث و مولف فرہنگ اندراج و مصنف انشائے فیض رساں۔ و جامع احسن القواعد نے اور ملا حسین واعظ کاشفی نے بدیع الافکار میں صرف اقسام ثلاثہ مذکورہ کو اقسام نثر لکھا ہے۔

سجع کی تعریف اور امثال بھی سہواً غلط تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسجع وہ نثر ہے کہ الفاظ فقرتین وزن میں برابر ہوں اور حرف آخر میں بھی موافق ہوں۔ یعنے پہلے فقرہ کے تمام الفاظ دوسرے فقرہ کے تمام الفاظ سے وزن وحروف آخر میں موافقت رکھتے ہوں جیسے۔ کانِ ملاحت معدوم میان الخ اور جانِ صباحت موسوم دہان الخ۔ نہیں معلوم کہ مولوی صاحب نے اس تعریف سجع میں وزن سے مراد وزن بحور کیوں نہ لی۔ اسی طرح نثر مرجز میں بھی وزن سے مراد وزن صرفی یا عروضی ہی ہے۔

تعریف سجع جو مولوی صاحب نے لکھی ہے یہ تعریف ترصیع ہے۔ جو سجع کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ اور سجع اُن تینوں قسموں کے شامل ہے۔ اور سجع کی تعریف یہ ہے کہ پہلے فقرے کے آخر کا کلمہ دوسرے فقرے کے آخر کلمہ سے حرف آخر میں موافق ہو اور یہ تعریف فقیر دہلوی نے لکھی ہے۔ اور قتیل کہتے ہیں۔ مسجع وہ نثر ہے کہ آخر فقرہ میں ایک لفظ لائیں اور مقابل اُس لفظ کے دوسرے فقرے میں ایک لفظ ہو کہ روی و ردف یا ردفین و تاسیس و دخیل و حرفِ وصل وغیرہ میں اُس لفظ کے ساتھ موافق ہو۔ اور مقید کسی وزن کے ساتھ نہ ہو۔ جیسے قاصد تمھارا خط لایا۔ اور تمھارا پیغام سنایا۔

الف اول لایا اور سُنایا کا روی ہے اور موافق ہے مگر وزن لایا اور سنایا کا مختلف ہے۔

مختصر تعریف ہرسہ اقسام نثر کی ملا حسین واعظ کاشفی نے بدیع الافکار میں یوں تحریر فرمائی ہے۔ مسجع وہ نثر ہے کہ جس میں قافیہ ہو اور وزن نہو۔ اور مرجز وہ نثر ہے کہ جس میں وزن صرفی یا عروضی ہو اور قافیہ نہو۔ اور عاری وہ نثر ہے جس میں نہ وزن ہو اور نہ قافیہ۔ ان تینوں نثروں کی تعریف میں وزن سے مراد کہیں بھی وزن بحور نہیں۔

جناب احسن کے نوٹ سے اسیقدر استنباط ہوتا ہے کہ اُنکے کسی دوست نے بلینک ورس یعنے نظم غیر مقفی کے اُردو میں کہے جانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ عام اس سے کہ وہ نثر مرجز ہو یا کوئی دوسری چیز۔ یا پیشتر سے نظم غیر مقفی کا وجود فارسی میں پایا جاتا ہو یا نہ پایا جاتا ہو۔ آپ کا جو جی چاہے بلینک ورس کا نام رکھیئے مگر اس امر میں رائے ظاہر کرنا چاہیئے تھی کہ بلینک ورس کے اُردو میں کہے جانے کی ضرورت ہے یا نہیں اور اس سے نظم اُردو میں سہولت یا وسعت ہو گی یا نہیں۔

نوٹ اور مضمون دونوں میں اس امر پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ بلینک ورس نثر مرجز ہے اور اُس کا وجود ہمارے یہاں پیشتر سے فارسی میں پایا جاتا ہے۔ اِس پہلو پر بحث نہیں کی گئی کہ آیا نظم بلا قافیہ مشرقی لوگوں کو مرغوب ہے یا نہیں۔ اور نظم غیر مقفی کہنے سے کچھ سہولت و وسعت معتدبہ ہو گی یا نہیں۔ میرا مضمون ان دونوں پہلوؤں کو بھی لیئے ہوئے ہے۔

زبان پابند قواعد نہیں

مولوی صاحب بہت صحیح ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک زبان کی تقلید دوسری زبان میں پورے طور پر نہیں ہو سکتی ہے گو وہ زبان اُس زبان کی ماتحت زبان ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہر زبان کی کچھ خصوصیات ذاتی بھی ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً اُردو کہ یہ ماتحت عربی و فارسی و بھاکا و سنسکرت ہے۔ اور اصل میں پراکرت میں اسماء و محاورات عربی و فارسی رفتہ رفتہ شامل ہوتے گئے ہیں لہذا قواعد پراکرت کے زیادہ تر اُردو میں

پائے جاتے ہیں۔ مگر جسقدر کہ ہمارے جدید روشن خیال اشخاص مغربی تقلید کے دلدادہ ہیں اُسی قدر ایشیائی تعلیم کے فرلفیتہ اپنی مشرقی تعلیم پر مستعد ہیں۔ چنانچہ جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری "فصیح الملک" نمبر ا جلد ۴ میں تذکیر تانیث الفاظ عربیہ مروجہ زبان اُردو سے بحث کرتے ہوئے قاعدہ کلیہ عربیہ کل الجمع مؤنث کا پابند ہمکو اُردو میں بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اِس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے علاوہ اُس جمع کے کہ جس کا مفرد مؤنث ہو ہمیں ہر ایسی جمع کو بھی مؤنث ہی بولنا چاہیئے کہ جس کا مفرد مذکر بھی ہو۔ کیونکہ کلیہ بلا کسی قید کے ہے اس لحاظ سے اوراق اوصاف۔ اوقات بھی مؤنث ہی ہونگے۔ حالانکہ جناب احسن نے فصیح اللغات میں ان جمعوں کو مذکر لکھا ہے۔

جناب والا زبان قواعد کی پابند نہیں اور قواعد پابند زبان ہوتے ہیں۔ زبان قواعد سے متقدم ہے اور قواعد زبان پر بنائے جاتے ہیں۔ پھر کیوں آپ زبان کو قواعد کے تحت میں لاتے ہیں۔ تذکیر و تانیث ہو یا کوئی دوسری بات متعلق زبان اُس میں بول چال کی پابندی ہوتی ہے۔ اِسی وجہ سے ایک مدت بعد جب زبان میں تغیر ہو جاتا ہے (اور تذکیر و تانیث میں زیادہ ہوتا ہے) لہذا ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ قواعد میں ترمیم ہوتی رہے۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ الفاظ عربیہ رائج اُردو میں اعتبار قواعد عربی کا کیا جائے اور نہ ایسا کسی زبان میں ہوتا ہے۔ گلاس انگریزی زبان کا لفظ ہماری زبان میں گھل مل گیا۔ ہم اُسکو مذکر بولتے ہیں۔ لیکن انگریزی میں وہ نیوٹر ہے۔ یعنے نہ مؤنث و نہ مذکر۔ انگریزی مذکر کے لیئے (ہی) اور مؤنث کے لیئے (شی) اور نیوٹر کے لیئے (اِٹ) ضمائر ہیں اور ہمارے ہاں یہ تیسری قسم ضمیر کی ہے ہی نہیں۔ تو چونکہ گلاس انگریزی سے اُردو میں آیا ہے لہذا اصل انگریزی کے تتبع کے لیئے اب ہم ایک ضمیر نیوٹر ایجاد کریں۔ فارسی کے افعال میں تذکیر و تانیث نہیں ہے۔ مگر عرب جو اسما کہ فارسی سے اپنی زبان میں لے گئے ہیں مثل فیل و نرجس وغیرہ ان اسما کے

ساتھ اپنے قرارداد کے موافق فعل مذکر یا مؤنث لاتے ہیں اگر اصل کا لحاظ کیا جاتا تو چاہئے تھا کہ عربی میں ایسے افعال بھی ایجاد کرتے کہ وہ نہ مذکر ہوتے اور نہ مؤنث۔ *

اسی طرح اُردو میں بھی الفاظِ عربیہ کی تذکیر وتانیث بلحاظ روزمرہ اُردو ہونا چاہئے عام اس سے کہ موافق عربی ہو یا نہو۔ چونکہ یہ مسئلہ میری بحث سے خارج ہے۔ لہذا زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں افراط وتفریط ہر دو گروہ کے ذکر میں یہ بحث بھی ضمناً آگئی۔ اکثر لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں اور قواعد کو اصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زبان کے پابند قواعد ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب قواعد سے احصار نہیں ہوسکتا ہے اور زبان میں اُس بنائے ہوئے قاعدے کے خلاف بھی پایا جاتا ہے تو مجبوراً شاذ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر قواعد اصل ہوں تو شواذ سب غلط ٹھیرینگے۔

علم منحصر بزبان عربی نہیں

ہمارے اولڈ فیشن کے لوگ علم کو منحصر عربی میں سمجھتے ہیں۔ آخر کس وقت میں معانی بیان وغیرہ علوم کی تدوین نہ تھی۔ اُسکو زبان پر لحاظ اور غور کر کے قواعد بلاغت ایجاد کیئے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں کہ بلا استمداد عربی کوئی صحیح الدماغ قواعد بلاغت اُردو میں بھی ایجاد کرسکے اور نئی اصطلاحیں اُردو کے لیئے نکالے میرے نزدیک توفیضانِ الٰہی میں کمی نہیں آئی ہے اور اب بھی موجد ہونا ممکن ہے۔ یہ اُمور یعنی ایجادِ فنون وصنائع۔ نبوت نہیں ہیں!۔

آیات نہ نثر مرجز ہیں۔ اور نہ شعر

جن آیات کو جناب مولوی صاحب نے نثر مرجز کہا ہے وہ نثر مرجز دو وجہوں سے نہیں۔ اوّل تو نثر مرجز میں وزنِ بحور نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ اور ان آیات میں وزن بحور موجود ہے۔ دوسرے اِن کا فقرہ متقابلہ نہیں ہے۔ جس سے یہ دیکھا جائے کہ الفاظ متقابلہ وزن میں متحد ہیں یا نہیں اور قافیہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔ کہ

ہم مرغز لگایا جاسکے۔ (۲) اور شعر اس وجہ سے نہیں کہ شعر بحر مسدس میں چھ رکن پر
ورمثمن میں آٹھ رکن پر تمام ہوتا ہے اور ان آیات میں ایسا نہیں ہے لہذا کوئی آیت
بھی ان میں سے شعر نہیں کیونکہ ہر آیت مرقومہ میں یا تین رکن ہیں یا چار رکن۔
حاصل یہ کہ مصرع پر شعر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور یہ سب آیات مصاریع مختلفہ ہیں
قرآن شریف میں دو مصرعے بموزن با معنی ایک ساتھ برابر برابر کہیں نہیں ہیں
ایک جگہ یہ جزو آیت دوسرے پارے کے آخر میں موزوں ہے۔

یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیہ مما ترک

جو بحر کامل میں ہے۔ اور وزن اس کا مستفعلن مستفعلن متفاعلن مستفعلن
مستفعلن متفاعلن ہے یہ شعر اس وجہ سے نہیں ہے کہ جزو آیت ہے اور بغیر
اول و آخر کچھ ملائے ہوئے اسکے معنے ناتمام ہیں۔ چنانچہ شروع اس آیت کا یہ
ہے وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم اور آخر اس کا یہ ہے مما ترک
اٰل موسیٰ واٰل ھرون تحملہ الملٰئکۃ دوسری جگہ یہ جزو آیت اٹھائیسویں پارہ
آخر سورۂ تحریم میں۔

مسلمت مومنات قنتت تئبت عبدات سئحت

بحر رمل میں ہے بروزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار۔ جبکہ دونوں مصرعوں کے
آخری ت کو منون پڑھیں اور اگر ساکن پڑھیں تو بروزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان
ہوگا۔ اور اس آیت کی بھی وہی حالت ہے چنانچہ اس کا اول عسیٰ ربہ ان طلقکن
ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن اور آخر اس کا ثیبت وابکارا ہے اور بغیر اول و
آخر ملے ہوئے آیت سے معنی مستقل ومفید پیدا نہیں ہوتے۔

اور تیسری جگہ یہ جزو آیت پارہ الم بعد نصف میں ہے۔

ثم اقررتم وانتم تشھدون ثم انتم ھؤلاء تقتلون

اس آیت کا بھی تعلق اول سے اور آخر سے ہے جب تک انفسکم نہ لایا جاے
بے معنی ہے۔ پس یہ سب آیتیں بھی بوجہ کلام مفید نہ ہونے کے کلمات ہیں اور بغیر

انضمام بعض الفاظ دیگر معنے تمام نہیں ہوتے۔ اِس بنا پر یہ کلام ہی نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ شعر۔ کیونکہ شعر کو کلام موضوع ہونا چاہیئے۔ کلام غیر مفید کلام ہی نہیں اور جب معنوں کا لحاظ نہ کیا جائے تو ہر نثر سے جتنے شعر جی چاہے نکال لو۔

ناظرین غور فرمائیں کہ یہ استدلال میرا اگر صحیح ہے تو میں نے یہ بات بالکل نئی نکالی ہے اور یہ جواب کسی نے آج تک نہیں لکھا ہے۔ عمد و قصد و سہو اور سب جتنے جواب دیئے جاتے ہیں سب ناکافی ہیں۔ کسی شعر میں جب وزن موجود ہے تو حقیقتاً شعر ہے چاہے عمد و قصد ہو یا نہ ہو۔ اور اسی طرح سہو اور سب سے آیت کو شعر کہنا جبکہ وہ شعر ہو شعر ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ناظرین میرے اِس مضمون میں بہت سی نئی باتیں پائیں گے اور بعض اُمور غیر حل کو اس میں حل دیکھیں گے۔

قید قصد در شعر

بعض مصنفین فن عروض نے بالغ نظری سے کام نہ لیکر تعریف شعر میں قید قصد قائل لگاکر شعر بلا قصد کو شعر نہیں مانا ہے۔ اور یہی اُنکی کم توجہی ہے۔ جب اُس میں وزن شعری موجود ہے تو وہ شعر بھی ضرور ہے۔ فرض کرو کہ ایک شعر جو حقیقتاً بلا قصد نظم ہوا ہو اور وہ کسی وقت ہمارے سامنے آئے اور ہمکو کوئی علم قصد یا غیر قصد کا نہو تو باوجود وزن شعر نہ کہا جائیگا تو اور کیا کہا جائیگا۔ میرے نزدیک وہ شعر ضرور ہے مگر اُس کا کہنے والا شاعر نہیں اور اگر پھر بقصد و اختیار خود شعر نہیں کہہ سکتا ہے اسی وجہ سے یہ مقولہ مسلم ہے مَن قال بیتان فھو شاعرٌ کیونکہ ایک شعر تو بلا قصد ممکن ہے مگر دوسرا شعر اُسی ردیف و قافیہ میں بلا قصد ممکن ہی نہیں۔ شعر کسی طرح سے اپنے قواعد پر صحیح اُتر جائے وہ شعر ہے۔ مگر شاعر ہونے کے لیئے قصد و ارادہ کی ضرورت ہے۔ قائل بلا قصد شاعر نہیں۔ محققین فن عروض تعریف شعر میں قید قصد لگاتے ہیں اور نہ قید قافیہ۔ اور یہی تعریف صحیح ہے۔

فرق نظم و شعر

شمس العلماء جناب مولوی حالی صاحب نے تعریف منطق کو گڈمڈ (مختلط) نہیں کیا ہے

کیونکہ منطقین کے نزدیک شعر میں وزن کی بھی ضرورت نہیں ہے اور جناب مولوی صاحب نثر مرجز میں تجویز وزن کرکے اُسے از قسم نظم شمار کرتے ہیں اور شعر میں بھی وزن مانتے ہیں۔ پھر اختلاط تعریف منطق کہاں سے آیا۔

اس میں شک نہیں کہ کسی نے نظم و شعر میں کچھ فرق نہیں کیا ہے مگر بعض اُمور مقتضی اس بات کے ہیں کہ دونوں میں کچھ فرق ہو۔ مثلاً ایک مصرع یا مصنے ہمارے سامنے آئے اُسے شعر اس لیئے نہیں کہہ سکتے کہ شعر میں چھ رکن یا آٹھ رکن ہونا چاہئیں اور ایک مصرع میں تین یا چار ہی رکن ہونگے اور بوجہ وزن نثر بھی نہیں کہہ سکتے۔ پھر آخر اس کا نام کیا رکھیں۔ بہتر یہ ہے کہ کلام منظوم کہیں۔

میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ نظم کو مقابل نثر ایک جنس یا مقسم قرار دیکر یہ تعریف کیجائے۔ کلام موزوں مخیل تاکہ تمام اقسام کلام موزوں پر صادق آئے حتیٰ کہ فرد اور مصرع پر بھی اور نظم غیر مقفیٰ پر بھی۔ اور شعر کو نظم کی نوع یا قسم مان کر یہ تعریف کیجائے کلام موزوں مخیل مقفیٰ پس گویا تقسیم کلام اس طرح ہوگئی۔ کلام کی دو قسمیں ہیں منثور و منظوم۔

کلام منثور کی تین قسمیں ہیں۔ مرجز و مسجع و عاری۔

اور کلام منظوم کی دو قسمیں ہیں نظم مقفیٰ و نظم غیر مقفیٰ۔

نظم مقفیٰ کی نو قسمیں ہیں۔ غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ۔ مثنوی۔ رباعی۔ مخمس۔ مسدس۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔

غیر مقفیٰ کی ایک قسم ہے فرد۔ اور اس صنف میں بلینک ورس شامل ہے

مولوی نجم الغنی صاحب شعر کے لیئے قافیہ کو ضروری بھی فرماتے ہیں اور فرد جو بلا قافیہ اکثروں کے نزدیک ہے اس کو شعر بھی سمجھتے ہیں۔ جب تعریف شعر کلام موزوں مقفیٰ مانی گئی تو یہ تعریف فرد پر کیونکر صادق آئیگی۔

ایک قول حکمار کا بھی ایسا ملتا ہے کہ جس سے نظم و شعر دو جداگانہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ حکمار کا قول ہے کہ نسبت تالیفیہ جس چیز میں پائی جاتی ہے باعث انجذاب اہتزاز نفس ہوتی ہے اور نسبت تالیفیہ عبارت ہے نسبت قدر تفاوت میان اوسط و اصغر بقدر تفاوت

میان اوسط و اکبر مثل نسبت اصغر باکبر سے۔ اور بہت سے دقائق علوم و اسرار حکمت مبنی بر احکام نسبت ہیں ایسی نسبت شریفہ اعتدالی کی وجہ سے کہ اجزائے عناصر میں ہے تعلق نفس بدن کے ساتھ پایا جاتا ہے اور جب زوال اس نسبت کا ہوجاتا ہے تو باعث قطع تعلق نفس مع بدن ہوتا ہے اور جب یہی نسبت اعضا میں پائی جاتی ہے تو حسن ہے اور اصوات میں پائی جائے تو نغمہ ہے اور کلام میں پائی جائے تو نظم و فصاحت ہے اور حرکات میں پائی جائے تو ناز و ادا ہے۔ اور عناصر میں پائی جائے تو اعتدال مزاج ہے اور نفس میں پائی جائے تو عدالت ہے اور نفس ہر مقام میں عاشق و طالب اس نسبت کا ہے۔

یہ تعریف نظم کی عام تر ہے اور شعر اخص۔ نظم کی اس تعریف کے بعد شعر کی تعریف چاہیے کلام موزوں مخیل کیجیے۔ یا کلام موزوں مخیل مقفی۔ بہر صورت نظم و شعر دو جداگانہ چیزیں ہونگی اور مولانا حالی کا نظم و شعر کو دو جداگانہ چیزیں سمجھنا صائب و درست معلوم ہوگا

مولوی نجم الغنی صاحب کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالی قافیہ کو نظم کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں نہ شعر کے لیئے۔ اس تحریر میں سہو کاتب و ناقل کو اگر دخل نہیں ہے تو میری رائے اسکے برعکس ہے یعنے نظم کے لیئے قافیہ ضروری نہیں اور شعر کے لیئے ضروری ہے۔ کیونکہ نظم مقابل نثر ہے نہ شعر۔ پس نظم کو شعر سے عام ہونا چاہیئے۔

مقدمہ دیوان جناب حالی میرا دیکھا ہوا ہے مگر میرے پاس موجود نہیں ہے جو خود دیکھکر اطمینان کر لیتا۔ مگر اس تحریر کو صحیح مان کر اتنا ضرور ہے کہ قول اول جناب حالی اس صورت میں معارض قول ثانی ہے۔ اس لیئے کہ بلینک ورس کو نظم غیر مقفی فرماتے ہیں اور پھر قید قافیہ بھی نظم ہی کے لیئے ضروری ارشاد کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو اسے شعر غیر مقفی کہنا چاہیئے تھا۔

اگرچہ میں صاحب مذاق بزرگ نہیں اور نہ مثل مولانا حالی اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکتا ہوں لیکن جناب احسن نے نوٹ میں تحریر فرمایا تھا کہ «اگر مولانا حالی خود اس باب میں تحریر فرمائیں تو کیا کہنا ورنہ امید ہے کہ کوئی نہ کوئی صاحب مذاق بزرگ اس مغالطے اور معمے کو ضرور حل فرمائیں گے» میں نے آپ کو صرف کوئی نہ کوئی میں سمجھکر باجود

ہیچمدانی خامہ فرسائی کرکے دوسروں کا اوراپنا وقت ضائع کیا۔ اگراس مضمون میں کچھ بھی پسند ارباب کمال ہوجائے تو زہے قسمت ۔

جس طرح کہ جناب احسن و مولوی نجم الغنی صاحب کو اس نوٹ اور مضمون سے مولینا حالی اور پروفیسر آزاد پر اعتراض مقصود نہیں۔ اسی طرح مجھے بھی کسی پر اعتراض مطلوب نہیں بلکہ جو بات مجھے حق معلوم ہوئی ہے بلاتعصب آزادی کے ساتھ اپنی رائے ناقص کا اظہار کیا ہے وبس ؎

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

خادم المدرسین سید اولاد حسین شاداں ۔ بلگرامی
پرشین پروفیسر۔ از رامپور۔

تعلیم اُردو

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ تہذیب بغیر علم کے نہیں آتی اور جس بدقسمت قوم کی مادری زبان علمی زبان نہیں ہے اُس قوم کو کوئی تعلیم یافتہ نہیں کہہ سکتا ہندوستان میں بھی یہ خرابی موجود ہے ۔بدقسمت ہندوستانیوں کی مادری زبان میں تکمیل علم کا کوئی ذریعہ موجود نہیں۔ اہلِ علم نے اپنی مادری زبان کی خدمت اِس سبب سے چھوڑ دی کہ لوگ دوسری زبان کی تحصیل کی طرف متوجہ پائے گئے۔ ہندوستان کے علماء نے اگر تصنیف کی طرف رُخ کیا جب بھی اُردو کو ایک مہمل زبان سمجھ کر چھوڑ دیا اور عربی میں اپنی تصنیف لکھی ہندوستان میں بھی اُردو زبان کسی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی ۔ تو کیا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اگر چند روز اُردو کی طرف سے یہی بے پروائی رہی تو تمام ہندوستان جہالت میں پڑا رہے گا۔

یہ تو ممکن نہیں کہ ہندوستانی سب کے سب اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر کسی علمی

زبان کو اپنی مادری زبان بنالیں اور نہ تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے لہذا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ علمی مذاق رکھتے ہوں اور اسقدر استطاعت رکھتے ہوں وہ کوئی علمی زبان یا مذہبی علمی زبان حاصل کرلیں۔
باقی تمام قوم جہالت کی تاریکی میں پڑی رہے ۔ اس لئیے کہ مادری زبان میں علم نہیں اور بغیر علم کے تمام ہندوستان جہالت کے قیدخانے سے چھوٹ نہیں سکتا اِس مصیبت سے چھڑانے کے لیئے ضرورت ہو کہ ملک کے بہی خواہ قومی درد رکھنے والے اہل علم قلمی امداد کریں۔
مختلف علوم و فنون کا ترجمہ کریں اور اُردو میں اُن خزانوں کو اُٹھا لائیں جو دوسری زبانوں کو زینت دیچکے ہیں۔
اِس میں شک نہیں کہ اس وقت عربی زبان ۔ انگلش زبان میں بیش بہا جواہرات اور ہر قسم کے الوانِ نعمت موجود ہیں۔
اُردو ایک کم مایہ زبان ہے جس میں ترجمہ کرنے کے لیئے بھی کافی الفاظ نہیں ملتے درحقیقت اُردو زبان اہلِ علم کی توجہ کی محتاج ہے۔
جن لوگوں کی مادری زبان علم کا خزانہ بنی ہوئی ہے اُن کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ دوسری زبانوں کی طرف توجہ کریں۔
ہندوستان میں یہ خرابی کچھ کم نہیں ہے کہ اسکے عام لوگ علم سے خالی ہیں۔ زمانہ اسقدر مہلت نہیں دیتا کہ سب کے سب فکر معاش سے ہاتھ اُٹھا کر مختلف زبانوں کی تحصیل پر کمر باندھ لیں اور جہالت کے غار سے نکل کر علمی میدان میں قدم رکھیں۔
یہ تو اہلِ علم پر واجب ہے کہ مشرقی مغربی علوم سے نفیس مطالب کے اُردو سے ایسے رسالے تالیف کریں جن سے عام ہندوستانیوں کو فائدہ پہنچے اور اُن کی زبان علمی وقعت پیدا کرے۔
بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ اُردو میں ابھی ایسے الفاظ نہیں ملتے جو مغربی علوم کے نفیس مطالب کا صحیح ترجمہ کرنے میں بکار آمد ہوں۔

میری رائے میں ایسے لوگ اُردو میں کما حقہٗ قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ اُردو کا دامن بہت وسیع ہے اور وہ کچھ ایسی کمزور نہیں ہے اور یہ شکایت ہر زبان میں موجود ہے کہ دوسری زبان کا ترجمہ کرنے میں کافی الفاظ نہیں ملتے۔ لیکن علمی زبان بنانے کا قاعدہ یہی ہے کہ دوسری زبان کے معلومات کو منتقل کرلیں۔ عربی زبان میں مستعار الفاظ کو دیکھو یہ الفاظ عربی نے خوشی سے نہیں قبول کیئے بلکہ تراجم کی ضرورت نے اس کو دوسری زبان کے مخصوص الفاظ لینے پر مجبور کردیا۔

انگلش زبان میں جو لاطینی زبان کثرت سے شامل ہوئی اس کا سبب بھی تراجم کی ضرورت ہے۔ فرینچ زبان بھی اسی سبب سے انگریزی میں شامل ہوئی۔

تراجم ترقی اور توسیع زبان کے ذریعے ہیں ہر زبان علمی زبان ہونے کے بعد وسیع ہو جاتی ہے کیا ہم سب ہندوستانی اس بات کو خوشی سے نہیں چاہتے کہ ہم اپنی مادری زبان حاصل کرنے کے بعد عالم فاضل فقیہہ محدث۔ طبیب منطقی فلسفی بید و ودیارتھی۔ گیانی۔ ریاضی ہندسہ داں۔ مورخ۔ علم کلام علم نحو علم صرف علم اخلاق علم تصوف وغیرہ میں کامل ہو جائیں۔ اور ہم اپنی زبان حاصل کرنے کے بعد تعلیم یافتہ گریجویٹ بننے کے مستحق ہو جائیں۔ اسکی صورت یہی ہے کہ ہماری زبان علمی زبان بنائی جائے۔

یہ تعجب خیز بات نہیں ہے کہ تمام انگریز اپنی مادری زبان کا علم حاصل کرنے کے بعد تعلیم یافتہ گریجویٹ مہذب روشن خیال عالم فاضل بنجاتے ہیں۔

عرب اپنی مادری زبان حاصل کرنے کے بعد محدث عالم فقیہ مولوی فاضل طبیب منطقی فلسفی بنجاتے ہیں۔

اسی طرح تمام دنیا کی مہذب قومیں اپنی مادری زبان کو تمام علوم کا مخزن بنا چکی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم ہندی ابھی تک اسی خواب غفلت میں سو رہے ہیں۔ اور ہمارے ہر فرد پر یہ مصیبت ہے کہ وہ اپنی مادری زبان پڑھنے کے بعد جاہل کا جاہل رہتا ہے اور جبتک وہ دو چار غیر زبانوں کا مالک نہ بنجائے اُس وقت تک اُسکو تعلیم یافتہ

نہیں کہہ سکتے۔

اس کا خاص سبب یہ ہے کہ ہماری مادری زبان علم کی برکت سے محروم ہے۔ پھر کیا ہم سب لوگوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ سب سے پہلے سو کام چھوڑ کر اپنی قوم کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کی کوشش کریں۔

اسکی صورت یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور تعلیم یافتہ نقد عالم مستند ڈاکٹر معتبر طبیب۔ فقیہہ۔ محدث۔ مورخ۔ انگریزی عربی سنسکرت کے منتہی اپنی کوشش سے اُردو کو علمی زبان بنانے کی کوشش کریں۔

ورنہ تمام ہندوستانی اسی طرح جہالت کی اندھیری کوٹھری میں گھٹ گھٹ کر مرجائیں گے۔ اور انکی تباہی کے ساتھ ہی ہمارا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔

خواجہ محمد عبدالرؤف
عشرت۔ لکھنوی

خمسہ

بر غزل اعلیحضرت فلک رفعت سکندر شوکت دارا حشمت فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ حضور پُرنور سر نواب **محمد حامد علیخان صاحب بہادر** جی سی۔ آئی۔ ای دام اقبالہم و ملکہم فرمانروائی دارالسرور رامپور المتخلص بہ رشک

از نتیجۂ فکر جناب محمد مصطفی علیخاں صاحب شرر پرائیوٹ سکرٹری

کوئی عالم میں تجھسا سرو رہ رضا کیوں ہو — کوئی تجھسا خبردار رموز کبریا کیوں ہو
کوئی حاجت روا تیری طرح تیرے سوا کیوں ہو — خدائی بھر میں تجھسا یا علی مشکلکشا کیوں ہو

ترا ثانی جہاں میں کوئی بھی نام خدا کیوں ہو

بجز میرے شہید ناز کوئی دوسرا کیوں ہو — جسے ہو جان پیاری وہ کرشموں پر فدا کیوں ہو

نگاہِ شوخ ہر اک کے لیے تیرِ قضا کیوں ہو — تمہارا کشتۂ ابرو کوئی میرے سوا کیوں ہو
یہ رونا ہے کہ دشمن بسمل تیغ ادا کیوں ہو

نظر آیا ہجوم یاس ہی آنکھیں اگر کھولیں — تمنائیں لہو کے آنسوؤں سے خوب ہی رولیں
کلیجہ منہ کو آیا ختم اپنی خواہشیں ہولیں — ہمارے خون سے جب ہاتھ دھوئے حسرتیں بولیں
یہی رنگیں کرے دستِ نگاریں کو حنا کیوں ہو

تمنا ہی رہے یوں ہی ہمارا دلربا کم سن — خدا کا شکر ہے معشوق قسمت سے ملا کم سن
یہی ہوتا ہے ہوتے ہیں شرارت آشنا کم سن — ابھی ہیں شوخیوں کے دن وہ ہیں نام خدا کم سن
اداؤں میں ہے بیباکی ابھی شرم و حیا کیوں ہو

کہیں ایسا نہ ہو کچھ کام دل نکلے نہ منت سے — کہیں ایسا نہ ہو حیران ہو حسنِ صورت سے
تجھے واقف کیے دیتا ہوں اس کم سن کی عادت سے — اگر اے حسرتِ دل وصل میں پاسِ نزاکت سے
ترے ارمان رہ جائیں تو پھر مجھ سے گلا کیوں ہو

کہاں کرتے ہیں دعویٰ خون کا عشاق قاتل پر — ہر اک معشوق ڈھاتا ہے ستم ہر ایک مائل پر
نہ بچے باقی نہ تیرا وار کوئی اپنے بسمل پر — پھرے خنجر گلے پر تیر غمزے کے چلیں دل پر
جفاؤں کے لیے تیری ہمیں ہیں دوسرا کیوں ہو

ذرا سی بات میں اپنا مقدر بن کے پھر بگڑا — وہ آئے تھے یہاں مشکل سے اٹھا اک نیا قضا
غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا — حیا سے سرنگوں وہ ہو گئے جب وصل میں پوچھا
خطا ایسی ہوئی ہے کیا بتاؤ تو خفا کیوں ہو

جنوں جب سے ہوا ہے مجکو ان سرشار آنکھوں کا — کبھی آنسو نہیں تھمتا مری خونبار آنکھوں کا
نہ جائیگا کسی صورت سے یہ آزار آنکھوں کا — دلِ بیمار ہے بیمار ان بیمار آنکھوں کا
بھلا اسکی دوا کیا ہو بھلا اسکو شفا کیوں ہو

ثمرِ الفت کا پائیں گے ہمیں امید تھی اسکی — قلم سر ہو گیا یہ پھل ملا اچھی محبت تھی
دلِ ناشاد پر میرے چلی شمشیر ناکامی — کہاں کی آرزو جڑ کٹ گئی نخلِ تمنا کی
جو خود مایوس ہو اسکو کسی کا آسرا کیوں ہو

کسی کے بارِ احساں کا ہمارا دل نہیں خوگر لگا جائیں یہاں آکر وہ پائے ناز سے ٹھوکر
اگر ایسا ہمارے بعد ہو جائے تو ہے بہتر اگر جذبِ الفت سے چلے آئیں وہ تربت پر
یہ خاکِ ناتواں منت کشِ بادِ صبا کیوں ہو

یہ نکلی ہیں تجھی پر مبتلا ہو کر کدہر جائیں کہاں انکا ٹھکانا ہے کہاں یہ اور جا ٹھیریں
ترے ہی حسن کی گرمی سے ساری ہے جلن انکیں بڑھاتی ہیں ترا گھونگر دلِ عشاق کی آہیں
انھیں سے بڑھی آخر تجھے زلفِ دوتا کیوں ہو

جب آیا دل کسی پر زور اُسپر کب چلا اپنا ہزاروں بار ہمنے دل لگا کر آزما دیکھا
کبھی تیور نہ بدلے راتدن جھیلے ستم کیا کیا محبت جب بسی دل میں تو پھر کیا ڈر مصائب کا
نہ اُٹھے گر یہ بارِ غم تو کوئی مبتلا کیوں ہو

محبت وہ بلا ہے جسکو سن کر دل دہل جائے نہ نکلے آہ گو سوزِ نہاں سے کوئی جل جائے
مزا جب ہے اگر وہ دل بھی تلووں سے مسل جائے زباں پر کچھ نہ آئے اور گھٹ کر دم نکلجائے
گِلا کیوں ہو شکایت کیوں ہو آہِ نارسا کیوں ہو

میں پروانہ۔ وہ برقِ حسن شمعِ شوق افزا ہے جلانا اسکی عادت اُف نکرنا میرا شیوہ ہے
یہ عالم دیکھکر کیوں ساری دنیا کو اچنبھا ہے محبت ہو تو سچی صبر بھی اللہ دیتا ہے
وگرنہ جان دینے کا کسی کو حوصلا کیوں ہو

شررکی التجا پر اُسکی منت بن کے لڑتے ہیں خدا رکھے ابھی کمسن ہیں بے سمجھے اکڑتے ہیں
اگر اصرار کرتا ہوں تو لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں سوالِ وصل پر از رشک وہ کیا کیا بگڑتے ہیں
مگر اسکے سوا دل میں ہمارے مدعا کیوں ہو؟

رباعیات

ہے صبح بہار جلوہ افگن محروم
یہ جوشِ بہار۔ یہ وفورِ گل ہائے
ہے ہے۔ کیا دلنشیں ادائے گل ہے
کیا حسن ہے۔ کیا لطافت اللہ اللہ

دیگر

باغ جنت ہوا ہے گلشن محروم
تو یاں سے چلا ہے خالی دامن محروم
زینت بخشِ چمن فضائے گل ہے
اے وائے کہ مختصر لقائے گل ہے

تلوک چند۔ محروم ڈیرہ اسمٰعیل خان

کمال دہلی

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

مصرع طرح

عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

آخلاق - جناب سیّد اخلاق حسین صاحب دہلوی

فرقت میں کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو
دُکھ درد کے بٹانے کو اک یار بھی تو ہو

کچھ التفات ابروئے خمدار بھی تو ہو
تیغِ آدا کا دل پہ کوئی وار بھی تو ہو

زاہد مری طرح سے سیہ کار بھی تو ہو
مستوجبِ عنایتِ غفار بھی تو ہو

ملنے کا مجھ سے حشر میں اقرار بھی تو ہو
مر کر سہی مگر ترا دیدار بھی تو ہو

تیری عنایتوں سے فقط کام کیا چلے
کچھ مہربان چرخِ ستمگار بھی تو ہو

جلوہ تو کوہِ طور پر آجائے پھر نظر
موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

افسانہ دردِ ہجر کا اُن کو سُنا تو دوں
لیکن زباں میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو

بر آئے اِسکے ساتھ جگر کی بھی آرزو
تیرِ نگاہ دل کے کہیں پار بھی تو ہو

دل کی نہ پوچھو ہم تو اسے بیچ ڈالتے
لیکن بقدر جنس خریدار بھی تو ہو

مُنہ پر نقاب ڈال کے کیوں آئے تھے چارہ گر
نسخے میں میرے شربتِ دیدار بھی تو ہو

زیبا نہیں ہیں عشق میں یہ بے نیازیاں
آنکھوں نہیں دل میں حسرتِ دیدار بھی تو ہو

تیغِ آدا بہائے گی خونِ شہیدِ ناز
ظالم کمر میں خنجرِ خونخوار بھی تو ہو

آوارِ شن کے ہوتا ہی اورشتیاقِ دید
نظارۂ جمالِ رخِ یار بھی تو ہو

زاہد نے مجکو بندۂ اصنام کہدیا
تہمت سے فائدہ کہیں زنار بھی تو ہو

اسدؔ۔ جناب محمد علی صاحب تلمیذ نواب سراج الدین احمد صاحب سائل

پھر کچھ بیان تابشِ رخسار بھی تو ہو
مطلع پر ایک مطلع انوار بھی تو ہو

مشہورِ خلق میں وہ مسیحا ہوئے تو کیا
کوئی دوا ئے عاشقِ بیمار بھی تو ہو

ہے ہمنشین یار کا اگر غیر کیا عجب
پہلو میں گل کے ایک نہ اک خار بھی تو ہو

کی جائے اُسکو یاد دہانی شامِ وصل
لیکن وہ خوابِ ناز سے بیدار بھی تو ہو

کس بات پر رقیب سے اتنے بگڑ گئے
بیٹھے ہو کیوں اُداس کچھ اظہار بھی تو ہو

بے ابرِ لطفِ بادہ کشی خاک بھی نہیں
آکر شریک رحمتِ غفار بھی تو ہو

رہتا ہے دل میں تیرا تصور اسی لیئے
فرقت میں کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو

اُمیدوار ہوں نگہِ التفات کا
بیمار پر توجہ بیمار بھی تو ہو

دل اُنکو کوئی دے تو وہ یوں کہتے ہیں اسدؔ
لینے کا لطف جب ہے کہ درکار بھی تو ہو

ایرجؔ۔ جناب نواب شوکت علیخاں صاحب تلمیذ جناب رضواںؔ

مشغول عرض عاشقِ ناچار بھی تو ہو
مسرور گاہ گاہ دلِ زار بھی تو ہو

جب ساتھ سو رہے ہو تو گھونگٹ ہٹائیے
اے جان عین وصل میں دیدار بھی تو ہو

تیرے خرامِ ناز کا دعوی کرے گی کیا
کبکِ دری کو یاد یہ رفتار بھی تو ہو

دل توڑنا نہ چاہیئے عاشق کا یک بیک
غصے میں پیار پیار کی گفتار بھی تو ہو

رندوں سے اب حجاب نہ فرماؤ شیخجی
میخانے میں تو آئے ہو میخوار بھی تو ہو

باہیں گلے میں ڈالکے بولے وہ ناز سے
گردن میں کوئی وصل کی شب ہار بھی تو ہو

جب درد ہی نہیں ہے تو درماں کی کیا تلاش
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

اشکؔ جناب منشی نواب حسین صاحب ملازم حاجی عنایت اللہ احسان اللہ سوداگران

ہم نے تری ہزار جفاؤں پہ اُف نہ کی
ہمسا جہاں میں کوئی وفادار بھی تو ہو

ہے خوب دل وہی جو دلِ دردمند ہے
ہے خوب آنکھ وہ جو حیادار بھی تو ہو

دینے کو تیرے ہاتھ ہزاروں ہیں ای کریم
حق بات تو یہی ہے طلبگار بھی تو ہو

ظاہر ہوا اشک نم حقیقت میں از دل
جب لطف ہے کہ واقف اسرار بھی تو ہو

اعجاز۔ جناب ابوالاحسان منشی محمد عبدالقادر صاحب۔ از بھڑوچ

اس درجہ گرم عشق کا بازار بھی تو ہو
دل بیچتے ہیں۔ کوئی خریدار بھی تو ہو

مجھسا کسی کو عشق کا آزار بھی تو ہو
کوئی تمھاری آنکھوں کا بیمار بھی تو ہو

سفاک تیرے ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو
لڑنا ہی ہم سے ہے تو کوئی وار بھی تو ہو

آہ شرر فشاں سے خبردار بھی تو ہو
تم مستی شباب میں ہشیار بھی تو ہو

کیا خوب ناز اٹھا کے کوئی کیوں ہو منفعل
شرمندہ اپنے دل میں وہ عیار بھی تو ہو

وہ بے نیاز ہے یہ نہیں جانتا ہے کون
امیدوار عفو گنہ گار بھی تو ہو

گلشن کا عزم ہو تو ہو رحمت کی آرزو
اک آدھ اس خیال کا میخوار بھی تو ہو

خون جگر میں ڈوب کے ہو جائے ایک رنگ
اتنا ملا جلا ترا اسوفار بھی تو ہو

جب ہو نہ بات چیت تو وہ گالیاں ہی دیں
ہمکو تو سب قبول ہے تکرار بھی تو ہو

کھٹکوں دل رقیب میں رہ رہ کے بار بار
اس لاغری میں کچھ خلش خار بھی تو ہو

میں تیرے وصل کے لیئے مایوس کیوں رہوں
آساں نہیں نہیں سہی دشوار بھی تو ہو

مجھپر تو کیا تمھارا ہے دل پر بھی اختیار
مختار بھی تو ہو مرے سرکار بھی تو ہو

یہ بھی سہی کہ رہتے ہو فرقت میں بیقرار
اعجاز ایک سال سے بیمار بھی تو ہو

ادنیٰ۔ جناب محمد عوض صاحب بلند شہری تلمیذ جناب صوفی بلند شہری

دل کیا لگائیں دوستوں خوبان دہر سے
سب بیوفا ہیں کوئی وفادار بھی تو ہو

کسکو کہیں رفیق کسے سمجھیں ہم شفیق
سب مطلب آشنا ہیں کوئی یار بھی تو ہو

کس طرح ہمسری تری چرخ کہن کرے
تجھسا جفا شعار ستمگار بھی تو ہو

اختر۔ جناب مولٰنا ابوالمنور مظفر حسین صاحب رئیس اعظم سہسوان

انسان ہے تو محرم اسرار بھی تو ہو
قطرے میں جوش قلزم زخار بھی تو ہو

ہر جا ہے حسن یار طلب گار بھی تو ہو
کوئی جہاں میں طالب دیدار بھی تو ہو

کیا خاک چشم آبلہ پا بہائے خون
میداں وسیع وادیٔ پُرخار بھی تو ہو

ہے سرو کو جو قامتِ رعنا سے ہمسری
وہ دل فریب شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

جب دردِ دل نہ ہو تو دوا کیا کرے کوئی
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

یہ جب کہوں کہ چاند گہن سے نکل گیا
گیسوئے روئے یار نمودار بھی تو ہو

نکلے نہ نوک تیر مژہ کی دعا ہے یہ
دل میں کوئی کھٹکنے کو سوفار بھی تو ہو

آنکھیں برائے دید لگادوں مگر مجھے
معلوم اُن کا روزنِ دیوار بھی تو ہو

برگشتگی بخت کا اظہار جب کریں
وہ مستِ ناز خواب سے بیدار بھی تو ہو

میں دردِ دل سناؤں مگر ہمنشیں کسے
اختر کا کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو

بدر جناب شیخ بدر الدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ جناب مہر اکبرآبادی

تسکین وحشی گل رخسار بھی تو ہو
صحرا کے متصل کوئی گلزار بھی تو ہو

پہلی سی اب وہ گرمیٔ بازار بھی تو ہو
یوسف بہت ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو

پابند گیسوئے بتِ عیار بھی تو ہو
اے دل کبھی بلا میں گرفتار بھی تو ہو

پہلے کسیکو عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

کسکو طبیب کسکو مسیحا بتائیں ہم
اچھا کسی سے عشق کا بیمار بھی تو ہو

کیونکر کہوں کہ کافرِ عشق بتاں ہوں میں
گردن میں میری رشتۂ زنار بھی تو ہو

چھایا ہوا ہے آج تو ساقی چمن پہ ابر
بہرِ سرور بادۂ گلنار بھی تو ہو

روتی ہے رات دن مری تربت پہ بیکسی
ایسا پسِ فنا کوئی غمخوار بھی تو ہو

پھاڑا جنوں میں ہمنے یہانتک لباس کو
اتنا نہیں ہے تن پہ کوئی تار بھی تو ہو

اُنکی خرامِ ناز سے عالم ہے پائمال
ایسی کسیکی شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

جاں دیکے ہمنے مول لیا ہے مکان قبر
ہمسا کوئی جہاں میں خریدار بھی تو ہو

دل کیا کہ اپنی جان بھی کردیں نثار ہم
اُنکی زبان سے وصل کا اقرار بھی تو ہو

جھڑتے ہیں بات بات میں شاخِ زباں سے پھول
یوں کوئی گلفشاں دمِ گفتار بھی تو ہو

وعدہ بھی مجھسے وصل کا ایجاب کیجئے
انکار جس زباں سے ہوا اقرار بھی تو ہو

بعد فنا بھی قبر میں آنکھیں کھلی رہیں
اس درجہ کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

زلفوں کی یاد رخ کا تصور ہے رات دن
مجھ سا عزیز کا فرو دیندار بھی تو ہو

کسکو سنائیں آہ در شب غم کی داستاں
ہمدرد بھی تو ہو کوئی غمخوار بھی تو ہو

بیتاب - جناب سید محمد خیرات علی صاحب تلمیذ جناب ساز کالپی

مدت سے وصل یار کی امید تھی مجھے
اب آرزو یہ ہے کہیں دیدار بھی تو ہو

بشیر - جناب بشیر الرحمن صاحب دہلوی خلف مولوی امو جان صاحب دہلی

کرنے کو میرے قتل وہ تیار بھی تو ہو
یعنی کھچی وہ ابروے خمدار بھی تو ہو

مردوں سے شرط باندھکے سویا ہی میرا بخت
اے نالہ صور بن کہ یہ بیدار بھی تو ہو

ماتھے پہ گاہ سینہ پہ اپنے رہا ہے ہاتھ
اے کاش اس گلے کا کبھی ہار بھی تو ہو

ہمسا ستم پسند ہی دل تم کو ٹوٹے
دلدار ہو کے حیف دل آزار بھی تو ہو

فرقت میں دلربا کی بنا غم مری غذا
مجھ سا کوئی جہاں میں غمخوار بھی تو ہو

ظاہر کرو نہ وصل کا وعدہ یونہی سہی
انکار میں نہفتہ کچھ اقرار بھی تو ہو

بسمل - جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب دہلوی

اسکے عطا و عفو کا حقدار بھی تو ہو
پہلے گناہ کرکے گنہگار بھی تو ہو

اشکال اس زمین میں بسمل نہیں مگر
کرتی ہے سست شعر کو ہر بار "بھی تو ہو"

برق - جناب منیجر صاحب رسالہ شکوہ یار بجنور

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر
یہ بات کیا ہے اس کا کچھ اظہار بھی تو ہو

اک عیب بھی ہے ساتھ اگر وصف ہے کوئی
مانا کہ دلربا ہو دل آزار بھی تو ہو

پہنچا جہاں خیال وہاں خود پہنچ گئے
ہم سا کوئی جہاں میں سبکسار بھی تو ہو

اے برق میرا ناز کا پالا ہوا ہے دل
دوں کسکو کوئی اس کا سزاوار بھی تو ہو

تسلیم - عالیجناب منشی محمد امیر اللہ صاحب لکھنوی یادگار جناب نسیم دہلوی

دل کی لگی کہوں کوئی غمخوار بھی تو ہو
دم بھر کے واسطے وہ مرا یار بھی تو ہو

رحمت ہے اسکی عام نہیں خاص ہے مگر
دنیا میں کوئی مجھ سا گنہگار بھی تو ہو

جور بتاں کا ایک زمانہ ہے داد خواہ — لیکن وہ روز حشر کا دربار بھی تو ہو
حاصل مجھے ہو قند مکرر کا کیا مزہ — اُنکی مری ہم کبھی تکرار بھی تو ہو
کیا ہم کسی سے رازِ حقیقت بیاں کریں — عرفانِ حق سے کوئی خبردار بھی تو ہو
کیوں بے کہے نہ تاڑ لو عاشق کا مدعا — تم فتنۂ ہوشربا ہو عیار بھی تو ہو
بنتا ہی برہمن بت کافر کے عشق میں — اے شیخ تیری دوش پہ زنار بھی تو ہو
جلوہ کہاں نہیں ہے رُخِ رشکِ ماہ کا — دنیا میں کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو
لایا ہے ایسے دشت میں جوشِ جنونِ عشق — سر کس سے پھوڑوں میں کوئی دیوار بھی تو ہو
یوسف جمال سیکڑوں بازارِ مصر میں — کوئی کسی کا مفت خریدار بھی تو ہو
یادِ بتاں سے کون ہے خالی جہان میں — ذکرِ خدا کرے کوئی بے کار بھی تو ہو
سُنتا نہیں خدا کسی بیکس کی سب غلط — کوئی بتوں کے ظلم سے بیزار بھی تو ہو
ناصح بجا ہے آپ کا کہنا مگر ہے شرط — رندوں میں کوئی نام کو ہشیار بھی تو ہو
عاشق بنا ہی دوستی اپنی تمام عمر — لیکن کوئی حسین وفادار بھی تو ہو
پھر اور بدگمانِ غلط کیا کروں عبث — دل کے چُرانے سے اُسے انکار بھی تو ہو
وعدہ خلاف کیا کہوں غیروں کے سامنے — عہدِ وفا سے یار کو اقرار بھی تو ہو
تسلیم چُپ ہیں کس سے کہیں ہم فسونِ عشق — محفل میں کوئی محرمِ اسرار بھی تو ہو

حیراں ۔ جناب محمد صادق صاحب تلمیذ ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل

تیری خوشی ہے شیخ تو پڑھلوں گا میں نماز — پیشِ رکوع و سجدہ درِ یار بھی تو ہو
معشوق پن کی آن ہو پیدا دگر کی شان — نازک کمر میں ہلکی سی تلوار بھی تو ہو
حیراں شبِ فراق کے صدمے سے آجکل — کیا بن رہی ہے دم پہ کچھ اظہار بھی تو ہو

شیدا ۔ جناب حافظ محمد عبد الحمید صاحب مرادآبادی تلمیذ جناب رضوان صا

عشقِ مجازی دل میں سمایا تو کیا ہوا — دل میں مرے غمِ شہِ ابرار بھی تو ہو
بے چین ہوں فراقِ شہِ دیں میں الخدا — اِک دن وصالِ احمدِ مختار بھی تو ہو
ت نہ بھیجے آپ پہ کس طرح سے درود — مولیٰ ہو جاں پناہ ہو غمخوار بھی تو ہو

خورشید ۔ جناب قاضی غیاث الدین صاحب سکندرآبادی

وعدہ پہ ہاں کے ساتھ کچھ انکار بھی تو ہو
فرصت ہو جس میں شرط وہ اقرار بھی تو ہو

رنجش کی گفتگو میں ذرا پیار بھی تو ہو
لڑنیکے بعد صلح کا اظہار بھی تو ہو

پہنچے اے نگاہ ناز ادھر وار بھی تو ہو
نوک سناں جگر کے ذرا پار بھی تو ہو

ناخوش ہو عاشقوں سے اکیلے ہے تو کیا
معشوق ہو تو کوئی طلب گار بھی تو ہو

تنہائی میں ہے نالہ و شیون سے ہمکو کام
قسمت میں رنج و غم ہوں تو غمخوار بھی تو ہو

ہنسکر مجھے رُلاؤ وہ میٹھی چھری ہو تم
کیا دخل لب پہ تلخئے گفتار بھی تو ہو

رشک عدو کے رنج میں گذری تمام عمر
غم کی خوشی تو جب ہو غم یار بھی تو ہو

خلش ۔ جناب جگیشر پرشاد صاحب مدروی تلمیذ جناب عشرت لکھنوی

یوں تو ہمارے دل میں ہزاروں ہیں ولولے
لیکن نصیب آپ کا دیدار بھی تو ہو

کہد وں گا صاف صاف ستمگر کی داستاں
محشر میں اُنکے سامنے اظہار بھی تو ہو

کہتے ہیں لوگ حشر بھی ہے مگر غلط
مجکو نصیب یار کا دیدار بھی تو ہو

کسکو سناوں اپنی مصیبت کی داستاں
سُننے کے واسطے کوئی تیار بھی تو ہو

دل کو ہدف بنائیں گے ہم فرط شوق میں
ناوک فگن خلش نگہ یار بھی تو ہو

خلیق ۔ جناب منشی عبدالخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل دہلوی

کہتے ہیں ہمپہ مرتی ہے دنیا تو کیا عجب
ایسا کوئی جہاں میں طرحدار بھی تو ہو

یہ تو تمھاری شان تلون سے ہی بعید
انکار وصل کرچکے اقرار بھی تو ہو

کیا جاؤں پیش داور محشر میں اے جنوں
باقی مرے کفن میں کوئی تار بھی تو ہو

کبتک رہینگی آپ کی یہ لنترانیاں
باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں دیدار بھی تو ہو

دل میں ہی بیٹھ رہتا ہے رشک رقیب سا
سینہ سے کوئی تیر ترا پار بھی تو ہو

کس بات پر ہو داد طلب اے خلیق تم
کوئی غزل میں شعر مزے دار بھی تو ہو

ذاکر ۔ جناب شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا دہلوی

عاشق کا بال بال گنہگار بھی تو ہو
زلف پریشاں میں گرفتار بھی تو ہو

محروم یوں ہیں طالبِ دیدار سیکڑوں ۔۔۔ دیکھیں کدھر سے رخنہ دیوار بھی تو ہو
یوں بات مان لیں وہ ہماری تو لطف کیا ۔۔۔ اقرار کی اداؤں میں انکار بھی تو ہو
کہتے ہیں عشق میں بھی کامل نہیں ہو تم ۔۔۔ آہیں ہیں لب پہ زردی رخسار بھی تو ہو
ظلم و ستم کے بانی ہیں بیشک بتانِ ہند ۔۔۔ آزار دینے والوں میں دلدار بھی تو ہو
بچکر مری گلی سے جو نکلے تو فائدہ ۔۔۔ وہ گھر میں آئیں۔ طالع بیدار بھی تو ہو
مانیں گے پارساؤں میں ذاکر کو یوں نہ ہم ۔۔۔ مسجد کو جائیں جبّہ و دستار بھی تو ہو

رسا۔ جناب مولوی محمد حبیب بخش صاحب وکیل عدالت و شاعر دربار رامپور

کرتا ہوں نذر قدر دلِ زار بھی تو ہو ۔۔۔ کھوٹے کھرے کو چشمِ خریدار بھی تو ہو
یارب ترا اکرم ہے گنہ گار پر ضرور ۔۔۔ لائق ترے کرم کے گنہ گار بھی تو ہو
کیونکر کہیں کسی سے محبت کا راز ہم ۔۔۔ یہ داستان قابلِ اظہار بھی تو ہو
اُن سے شکایتِ ستم نا روا عبث ۔۔۔ دُور اپنے دل سے لذتِ آزار بھی تو ہو
موجود میرا دل بھی ہے حاضر جگر بھی ہے ۔۔۔ سیدھی کہیں ادھر نظرِ یار بھی تو ہو
ہم بھی فغاں سے باز نہ آئینگے اب کبھی ۔۔۔ آزار دینے والوں کو آزار بھی تو ہو
کہتے ہیں لاکھ بار تصور میں آئیں ہم ۔۔۔ کوئی ہمارا دل سے طلبگار بھی تو ہو
ہم سے تغافل اور کرم ہے رقیب پر ۔۔۔ تم جتنے بے خبر ہو خبردار بھی تو ہو
بہرِ عیادت آئے وہ میری تو یہ کہا ۔۔۔ دیکھیں کسی کو کیا کوئی بیمار بھی تو ہو
عذرِ وصال کرکے مجھے قتل کیجئے ۔۔۔ اِنکار ہے تو ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو
مدت ہوئی کہ سر کو جھکائے ہوئے ہیں ہم ۔۔۔ قاتل ہمارے قتل پہ طیار بھی تو ہو
ممکن نہیں نہ راہ پر آئے وہ سنگدل ۔۔۔ تاثیر مجھ میں آہِ شرربار بھی تو ہو
تمکو کریں وہ قتل تو اچھا ہے اے رسا ۔۔۔ جینے سے تنگ جان ہے بیزار بھی تو ہو

رحمت جناب محمد رحمت اللہ صاحب بلند شہری تلمیذ جناب ناظر سکندرآبادی

وہ ہر جگہ ہے کوئی طلب گار بھی تو ہو ۔۔۔ دیکھے جو اسکو واقفِ اسرار بھی تو ہو
ساقی پیمانہ بھی ہے مینا بھی ابر بھی ۔۔۔ لیکن بغل میں کوئی طرحدار بھی تو ہو

آنکھیں کھلی ہوئیں ہیں مری بعد مرگ بھی
اس طرح کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

کیا وجہ مجھ سے آپ بگڑ بیٹھے خود بخود
کچھ بات بھی تو ہو کوئی تکرار بھی تو ہو

کیونکر نہ رکھوں اپنے جگر سے لگا کے میں
داغ فراق یار سا غمخوار بھی تو ہو

محفل میں غیر کیوں نہ ہو اس گلبدن کے پاس
جس شاخ میں ہو پھول وہاں خار بھی تو ہو

کہتے ہو تم کہ دل نہیں ملتا ہمیں ۔ غلط!
دل تو ہزار کوئی طلبگار بھی تو ہو

سلیمان ۔ جناب منشی محمد حسین صاحب مرادآبادی تلمیذ جناب رضوان مرادآبادی

محشر بپا ہو ناز کی رفتار بھی تو ہو
فتنہ جو سو رہا ہے وہ بیدار بھی تو ہو

بلبل بھی چہچہاتے ہیں گل بھی ہیں خندہ زن
وہ مست ناز رونق گلزار بھی تو ہو

ای خضر تیرے آب بقا میں ہو تب مزہ
اُس میں کسی کا شربت دیدار بھی تو ہو

لخت جگر ٹپکتے ہیں آنسو کی ہے کمی
ٹکڑوں میں لعل کے در شہوار بھی تو ہو

اے خضر تب ہے بادیہ پیمائی کا مزہ
چھالوں میں پاؤں کے خلش خار بھی تو ہو

کہتے ہیں وہ کہ قتل تجھیں کیوں نہ کیجئے
بوسہ لیا تھا تم نے گنہگار بھی تو ہو

جس دل میں درد ہی نہیں اس کا علاج کیا
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

لایا ہے شوق کھینچ کے بازار عشق میں
سر بیچتا ہوں میں وہ خریدار بھی تو ہو

لکھو مشاعرے کی سلیمان تم غزل
شاعر ہو خوش کلام ہو طرار بھی تو ہو

شبیر ۔ عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید نواب صاحب بہادر خلد آشیاں مسور

کہتے ہو جان سے کوئی بیزار بھی تو ہو
کوئی کسی کے قتل پہ تیار بھی تو ہو

دنیا میں دل ہیں سیکڑوں دلدار بھی تو ہو
سودے کی کیا کمی ہے خریدار بھی تو ہو

میری دوا ہو کیا کوئی آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

لاکھوں حسیں ہیں چشم زلیخا مگر نہیں
یوسف بہت ہیں مصر کا بازار بھی تو ہو

ترچھی نظر نے کسکو کیا قتل آج تک
تلوار نام کی ہے ۔ یہ تلوار بھی تو ہو

جلوہ ہزار بار نظر آ گئے طور پر
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

بے پردہ آپ بیٹھے ہیں پردہ کا نام ہے
جب جانیں بند روزن دیوار بھی تو ہو

پیدا ہو سُننے والا تو ہو درد دل بیاں
میں حالِ غم کہوں کوئی غمخوار بھی تو ہو

جب تک خلش نہ ہو تو مزا کیا ہی عشق کا
چُبھتا ہوا سا دل میں کوئی خار بھی تو ہو

دیوانہ دیکھکر مجھے ناصح نے کہدیا
سمجھاؤں میں کسے کوئی ہشیار بھی تو ہو

رونے پہ میرے کیوں نہ ہنسیں ہمنشیں
اُنکو یہ اضطراب یہ آزار بھی تو ہو

کیا جانے غیر درد محبت کی لذتیں
کمبخت کو نصیب یہ آزار بھی تو ہو

بیکار دل کے دینے کی شرطوں پہ ہو خفا
انکار کب کیا ہی جب انکار بھی تو ہو

شبیر اُس کا نام غفور الرحیم ہے
اُمیدوار رحم گنہ گار بھی تو ہو

شائق۔ جناب بابو رام سہائے صاحب ازسنگی گلی آگرہ تلمیذ جناب شیدا دہلوی

دلکو بتوں کے عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

وہ بخش دیگا کوئی گنہگار بھی تو ہو
رحمت کا اُس کی کوئی سزاوار بھی تو ہو

بیجا ہے اُنکی ابروے خمدار کا گلہ
عاشق کے قتل کو کوئی تلوار بھی تو ہو

ہم سر جھکائے بیٹھے ہیں جھگڑا چکے کہیں
تیغ نظر کا یار کوئی وار بھی تو ہو

کانوں سے تو سنی ہی ہمیشہ صدائے یار
آنکھوں کو آرزو ہے کہ دیدار بھی تو ہو

دل لیلیا ہی جان بھی حاضر ہے لیجئے
تم میری جان و مال کے مختار بھی تو ہو

وہ جور و ظلم کرتے ہیں ہم جان و دل نثار
سفاک اُن سا ہم سا وفادار بھی تو ہو

بازار حسن و عشق میں شائق کی ہے صدا
دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو

شمیم۔ جناب بابو چھیتر مل صاحب بھر تپوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

محوِ خیالِ چشم فسونکار بھی تو ہو
دل کو سرور بادۂ گلنار بھی تو ہو

رہ رہ کے یادِ ابروے خمدار بھی تو ہو
کانٹا جگر کا خنجر خونخوار بھی تو ہو

دل کا بقدر جنس خریدار بھی تو ہو
جیسا ہی مال ویسا طلبگار بھی تو ہو

کامل ہیں دونوں ہی عطا و خطا میں آج
تجھسا غفور مجھ سا گنہگار بھی تو ہو

دل جلوہ گاہ طور بنے ہر نظر کے ساتھ
موسیٰ کی طرح طالب دیدار بھی تو ہو

گردن جھکائے بیٹھے ہیں تلوار کھینچئے
قاتل یونہی بنے ہو کوئی وار بھی تو ہو

محشر بپا کرے گا جوانی میں دیکھنا — اعجازِ حُسن سے وہ خبردار بھی تو ہو
کعبہ سے لوٹ آئیں ابھی شیخ و مجتہد — حسنِ بتاں کی گرمیِ بازار بھی تو ہو
راحت کبھی کسی کی گوارا نہیں اسے — پیرِ فلک سا کوئی ستمگار بھی تو ہو
ہاں جھوٹ موٹ ہی سہی بندھ جائے کچھ اُمید — انکار لاکھ بار ہے اقرار بھی تو ہو
برباد کیوں ابھی سے غبارِ شمیم ہے — زلفِ پریشاں میں گرفتار بھی تو ہو

شاطر۔ جناب لبیلی رام صاحب سب انسپکٹر آف ورکس خوشحال گڈھ

آمادہ قتل پر وہ ستمگار بھی تو ہو — سر بیچتا ہوں کوئی خریدار بھی تو ہو
کیا لطف ہو جو قتل کرو منہ چھپا کے تم — ہم یہ کہیں کہ آخری دیدار بھی تو ہو
ناصح اُٹھا مزے تو کسی سے لگا کے دل — اُلفت کے دام میں تو گرفتار بھی تو ہو

صبر۔ جناب محمد اسمٰعیل خانصاحب رامپوری ملقب بہ بلبل التسلیم تلمیذ جناب تسلیم

ساغر ہی۔ مے ہے۔ شیشہ ہے۔ گلزار بھی تو ہو — جب لطفِ میکشی ہے کہ وہ یار بھی تو ہو
یوں پوچھنے کو پوچھتے ہیں حال سیکڑوں — کسکو بتاؤں میں کوئی غمخوار بھی تو ہو
کیوں جاؤں بیچنے دل سربازارِ مہوشاں — یوسف کا میرے کوئی خریدار بھی تو ہو
سوتا رہا نصیب نہ جاگا بہت کہا — دو دن کیو اسطے کبھی بیدار بھی تو ہو
مدت سے سُن رہے ہیں یونہی لن ترانیاں — مانا نہ تاب لائیں گے دیدار بھی تو ہو
جیتا رہوں نہ کس لیے اپنی اُمید پر — اقرارِ وصل سے اُنھیں انکار بھی تو ہو
سب دیکھتے ہیں جلوۂ شانِ خدا کو شیخ — عشقِ بتاں سے کوئی گنہگار بھی تو ہو
عارِ جفا کے بعد یہ کیا سنکے کہہ دیا — کس سے نباہیں کوئی وفادار بھی تو ہو
جب خود نہ آسکے تو مجھے کرلیا طلب — اک سہل بات ہے کوئی دشوار بھی تو ہو
اس طرح رودادِ جفا کیا کہوں خدا — جب ہو مزہ کہ وہ بتِ عیار بھی تو ہو
اے دل تری خطائیں ہیں تیرے قصور ہیں — کیوں میں ستم کہوں وہ ستمگار بھی تو ہو
اللہ نے دیا ہے جو حسنِ جہاں فروز — اب دلفریب خوبیِ گفتار بھی تو ہو
ناحق وہ کہتے ہیں کہ مسیحا نہیں ہوں میں — جینے کا اپنے کوئی طلب گار بھی تو ہو

جب مَیں نے پوچھا غیر کا کیا کام ہے یہ گھر
فرمایا گل جہاں ہو وہاں خار بھی تو ہو

مقتل میں تیغ باندھکے آئے ہو کسلیئے
جانباز سیکڑوں ہیں کوئی وار بھی تو ہو

او حشر ڈھانے والے قیامت میں فتنہ گر
دل چھیننے کو مائل رفتار بھی تو ہو

ای صبر اب بھی سیکڑوں ہیں صاحب کمال
لیکن ہنر کا کوئی طلب گار بھی تو ہو

طالب - جناب جان محمد صاحب از لاہور - بازار انارکلی

ابرو کی جنبشوں کا کوئی وار بھی تو ہو
عاشق کے قتل کرنے کو تلوار بھی تو ہو

فرہاد و قیس آج بھی ہو جائیں سیکڑوں
الفت کے نشۂ میں کوئی سرشار بھی تو ہو

دوزخ امان مانگتی ہے مجھ سے باربار
مجھ سا جناب کوئی گنہ گار بھی تو ہو

طالب - جناب محمد عبدالرحمن صاحب رامپوری تلمیذ جناب رسا

تقصیر کرکے پہلے خطاوار بھی تو ہو
رحمت کا کوئی اُسکی طلب گار بھی تو ہو

کیونکر نہ دم تمھاری محبت کا ہم بھریں
معشوق کوئی تمسا طرحدار بھی تو ہو

جب حال دل سُنا تو ستمگر نے یہ کہا
حالت سے تیری کوئی خبردار بھی تو ہو

ٹھکرا کے میری قبر کو یہ ناز سے کہا
کب تک رہے گا خواب میں بیدار بھی تو ہو

دل سے عزیز کیوں نہ رکھوں اُسکے تیر کو
کوئی شب فراق میں غمخوار بھی تو ہو

تیغ نظر سے قتل تو کرتے ہو تم مگر
جب لطف ہے کہ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

رحمت کو تیری ناز ہے میرے قصور پر
اللہ کوئی ایسا گنہگار بھی تو ہو

عاصی - جناب محمد صدیق صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق دہلوی

پیدا جہاں میں عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

چھنے ہیں پائے ناز میں جھانجن تو آپنے
محشر بپا ہو جس سے وہ جھنکار بھی تو ہو

ای جان سوال وصل پہ چپکیں ہو جب مجھے
انکار گر ہے لب پہ تو اقرار بھی تو ہو

پینے کا لطف ساقیا جب ہے بہار میں
گلشن بھی ہو گھٹا بھی ہے وہ یار بھی تو ہو

قصۂ شب فراق کا کسکو سنائیں ہم
دشمن ہیں سب کے سب کوئی غمخوار بھی تو ہو

عاصی - جناب منشی محمد یحییٰ علی صاحب کاکوروی ڈگری نویس مرادآباد

دل آپ کو نہ دوں تو بھلا اور کسکو دوں
ایسا کوئی حسین طرح دار بھی تو ہو

ٹکرا کے سر مکاں کو بیاباں بنا دیا
آخر کس سے پھوڑیں سر در و دیوار بھی تو ہو

کیونکر ڈرے نہ مجھ سے بلائے شب فراق
مجھسا سیاہ بخت و سیہ کار بھی تو ہو

دل لیجئے میں شوق سے دیتا ہوں آپکو
اک بوسے کا زبان سے اقرار بھی تو ہو

سرمہ لگا کے کیجئے تیغ نگہ سے قتل
ہتھیار تو جبھی ہے کہ کچھ دھار بھی تو ہو

کلیم۔ جناب حفظ الکبیر صاحب ڈرامیٹسٹ۔ از بھوپال

قصہ سنائیں کیا لبِ اظہار بھی تو ہو
اپنا جہان میں کوئی غم خوار بھی تو ہو

ہر چند ہے نگاہِ کرم میرے حال پر
ملتے ہو دشمنوں سے خطاوار بھی تو ہو

میں سخت جاں نہیں ہوں کیا خوف ہے مجھیں
خنجر تلا ہوا ہے۔ مگر وار بھی تو ہو

آئی بہار چھائی گھٹا میکشوں چلو
ایسے میں گرم خانۂ خمار بھی تو ہو

کاشف جناب منشی محمد کاشف صاحب ڈرامین۔ تلمیذ جناب وجاہت صاحب

اِک روز مجھ سے کام کی گفتار بھی تو ہو
اِنکار کرتے رہتے ہو اقرار بھی تو ہو

شوریدہ سری قیس وہاں کیا رہیگا وہ
سر پھوڑنے کو دشت میں دیوار بھی تو ہو

ہر منہ سے بول اُٹھنے کو تصویر یار کی
تھوڑی سی اس میں خوبیٔ گفتار بھی تو ہو

جلوہ دکھانے میں نہیں کچھ عذر یار کو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

عشقِ بتاں میں شیخ ہے کافر برائے نام
قشقہ جبیں پہ دوش پہ زنار بھی تو ہو

مَیں کیا کہوں خدا کی خدائی ہے منحرف
محشر میں کوئی میرا طرف دار بھی تو ہو

کاشف کے ہاتھ ڈال دو گردن میں اپنی تم
ہو ناز نیں گلے میں کوئی ہار بھی تو ہو

کمال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب لکھنوی خلف الرشید و جانشین حضرت جلال لکھنوی

زخموں میں یاد جلوۂ رخسار بھی تو ہو
گلزار میں کھِلا ہوا گلزار بھی تو ہو

دل میں خیالِ ابروئے خمار بھی تو ہو
در پردہ اپنے ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

بگڑے کسی سے وصل میں تکرار بھی تو ہو
اِقرار ہو چکے ہیں کچھ انکار بھی تو ہو

دو چار آرزوئیں کہیں دل کی کس طرح
اپنی نگاہ اُن سے کبھی چار بھی تو ہو

خود کھینچ کے مجکو ذبح کرے دیکھنا ہو گئیں
جو میری آرزو ہے وہ تلوار بھی تو ہو

ای دشتِ آرزو تجھے دامن تو مل گیا
اُلجھے گا کون اِس سے کوئی خار بھی تو ہو

پی پیجے جام بیخود و غافل نہ ہو ہر اک
ساقی کے دَور میں کوئی ہشیار بھی تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے پوچھتا ہی طبیعت بٹھا کے دل
فرقت میں درد سا کوئی غمخوار بھی تو ہو

تیری کشیدگی مجھے وحشت میں یاد کے
سر پھوڑنے کو سایۂ دیوار بھی تو ہو

مطلوب بن کے اپنا طلب گار کر لیا
ایسا کوئی کسی کا طلب گار بھی تو ہو

چھوٹے ہوئے پہ ہم سے تعلق ہی یہ تھیں
آزاد ہی نہیں ہو گرفتار بھی تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے راہ میں نہ قیامت ہو پائمال
سنبھلی ہوئی کبھی تری رفتار بھی تو ہو

کس پر گراؤں برق تجلی ہیں ناز سے
کہتے ہیں کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

اُس چشم نیمخواب نے افشا کیا یہ راز
سونے کی یہ صفت ہی کہ بیدار بھی تو ہو

دامن کشی کا قصد ہو کیا وصل میں کمال
دست ہوس کا کوئی مددگار بھی تو ہو

کاوش۔ جناب محمد شاہ خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت جلال لکھنوی نور اللہ مرقدہ

دل اُٹھ کے محو جلوۂ رخسار بھی تو ہو
سویا تمام رات ہے بیدار بھی تو ہو

کیونکر نہ توڑ توڑ کے اس کو بنائیں ہم
مضبوط کچھ خیال کی دیوار بھی تو ہو

پھر رنگ تو دکھائے مری صبح آرزو
بختِ سیہ سے ملکے شبِ تار بھی تو ہو

ارمان دل کے ایک اشارے میں قتل ہوں
ترچھی نگاہ آپ کی تلوار بھی تو ہو

ارمان ہوں جو دل میں تو ہو یاس کا گزر
ہوں پھول جس جگہ خلشِ خار بھی تو ہو

جو دلمیں رنجشیں ہیں بدل جائیں لطف سے
جو ہے جفا پسند وہ غمخوار بھی تو ہو

کاوش خدا کے سامنے رو نیکو شرم سے
اعمالِ بد کے ساتھ گنہگار بھی تو ہو

قبیس۔ جناب ہدایت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

میری طرح رقیب وفادار بھی تو ہو
یاری کی اس میں شان ہو دو یار بھی تو ہو

پاؤں کے آبلے میں کوئی خار بھی تو ہو
قسمت میں اِسکی لذتِ آزار بھی تو ہو

پینے کو جب ملیگی تو دل بھی رہیگا خوش
جنت میں ایک خانۂ خمار بھی تو ہو

سنکر سوالِ وصل کا انکار سنو کیے
بھولے سے ایک مرتبہ اقرار بھی تو ہو

جنگل میں لیکے آئی ہے وحشت مجھے تو کیا
سر پھوڑنے کو چاہیئے دیوار بھی تو ہو

دُکھ درد کو سمجھتے ہیں بید رد کب مرض
بیمار کو وہ کہتے ہیں بیمار بھی تو ہو

لیجاؤں دل کو بیچنے بازار مصر میں
یوسف جمال کوئی خریدار بھی تو ہو

ملنے کا وعدہ کرلیا میں مطمئن ہوا
تاہم کب آپ آئیں گے اقرار بھی تو ہو

دیوانگی یہ قیس کی آتا نہیں ترس
سب ہیں ہنسی کے بگڑی کا اک یار بھی تو ہو

قمر۔ جناب شیخ محمد شریف صاحب ڈرافسمین بٹالوی تلمیذ جناب سار امپوری

دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو
اس مال کا جہان میں طلبگار بھی تو ہو

پھنس جائے اُسکا دل بھی ہماری طرح کہیں
اُلفت کے راز سے وہ خبردار بھی تو ہو

کیوں آج ہی حجاب میری جان شبِ وصال
اُٹھو ذرا نقاب کہ دیدار بھی تو ہو

غش آگیا تھا حضرتِ موسیٰ کو طور پر
ایسی کسیکو حسرتِ دیدار بھی تو ہو

مبہوت بن گیا ہوں میں دیکھکے اُس بت کی شکل کو
اَب کیا کہوں کہ طاقتِ گفتار بھی تو ہو

کسکو منانے آیا ہے اب اے قمر وہ شوخ
تربت کا میری اَب کوئی آثار بھی تو ہو

قنبر۔ جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

جلنا بزیر خنجر خونخوار بھی تو ہو
عاشق کو عشق ابروے خمدار بھی تو ہو

تم اِن نزاکتوں سے مجھے کیا کروگے قتل
قبضہ میں ہاتھ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

برقِ جمال دیکھنے کی تاب چاہیے
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی تو ہو

رحمت خدا کی حشر میں کہتی ہے چار سُو
بخشش کا خواستگار گنہگار بھی تو ہو

در پردہ بت پرستی کسی کام کی نہیں
قشقہ جبیں یہ دوش پہ زنار بھی تو ہو

فتنے قدم قدم پہ رہیں لوٹتے ہوئے
اے حشر۔ امتیاز۔ یہ رفتار بھی تو ہو

یوں ہو پری دلوں تو ہوئی ہے نہ ہوگی چاہ
اُلفت بھی ہو نباہ بھی ہو پیار بھی تو ہو

قنبر چھپائے سے بھی جو ہو جائے آفتاب
یوں دلمیں عشق حیدر کرار بھی تو ہو

قتیل۔ جناب مرزا محمود بیگ صاحب حروف ساز دہلی

پورا کسیکو عشق کا آزار بھی تو ہو ۔۔۔ عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو
پردہ نشیں ندیدہ ہوں مدت سے دید کا ۔۔۔ تو بے نقاب سامنے اکبار بھی تو ہو
ای شیخ کیوں میں دلکو لگاؤں بحر حبیب ۔۔۔ جنت میں کوئی ایسا طرحدار بھی تو ہو
ہر ہر قدم پہ فتنۂ محشر بپا کرے ۔۔۔ ایسی کسیکی چلبلی رفتار بھی تو ہو
میرا ہی دل ملا ہے جلانیکو اک تمھیں ۔۔۔ کشتہ مری طرح کوئی اغیار بھی تو ہو
سائل تمھارے وصل کا مدت سے تھا قتیل ۔۔۔ بیباک مجھسا دیکھو طلب گار بھی تو ہو

قسطاس - جناب حکیم سید علی الکریم صاحب عرف حکیم عبد الکریم تلمیذ جناب رضوان

محو بہار عارض دلدار بھی تو ہو ۔۔۔ مدہوش چشم ساقی سرشار بھی تو ہو
پیکر شراب عشق کو سرشار بھی تو ہو ۔۔۔ پیر مغاں کا دل سے پرستار بھی تو ہو
منزل کو طے کرے وہ یہ رفتار بھی تو ہو ۔۔۔ لے شوق تیز تر تر رہوار بھی تو ہو
ترک تعلقات کا پھر نام لیجیو ۔۔۔ اپنے پرائے سے ذرا بیزار بھی تو ہو
تیر نگاہِ یار پہ دونوں ہیں لوٹ پوٹ ۔۔۔ اس دل سے اس جگر سے کہیں پار بھی تو ہو
رہتے ہیں یوں تو ہجر میں عاشق ہزار ہا ۔۔۔ لیکن مری طرح کوئی خونبار بھی تو ہو
تکیہ کلام جس کا انا الحق ہو دوستو! ۔۔۔ منصور کی طرح وہ سر دار بھی تو ہو
رہتی ہے یہ تصور جاناں سے گفتگو ۔۔۔ اس دردمند کا کوئی غمخوار بھی تو ہو
بیوجہ دل میں کیسے جگہ دوں میں غیر کو ۔۔۔ معشوق کوئی تجھ سا طرحدار بھی تو ہو
پھرتے ہیں تیری آنکھوں کے متوالے سیکڑوں ۔۔۔ سرشار مجھ سا پر کوئی میخوار بھی تو ہو
جانے سے گھر میں غیر کے روکوں میں کس طرح ۔۔۔ قابو میں اپنے وہ بت عیار بھی تو ہو
ٹھانی ہے دل میں بھیجدوں دہلی کو یہ غزل ۔۔۔ جنس نفیس رونق بازار بھی تو ہو
قسطاس کس سے میں کہوں حال دل حزیں ۔۔۔ اس دردمند کا کوئی غمخوار بھی تو ہو

مجرم - جناب محمد ذکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق صاحب دہلوی

ایجاں سوال وصل پہ بس ہو چکی نہیں ۔۔۔ انکار بار بار ہے اقرار بھی تو ہو
مانا ہزار تم سے جفا کار ہیں مگر ۔۔۔ مجھ سا جہاں میں کوئی وفادار بھی تو ہو

قاتل تہیہ قتل کا تونے کیا ہے گر
خنجر کمر میں ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

دل تو ہزار دیتے ہیں بازارِ حسن میں
ہم جان بیچتے ہیں خریدار بھی تو ہو

اُلفت کی آرزو تو بہت ہی ہمیں مگر
کس سے لگائیں دل کوئی دلدار بھی تو ہو

دیکھینگے ترچھی ترچھی نگاہوں سے کبتک آپ
تیر نظر جگر کے کہیں پار بھی تو ہو

کیونکر نہ عفوِ جرم کی ہر دم ہو پھر طلب
مجرم سے بڑھکے کوئی گنہگار بھی تو ہو

محروم۔ جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیلخاں

لاکھوں ہیں دلربا کوئی دلدار بھی تو ہو
غم دیجیے بہت کوئی غمخوار بھی تو ہو

فریادیں تو ہیں مرے زخم جگر کریں
اُس بزم میں جازتِ گفتار بھی تو ہو

قسمیں نہ بار بار دلائیں تو کیا کریں
اقرار سا کوئی ترا اقرار بھی تو ہو

افسوس ہے کہ ساتھ تمھارے نہیں ہوں
موجود گل جہاں ہے وہاں خار بھی تو ہو

محروم لاجواب ہے یہ مصرعہ اسیر
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

مشتاق۔ جناب محمد مرزا صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب بدر اکبر آبادی

دل محوِ عشق کاکل دلدار بھی تو ہو
مہمان تیرے گھر میں شب تار بھی تو ہو

پھیرا نہ منہ تجلی پروردگار سے
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

موتی بہائے گوہر دنداں کی یاد میں
ایسی کسی کی چشم گہربار بھی تو ہو

جس سے ملائی آنکھ اُسے اپنا کرلیا
خوش چشم کوئی تجھ سا فسونکار بھی تو ہو

لائے ازل سے داغِ جگر اپنے ساتھ ہم
ہم سا کوئی جہاں میں زردار بھی تو ہو

ایکدن اُنھیں کبھی نہ کبھی آئیگا خیال
مشتاق اُن سے وصل کا اظہار بھی تو ہو

مشتاق۔ جناب ابو اللطف محمد عبد اللطیف خانصاحب تلمیذ حضرت رسا

گردن جھکائیں تو سہی تلوار بھی تو ہو
کشتوں میں ہوں شمار کہیں وار بھی تو ہو

وہ ہوں تو ساتھ غیر سیہ کار بھی تو ہو
گل ہو تو ہے ضرور کوئی خار بھی تو ہو

کہتا ہے سیفروش کہ کیونکر ہو اعتبار
سر پر تمھارے شیخ جی دستار بھی تو ہو

کیا فائدہ جو آیا بدھر سے اُدھر رہا
تیر نظر جگر کے مرے پار بھی تو ہو

زاہد خدا کے واسطے ہم کو نہ کھینچ ساتھ
مسجد کے پاس خانۂ خمّار بھی تو ہو

مشتاق! کیا ہے؟ گر کہی اک غزل جواب
کچھ بات فکر کی نہیں بیمار بھی تو ہو

نادر۔ جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

جنس گراں کا کوئی خریدار بھی تو ہو
یوسف اگر ہو گرمیٔ بازار بھی تو ہو

دشمن کو ساتھ لا کے جتاتے ہیں یہ مجھے
گل کے قریب چاہیئے اک خار بھی تو ہو

افواہ عام کا نہیں کچھ دل کو اعتبار
سُننے میں جس کی دھوم وہ دیدار بھی تو ہو

بارش کے ساتھ برق کا ہونا ضرور ہے
اشکوں کے ساتھ آہِ شرربار بھی تو ہو

یہ کیا؟ جھلک دکھاتے ہی مُنہ کو چھپا لیا
جلوے کی طرح جلوۂ دیدار بھی تو ہو

ہشیار کر کے سامنے تشریف لایئے
مشتاقِ دید۔ دید کو تیار بھی تو ہو

ہوتی ہے پوچھ گچھ مری ہنگامِ جور و ظلم
میری طرح سے پرسشِ اغیار بھی تو ہو

اک طرفہ فیصلہ تو ہے انصاف کے خلاف
ہو مدعی جو پیش خطاوار بھی تو ہو

بے التفات کہتا ہے نادر عبث انھیں
مطلب کا اپنے مُنہ سے طلبگار بھی تو ہو

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ جناب قمر صاحب بدایونی

بے لطفیوں میں لطف کا اظہار بھی تو ہو
ہر وقت ہے بگاڑ کبھی پیار بھی تو ہو

مقتل میں کوئی سر سے سبکبار بھی تو ہو
خنجر تمہارے ہاتھ میں ہے وار بھی تو ہو

اُس سے کہوں میں حالِ دلِ زار کس طرح
مجھ ناتواں میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو

ہم تو خوشی سے ناز اُٹھائیں ستم سہیں
لیکن کوئی حسین طرحدار بھی تو ہو

ہو جائیگی کبھی نہ کبھی دید بھی نصیب
اے چشمِ شوق طالبِ دیدار بھی تو ہو

مجھ پر ہی کیوں نزولِ بلا عمر بھر رہے
شامِ فراق حصۂ اغیار بھی تو ہو

سفاک میرا خون بہانے کے واسطے
ترکش میں تیر ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

صورت ہے دلفریب تو آنکھیں ہیں سحر فن
تم دلبری کے ساتھ فسوں کار بھی تو ہو

ممکن ہے عفوِ جرم کی تدبیر بھی۔ مگر
دل میں اُمیدِ رحمتِ غفار بھی تو ہو

یہ کیا کہ دیکھتے ہو کن انکھیوں سے ہر گھڑی
تیرِ نگاہ دل سے کبھی پار بھی تو ہو

رضوان عالیجناب محمود ختر نواب حاجی محمد رضوان علیخانصاحب رئیس مرادآباد و یادگار مرزا غالب

درماں ہزار ہا ہیں کچھ آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

ساقی بھی ہے چمن بھی ہے۔ کالی گھٹا بھی ہے
تب لطف میکشی ہے وہ میخوار بھی تو ہو

ہنگامہ گرم طور و تجلّی کا ہے ہنوز
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی تو ہو

کچھ ہم بھی اُس سے لذتِ نظارہ پوچھتے
بیخود جمالِ یار کا ہشیار بھی تو ہو

دل میں ہے گھر رقیب کا کردوں جلاکے خاک
نالوں کے ساتھ آہِ شرربار بھی تو ہو

زخموں میں یار ہیں کے بھرتا تو ہے نمک
تھوڑا سا اُس میں شورۂ زنگار بھی تو ہو

ہم امتحان آبلہ پائی کا دیں ابھی
راہِ طلب میں وادیٔ پُرخار بھی تو ہو

جاری ہیں اشک سیکڑوں اک لختِ دل نہیں
اِس قافلہ کا قافلہ سالار بھی تو ہو

راہِ طلب جو طے ہو ملے آستانِ یار
آسان ہماری منزل دشوار بھی تو ہو

ہیں مستحقِ رحمتِ حق اہلِ معصیت
ہر بے گنہ سے کہدو گنہگار بھی تو ہو

یکتائی کا جو دعویٰ ہے صورت نہ پھر دکھائے
وہ چہرہ آئینہ میں نمودار بھی تو ہو

ٹکرانے سر کو قیس کہاں جائے الحذر
جنگل میں نجد کے کوئی دیوار بھی تو ہو

کہتی ہیں چشمِ یار سے اُس لب کی جنبشیں
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

زلفیں ہٹیں تو وہ رخِ تاباں نظر پڑے
اِن بادلوں سے چاند نمودار بھی تو ہو

وعدہ ہی جب کیا نہیں ایفارِ وعدہ کیا
اِس میں ہے گفتگو دہنِ یار بھی تو ہو

لینا ہے دل میں شوقِ شہادت کا چٹکیاں
قاتل کے ہاتھ میں کوئی تلوار بھی تو ہو

رضواں کمال دہلی میں بھیجا کرو غزل
اُس جنسِ بے بہا کے خریدار بھی تو ہو

کمال۔ جناب حکیم سید مہدی صاحب خلف الصدق و جانشین حضرت جلال مرحوم

راحت رساں ہو درپئے آزار بھی تو ہو
دلدار ہی نہیں ہو ستمگار بھی تو ہو

ل آپکی غزل بوجہ دیر میں وصول ہونیکے خلافِ ترتیب درج ہوئی ۱۲ س ل جناب سید مہدی حسن صاحب کمال لکھنوی کی غزل بھی بعد ترتیب رسالہ وصول ہوئی لہذا اخیر میں بلا پابندی انتخاب شائع کیجاتی ہے۔

آیندہ سے نامی شعرا رہنمہ اسرا شعار خود ہی انتخاب فرماکر بھیجا کریں۔ کیونکہ ۱۷۔ اشعار سے زائد شائع کرنا گلدستہ کے قاعدے کے خلاف ہے۔ ایڈیٹر۔

در پردہ محوِ حسرتِ دیدار بھی تو ہو
دلدار ہی نہیں ہو ستمگار بھی تو ہو

تم دردِ دل ہو صورتِ اغیار بھی تو ہو
آزار ہی نہیں ہو دل آزار بھی تو ہو

غمزے میں اور ناز میں تکرار بھی تو ہو
تکرار بڑھ کے وصل میں تلوار بھی تو ہو

رُک جاؤ ہم سے اور کھچو تم کہیں طرح
ناوک اگر ہو ابروئے خمدار بھی تو ہو

عاشق بنا رہا ہے تمھیں شوقِ آئینہ
اُلفت میں تم کسیکی گرفتار بھی تو ہو

جان بخش دونوں لب ہیں تو آنکھیں ہیں سحر گیں
عیسیٰ ہی تم فقط نہیں بیمار بھی تو ہو

دے اپنی جان و دل تمھیں مجھ سے مول لے
اِس طرح اور کوئی خریدار بھی تو ہو

تازہ ہوں دل کے زخم تو زخموں میں ہو خلش
گل جس طرف کھلے ہوں وہاں خار بھی تو ہو

وصلِ عدو میں میری کدورت بھی دخل پائے
اُن بیچ میں کھچی ہوئی دیوار بھی تو ہو

ہٹ جاؤ تم ادا سے کہ دم توڑتا ہوں میں
آنا قضا کا نزع میں دشوار بھی تو ہو

جلاد بن کے شاد کرو شوقِ قتل کو
بل ابروؤں میں ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

جو اس چمن میں صورتِ سبزہ ہو محوِ خواب
بچ کر نصیب غیر وہ بیدار بھی تو ہو

یہ ناز کم سنی کے قیامت کی ہیں دلیل
فتنے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہشیار بھی تو ہو

وہ پوچھتے ہیں دردِ جگر کس طرح کہیں
اے ضعف ہم میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو

ساقی بھی۔ مے بھی۔ شیشہ بھی۔ کالی گھٹا بھی ہے
ان سب کے واسطے کوئی گلزار بھی تو ہو

پھر پھر کے دیکھتی ہے ادھر رحمت اے کمال
بندہ خدا کا ایسا گنہگار بھی تو ہو

مضطر۔ عالیجناب حکیم اسد علی خاں صاحب دہلوی

ہم خودکشی کریں کوئی تلوار بھی تو ہو
دل میں خیال ابروئے خمدار بھی تو ہو

لازم ہے سوزِ ہجر کا اظہار بھی تو ہو
لب پر جلن سے آہِ شرر بار بھی تو ہو

ہر ہر قدم پہ حشر بپا ہو دمِ خرام
ایسا کسی کا فتنۂ رفتار بھی تو ہو

مرتا ہے تجھ پہ غیر یہ کہنا بجا سہی
دلدادہ تیرا جان سے بیزار بھی تو ہو

لہ عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر دہلوی۔ شہر دہلی کے نامی شعراء میں سے ہیں آپکا کلام ہر طرح استاد
رنگ کا ہوتا ہے۔ اِس غزل کو چیٹی کی رسلے ہے کہ بلا انتخاب شائع کیجائے لہذا ہم بجنسہ مگلدستہ نا ظرین کی دلچسپی کیلئے شائع

پوچھیں وہ پوچھتے ہیں مرے دل کی آرزو
مجھ ناتواں میں طاقت گفتار بھی تو ہو

بڑھ جائے اور شور قیامت میں ای فلک
شامل کسی کی شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

صورت نہ کیوں دکھاؤ دم سکتہ تحیر کو
تم ہی جہاں میں آئینہ بردار بھی تو ہو

آنکھیں بچھائیں کس کے لیئے فرش خواب
ہنگامہ زا وہ فتنہ رفتار بھی تو ہو

ضبط قلق سے اپنے ہی دم پر بنی تو کیا
ٹکڑے فغاں سے چرخ ستمگار بھی تو ہو

یہ کیا کہا زمانے میں ہیں اور بھی حسیں
سمجھا جہاں میں کوئی طرحدار بھی تو ہو

کافی ہے میرے قتل کو ظالم ادائے ناز
کسنے کہا کہ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

مجھ ناتواں کے نعش کو پھر کیا کفن کی فکر
سر پر کسی کا سایۂ دیوار بھی تو ہو

سلجھا لیا جو زلف گرہ گیر کو تو کیا
واقف سے میرا عقدۂ دشوار بھی تو ہو

ممکن نہیں کہ غیر انا الحق سرا بنے
کوئی کسی کا محرم اسرار بھی تو ہو

محشر سے ہو چکا ترا دیوانہ پائمال
طرز خرام و شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

دشمن کے دینے میں بھی نہ کچھ عذر ہو مجھے
جنس وفا کا کوئی خریدار بھی تو ہو

عیسیٰ بھی ہوں تو چارۂ مردہ دلی محال
کسکی دوا کروں کوئی بیمار بھی تو ہو

دوری بھی اُنکی پاس سے ہی پاس تر کہیں
دل میں کسی کی حسرت دیدار بھی تو ہو

زاہد کو لطف کیا جو ملے بھی مئے طہور
کوثر پہ کوئی رند قدح خوار بھی تو ہو

پھرتا ہوں شوقِ قتل میں تیغ و کفن لیئے
مرنے کو اس طرح کوئی تیار بھی تو ہو

کرتا ہے قتل اے شہ خوباں اگر مجھے
تربت فقیر کی پس دیوار بھی تو ہو

اُس رشکِ گل کے دم سے ہے آبادیٔ چمن
گلزار میں وہ غیرت گلزار بھی تو ہو

وحشت میں کیوں اڑاؤں نہ میں خاک کو بکو
رسوائی جنوں سر بازار بھی تو ہو

اُسکے بغیر بادہ کشی کا مزا نہیں
محفل میں تیری مضطر میخوار بھی تو ہو

دیگر

ظاہر نشانِ اثر ستمگار بھی تو ہو
اُس کا زمیں پہ سایۂ دیوار بھی تو ہو

ظالم ہے گر تو دشمن اغیار بھی تو ہو
وہ بات کر جو تجھکو سزاوار بھی تو ہو

وہ رشک آفتاب نمودار بھی تو ہو
پر تو فگن کبھی سر دیوار بھی تو ہو

سمجھے گا کوئی خاک پریشانیاں مری
ہو کچھ تو افتخار مجھے سلسلہ جنونِ عشق

مثل بھی راہِ عشق میں ثابت قدم رہے
ایذا طلب ہوں میرے ستانے سے مدعا

مانا کہ حسن ہے ترا برق نگاہ سوز
کیونکر نہ طے کروں رہ تسلیم سر کے بل

دیکھیے حالِ زار مرا آپ کس طرح
عرضِ طلب میں کیوں نہ کروں میں مبالغہ

پیدا کیا ہے اُس بتِ کافر سے سلسلہ
تن سے نکل کے جان ذرا تو ہی لائے

دعویٰ کسی کا چل نہیں سکتا بلا دلیل
مہر ندیم پردہ ہوں قربان کس طرح

یوسف کی ہمکو قیمتِ اول ہی کیوں نہ دے
مجکو تو کاٹنی ہے شبِ غم کسی طرح

غنچہ لبی کی دھوم نہ پھیلے چمن چمن
ہوتی ہے پا بگل کو بھی آزادگی نصیب

پیش نظر نہ ہو مرے کیوں رشک میکدہ
مرنا کسی کے ہجر میں آسان گر نہیں

لذت فزا نہیں ابھی ایذائے جستجو
دیکھا جو چشمِ غور سے غفلت ہے آگہی

مضطر کسی سے بھی تو ذرا حالِ دل کہو

مجموعۂ خیال کا اظہار بھی تو ہو
پڑنے کو سر پہ خاکِ در یار بھی تو ہو

اقرارِ محوِ ذات سر دار بھی تو ہو
فرطِ ستم سے کچھ مجھے آزار بھی تو ہو

جلنے کو ہم سا طالبِ دیدار بھی تو ہو
پائے طلب میں طاقتِ رفتار بھی تو ہو

آنکھوں سے دور پردۂ پندار بھی تو ہو
اس خوشنما سوال کی تکرار بھی تو ہو

کچھ برہمن سے رشتۂ زنار بھی تو ہو
میت پہ میری کوئی عزادار بھی تو ہو

تکرار ہے تو باعثِ تکرار بھی تو ہو
غمخوار کو تلافیٔ غمخوار بھی تو ہو

بکتے ہیں ہم ابھی وہ خریدار بھی تو ہو
پہلو میں ہم نہ لیٹیں کوئی تلوار بھی تو ہو

محفل میں گلفشانیٔ گفتار بھی تو ہو
سروِ چمن سا کوئی گرفتار بھی تو ہو

بزمِ خیال میں کوئی ہشیار بھی تو ہو
دشوار ہم کو مردن دشوار بھی تو ہو

پائے شکستہ میں خلشِ خار بھی تو ہو
ہونے کو بے خبر کوئی ہشیار بھی تو ہو

دردِ نہاں سے کوئی خبردار بھی تو ہو

بقیہ طرح گزشتہ

ظہیر معالیجناب طوطیٔ شکرستانِ خوشمقالی رافم الدولہ حضرت ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی بانکا ذوق

ہم جناب سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ باوجود پیرانہ سالی و عوارض جسمانی آپ اپنے کلام

اگر ہوں موجزن طغیانیاں اشک ندامت کی
تو بارش آتش دوزخ پہ ہو باران رحمت کی

فقیر فقر مشرب ہوں نہیں کچھ حرص دولت کی
توکل پر گزارا اپنا ہے عادت ہے قناعت کی

گزر جس رہگذر سے ہو گیا برپا قیامت کی
قیامت نے بلائیں لی ہیں ٹھوکر تیرے قامت کی

نہ رنجش تھی کدورت کی نہ ضد تھی کچھ رقابت کی
صبا نے کس لیئے برباد میری خاک تربت کی

تماشا ہے وہ کہتے ہیں کہ کیا شامت تھی قسمت کی
نہ تھی طاقت محبت کی تو کیوں تو نے محبت کی

ترا وہ سر جھکائے شرم سے آنا قیامت تھا
ترے انداز نے ظالم قیامت ہی قیامت کی

رہائی بعد مردن بھی نہیں قسمت کی گردش سے
بگولے بن کے اڑتی ہے ہماری خاک تربت کی

اگر دنیا ادہر کی ہو ادہر تو بھی نہ بدلے گی
تمہاری ظلم کی عادت ہماری خو محبت کی

پڑے ہیں حشر میں لینے کے دینے دادخواہوں کو
شکایت کے عوض ہے معذرت الٹی ندامت کی

زمانہ مال و زر سے گو کہ مالا مال ہے لیکن
قسم کھائی ہے نکبت نے مرے روز مصیبت کی

یہ چھینٹے دیجیئے کوثر کے اسکو حضرت واعظ
جسے حسرت ہو حوروں کی جسے خواہش ہو جنت کی

حسینان جہاں جتنے ہیں گلدستہ ہیں کاغذ کے
دہان میں رنگ الفت ہے نہ خوشبو ہے محبت کی

خطا اپنی ہے الفت میں ہمیں گر کر نہ ملنا تھا
ہوئے ہم جسقدر گرویدہ اتنی تم نے نفرت کی

گل تر کو تمہاری نازک اندامی سے کیا نسبت
ہوا لگنے بھی نہیں اسکو لگی ناز و نزاکت کی

سنا جاتا ہے کل رندوں نے شیخی کرکری کردی
جناب شیخ لیتے تھے بہت لمبی مشیخت کی

چمن میں شاخ گل کو ناز ہے اپنی نزاکت پر
ذرا چلکر دکھا دو سیر تم ناز و نزاکت کی

شکایت [illegible] ہستی کی نہ شکوہ قدردانی کا
ستایش کی تمنا ہے نہ خواہش مجکو شہرت کی

تری چشم سخن گو کہہ رہی ہے راز دل تیرا
تری شرم و حیا غماز ہے تیری شرارت کی

ظہیر بادہ پیما اس غزل گوئی سے کیا حاصل
نہیں ہے قدر دنیا میں سخن گستر کی محنت کی

قصیر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی مدظلہ

تمہیں چاہا نہیں سچے بھلے دل سے عداوت کی
بنائی جان پر اپنی بری تم نے محبت کی

جھلک کچھ دیکھ لی ہے کیا ہمارے داغ فرقت کی
کہ رنگت پھیکی پھیکی سی ہے خورشید قیامت کی

عدو کے ذکر پر تیور بدل کر مجھ سے کہتے ہیں
اسی برتے پہ دعویٰ تھا محبت کا محبت کی

کسی دن تو وہ اگر کھل جائے تو یہی کھلے از خود
نگارکھی ہے دوہری گھات میرا دل چرانے کو
تمہاری چال کے فتنوں سے حوریں ہوگئیں بسمل
اشاروں میں پتہ دیتی ہیں کچھ چھپی ہوئی نظریں
گلوں پر کس صفائی سے چلی ہے آج مقتل میں
تمہارا کیا اجارا ہے دکھائیں کیوں بتائیں کیوں
نکل آیا ہے کیا انکار میں اقرار کا پہلو
وفاؤں پر جفائیں ہیں کہیں کیا اے قصیر ان سے

تمہے ہند تھا میں بھی گرہے میری قسمت کی
نگاہوں نے جو شوخی کی تو زلفوں نے شرارت کی
خدا رکھے کہ جنت میں بھی ٹھیری ہے قیامت کی
پریشاں زلف ساری داستاں کہتی ہے خلوت کی
روانی تیغ قاتل میں ہے کچھ میری طبیعت کی
کہیں سے لائے ہیں تصویر ہے اک بیمروت کی
مجھے سوقع پہ کچھ انکی زباں نے آج لکنت کی
ہمیں تو راس آئی ہی نہیں خو بو محبت کی

اطلاع

چونکہ عنقریب سالۂ ہذا کا دوسرا سال شروع ہونیوالا ہے لہٰذا التماس ہے کہ جن معزز اصحاب نے ابھی تک زر چندہ عطا نہیں فرمایا ہے وہ صاحب مہربانی فرماکر آخر اپریل سنہ ۱۰ء تک ترسیل زر قیمت سالانہ سے اعانت فرماکر جلد شکریہ کا موقع دیں یا روانگی وی پی کی اجازت مرحمت فرمائیں ہمنے محض اس خیال سے ابھی تک وی پی روانہ نہیں کیئے کہ آپکی شان کے خلاف ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے معزز خریدار ہمیں دوبارہ اس امر کے تحریر کرنے کی مطلق ضرورت نہونے دینگے۔

کمیٹی نے اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ آیندہ سے وہ مضامین جنمیں علمی بحث کے علاوہ ذاتیات کا ایک لفظ بھی اشارتاً یا کنایتاً ہوگا درج گلدستہ نہونگے کسی صاحب کے طرحی اشعار کسی حالت میں ۷ سے زیادہ طبع نہ کیئے جاوینگے

مصرعۂ طرح۔ بابت ماہ اپریل "اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو" بسمل قافیہ

بابت ماہ مئی "کہاں یہ مرتبہ میرا کہ ہو ن میں رازداں تیرا" پنہاں قافیہ

بابت ماہ جون "نعمت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے" خدا دعا قافیہ

تصدی اور باتونی عورت نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ایک بات اور بھی قابل خیال ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ تمکو اپنے فائدہ کا مطلق خیال نہیں۔ ہمکو بڑے آدمیوں کی خاطر تواضع کرنی چاہیئے۔ یہ یاد رکھو کہ سر ولیم برنیڈ کا کوئی بچہ نہیں ہے اور وہ سب کچھ کپتان لی کے واسطے چھوڑ جائیگا اور اس طرح یہ ایک دن نڈرہال کا مالک ہوگا۔ افسوس ہے کہ تم پر میری ان باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اِس لیئے زیادہ تم سے کہنا فضول و بیکار ہے"

مسز شیپرڈ ابھی اپنے خاوند سے اور بھی باتیں بناتی اگر اسے دفعتًہ یہ خیال نہ آجاتا کہ اُسکے خوبصورت مہمان کو شاید کسی اور چیز کی ضرورت ہوگی۔ لہذا وہ فورًا دیوانخانہ کو واپس چلی گئی اور اپنے مہمان سے مسکرا کر کہنے لگی۔

مسز شیپرڈ۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام چیزیں قابل پسند ہونگی؟

ابھی اس جملہ کا جواب نہ ملا تھا کہ باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں اور پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور چابک کے پھٹکارنے کی آواز کان میں آئی

مسز شیپرڈ (دل میں) خدا کرے اور مسافر یہاں ناشتے کے لیئے قیام کریں چونکہ اُسکو اپنے کام کا بہت خیال تھا۔ فورًا دیوانخانہ سے باہر چلی گئی۔ چند ہی منٹ میں ایک زنانہ چیخ اور ساتھ ہی کسی بڑی چیز کے ٹوٹ جانے کی آواز آئی۔

کپتان لی گھبرا کر فورًا کمرے سے باہر آیا اور سرائے کے دروازے سے (جو حسب بیان سابق لندن اور نیو مارکیٹ کی سڑک کے کنارے پر واقع تھا) باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑی شاندار گاڑی جو اُس زمانے میں اعلی درجے کے لوگوں میں مستعمل تھی دُہرا ٹوٹ جانے کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ یہ گاڑی نہایت چمکدار رنگی ہوئی تھی اور اسپر تمام گلٹ کا کام ہو رہا تھا۔ دُہرا ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایک طرف کو گر پڑی تھی اور چھ گھوڑے جو اُس میں جُتے ہوئے تھے غل و شور کی آواز سے ڈر کر بالکل بے قابو ہو رہے تھے۔ چابک سوار کوچ بکس سے کود کر اُنکو قابو میں لانیکی

کوشش کر رہے تھے۔ اور تین سائیں جو گاڑی کے پیچھے کھڑے تھے اس زور سے سڑک پر گرے تھے کہ گاڑی والوں کی مدد کرنے کے بالکل قابل نہ رہے تھے۔ شیپرڈ نے گاڑی کی وضع دیکھکر سمجھ لیا تھا کہ یہ دربار شاہی سے تعلق رکھتی ہے اس لیئے وہ اس واقعہ کے نظارہ کی طرف نہایت سستی سے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اُس کو ہر ایک ایسی چیز سے جو خاندان شاہی سے متعلق تھی دلی نفرت تھی لارنس آئی یہ حال دیکھکر سرائے کے دروازے سے دوڑا اور سمست قدم مالک سرائے کو پیچھے چھوڑ کر مدد کرنے والوں میں جنکی سخت ضرورت تھی جا شامل ہوا۔ اِس نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ گھوڑے گاڑی کو سڑک سے دوسری جانب کو کھینچ رہے ہیں۔ جس سے یہ قوی خطرہ تھا کہ وہ رائی ہوس کی خندق میں نہ جا پڑیں اور گاڑی کی سواریاں اس وقت سخت خطرناک حالت میں تھیں۔ اِس لیئے وہ بہت جلد چالیس گز کا فاصلہ طے کر کے گاڑی تک جا پہنچا۔ اور اپنی جیب سے چاقو نکالکر نہایت چابکدستی سے گھوڑوں کی راسوں کو کاٹ ڈالا۔ پھر اُسنے گاڑی کا دروازہ کھولکر اُس میں سے ایک لیڈی اور اُسکی خادمہ کو باہر نکالا جو بہت خوف زدہ تھیں۔ سوائے چند خفیف کھرنچوں کے کوئی زخم وغیرہ ان کو نہیں لگا تھا۔ لیڈی نے (جسکی عمر قریب ۲۵ سال کے ہوگی۔ قد میانہ تھا۔ لیکن اس سے کسیقدر مضبوطی ظاہر ہوتی تھی۔ بہت خوبصورت تھی۔ نہایت چمکدار اور قیمتی پوشاک پہنے ہوئی تھی) نہایت خوش اخلاقی اور چاپلوسی کے الفاظ میں اس امداد کا شکریہ ادا کیا۔ چونکہ اُسنے ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں گفتگو کی تھی اُس کا لب و لہجہ فرانسیسی معلوم ہوتا تھا۔

لارنس آئی نہایت متحیر ہوا کہ یہ کون ہے؟ اُسکی خادمہ بھی فرانسیسی تھی۔ مگر اُسنے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں بولا بلکہ فرانسیسی میں اپنی مالکہ سے مضطربانہ

لہجہ میں دریافت کیا کہ کہیں چوٹ تو نہیں لگی ہے۔

کپتان لی فرانسیسی زبان نہیں جانتا تھا۔ اسنے جو کچھ کہا یہ نہ سمجھ سکا۔ خادمہ ایک ادھیڑ عورت تھی لیکن شوخی شرارت عشوہ غمزہ ناز و انداز جو عورتوں کا خلقی حصہ ہیں سب اِس میں موجود تھے۔ لیڈی نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جسکو ہم صاف زبان میں تحریر کرتے ہیں پوچھا۔

لیڈی۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ اس نازک وقت میں کسکی ممنونِ احسان ہوئی ہوں؟

لارنس لی (ادب سے ٹوپی اُٹھا کر اور تعظیم دیکر) میرا نام لی ہے۔ کرنیل گرہیم کے ہرٹ فورٹ شائر کے رسالے میں کپتان ہوں۔ اور نڈر ہال کے سر ولیم کا بھتیجہ ہوں

لیڈی (سامنے کی محدود چار دیواری کی طرف اشارہ کر کے جہاں یہ گاڑی ٹوٹی تھی) یہ نڈر ہال ہے۔

لی۔ نہیں۔ نڈر ہال سامنے درختوں کے درمیان یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ تو رائی ہوس ہے۔ لیکن اِس تھوڑے عرصے غالبًا ایک یا دو گھنٹہ کے لیے جب تک کہ گاڑی درست ہو حضور میری مہمانی نڈر ہال میں منظور فرمائیں۔ جس حالت میں کہ . . . .

(ڈچیز) جو فی الحقیقت یہی تھی۔ اپنی مغرورانہ نگاہ لی پر ڈالکر اور بات کاٹ کر یہاں سے ایک میل کا فاصلہ ہے۔ نہیں بلا شک نہیں۔ چونکہ یہ کمبخت شرابخانہ ہے اور اس وقت تنہا اپنے چچا کے گھر تک پیدل جانا ہمیں ناپسند ہے اِس لیئے ہم یہاں (رائی ہوس کی طرف اشارہ کر کے) ٹھیریں گے۔

کپتان لی۔ بہت بہتر۔

اور اپنے دل میں خیال کرنے لگا اگرچہ کرنیل رمبلڈ ایک ضدی اور سخت جمہوری فرقہ

کا ہے مگر اپنے آپ کو اسقدر ناواقف ظاہر نہیں کریگا کہ ایک عالی رتبہ لیڈی کی ہمائی کی درخواست کو نا منظور کرے۔

ڈچیز۔ آپ کس سوچ میں ہیں ذرا آگے آیئے۔ اپنا ہاتھ مجھے دیجئے اور مجھے اس مکان کے دروازے تک خواہ کسی کا کیوں نہ ہو لے چلئے۔

اس وقت رسیلڈ کے چند ملازم جو مالٹنگ ہاؤس میں کام کر رہے تھے اس موقع پر موجود تھے۔ اور اُن میں آہستہ سے میڈم کارویل کا نام لیا گیا تھا۔ یہ سب ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ اور نہ تو بے ادبانہ طریق سے نہ زیادہ تعظیم سے چارلس ودم کی عزیز مسٹریس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے نہ گاڑی کے ٹوٹنے کے وقت اور نہ اسکی درستی میں مدد کی تھی بلکہ علیحدہ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شیپرڈ مالک سرائے بھی انھیں میں شامل ہو گیا تھا۔ آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے کہ یہ کون لیڈی ہے۔

کپتان لی اپنا ہاتھ لیڈی کے ہاتھ میں دیکر رائی ہوس کے دروازے کی جانب اُسکو لیجا رہا تھا اور خادمہ پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ جب کشیدنی پل کے قریب پہنچے تو لارنس لی نے کہا "میں خیال کرتا ہوں اور کیا میرا قیاس درست ہے کہ میں ڈچز آف پورٹ اسمتھ کو ہمراہ لیئے جانے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ کیا میں رائی ہوس کے کرنیل اور مسز رسیلڈ سے یہی نام ظاہر کر سکتا ہوں؟

ڈچز (مغرورانہ لہجہ میں) بیشک یہی نام ہے۔

اور جوش سے پھر اُسنے یکایک اپنی ملائم شباہت اور مسکراہٹ سے کرنیل لی کی طرف دیکھا۔ گویا کہ اُس حادثہ کے خطرہ سے جس میں وہ گرفتار ہو گئی تھی اپنے آپ کو سنبھال کر اُسنے خیال کیا کہ اُس کا ساتھی ایک ایسا خوبصورت شخص ہے کہ اُس نے اپنی زندگی بھر میں ابتک کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کپتان لی نے اس عجیب قسم کی نگاہ کو جو لیڈی نے اُس پر ڈالی تھی مطلق نہیں کیا

ڈاکٹر برمن کی بنائی مشہور دوائیں

پچیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

(۱) دمہ زور سے اچھلتا ہو تو اس دوا کی ایک مقدار دینے سے دب جاتا ہے۔

(۲) تیار پڑنے پر اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت جلد صحت پاتے ہیں

دمہ کی دوا

ڈاک محصول ایک سے ۴ شیشی ۵ر قیمت ایک شیشی ایک روپیہ بارہ آنے

مقوی باہ کی گولیاں

ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفورس ۔ اسکلینا اور ڈیمیانا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز ریڑھ ورگ ۔ ماس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس سے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئی معمولی کمزوری ۔ بھول والا ۔ یاد بھولنا ۔ ہاتھ پیر کا کانپنا ۔ لقوہ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں ۔ دو ہفتہ کی خوراک ۔ تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ ۔ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

امراض مستورات کی دوا

یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی بیماری ۔ پرودر روگ حمل کی کمزوری ۔ پیڑو جانگھ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ۔ ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمائش کیجئے ۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنے چھ (۱۶ خوراک) ڈاک محصول ۶ر ۔ ان دوائیوں کی مفصل حالت معہ سرٹیفکٹوں کے پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے ۔ منگا کر پڑھیے ۔

ڈاکٹر ایس ۔ کے ۔ برمن

نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نمبر رجسٹرڈ ایل ۶۸۳

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از جناب کنور بہاری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی ہر مصرع

یہ وہ گلدستہ گلشن ہے کہ جس سے ہر جا ۱۳۲۷ سال ہجری ہے ہم میرے ہر اک مصرع سے	آپ ظاہر ہے عجب جادہ جلال دہلی ۱۳ ۲۷ واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی ۱۳۲۷

جلد ۱ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۰ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر بہاری لعل رونق و چندی پرشاد شیدا دہلوی

مقام اشاعت - سڑک جدید دہلی

سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نراین چھپکر شائع ہوا

یہ رسالہ علاوہ ہندوستان کے ممالک غیر میں بھی جاتا ہے

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب فخر الدولہ سر میرزا امیر الدین احمد صاحب بہادر کے سی آئی ای فرمانروائے ریاست لوہارو و عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی علاوہ سر برام صاحب ایم اے مصنف و مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید و نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) جواب طلب امور کے لئے آدہ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت فضول

(۳) خریدار و غیر خریدار سب کا کلام منتخب شائع ہوگا۔ فرمائشی کلام فی شعر ۲ر اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۴) طرحی غزلیات کے علاوہ نیچرل نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و قیمتی نصائح وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۵) چندہ سالانہ بذریعہ منی آڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۶) نمونہ کا پرچہ ۳ر کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۷) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۸) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا۔

(۹) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف خوشخط علحدہ علحدہ کاغذ پر مع نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۰) ناظرین کے مذاق کے مطابق ایک دلچسپ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہیگا۔

(۱۱) جملہ خطوط و ترسیل زر بنام کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ نیا بانس سٹرک دہلی یا بنام اڈیٹران ہونی چاہیئے۔

نوٹ یہ رسالہ شائقین شہر کو۔ دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت ۳ر نقد قیمت مل سکتا ہے۔ کم از کم مبلغ عہ سالانہ چندہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج رسالہ ہوتا رہیگا۔

قیمت سالانہ عام پیشگی معاونین سے عہ مہاراجگان و رئیسان و سرکاری حکام سے للعہ گورنمنٹ و والیان ملک سے جو عطا ہو

بانیئے لال آزاد دہلوی و چندی پرشاد شیدا دہلوی سابق اڈیٹرز

تحقیق روح اور اس کا جسم سے تعلق

دنیا میں جتنی غلط فہمیاں اس کے متعلق موجود ہیں وہ بیان سے باہر ہیں مختلف اوقات میں مختلف حکما کے خیال اسکی نسبت جُدا جُدا رہے ہیں۔ لیکن جتنی چھان بین اسکی ہندوستان میں ہوئی ہے دوسری جگہ نہیں ہوئی اس لیئے غیر ملکی اصحاب ابتک روح کی اصلیت اور اسکے جسم سے تعلق کی نسبت کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ افضل الاخبار دہلی نمبر ۸ جلد ۱۶ مورخہ ۲۴ فروری سنہ ۱۹۱۰ء میں **کیا روح جسم سے علیٰحدہ چیز ہے؟** کی سُرخی سے ایک مضمون جناب مولٰنا رفیع الخیال صاحب کا دوسرا **روح انسانی اور انسان کی زندگی و شخصیت** کی سُرخی سے جناب خواجہ غلام محمد المدنی زاخر کا مراسلات کے کالم صفحہ ۴ و ۵ میں شائع ہوئے ہیں۔

اول الذکر نے مختلف حکماء یونانی کی چند شہادتوں کے ساتھ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روح اور جسم کے تعلق میں جسم کے ساتھ روح اسی طرح ہے جس طرح آنکھ میں بینائی۔ ناک میں سونگھنے کی قوت۔ دل میں شجاعت کی قوت پس [illegible] اسی قسم کا تعلق جسم سے رکھتی ہیں جنکو نہ ہم قریب کہہ سکتے ہیں نہ بعید نہ منفصل نہ متصل ؎

دوسرے صاحب نے بھی اس قول کی تائید میں بعض اصحاب کے خیالات پیش کرکے تحریر فرمایا ہے کہ پس کیوں نہ کہا جائے کہ روح جسم سے علیٰحدہ چیز نہیں ہے۔ اور جسم سے [illegible] الیسی ضرورت ہے کہ جیسے دودھ میں گھی کی۔ اور ایک مثال بھی دی ہے جس سے ہمارا بخوبی منکشف نہیں ہوتا۔ اس لیئے خاکسار بھی اسکے متعلق کچھ

عرض رسا ہے۔

تحقیق روح اور اُسکا جسم کے ساتھ تعلق

روح ایک غیر مادی۔ مجرد۔ مفرد۔ زندہ۔ محدود۔ خواہش۔ تکلیف اور راحت وغیرہ کا احساس کرنے والی شے ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسکو مدرک بالذات و متصرف بالآلات کہہ سکتے ہیں۔ جسم میں ان تمام صفات میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ بلکہ جسم برخلاف روح کے مادی۔ مرکب۔ طول۔ عرض۔ عمق رکھنے والا ہے۔ روح کو سنسکرت میں جیو۔ انگریزی میں سول کہتے ہیں۔ مگر روح کا لفظ جیو کے معنی ہر جگہ صحیح نہیں دیتا۔ کیونکہ جسمانی حکماء نے اسے بالکل نہیں سمجھا۔ اِس لیئے اسکے معانی درست طور پر بیان نہ کر سکے۔ بعض تین روحیں ایک جسم انسانی میں مانتے ہیں۔ بعض عنصروں کے ملاپ سے ایک پیدا شدہ چیز جانتے ہیں۔ بعض اس کی ہستی ہی سے منکر ہو گئے ✣

مہاتما سری کرشن چندر جی نے فرمایا ہے کہ جیو (روح) کو آگ نہیں جلا سکتی آسلحہ نہیں کاٹ سکتے۔ ہوا خشک نہیں کر سکتی۔ پانی گلا نہیں سکتا جسم کے ٹکڑے ہونے سے اُس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔

اندریوں (حواسوں) میں خواہش لطیف ہے اور خواہشوں سے مَن لطیف ہے مگر مَن سے بدھی (عقل) لطیف ہے اور عقل سے (جیو) روح لطیف ہے۔ روح سے ابیکت لطیف ہے اور ابیکت سے پرم اتما (مالک کل) لطیف ہے اِس سے زیادہ کوئی لطافت میں نہیں ✣

دعویٰ۔ روح جسم سے علیحدہ۔ غیر مادّی۔ مدرک بذاتِ خود ایک ہستی ہے وہ عناصر کا خلاصہ یا اُنکی ملاوٹ سے پیدا شدہ چیز نہیں۔

آنریبل سر سید احمد خاں صاحب فرماتے ہیں۔ اگرچہ روح کو انسان کے بدن سے علاقہ ہے مگر جب غور سے دیکھو تو باوجود اس علاقے کے یہ محض بے تعلق ہے۔ آدمی کبھی ایسا محو ہوتا ہے کہ سب چیز بھول جاتا ہے مگر اپنے آپ کو نہیں بھولتا۔ اِس سے خیا

ہو سکتا ہے کہ گو انسان کا یہ ظاہری بدن نیست ہو جائے مگر وہ چیز جو اس میں ہے جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔ پھر اگر وہ چیز چند روزہ ہے اور آخر کو نیست ہونے والی ہے تو دل قبول نہیں کرتا کہ اُس ذاتِ پاک دائم الوجود خدا نے یہ تمام عجائبات ایک ایسی فانی اور ناپائدار چیز کے لیئے بنائے ہوں۔ بس کچھ شبہ نہیں کہ وہ چیز بھی دائم الوجود ہے۔ نیست ہونے والی نہیں۔

(دلیل اول) آدمی جب کسی باریک بات کو سوچنے لگتا ہے اور سوچتا سوچتا اُس میں زیادہ مصروف ہو جاتا ہے تو باوجود آنکھوں کے کھلا رہنے اور کان میں قوت سامعہ رکھنے کے بھی نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس لیئے اور حواس بھی باوجود اپنی موجودگی کے کچھ احساس نہیں کرتے۔ دنیا میں ہر ایک آدمی اسکی کچھ نہ کچھ شہادت دے سکتا ہے۔ ایک مہاتما کا ذکر ہے کہ کسی مہاراجہ کا توپخانہ پریڈ کرنے گیا تھا۔ رستہ میں عین سڑک پر اُن کا مکان تھا۔ مگر وہ کسی مذہبی مسئلہ کے حل میں لگے ہوئے تھے۔ چاندماری ہوتی رہی۔ قواعد ہوئی — توپیں برابر چلتی رہیں۔ شام کو جب ایک شخص نے پوچھا تو لاعلمی ظاہر کی +

(دلیل دوم) دماغ جسکو تمام جسم پر فضیلت حاصل ہے اسکی حالت بھی بچپن جوانی بڑھاپے میں جُدا جدا ہوتی ہے اور بدن کے ضعف و ناطاقتی میں علی القدر ضعیف و نحیف ہو جاتا ہے مگر اس پر بھی روح کی حالت خراب نہیں ہوتی اُس کا علم اور خواہشیں کم نہیں ہوتیں۔ بعض مرضوں میں جسم دُبلا ہو جاتا ہے۔ بستر سے اُٹھ بھی نہیں سکتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام اعضا کمزور ہو گئے اور دماغ بھی اُنکے ساتھ کمزور ہو گیا کیونکہ وہ بھی اِس جسم کا ایک حصہ ہے۔ بیمار کو مہیب آواز تو در کنار۔ معمولی اُونچی آواز بھی ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ جس سے کسی عقلمند حکیم کو انکار نہیں لیکن ان سب حالتوں میں بھی مریض کا علم اور گیان کم نہیں ہوتا۔ پس یہ بات بدرجہ حق الیقین ہے کہ جسکو علم و گیان اور سب کی کمزوری کا ابھان ہے وہ روح ہے

(دلیل سوم) ہر ملک کے حکما نے دماغ کو جسے انگریزی میں برین کہتے اور سنسکرت

بھیجے ہندی میں بھیجا کہتے ہیں تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ اول سریبرم یعنی دماغ کلاں دوم
سربیلم یعنی دماغ خورد سوم میڈیولا ابلانگٹا یا اسپائنل کارڈ یعنی حرام مغز ان میں سے بہیئت
مجموعی اور جدا جدا ان تینوں کی حالت اور وزن کو حکمائے حاذق نے اپنی تصنیف میں مفصل
بیان کیا ہے۔ اعصاب یعنی پٹھے جو ایک سفید رنگ کی باریک ڈوریاں تمام جسم میں
پھیلی ہوئی ہیں وہ بھی تین قسم کی ہو کر ان ہی تینوں میں ملی ہوئی ہیں۔ اگرچہ ماہران علوم
روحانی نے دماغ کو روح سے جدا اچھی طرح ثابت کر دیا ہے۔ لیکن بفرضِ محال اگر کوئی
دماغ ہی کو روح مان لے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ غم و سرور۔ امید و پیار۔ خیال او سوچنا
حیا و شرم۔ عزت و بے عزتی۔ جوش اور بزدلی کے الفاظ جس منشار کو ظاہر کرتے ہیں
ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی محض اگیانی (جاہل) آدمی بھی یہ کہدے کہ ان لفظوں کا مفہوم
کوئی ایسی چیز ہے جو مادی یا جسمانی ہو لیکن یہ صحیح ہے کہ ان کا اثر جسم پر بہت ہوتا ہے
یہاں تک کہ دن رات کے رنج و فکر سے توانا آدمی بھی لاغر ہو جاتے ہیں۔ اصل میں اگر غور
سے دیکھو تو دماغ ایک ٹیلیگراف اوفس ہے۔ روح بمنزلۂ ٹیلیگراف کلارک کے ہے
اعصاب مثل تار ہائے برقی کے ہیں اور باقی تمام اعضا تار کے ستونوں کی مانند
ہیں۔ خود دماغ محرک بالذات اور ارادہ رکھنے والی شے نہیں۔ ان صفات سے موصوف
روح ہے جو دماغ کیا بلکہ سارے جسم پر حاکم ہے اور دماغ مع تمام اعضاؤں کے اس کا
محکوم ہے۔

اس استعارہ کو یوں بخوبی سمجھ لیجئے کہ ایک جگہ من بھر بوجھ پڑا ہوا ہے ایک
افسر نے اپنے ملازم کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا اس نے اسے ہاتھ سے اٹھانا چاہا اور
اور اٹھا لیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہاتھ بانس سا کان نے کہ ستمبل کے واسطے ہاتھ نیوز
ہلا جس سے اس نے بوجھ اٹھایا۔ آپ جواب دیں گے کہ پٹھوں کے سکڑنے کے باعث ہاتھ
ہلا۔ پھر سوال ہے کہ پٹھے کیونکر سکڑے اس کا جواب دو گے کہ دماغ سے بجلی گئی اس نے
سکیڑ دیئے اس پر سوال ہے کہ بجلی کو وہاں کس نے بھیجا اس کا جواب کوئی
کامنکر نہیں دے سکتا اور درحقیقت اس کا کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ روح کی

مرضی سے اپنے جواس جسم سے جُدا دماغ کے اندر موجود ہے۔

ایک سچی مثال۔ امکان روح کی سُرخی سے ایک مضمون جناب منشی صابر علیجاہ کھتا شروانی کا رسالۂ زمانہ کانپور بابت ماہ جولائی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا تھا وہ بجنسہٖ ناظرین کیواسطے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

" بعض لوگ بقائے روح کے منکر ہیں اور بعض اُسکے وجود کو مانتے ہیں مگر نظام انسانی پر اسکے اثر کو محدود خیال کرتے ہیں۔ جو واقعات اس پرچے میں بیان کیئے جائیں گے اُنکے متعلق بمشکل یہ امید کیجا سکتی ہے کہ کوئی سریع الاعتقاد شخص بھی اُنھیں باور کریگا لیکن یہ یا اس قسم کے دوسرے خیالات مجھے ایک حیرت انگیز۔ اور لاثانی تجربے کے لکھنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔

ایک زمانے میں میں فزیالوجیکل کیمسٹری کی تحصیل نہایت کوشش اور مشغولیت کے ساتھ کر رہا تھا۔ علم طب کی اس شاخ پر میری توجہ کی اصلی محرک وہ خواہش تھی جو انسانی فطرت میں پوشیدہ اُمور دریافت کرنے کے لیئے ازل سے ودیعت کی گئی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس دلچسپ علم کے دوران تحصیل میں نہایت عجیب اور حیرت افزا باتیں پیش آتی ہیں اس لیئے مجھے اس سے ماہر ہونیکا اور بھی زیادہ اشتیاق تھا۔ تجربات اور عملی کاموں کے لیئے میں نے ایک لیبورٹیری بنا رکھی تھی یہ ایک کمرہ تھا جو ٹل ٹمپل کے قریب ہینیٹ پلیس میں ایک عمارت کی پشت پر واقع تھا۔ یہ کمرہ اُس عمارت کی دوسری منزل پر تھا۔ اور اُس پر جانے کے لیئے دو راستے تھے ایک راستہ مکان کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوکر۔ ایک بڑے صحن سے گزر کر دو ایک چھوٹے سے زینے اوپر کرکے اوپر جانے کے لیئے تھا۔ دوسرا اصل میں کوئی راستہ نہ تھا بلکہ ضرورتًا بنا لیا گیا تھا۔ یعنے عقب کی ایک گلی میں ہوکر نردبان کے ذریعے سے کمرے کی کھڑکی پر پہنچ سکتے تھے یہ راستہ گو اچھا نہ تھا لیکن اس [illegible] وہ تھا جو دنیا سے ہٹا ہوا اور ایک طرح سے غیر معلوم بھی تھا میں اسکو اکثر اوقات بے صبری یہ خواہش ہوتی تھی کہ مجھکو کوئی نہ دیکھے اختیار کرتا تھا۔ وہ کمرہ جس کا ذکر ہے بوجہ تنگی کے مستطیل شکل کا تھا۔ اس میں دو

کھڑکیاں بجانب مشرق گلی کی طرف اور دو کھڑکیاں مغرب کی جانب ایک مکان کے مقابلہ میں تھیں یہ مکان انتہا کا غلیظ اور تاریک تھا اور بمشکل کھڑکیوں سے ۴ فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ ایک مضبوط چوبی دروازہ لیبورٹری کے مکان کے دوسرے حصے سے جدا کرتا تھا اس دروازے میں اندر کی طرف مداخلت بیجا کے روکنے کے لیئے میں نے ایک زنجیر اور ایک بھاری فولادی چٹخنی لگا دی تھی۔

کمرے میں سیدھی جانب ایک ڈیڑھ گز اونچی چھوٹی سی تپائی رکھی ہوئی تھی۔ جس پر شیشے کے کیس میں ایک نازک اور نہایت عمدہ صحیح وزن بتانیوالا کانٹا رکھا ہوا تھا۔ اسی طرف ایک بڑی میز پر چینی اور بلور کے ظروف اور بہت سی ایسی چیزیں جن کی ہر ایک کیمیاگر کو ضرورت پڑتی ہے غیر منتظمانہ طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔ کمرے کے شمالی حصے میں ایک وسیع میز پر فزیالوجی کیمسٹری اور اس قبیل کے دوسرے علوم کی کتابوں کی الماریاں چنی ہوئی تھیں۔ دروازے سے ملی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس کا خاص سامان دو انسانی ڈھانچے تھے۔ ان میں سے ایک کو جوڑ کر دیوار کے سہارے سے لٹکا دیا تھا۔ اور دوسرا بے ترتیبی کے ساتھ لکڑی کے ایک کھلے ہوئے بکس میں پڑا تھا۔ ڈھانچے کی بڑی بڑی ہڈیاں بکس سے باہر نکلی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ گویا وہ اس برتاؤ پر جو ڈھانچے سے کیا جاتا تھا اظہار ناراضی کرتی ہیں۔ ان دونوں میں اجسام حیوانی کی کیمیائی ترکیب کا مطالعہ اور تجربہ کر رہا تھا اور میں اسکی دریافت میں نہایت سرگرمی سے کوشش کر رہا تھا۔ دوران تحقیقات میں فزیالوجی اور کیمسٹری کے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہونے کے علاوہ چند نئی باتیں بھی جو ابتک معلوم نہ تھیں دریافت ہوئیں اس سے میری ہمت بہت بڑھ گئی۔ فی الحقیقت یہ میری کوشش اور تندہی کا کافی صلہ تھا۔ اجسام حیوانی کی سرشت کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی توجہ دماغ کے کیمیائی ترکیب کی تحقیقات کی طرف مبذول کی۔ اس آخری تحقیقات میں جو مشکلات میرے راستے میں حائل ہوئیں وہ کسی طرح رفع ہوتی معلوم نہ ہوتی تھیں لیکن میں اُن کی وجہ سے مایوس اور نا امید ہو کر سعی چھوڑ نہ بیٹھا۔ اس استقلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنے کام میں ایک بین اور نمایاں کامیابی

ہوئی تقریب تھا کہ میں دل و دماغ کے اندرونی کاموں سے جو بہت کچھ عجیب ہیں پورے طور پر واقف ہو جاتا مگر میری کوششیں ایک خوفناک واقعے کی وجہ سے جسے میں یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں یکایک منقطع ہو گئیں۔ یہ عجیب دریافت جس طرح ہوئی اِسکا حال حتی الامکان صحیح طور سے اور بالتفصیل ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

ایک شب جبکہ میں ایک جوہر کو جو زندہ جانور کے دماغ سے حاصل کیا گیا تھا۔ جانچ رہا تھا گھڑیا میں تاؤ دینے کے بعد مجھے ایک گلابی رنگ کا سفوف جو چانول کی راکھ سے بہت مشابہ تھا ملا۔ کانٹے میں وزن کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ ایک گرین کا چونسٹھواں حصہ (۱/۶۴) تھا۔ اِس سفوف کو جو بظاہر خاک سا معلوم ہوتا تھا میں گھڑیا سے پھینکدینے ہی کو تھا کہ یکایک میرے دل میں اُسے آزما کر دیکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اِس لیئے کہ ممکن ہے جسم انسانی پر اس کا کچھ اثر ہو۔ اسکی قلیل مقدار دیکھ کر مجھے یہ خیال ہی نہ آیا کہ اس میں سمیت ہوگی۔ چنانچہ میں اُسے زبان پر رکھکر نگل گیا۔

یہ خیال کرکے کہ کوئی غیر معمولی بات اِس سے پیدا نہ ہوگی میں اپنے کام میں بدستور مشغول رہا لیکن مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ میرے تمام جسم میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ میرے تمام اعضا سُن ہو گئے۔ تمام جسم میں خارش ہونے لگی۔ میری سمجھ اور قوت مدرکہ معطل ہو گئی اور نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں جرمن پروفیسر وان جیش کی کتاب کو جو اُس وقت میرے مطالعہ میں تھی بالکل نہ پڑھ سکا اور اس لیئے میں نے کچھ دیر کے لیئے اپنے تئیں میلانِ طبع پر چھوڑ دیا۔ اور اپنی عادۃ مستمرہ کے موافق فرش پر کمبل بچھا کر لیٹ رہا۔ کیونکہ یہ میری ہمیشہ کی عادت تھی کہ جب کام کرتے کرتے تھک جاتا تو تھوڑی دیر کے لیئے آرام کی غرض سے لیٹ رہا کرتا تھا اِس کے بعد مجھ پر نیند طاری ہو گئی۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ میں جرمنی زبان میں اُس کتاب کا خلاصہ جو سونے سے قبل میرے مطالعے میں تھی لکھ رہا ہوں۔ ایک گھنٹے کی نیند کے بعد بیدار ہونے پر میں یہ دیکھ کر ششدر ہو گیا کہ میری میز پر نہایت عمدہ جرمن میں وہی انتخابات لکھے ہوئے رکھے ہیں جو میں اپنے خیال میں بحالت خواب لکھ

رہا تھا۔ وہ لفظ بلفظ وہی تھے جن میں املا انشا درکنار کسی قسم کی کہیں غلطی نہ تھی۔ اِس غیر معمولی اور خلافِ اُمید دریافت سے میں نہایت متعجب ہوا۔ اِس سفوف کا جو اثر میری عقل اور قوۃ مدرکہ پر ہوا اُس سے میں نے جان لیا کہ ایک ایسی چیز دریافت ہوگئی ہے جس سے دماغ کی قوت فاعلہ یعنی اُسکے اندرونی حصہ کو حرکت دیجا سکتی اور اُسکے ذریعے سے کام لیا جا سکتا ہے۔ دوران تجربہ میں مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ سفوف قوت فاعلہ سے کام لینے کے لیئے اسقدر مجرب ہے تو کیا اسکے استعمال سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جو خیال انسان کے دماغ میں حالتِ بیداری میں جاگزین ہو وہی حالت خواب میں بھی قائم رہے۔ مجھے تجربے سے معلوم ہوا کہ سفوف کے استعمال سے قبل جس طرف میں نے اپنا ذہن رجوع اور جو مضمون میں نے اپنے تجربے کے لیئے منتخب کیا میرا خیال سفوف کھانے اور اُس کا اثر ہونے کے بعد ہمیشہ حالتِ خواب میں بھی جو اُسکے استعمال کا لازمی نتیجہ تھا اُسی طرف رہا اور کسی دوسرے مضمون کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ یہ تجربہ میں نے بارہا کیا لیکن کبھی ناکامیابی کا شائبہ بھی نہیں گزرا۔ اسکے بعد میں نے اپنی کوششیں یہ معلوم کرنے کے لیئے کیں کہ آیا دریافت کردہ سفوف میں اُن لوگوں کی ارواح سے جو اس دار فانی سے کنارہ کر چکی ہیں ملاقات کرا دینے کی قوۃ و قابلیت ہے یا نہیں۔ چونکہ میں سفوف کے پورے اثر سے اچھی طرح واقف نہ تھا اِس لیئے مجھے اس مقصد میں کامیابی کی بہت کم اُمید تھی۔ لیکن اسکے باوجود مجھے یہ تجربہ کرنے میں زیادہ پس و پیش اِس لیئے نہ ہوا کہ میرا حوصلہ اس وقت تک کامیابیوں سے بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ مذکورۂ بالا تجربہ کی غرض سے میں سفوف پھانک کر لیٹ رہا اور ایک عزیز دوست کا جس کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا خیال کرنے لگا۔ نیند میں جو اُسکے بعد مجھے آئی میں اپنے اُسی مرحوم دوست سے ملا اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ زندہ ہے میں اُس سے بہت دیر تک بات چیت کرتا رہا ہماری دونوں کی گفتگو کا مضمون وہی تھا جس پر اُس کی موت سے قبل ہماری دونوں کی مشترکہ بہبودی منحصر تھی۔ اپنے اِس پہلے تجربہ اور مرحوم دوست سے گفتگو کرنے

کرنیکے بعد جب میں بیدار ہوا تو ایسا خوش نہیں تھا جیسا کہ اُس سے پہلے موقعوں پر سفوف کا اثر زائل ہونے کے بعد عادتاً ہوتا تھا۔ کئی شب متواتر لطریقۂ بالا مجھ میں اور مرحوم دوست میں ملاقات اور بات چیت رہی یہانتک کہ خواب سے بیدار ہونیکے بعد مجھے بمشکل یہ یقین آتا تھا کہ وہ اِس دنیا سے کوچ کر چکا ہے بلکہ میں یہی خیال آتا تھا کہ وہ بھی میری مثل ابھی تک زندہ ہے۔

دوسری دنیا میں میرا صرف یہی ایک دوست ایسا نہ تھا جس سے مجھے ملاقات ہوتی رہتی ہو بلکہ اُس کے علاوہ اور بہت سے ایسے لوگ تھے جن سے میں بات چیت کیا کرتا تھا۔ حالانکہ مجھے اُنکی وفات کا اچھی طرح علم تھا۔ ان لوگوں سے ملنے کے لیئے مجھے جس امر کی ضرورت ہوتی تھی وہ صرف (۱/۴) گرین سفوف کا کھانا تھا لیکن یہ ضرور تھا کہ سفوف کی مقدار (۱/۴) گرین سے کم وبیش نہ ہو کیونکہ مجھے تجربے سے ثابت ہوگیا تھا کہ کم مقدار کی خوراک اپنا پورا اثر نہ کرتی تھی اور اُس سے جو تھوڑا بہت اثر ہوتا اُس سے حسب منشا کام نہ نکلتا تھا۔ برخلاف اِس کے اگر خوراک مقدار میں بڑھادی جاتی تھی تو خیالات خواب میں انجماد اور تلون پیدا ہو جاتا تھا اور اُن کا سلسلہ درست نہ رہتا تھا۔ اپنی یاد کے موافق تا حدِ امکان صحیح طور سے اَب میں اُن واقعات کو بیان کروں گا جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ اِس خوفناک تجربے سے جس کا نتیجہ میرے دماغ اور جسم دونوں کے لیے تقریباً مہلک ثابت ہوا متعلق ہیں۔ ایک مرتبہ حسب معمول میں اس سفوف کی مقررہ مقدار کھا کر آرام کرنے کے لیئے لیٹ رہا اور ایک مرحوم دوست کا خیال کرنے لگا۔ یہ دوست میرا بچپن کا ساتھی اور کئی سال ہوئے جب ضائع ہوگیا تھا۔ میں اس خیال میں غرق ہوگیا۔ اِس کے بعد جو ظہور پذیر ہوا یہ تھا کہ میں اور وہ دونوں ایک اعلیٰ درجے کے خوشنما و نزہت افزا باغیچے میں ٹہل رہے تھے اُس کے وسط میں ایک مصنوعی جھیل اور جھیل کے کناروں پر نہایت خوشنما پھولوں کے درخت تھے جنسے وہ بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ پانی میں پھولوں کا عکس پڑ کر اس کو مختلف رنگ کا بنا دیتا تھا جو دیکھنے والے کو نہایت بھلا معلوم ہوتا اور ایک عجیب لطف پیدا کرتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے درختوں کے گھنے ارجمند طبر ایک قسم کی

پھلواڑی بلوط کے تناور درخت اُس جگہ کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہے تھے سبز گھاس کے مخملی تختوں پر دھوپ کی شعاعیں پڑکر کچھ اور ہی بہار دکھا رہی تھیں۔ خوبصورت اور مختلف چڑیوں کا ایک جگہ سے اُڑ کر دوسری جگہ جانا بہت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا اُنکے پروں کا سورج کی شعاعوں سے چمک اٹھنا ایک عجیب سماں پیدا کرتا تھا۔ اُن میں اکثر سُریلی آوازوں میں بول رہی تھیں جو دل کو بے قرار اور بے قابو کئے دیتی تھیں۔

میرا ساتھی مجھ سے بات چیت کرنے میں بجائے پہلے موقعوں کے خوش نہ تھا بلکہ اپنے اوضاع و اطوار سے غمگین و دل برداشتہ معلوم ہوتا تھا۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے جھیل کے کنارے پھولوں کے تختوں اور بلوط کے درختوں کے نیچے ٹہل رہے تھے۔ وہ خود بہت کم گفتگو کرتا اور میری باتوں کا جواب بھی ادھورا سا دیتا جس سے اُسکی طبیعت کا حاضر نہ ہونا اور کسی تشویش میں پھنسا ہونا صاف ظاہر ہوتا تھا آخرکار مجھ سے نہ رہا گیا۔ مجھ میں اور اُس میں اس طرح بات چیت شروع ہوئی۔

میں۔ تم کسی تشویش یا تردد میں مبتلا معلوم ہوتے ہو اگر اُس کا اظہار اس دنیا کے قواعد کے خلاف نہ ہو جس میں تم اب رہتے ہو تو اپنی پریشانی کی وجہ سے مجھے مطلع کرو۔ البتہ اگر اُسکی ممانعت ہو یا تمہیں کسی طرح کا خوف یا خطرہ ہو تو خیر رہنے دو۔

میرے اِس سوال سے اُسکی پریشانی اور بڑھ گئی جو اُسکے چہرے سے صاف عیاں ہوتی تھی وہ تھوڑی دیر خاموش میرے چہرے پر نظر جمائے رہا اور پھر یوں کہنے لگا

دوست۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس وقت تم خود بھی دوسری دنیا میں اور ایک تبدیل شدہ حالت میں ہو۔

میں۔ میں تمہارا کہنا قطعاً نہیں سمجھ سکا۔ یقیناً میرا تعلق ابھی تک بدستور جسم خاکی کے ساتھ ویسا ہی ہے اور منقطع نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ تم دنیا کی تمام مشکلات و مصائب سے نجات پاکر یہاں مکروہات دنیوی سے پاک و صاف کھڑے ہو۔

دوست۔ تم میری غمگینی اور پریشانی کا سبب دریافت کرتے ہو۔ اچھا لو سنو۔ جو خبر مجھے اسقدر متردد بنائے ہوئے ہے وہ تمہاری اس خطرے سے لاعلمی ہے جس میں تم اس وقت ہو۔

میں۔ (پریشانی سے) کس طرح۔ کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟

دوست۔ (ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش کر کے) مجھے کہنے دو۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ یہاں مجھ سے اور صرف تمہاری روح سے بات چیت ہو رہی ہے۔ ہم اس جگہ سے جہاں تمہارا جسم ہے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس دنیا سے جسے تم چھوڑ کر آئے ہو اور اس دنیا کے درمیان دس طبقوں سے کم کسی طرح نہیں ہیں یہ باغ۔ **میں**۔ (اسکی بات کاٹ کر) جو دنیا میں چھوڑ کر آیا ہوں اُس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

دوست۔ میرا اُس سے صرف یہ مطلب ہے کہ تمہارا جسم تو لندن میں تمہاری لیبورٹری میں ہے اور تمہاری روح یہاں میرے ساتھ ہے۔ یہ سفوف جس کا تم اسقدر بے پروائی سے استعمال کر رہے ہو اسکی خاصیت یہ ہے کہ وہ روح کو جسم سے بغیر موت کے علٰیحدہ کر دیتا ہے۔ **میں** (اسے دوبارہ روک کر) لیکن مجھے اس میں کسی قسم کا خطرہ معلوم نہیں ہوتا میں نے اسے بارہا استعمال کیا ہے اس سے مجھے کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا پھر اب اس میں خطرہ ہونے کی کونسی وجہ ہے۔

دوست۔ تم میری بات سنو۔ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں مگر تم خاموش ہی نہیں ہوتے براہِ مہربانی ذرا صبر کے ساتھ میری گفتگو سنو۔ کیونکہ اس وقت میری تمہاری ملاقات کا وقت نہایت محدود ہے۔ اور اس کے بعد پھر تم سے قطعًا ملنا ناممکن ہوگا۔ جو چیز تمنے دریافت کی ہے وہ موت کا کام کرتی ہے لیکن مختلف طریقے سے جس سے خود موت کے پیدا کرنیکا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ طبعی موت کے بعد جسم اُن مختلف عناصر میں جن سے وہ بنا تھا تحلیل ہو جاتا ہے۔ برخلاف اسکے تمہارے دریافت کردہ سفوف کے استعمال کے بعد روح جسم سے نکل کر آزاد ہو جاتی ہے اور اُسکے استعمال کرنے والے شخص کی حالت بیہوشی کی سی ہو جاتی ہے اس حالت میں اور خواب میں مشابہت تامہ اور نہایت مؤثر ہے۔ خواب میں اور اس حالت میں فرق صرف اتنا ہے کہ خواب سے انسان بیدار کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے جب تک روح اپنی جگہ واپس نہ آجائے بیدار نہیں ہو سکتا۔ اب ایسی صورت

میں جبکہ تمھارا جسم روح سے خالی پڑا ہوا ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی آوارہ روح تمھارے جسم پر قبضہ کرلے۔

میں۔ (نہایت خوف کیوجہ سے تھرتھراتے ہوئے لہجہ میں) کیا تمھارا اس سے یہ مطلب ہے کہ میری روح کی غیر حاضری میں کوئی دوسری روح میرے جسم پر حملہ کرکے گئے اپنے قبضہ میں لے آئے اور قبل اسکے کہ میری روح وہاں پہنچے وہ اُسپر مسلط ہوجائے اور اس طرح گویا میری روح کو بے مکان کرئے۔

دوست۔ (نہایت اطمینان سے) بیشک

میں۔ کیا فی الواقع ایسا ممکن ہے کہ جب میں اپنی لیبورٹری میں پہچوں تو میرا جسم دوسری روح کے قبضے میں ہو۔

دوست۔ ایسا ہونا نہ صرف ممکن بلکہ نہایت اغلب ہے۔

میں۔ (نہایت گھبراہٹ کے ساتھ) تو پھر اب میں کیا کروں۔؟

دوست۔ جلد واپس جاؤ۔ اپنی سابقہ سکونت (کالبد خاکی) کی حفاظت کرو تاکہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ صبر۔ ضبط۔ سے جسم کی حفاظت اور موقعہ مناسب کا انتظار کرو۔ کوئی نہ کوئی موقعہ تمھیں ضرور ایسا ملیگا کہ تم اپنے جسم پر دوبارہ قبضہ کرسکوگے۔ فی الحال تمھیں قدرت کے پوشیدہ رازوں کے افشا کرنیکی کوشش کی سزا ملے گی جو مصلحتًا انسان سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔ مجھے اُمید ہے کہ تمھیں واپسی پر سب طرح خیریت ملیگی۔ لیکن مجھے خوف۔ مجھے خوف ہے کہ افسوس مجھے اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں۔

میرا دوست یہ کہکر غائب ہوگیا۔ اب مجھے ہوش آیا (اگر یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے)۔ میری لیبورٹری کی وہ حالت نہ تھی جس میں اُسے میں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے وہاں عجیب طرح کی بدانتظامی دیکھی سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر تھا۔ کہ دروازہ چوپٹ کھلا پڑا تھا حالانکہ سفوف کھانیسے قبل حسب معمول میں نے اُسے نہایت احتیاط سے بند کرکے اندر سے زنجیر دیدی اور چٹخنی چڑھادی تھی یہ بھی خیال نہو سکتا تھا کہ کوئی شخص کھٹ کا[illegible]

انجمن اتحادِ سخن دہلی

اس انجمن کا معمولی مشاعرہ جو مکانِ معینہ پر ہر مہینے کے آخر ہفتہ کو ہوا کرتا ہے اس مرتبہ بوجہ تہوار ہولی بتاریخ ۲ اپریل کو نہایت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا - عالیجناب نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل کی تحریک اور عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی کی تائید سے عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر رئیس دہلی صدر انجمن مقرر ہوئے قریب ۱۰ بجے شب کے شمع کو گردش دی گئی - تمام غزلیات نہایت پُرلطف اور زوردار ہوئیں جن میں خصوصیت کے ساتھ جناب حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر و جناب نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل کی غیر طرح غزلیں قابل ذکر ہیں تعداد شعرا و سامعین قریب تین سو کے تھی - افسوس کہ جناب نواب سعید الدین احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار لوہارو میرٹھ تشریف لیگئے ہوئے تھے اس مرتبہ تشریف نہ لاسکے - اور جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود بوجہ علالت طبع شریک مشاعرہ نہو سکے - خدا شفا عطا کرے - قریب ۳ بجے شب کے صدر انجمن کے شکریہ کے ساتھ یہ مشاعرہ ختم ہوا اور آیندہ کے لیے حسب ذیل مصرع طرح اعلان کیے گئے "کہاں یہ مرتبہ میرا کہ ہوں میں رازداں تیرا" بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء "نعمت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے" دعا و غیرہ قافیہ -

فہرست سرپرستان و معاونین سالہ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب بہادر خلد آشیاں ریاست رامپور
عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو -
عالیجناب رائے بابو بل صاحب انجینیر و رئیس دہلی -
عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اگزکٹو انجینیر درجہ اول رئیس دہلی -

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید۔ رئیس دہلی۔
عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندر آباد۔
عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی۔
عالیجناب لالہ سری کشنداس صاحب ساہوگڑھ والے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب رائے بہادر لالہ شو پرشاد صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی۔
عالیجناب ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی۔
عالیجناب نواب سید غوث محمد صاحب رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور
عالیجناب بابو مہاراج کرشن صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آنرین مرچنٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب پنڈت شو نراین صاحب شرما وید دہلی۔
عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔
عالیجناب لالہ جوالا پرشاد صاحب بہادر گڑھیہ رئیس دہلی
عالیجناب مولوی حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار صاحب عالی سرکار ریاست رامپور
عالیجناب لالہ جھومل صاحب رئیس دہلی۔ عالیجناب پنڈت نرندر ناتھ صاحب ایم اے جعمم بندوبست
سوہلی علاقہ ریاست جموں۔ عالیجناب مہاراجہ آصف نواز دنت مرلی منوہر صاحب آصف جاہی حیدر آباد دکن۔ عالیجناب
پنڈت اقبال کشن صاحب افسر خزانہ جموں کشمیر۔

ریویوز

زمانہ کانپور۔ جناب منشی دیانراین صاحب نگم کانپوری کی اڈیٹری میں یہ رسالہ عرصے سے بڑی آب و تاب کے ساتھ نکل رہا ہے۔ ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت اردو رسالوں میں "زمانہ" رفتارِ زمانہ کے موافق ہونے کی وجہ سے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہی رسالہ ہے جو اپنے اسم بامسمّیٰ ہونیکا کافی ثبوت دیتا ہے علاوہ اعلیٰ درجے کے مضامین کے مشاہیر عالم کی تصاویر بھی اسنے رسالے کو رخ ا رکھ دا رکھ چار چاند لگا دیئے ہیں۔

"معیار لکھنو" مرتبہ حکیم سید علی محسن خانصاحب اکبر۔ و لسبر پرستی جناب حامد علی خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنو۔ جس جدید و دلچسپ طریقے سے یہ رسالہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے واقعی قابل داد ہے۔ اہل ملک جتنی قدر کریں زیبا ہے۔

"دلکش" یہ رسالہ شہر جالندھر سے جناب سفیر محتشم پوری کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے۔ تقطیع معمولی۔ لکھائی۔ چھپائی صاف و روشن۔ مختلف مضامین سے رسالے کو دلکش بنانے کی کوشش کی گئی ہے ۲۲ صفحوں میں نظم و نثر مضامین جو واقعی قابل تعریف ہیں۔ زیادہ تر طبی مضامین شائع کیئے جاتے ہیں۔

"اُردو لشکر" یعنی ترکیب بند جو اُردو زبان کی کانفرنس واقعہ بدایوں منعقدہ ۲۶، ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۱۰ھ کے پہلے اجلاس میں پڑھا گیا۔ یہ بھی اپنے رنگ میں جدید طرز پر شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پیج یا سرورق پر شاہجہاں بادشاہ دہلی۔ وکوئین وکٹوریہ کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ درحقیقت جناب احسن مارہری نے بڑی جانفشانی سے تیار کیا ہے اہل ملک پر اسکی قدر دانی فرض ہے۔

"رفیق لاہور" ایڈیٹر پریم صاحب۔ یہ رسالہ ۳۰ صفحوں پر شائع ہوتا ہے مضامین نظم و نثر نفس مضمون کے لحاظ سے اچھے ہیں۔ لیکن زبان پنجابی اُردو ہے بہرکیف اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اچھا ہے۔

"جلوۂ یار" میرٹھ۔ مرتبہ جناب آزاد۔ اِس میں ۴۴ صفحے ہیں۔ اول صفحے میں طرحی غزلیات ہیں جن میں شاعران شیریں زبان نے اپنا اپنا رنگ طبع دکھایا ہے۔ بعد میں غیر طرحی غزلیات اور ایک دلکش ناول کے چار صفحے ہیں۔ ٹائیٹل پیج پر معمہ جات علمی صحیح ہوتے ہیں۔ اپنی شان میں یہ رسالہ بھی اپنے ہمرنگ رسالوں سے کم نہیں ہے۔

"اَلناظر" دفتر رسالہ الناظر۔ گولا ورلنز لکھنو سے جناب محمد وصی الحسن علوی۔ بی اے۔ ایل ایل بی ظفر الملک علوی کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے۔ اول حصے میں الکلام مؤلفہ مولانا شبلی پر تنقید کی گئی ہے۔ لیکن ایسے مضامین ذرا گہری نظر کے محتاج ہیں۔ نقاد صاحب نے گو بہت سے یورپین عالموں کے حوالوں سے اپنی تنقید کو پرزور

اظہار کرینگے کیونکہ ہمیں نقاد صاحب کے خیالات سے اتفاق نہیں۔ باقی نظم و نثر بہت پر زور اور اہلِ ملک کے واسطے مفید ثابت ہونے کے قابل ہے۔ خصوصاً اندھی دنیا کی نظم لاجواب لکھی گئی ہے۔ حجم بھی رسالہ کا زیادہ ہے۔ یقین ہے کہ اہلِ ملک ضرور قدر کی نگاہوں سے اِس رسالہ کا خیر مقدم کرینگے۔

"بدرِ کمال" جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال۔ خلف الرشید جناب جلال لکھنوی مرحوم و مغفور۔ کا دیوان جس کا تاریخی نام "انتخاب گرامی" ہے۔ یہ دیوان ۱۷۶ صفحوں پر شائع ہوا ہے لکھائی چھپائی کی تعریف لکھنی فضول ہے کیونکہ لکھنو سے مشہور شہر میں چھپا ہے۔ کلام کی نسبت ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ دیوان درحقیقت اسم بامسمیٰ ہے اور کیوں نہ ہو جناب جلال لکھنوی جو ایک مستند و مشہور اُستاد تھے اُنکے خلف الصدق کا کلام ہے۔ کلام کی پختگی ہر طرح قابلِ داد ہے قیمت ۱۲ر فی جلد اس جنس گراں بہا کے مقابلے میں گو بہت ہی قلیل معلوم ہوتی ہے لیکن اہلِ ملک کے مذاق کی طرف نگاہ کرنے سے اُسکے زیادہ ہونے کا شک کیا جا سکتا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ شعر و شاعری کے دلدادہ ضرور اسکی قدر دانی کرینگے۔

"زبان" ایڈیٹر۔ جناب نازک رقم صاحب اکبرآبادی۔ یہ رسالہ پہلے مائل صاحب دہلوی کی ایڈیٹری میں اپنے دلکش مضامین سے ناظرین کو گرویدہ بنا رہا تھا اب نازک رقم صاحب کی نازک طبیعت کے پرتو سے دلوں کو لُبھا رہا ہے۔ مضامین نظم و نثر قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ کاغذ بہت عمدہ و نفیس کمال دہلی کا سا ہے۔ لکھائی میں اڈیٹر صاحب خود نازک رقم ہیں جن کا ایک ایک دائرہ خورشید جہانتاب سے ہمسری کر رہا ہے۔ واقعی عجیب شیریں رقم آدمی ہیں۔ چھپائی نہایت صاف و روشن ہے۔ جناب ڈاکٹر بی سے رمترا۔ صاحب منیجر رسالہ ہذا کے مضامین ڈاکٹری کے متعلق نہایت اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں۔ گو بابو صاحب بنگالی ہیں لیکن اُردو مضامین لکھنے میں آپ کو ایک خاص ملکہ ہو گیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ رسالہ اپنی روزافزوں ترقی سے ملک کو بے نظیر فائدہ پہنچائیگا۔ قیمت تین روپیہ سالانہ اس خوبیوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ ٭

بعض الفاظ مستعملہ زبانِ اردو کی اصل

اُردو میں جو لغات کہ ابتک تدوین ہوئے ہیں اُن میں جہاں اور نقصانات ہیں وہاں یہ یہ سب سے زیادہ کمی ہے کہ مصنفین نے یہ نہیں بتایا کہ یہ لفظ اُردو میں سنسکرت پراکرت یا بھاشا سے آیا ہے اور اصل (روٹ) یہ تھی - اسوقت میں کچھ الفاظ مستعملہ زبانِ اُردو مع اُنکی اصل کے لکھتا ہوں شاید کہ وہ مفید مدونین لغات ہوں - اور آیندہ اس پیرایہ پر لغات اُردو لکھے جائیں تو کیا عجب ہے کہ زیادہ مفید ہوں - اور قسم کے نقصانات کا ذکر کسی دوسرے وقت کروں گا - چونکہ مجھے کوئی لغت لکھنا مقصود نہیں ہے لہذا تھوڑی تھوڑی مثالیں ہر حرف سے لکھوں گا اور بس *

نمبر شمار	لفظ اُردو	کس بات سے آیا	اصل (روٹ)	معنے	کیفیت
۱	آب	سنسکرت	آپ - آؤ	پانی	
		فارسی	آب		فارسی سے آیا
۲	آٹھ	سنسکرت	اشٹو	عدد معروف	سنسکرت سے بھاشا اور
		فارسی	ہشت		بھاشا سے اُردو میں آیا
۳	آٹھواں	سنسکرت	اشٹمہ	حالے تعین ترتیب	ایضاً
		فارسی	ہشتم		"
۴	آدھا	سنسکرت	اَردھم	نصف	"

نمبر شمار	لفظ اُردو	کس زبان سے آیا	اصل (روٹ)	معنے	کیفیت
۵	آس	سنسکرت	آشا	اُمید	//
۶	آسرا	//	آشریہ	//	//
۷	آگ	سنسکرت	اگنہ	آتش	
		پراکرت	اگن۔اگنی		//
۸	آگے	پراکرت	اگگو	پیش	//
۹	آنکس	سنسکرت	آنکش	ہاتھی ہنکانیکا آلہ	
		فارسی	آنکژ		
۱۰	آیا	پرتگالی	آیا	زن خدمتگار	
۱۱	ابابیل	بھاشا	اَبابِیلیت	پرندہ معروف درعربی خطاف و درفارسی پرستوک گویند	قرآن شریف میں ابابیل بمعنے گروہ پرندہ بمعنے پرندہ ۱۲
۱۲	ابرک	سنسکرت	ابھرکم	طلق	
۱۳	اُتار	//	اُترنم	نشیب چڑھاؤ کا	
۱۴	اُتارنا	//	اُتارنم	فرود آوردن	
۱۵	اُتری	//	اُتروائیہ	باد شمال	
۱۶	اُترنگ	//	اُترنگم	فارسی کرارا	چوب بالائے در
				عربی ساکف	
۱۷	اُٹھنا	//	اُتھانم	برخاستن	
۱۸	اُجلا	//	اُجولم	سپید	
۱۹	اُجیرن	//	اجیرنم	دُو ہضم	اصل میں ہضم کے معنی ہیں مگر یہاں بہر کے معنی ہوتی ہیں
۲۰	اچار	فارسی	آچار	معروف	
۲۱	اخروٹ	سنسکرت	اکھوٹ	جوز	
۲۲	ادھ کلا	//	اردھ کلنم	نیم خام	
۲۳	ادھمرا	//	اردھ مرتکہ	نیم جاں	

نمبر شمار	لفظ اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۲۴	ادھیڑ	سنسکرت	اَدھ وَیَہ	میانہ سال	
۲۵	اڈا	فارسی	آدہ	نشستگاہ طیور	
۲۶	اُڑدڈ	تامیل	اُڑد	ماش (سنسکرت)	نان ایرین زبان کا لفظ ہے
۲۷	ارگن	فارسی	ارغن	انگریزی آرگن	اصل یونانی ہے موجد
				ترکی ارغنوں	اس کا افلاطون ہے
۲۸	ارنڈ	سنسکرت	رِای رنڈ	درخت معروف	
۲۹	اری	〃	رِاری	کلمہ ندا برای زن وقت تحقیر و بیای مجہول برلے مرد	فارسی میں بھی اے بیاے مجہول بولتے ہیں مگر خصوصیت عورت کی نہیں۔ شفائی ؎ اے سے گیدی تو لچی درک کجا شعر کجا + لاف چیز یکہ ندانی چہ زنی پیش کساں ؛
۳۰	اڑوہات	〃	اشٹ دہاتو	ہفت جوش	
۳۱	اسپغول	فارسی	اسپغول	بزرقطونا	گوش اسپ چہ غول بمعنی گوش آمدہ۔
۳۲	اسپند	بھاکا	اسپندیت	کالا دانہ	
		فارسی	اسپند، سپند		
۳۳	استر	سنسکرت	وَسْتِرم	بطانہ	
		فارسی	آستر		
۳۴	اُشنان	سنسکرت	اُشنانیت	نام دوا ہے	
		عربی	اُشنان		
۳۵	اصطبل	یونانی عربی	اصطبل 〃	آخور	عربی سے آیا۔ انگریزی میں اسٹیبل کہتے ہیں
۳۶	اصطرلاب	یونانی	اسٹرولیب	ترازوئے آفتاب	عربی سے اردو میں آیا بعض کہتے ہیں لاب نام ہو جد و اصطر بمعنے آلہ ہے جس سے ارتفاع آفتاب کو کہتے ہیں

نمبر شمار	لفظ مستعمل اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۳۷	افراتفری	عربی	افراط و تفریط	کسی کا قریب مرگ ہونا	معنوں میں تصرف کر لیا ہے اصلی معنے گھٹاؤ بڑھاؤ کے ہیں۔
۳۸	افیم	سنسکرت	اہپھینم	تریاک	
		عربی	افیون		
		فارسی	اپیون		
۳۹	اِکہری	سنسکرت	اِک ہرتی	یکتا	
۴۰	اگر	"	اگرو	عود	
		فارسی	اگر		
۴۱	الائچی	"	الاچی	مشہور	
۴۲	الاؤ	"	الاؤ	آگ جو ایک بڑے گڑھے میں جلا کر گرد اُسکے بیٹھ کے تاپتے ہیں۔	
۴۳	اَلسی	سنسکرت	اَتسی	کتاں	
۴۴	الغوزہ	سنسکرت	الغوزہ اِت	مزمار	
۴۵	الکسی	"	الکتا	کسل	
۴۶	اُلّو	"	الوکہ	بوم	
۴۷	اِمرت	بھاکا	اَمرتہ	آبِ بقا	وہ شے جس سے موت نہ آئے
۴۸	امام باڑہ	عربی و بھاکا	امام باڑیٹ	خانہ امام	
۴۹	انّا	ژند یا ژند	اَن	مرضعہ	ترکی سے آیا اور اُن دونوں زبانوں میں ماں کو کہتے ہیں
۵۰	انجل	سنسکرت	اَنجلہ	دونوں ہاتھ ملے ہوئے بصورت ظرف	
۵۱	انجن	"	انجنم	سرمہ	
۵۲	اندراین	"	آیندری	حنظل	
۵۳	اندرجو	"	انادیوہ	لسان العصافیر	

نمبرشمار	لفظ اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۵۴	اندھا	سنسکرت	آندہ	نابینا	
۵۵	اندھیری	"	اندھکارہ	تاریکی	
۵۶	انڈا	"	انڈم	بیضہ	
۵۷	انکھوا، اکھوا	"	انکرہ	کلا درخت کا جو ابھی ابھی زمین توڑ کے بیج سے نکلا ہو	
۵۸	انگارا	"	انگارا	بڑا کوئلہ جلتا ہوا	فارسی میں انگار کہتے ہیں
۵۹	انگڑائی	"	انگاگرشٹ	خمیازہ	
۶۰	اُنگلی	"	اُنگلی	انگشت	
۶۱	انگوٹھا	"	انگشٹھ	ابہام	
۶۲	انگیا	بھاکا	آنگی	محرم	انگ بمعنی بدن سے نکلا ہے
۶۳	اوکھلی	سنسکرت	آوکھلم		
۶۴	اونٹ کٹارا اونٹ کٹیلا	بھاکا	اونٹ کٹاریٹ	اشتر خار	
۶۵	اُوئی	سنسکرت	اِی اِی	کلمہ زنان وقت ناز	
		عربی	وی	وتعجب وغیرہ	
۶۶	اہار	بھاشا	اہارہ	لیئی کاغذ پر	
		فارسی	اہار	پھری ہوئی	
۶۷	ایکوا	بھاکا	ایکوآ	صَبِر	
۶۸	اینٹ	سنسکرت	اشٹ	خشت	
۶۹	ایندھن	"	اندھنم		
		باب الباے موحدہ			
۱	باپ	فارسی	باپ	پدر	

نمبر شمار	لفظ اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۲	بابرنگ	سنسکرت	برڈنگہ	دوائے معروف	
		فارسی	برنگ		
۳	بابو	بنگالی	بابو		
۴	بابونہ	بھاشا	بابونیت	نام دوائے	
		فارسی	بابونہ		
		عربی	بابونج		
۵	باجرا	سنسکرت	باجرکا	غلہ معروف	
۶	بادیہ	فارسی	بادیہ	پیالہ بزرگ	
۷	بارانی	"	بارانی	باران کوٹ	
۸	بارتنگ	بھاشا	بارتنگیت	نام دوائے	
		فارسی	بارتنگ		
۹	بار	"	بار	بوجھ	
		سنسکرت	بھار		
۱۰	باشہ	سنسکرت	باشپت	مرغ شکاری	
		فارسی	باشہ		
۱۱	بالو	سنسکرت	بالوکا	ریت	
۱۲	بائی	مرہٹی	بائی		
۱۳	بان	سنسکرت	بان	تیر چرخ	
۱۴	بتاشہ	پراکرت	بتاسہ	شیرینی معروف	بتاس سے نکلا ہے بمعنی ہوا
۱۵	بچو	سنسکرت	بچوکہ	گفتار	
۱۶	بچ	"	وچا	دوائے معروف	
		عربی	وج		

نمبرشمار	الفاظ اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۱۷	بڑا	عربی زبلنگو	بڑا		
۱۸	بُرادہ	فارسی	برادہ		
۱۹	بڑھل	پوربی	بڑھل	ثمر معروف	
۲۰	بسولا	بھاشا	بسولیت	تیشہ	
۲۱	بطخ	عربی	بط		
		بھاشا	بدکیت		
۲۲	بکینی	عربی	بکی	گائے یا بھینس	جسکا بچہ بڑا ہوجانیسے دودھ کم ہوگیا ہو
۲۳	بگل	بھاشا	بگلیت	شیپور	انگریزی بگل
۲۴	بل	سنسکرت	بلم	سوراخ	
۲۵	بلاق	ترکی	بُلاق	ناک کا زیور	
		بھاشا	مبلاکیت		
۲۶	بلبل	عربی	بُلبل		
۲۷	بوٹا	فارسی	بوتہ	درخت کوچک	
۲۸	بوند	سنسکرت	بندہ	قطرہ	
۲۹	بھات	پوربی	بھات	خشکہ	عربی بہط
		سنسکرت	بھکتم		
		فارسی	بتہ وبدہ		
۳۰	بہت	سنسکرت	بہو	زیادہ	
۳۱	بہرا	"	بدہرہ	نہ سُننے والا	
۳۲	بھرم	"	بھرم	وقعت وعزت	
۳۳	بہن	"	بہگنی	خواہر	
۳۴	بہنا	فارسی	بہینتہ	ندامت	

نمبر شمار	لفظ اردو	کس زبان سے آیا	روٹ	معنے	کیفیت
۳۵	بھنڈی	سنسکرت	بھنڈکا	ترکاری	
۳۶	بہتو	″	بڈہوہ	زن پسر	
۳۷	بھونرا	″	بھرمرہ	بوز	
۳۸	بہی	فارسی	بہ	ثمر معروف	
۳۹	بھیک	سنسکرت	بھکشا	گدیہ	
۴۰	بھینا	پراکرت	بھنا	بہن	
۴۱	بیانا	عربی	بیعانہ	پیشگی قیمت	
۴۲	بیت	فارسی	بیہ		
۴۳	بیج	سنسکرت	بیجم - بیج	تخم	
۴۴	بیلن	″	ویلّن		
۴۵	بیگم	ترکی	بیگم		(باقی دارد)

سید اولاد حسین شاداں پرشین پروفیسر مولوی فاضل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

لفظ مسیحا کی تحقیق

مندرجۂ بالا عنوان سے "کمال" کے جنوری نمبر میں ایک مبسوط مضمون صفحہ ۱۲ سے ۱۸ تک شائع ہوا ہے راقم مضمون کوئی صاحب سید محمود حسن ثاقب رضوی ہیں جنھوں نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ "دہلوی" بھی زیب رقم فرمایا ہے مگر میرے کان اس نام سے ناآشنا ہیں میں نہیں جانتا کہ یہ کس قابلیت کے بزرگوار ہیں تاہم مضمون متنازعہ فیہ میں جس جوش و خروش کے ساتھ لفظ مسیحا کی نبض شناسی کی گئی اور روا قفنیت حاتہ کو جلادی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے پہلو میں اردو زبان کی طرف سے ایک دردمند دل اور محققانہ مادہ رکھتے ہیں۔ زمانے کی موجودہ حالت پر نظر ڈالتے ہوئے اس امر کا اندازہ لگتا ہے کہ آجکل کے شعرا میں تحقیقات کرنے کا مادہ عشر عشیر اور واقفیت کے حاصل کرنے کا شوق ذرہ بھر بھی نہیں ہے۔ محض پرانی ڈگر پر چلنا

فرسودہ مضامین کو پیسے جانا اور ہجر و وصل و زلف و کاکل اور عشق و حسن کے پھندے میں پھنسے رہنا ہی سب کچھ بلکہ مقدم سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں مسیحا کے متعلق ثاقب صاحب کا مضمون مرضِ سخن کے لیئے اعجازِ سامری اور روحِ ولے غیر مترقبہ سے کم نہیں چنانچہ گو وہ میرے خلاف لکھا گیا ہے اور بعض جگہ سخت و سست کلمات بھی ارقام فرمائے ہیں۔ مگر اصل نفسِ مطلب کے لحاظ سے میں نے اُسے بالاستیعاب پڑھا اور ایک حد تک مسرت محسوس کی میری طبیعت میں ہمیشہ انصاف سکین گزیں رہا ہے اور یہی وجہ میں مرشدنا ثاقب کے اعتراض اور اپنی غلطی کا بسر و چشم اعتراف کر لیتا بشرطیکہ وہ میرے اصل مفہوم کو مد نظر رکھ کر اور سمجھ کر خامہ فرسائی اور رائے زنی فرماتے۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ میں لفظ "مسیحا" ہی کو غلط ثابت کردوں یا خواہ مخواہ "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" کے مصداق بن کر "کمال" کے قیمتی کالموں کے ذریعے سے اپنی ہمہ دانی لیاقت کا کوس لمن الملکی بجا دوں۔ نہیں بلکہ درحقیقت دلی منشا یہ تھا کہ "مسیحا" دراصل "مسیح" سے بنایا گیا ہے اس لیئے اسکے ساتھ کسی مزید ندائیہ حرف (مثل ۔اے) کی ضرورت نہیں چنانچہ پرانے اساتذہ کا کلام فصاحت التیام دیکھنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آجتک کسی نے بھی "اے مسیحا" نہیں لکھا۔ عسجدی۔ انوری۔ خاقانی۔ قاآنی۔ فردوسی۔ سعدی۔ حافظ۔ امیر خسرو۔ ناصر علی۔ بیدل۔ صائب۔ ظہیر فاریابی۔ نظامی۔ بدر چاچ۔ احمد جام۔ عرفی۔ غنی۔ امیر۔ امیر۔ داغ۔ ذوق۔ راسخ۔ مصحفی۔ نصیر۔ غالب۔ مومن۔ آزردہ۔ ناسخ۔ آتش۔ آرزو وغیرہ غرض کسی مسلم استاد کا دیوان اٹھا لیجیئے اور ورق گردانی کر جائیے "اے مسیحا" کہیں نہ ملے گا ثاقب صاحب یہ زمانہ بیداری کا ہے وہ دقیانوسی خیالات اور واہیات ڈھکوسلوں کا وقت گیا اب ہم یا آپ کسی بات کو بھی اُس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جبتک کہ اُسکی اصلیت اور مدعا پر اچھی طرح نگاہ ڈال لینے کے بعد اپنا اطمینان کافی طور پر نہ کر لیا جائے۔ سائنس کیا ہے؟ ایک عقلی کرشمہ ہے جسکی بدولت اشیاء کی ماہیت دریافت کیجاتی ہے گویا اہالیان یورپ تو اپنی زبان کو علمی زبان بنا کر دنیا کی متفرق تحقیقات کرنے میں مصروف ہوگئے ہیں ہم ہیں کہ ابھی خوابِ غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں قعرِ ذلت سے نکلنا ہی دوبھر ہو رہا ہے

کیسی مشکل کی بات ہے کہ اگر کوئی ذی فہم شخص اپنی پیاری زبان کے الفاظ کی درستگی و نفاست کا خیال بھی دل میں لائے تو بجائے اسکے کہ ہم اسکی دستگیری کیجائے اور اُلٹے دہلی لکھنو والے ہی پنجہ اعتراض سے گردن مروڑنے کے لیئے آمادہ و تیار ہوجائیں کسی نے ایک شعر لکھا ہے جس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے "ملے مسیحا نہیں اچھا ترے بیمار کا رنگ"

میں جانتا ہوں کہ اس شعر کا مصنف کوئی مستند یا مسلم الثبوت شاعر نہیں تاہم اس خیال سے کہ مبادا اسی شعر کی سند پا و۔ نو آموز و مبتدی حضرات بھی "ملے مسیحا" نہ لکھ بیٹھیں میں نے "کمال" کے ذریعے سے پبلک کو مطلع کردینا مناسب سمجھا۔ لفظ مسیحا بیشک شعرائے فارس نے استعمال کیا ہے اور اُنکی پیروکاری کے لحاظ سے اُردو میں بھی مستعمل ہے مگر مجھے فخر ہے کہ دراصل میرا جو منشا رتھا اُسکی تردید ثاقب صاحب نہیں کرسکے اُنھوں نے اس بات کا کوئی بھی ثبوت پیش نہیں کیا کہ "ملے مسیحا" کسی نے اور کہاں لکھا ہے مثالیہ اشعار پیش کرنے میں حضرت نے "کمال" کا تقریبًا سوا صفحہ گھیرا ہے مگر بالکل لایعنی کیونکہ کوئی شعر بھی ایسا نہیں جس میں "ملے مسیحا" باندھا گیا ہو۔

قرآن شریف میں صرف "مسیح" مستعمل ہے مسیحا کا کہیں پتا نہیں۔ قاموس و صراح مشہور و معروف عربی لغات ہیں اِن دونوں کے دیکھنے سے بھی اِس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ مسیحا کوئی لفظ ہی نہیں ظن غالب ہے کہ شاید بعد میں کسی شاعر فارس کی ٹکسال میں گھڑا گیا ہے۔ چنانچہ بہار عجم میں لکھا ہے کہ یہ تصرف فارسیوں کا ہے اسی کے حوالے سے غیاث اللغات بھی "مسیحا" کے الف کو زائد بتا رہا ہے۔ بایں صورت اگر میں نے "خیالات پریشان" کے پراگندہ سلسلے میں اس سوال پر بھی کچھ اپنا خیال ظاہر کر دیا تو کیا بُرا کیا۔ وہ محض ایک رائے تھی آپ تسلیم نہیں کرتے نہ سہی۔ کچھ زبردستی نہیں ہے کہ میری بات پتھر کی لکیر یا آیت حدیث ہی مان لی جائے۔

لفظ "اوپر" پر بھی میرا کسی پر کوئی اعتراض نہ تھا اور نہ اُس مضمون کے لکھنے کی علت غائی کسی پر معترض بننا تھی بلکہ محض سادہ طور پر ایک اپنا پریشان خیال ظاہر کیا تھا چنانچہ ثاقب صاحب میری اصل تحریر کو پھر ملاحظہ فرمائیں جس میں ان الفاظ کے سوا

اور کچھ نہ ملیگا۔" فصیح الملک داغ مرحوم نے ہر موقعہ پر پورا لفظ ادا کرنا مناسب سمجھا ہے"
پھر لکھا ہے کہ "راقم الحروف کے خیال میں...... دونوں "اور" میں کچھ نہ کچھ امتیازی
فرق بھی ہونا چاہیئے بہتر تو یہی ہے کہ ایک بروزن فعل اور دوسرا بوزن فع" (ار) منجم کیا جائے
تاہم اس کا فیصلہ ناظرین کی نفاست پسندی پر چھوڑا جاتا ہے جس امر کی جولانی طبیعت
مقتضی ہو وہی اختیار کرنا مناسب ہے" فرمایئے اِس فقرے میں کونسا لفظ بیجا ہے اور وہ کونسی
بات ہے کہ جو اعتراض پر دلالت کرتی ہے اگر بفرضِ محال یہ کہنا ناگوارِ خاطر ہوا ہے کہ فصیح الملک
کے شعر میں ؎ کہاں باغِ جنت کہاں باغ یثرب + کہاں بوئے گل اور بوئے محمدؐ +
"اور" بیجوڑ سا معلوم ہوتا ہے اور دونوں "اور" میں اُنھوں نے کچھ امتیازی تفاوت نہیں
رکھا تو بھی ثاقب صاحب کی خفگی فضول اور ناراضگی ناروا ہے کیونکہ میں نے ساتھ ہی یہ لکھکر
معافی بھی مانگ لی تھی کہ "ہوا خواہان داغ مجھے معاف فرمائیں" علاوہ ازیں یہ الفاظ
معترضانہ یا مخالفانہ نہیں ہیں بلکہ ایک منصفانہ اور دوستانہ خیال تھا جو اتفاقاً تھا سو لکھدیا
اور کیوں صاحب مجھے تو آپنے معترض و مخالف قرار دیدیا لیکن مکرمی و مشفقی حضرت
وجاہت جھنجھانوی کو کیا کہیئے گا جنھوں نے اپنے رسالہ "اصلاحِ سخن میں خود بھی یہی
خیال ظاہر کیا ہے "اور باظہار واو دیگر کے معنی میں مستعمل ہونا چاہیئے مگر اس شعر
میں اس سے عطف کا کام لیا گیا ہے۔ نئی روشنی والے اِس کو قابلِ اعتراض
سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اصلاحِ سخن لاہور بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۴"
وجاہت صاحب کون بزرگوار ہیں اور کس قابلیت کے شخص ہیں اِس کے
اظہار کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ زمانہ جانتا ہے کہ وہ اُن معززو ممتاز اصحا
میں سے ایک ہیں جو امیری۔ ظہیری یا ناسخی جماعت میں نہیں بلکہ داغی پارٹی میں
ہی رموزِ شاعری کی جان مشہور ہیں + راقم۔ شاد میرٹھی

ردِّ ایطار

بندہ پرور شاد صاحب میرٹھی۔ تسلیم۔ کہیئے کیسا مزاج عالی ہے۔ اسوقت کمال دہلی

نمبر ۹ کا صفحہ ۲۷ دیکھ رہا ہوں۔ ماشاء اللہ آپنے ایطار کی بحث سے شائقین کو بہت محظوظ فرمایا۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی بدولت ایطار کی گیتا آج سنی۔ جس کاریگری سے آپنے یہ مضمون لکھا ہے براہِ مہربانی اُنکی اقسام کی نام نہادی کی شیرینی سے بھی مُنہ میٹھا کروائیے اور یہ آپ کا پہلا ہاتھ تھا ضرور کسی بڑے اونچی پیر صاف ہونا چاہیئے۔ کوئی دعوے دار اہل زبان۔ کوئی واقعی اہلِ زبان ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ آپکی خوش نصیبی سے اول جناب مولنا حامد صاحب لکھنوی آپکی زد پر آگئے۔ دوسرے جناب اخلاق دہلوی کو آپ کیسے چھوڑتے۔ بعید از خلق و مروت تھا۔ کیونکہ وہ دہلوی ہیں تیسرے میاں بدر صاحب اکبرآبادی۔ بدر پر انگشت نمائی آجتک نہوئی تھی یہ آپ ہی کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ آوروں کا ذکر چھوڑیئے آپنے اِن تینوں پر خوب ہاتھ پھیرا۔ اور پھر یہ بیچارہ بھی کس شمار قطار میں ہیں بقول شخصے کہ تین میں نہ تیرہ میں آپنے تو گدڑیاں میں حشر بپا کردیا۔ ذوق۔ مومن۔ مرزا۔ و میر۔ ناسخ و آتش۔ مصحفی و اسیر۔ انیس و دبیر۔ داغ و امیر۔ سب کے سب آپکے سامنے چپ پڑے ہیں کوئی دم نہیں مارتا۔ صد آفریں ہے۔ اب معلوم ہوا۔ آپ تو بڑے اُستاد نکلے۔ آپ سے تو کچھ حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسئلہ (کس نیاموخت) زمانہ سعدی سے اب تک جو کانوں سُنتے تھے وہ آنکھوں دیکھا۔

(۱) جناب مولنا حامد صاحب لکھنوی کا مطلع ؎ تلاشِ رزق کی خاطر اِدھر جانا اُدھر جانا ✤ مقدر میں جو لکھا ہے وہی پانا جدھر جانا ✤ آپکے نزدیک جدھر اُدھر میں ایطاء ضم یا۔ اعیار۔ ایطار۔ آسے دل۔ ہائے دل۔ ایطار۔ طوماروں۔ گنہگاروں میں ایطار بیچاروں۔ گنہگاروں میں ایطا۔ مَیں خفی و جلی کا قائل نہیں ہوں۔ میرے نزدیک اگر صفت ایطا صحیح ہے تو جلی ہو یا خفی عیب ہے۔ میں خفیف عیبِ شرعی کو بھی ثقیل سمجھتا ہوں۔ مَیں تو اِس خیال میں تھا کہ ایطار وہ شے ہے کہ جس میں تکرار کلمۂ واحد یعنے ایک معنی کا ایک لفظ مطلع میں مکرر واقع ہو۔ ایطا ہے۔ جیسے ستمگر۔ فسونگر۔ میخوار۔ خونخوار۔ خوشتر۔ کمتر۔ وغیرہ درحالیکہ کلمہ مفرد جو اپنے فصل سے خالصاً خصوصیت رکھتا ہے جیسے اگر۔ مگر۔ اِدھر۔ جدھر۔ سیار۔ عیار۔ وغیرہ ایطا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لفظ مفرد مثل جزو لایتجزی کے ہے

جس طرح اسکے ٹکڑے باوزن نہیں ہوسکتے اسی طرح اسکے ٹکڑے بامعنی نہیں ہوسکتے اور
جسکے دونوں ٹکڑے بامعنی ہوں وہ مفرد نہیں - براہِ مہربانی تشریح فرماکر تائیدی شہادت
میں فتوی مجتہدانِ عروض مثل ضیاءالدین خزرجی و نصیرالدین طوسی و سلمان ساوجی
و محمد بن القیس وغیرہ بھی پیش کیجئے گا - کیونکہ استادان مسلم الثبوت ماہرین فن جنکو
تمام ہندوستان نے مانا ہو آپ صفحہ ۳۰ کی سطر ۸ و ۹ میں صاف صاف سب کو نالائق
کہہ چکے ہیں اندریں صورت اُن کا کلام نظیر میں پیش کرنا فضول ہے - غالباً آپ کو جناب
جنگ میر علی سے روگردانی نہ ہوگی - کیونکہ وہ آپکے باپ تھے - اگر براہ مہربانی جنگ
صاحب کے دیوان مطبوعہ کی کوئی جلد مرحمت ہو تو نظیر پیش کیجا سکتی ہے - اور جو خدانخواستہ
وہاں بھی کچھ وہم ہے تو اس وہم کی دوا نہ حاذق الملک کے پاس ہے نہ شفاءالملک کے
پاس بلکہ یہ دونوں ایک طرف لقمان لاچار ہیں -

(۲) ضم کا نقص بھی مطلع مذکور میں نہیں ہے - علمار قوافی کے نزدیک تضمین کا نقص
وہ ہے کہ قافیہ اولیٰ قافیہ ثانی کا محتاج ہو - اِس مطلع کے دونوں قافیے خالصاً اپنا اپنا رنگ
جُدا جُدا دکھا رہے ہیں کوئی کسیکا محتاج نہیں ہے -

(۳) اِس مطلع میں کوئی صورت قافیہ معمولہ کی بھی نہیں ہے - اور جبکہ بنیاد صحیح نہ ہو تو
فروع اسکی ترکیبی و تحلیلی کیونکر صحیح ہوسکتی ہیں -

نوٹ - اگر آپ کو تحقیقات قوافی کا کمال ظاہر فرمانا منظور تھا تو اول ابجد شروع ماسے
یعنی حرف (ردف) کی بحث - اس ایک ہے کا بیچھا چھوڑنا تا مشکل تھا - اور یہ تو آپ کی پہلی
بسم اللہ ہی غلط ہوئی - غور تو فرمائیے کہ آپنے تو ۲۰ - ۳۰ شرطیں اول و آخر قافیہ کی چھوڑکر ایطاء
شمول ضم انھیں تینوں کو خیرالامور اوسطہا سمجھ کر پکڑ لیا - بندی بیچارے ادہر میں لٹکے
رہے - وہ مثل ہے کہ ادہر نہ ادھر یہ بلا کدھر - براہ مہربانی اُن غریبوں کی جان بخشو -

(۴) ایطاء خفی کی بحث میں آپنے عالیجناب صاحبزادہ شبیر صاحب بہادر رامپوری کا
مطلع سے آئے مزہ کسی پہ تمہارا جو کئے دل ٭ میری طرح سے تم بھی کرو ہائے ہائے دل ٭
جواب اسکا منبرا میں بالتشریح دیچکا ہوں کہ یہ صورت ایطا نہیں ہوسکتی - بلکہ جسے آپ

بجا فرما رہے ہیں وہ خاص شکل ایطا ہے یعنی آب وگلاب - کا قافیہ لفظ گلاب گل
اور آب دو مفردوں سے مرکب ہے اور دونوں مفرد جداگانہ معنے رکھتے ہیں - گلاب کا آخر
ٹکڑا اپنے ماقبل سے صاف صاف چشمک زنی کر رہا ہے - اور آپ جائز بتائیں یہ اُلٹی بات
ہے - اے جناب ایسے قافیے اگر کسی مطلع میں ہوں تو کھلم کھلا ایطا ہے بلکہ ہر کہ شک
آرد کافر گردد کا مصداق - یہ آپ جندیوں کو کیوں بحر ہلاکت میں ڈال رہے ہیں - آپکی کیا خطا ہے
(۵) جناب اخلاق صاحب دہلوی کا مطلع ہے ۔ یار ہے کاتب اعمال یہ طوماروں کا ❊
بوجھ سر پہ لیے پھرتے ہیں گنہگاروں کا ❊ آپ فرماتے ہیں کہ دونوں قافیے ایک صورت
کے ہوں - اگر ایک مفرد ایک مرکب ہے تو ایطا ہے - چونکہ آپنے صرف ایطا (صفت) جلی وخفی
لکھی ہے - اس ایطا کی نہ کوئی تشریح ہے نہ اس ایطا کی کوئی قسم ہے نہ اس ایطا کا
کوئی نام ہے - شاید آپکے نزدیک ایطا غیر مفصل ہوگا - ظاہر ہے کہ ہمیشہ دو مفردوں سے
ایک مرکب اور ہر مرکب ایک مفرد معنی میں جلوہ گر ہوتا ہے - طومار موجودہ حالت میں صیغہ واحد
بھی نہیں رہا ذرا مفصل ارقام فرمائیے ❊
(۶) جناب بدر صاحب اکبرآبادی کا مطلع ہے ۔ کون محشر میں طرفدار تھا بیچاروں کا ❊
پردہ رکھا تری رحمت نے گنہگاروں کا ❊ آپ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایطا ہے - دونوں
صیغہ واحد (بیچارہ و گنہگار) مختلف الاشکال ہیں یہ بھی نمبر ۵ کی طرح تشریح کا محتاج ہے شاید
اس صیغہ واحد کا صیغہ جمع ہونا ممنوع اور صیغہ جمع ہو کر قافیہ ہونا جرم ہے - شاید ایسے قوافی کے
بابت حکم امتناعی بحوالہ کسی قانون کے آپکے پاس پہنچا ہوگا - براہ مہربانی عنایت فرمائیے ہمیں تو
آج معلوم ہوا کہ یہ ایطا نہیں ساون کا مہینہ ہی جاہے دیکھو ہرا سوجھتا ہے اور مطلع جناب اختر
سہارنپوری کے قوافی مسلمانوں - پریشانوں پر بحوالہ نوٹ جناب مولنا ظہیر صاحب دہلوی مدظلہ کا
دیکر نظیر میں پیش کیا ہے وہ اور بات ہے اسکی نظیر نہیں ہو سکتا اُسے پھر غور فرمائیگا تو شاید سمجھ میں
آجائیگا - (۷) جو آپنے افسوس کیا ہے کہ جناب جنگ صاحب میرٹھی کا تذکرہ عن عن نہیں ملا -
یہ واقعی افسوس کی بات ہے کیونکہ قانوناً آپ محروم الارث نہ تھے مگر انسان تقدیر سے لاچار ہے
آپکی اس حالت پر مجھے بھی بہت افسوس ہوا - (۸) آپ فرماتے ہیں کہ توجہ مبذول کرنے کی

چنداں ضرورت نہیں ہے۔ میری التجا ہے کہ ضرور توجہ ہونا چاہیئے بشرطیکہ آپ مروتی ثابت فرمائیں
آپ کا خاکسار بندۂ مسکین وسرتاپا قصور میر گشتہ دہلوی از رامپور

گلِ شگفتہ

اے ساکنانِ عالم دیکھو ذرا میں کیا ہوں — ننھا سا پھول ہوں میں لیکن کھلا ہوا ہوں
میں جان ہوں چمن کی بلبل کا دلربا ہوں — فصلِ بہار میری میں اسکی ابتدا ہوں
آباد باغ مجھ سے سبزے کی ہوں میں زینت — ہر جانور چمن کا رکھتا ہے مجھ سے الفت
دلکش ہے میری رنگت پرلطف میری بو ہے — میں وہ ہوں جسکی دل سے بلبل کو آرزو ہے
میرا نرالا جوبن دھوم اسکی چارسو ہے — معشوقوں کو جہاں میں میری ہی جستجو ہے
دونی ہے میرے دم سے بزمِ جہاں کی رونق — میری ہی ذات سے ہے ہر بوستاں کی رونق
کرتا ہے میری عزت ہر ایک سب سے بڑھکر — میرے لیئے ہزاروں رکھتے ہیں لوگ نوکر
خدمت گزار میرے چاروں طرف میں بکھیر — بادِ صبا نگہباں جاروب کش ہے صرصر
میں ایک پھول ہوکر لاکھوں کی زندگی ہوں — میں ہوں سرورِ محفل میں صورتِ خوشی ہوں
کرتی ہے میری ہستی قدرت عیاں خدا کی — قائل ہے خلق ساری دل سے مری فضا کی
دیتا ہوں سب کو فرحت عادت نہیں جفا کی — باغِ جہاں میں کوئی میرا نہیں ہے شاکی
جنت بنا ہوا ہے مجھ سے یہ باغِ عالم — میں پھول ہوں مگر ہوں چشم و چراغِ عالم
میری بہار طرفہ ہستی دکھا رہی ہے — اہلِ چمن کے دل کو کیا کیا لبھا رہی ہے
چاروں طرف سے خوش کن آواز آرہی ہے — چاہت کے میری بلبل کیا گیت گا رہی ہے
ممنون ہے زمانہ میری عنایتوں کا — بدلا ہے رنگ میں نے سبکی طبیعتوں کا
سانچوں میں مجکو کیا کیا صناع ڈھالتے ہیں — سب عطر ساز میرا روغن نکالتے ہیں
بیمار سونگھتے ہیں دل کو سنبھالتے ہیں — صد بادہ ایئوں میں ہر روز ڈالتے ہیں
پھر بھی کسی سے مجکو ہرگز نہیں ہے کینہ — بالنذ آئینہ ہے شفاف میرا سینہ
کانوں کا دلبروں نے طرہ مجھے بنایا — چھاتی سے لیڈیوں نے کیا کیا مجھے لگایا

رکھتا ہے اُنس مجھ سے اپنا ہو یا پرایا　　دنیا کے گلرخوں میں میرا بڑا ہے پایا
حکام کی حضوری ہوتی ہے مجھ سے حاصل　　بنتی ہے مجھ سے دم میں ہو بات لاکھ مشکل
بڑھتا ہوں میں چمن میں دلکی اُمنگ ہوکر　　جمتا ہوں سبزہ بنکر کھلتا ہوں رنگ ہوکر
خاروں کی طرح کب میں رہتا ہوں تنگ ہوکر　　سب مجکو دیکھتے ہیں حیرت سے دنگ ہوکر
جلوہ ہے میرا جلوہ رنگت ہے میری رنگت　　نقشا ہے میرا نقشہ صورت ہے میری صورت
حسن شباب و عزت حاصل ہے مجکو کیا کیا　　پھر بھی وجود اپنا بے اعتبار سمجھا
مجکو نہیں بھروسا دم بھر کی زندگی کا　　صورت بگاڑتا ہے صرصر کا ایک جھونکا
افسردہ ہوکے فوراً کرتا ہوں میں زمیں کی　　سورج کی دھوپ سے پھر ہوتا ہوں خاک جلکر
یہ حال دیکھتے ہیں سارے رفیق و ہمدم　　ہنستے ہیں دور بیٹھے کچھ اور ہی ہے عالم
اُنکی خوشی کا باعث ٹھہرا ہے اپنا ماتم　　دل میں چبھو رہے ہیں رہ رہ کے نشتر غم
کس طرح اُنکو کوسیں ہرگز نہیں یہ شیوا　　سمجھیں ہیں فرض اپنا سب سے بھلائی کرنا
مثل گل شگفتہ ہر ایک کی بقا ہے　　کس بات پر جہاں میں انسان بھولتا ہے
میں خاک کا ہوں پتلا دل میں یہ جانتا ہے　　دم بھر کی زندگی پر مغرور ہو رہا ہے
بیٹے سے ہو رہی ہے یہاں باپ کی لڑائی　　بھائی یہ چاہتا ہے ہو بھائی سے جدائی
دل میں بہت ہی خوش ہیں اپنوں سے دور رہکر　　کچھ اس میں شک نہیں ہے بدبخت ہیں سراسر
آپس میں مستعد ہیں بغض و فساد و کیں پر　　وہ دن کہاں جو بیٹھیں ملکر کسی سے دم بھر
دنیا سے نیکیوں کو کیسا مٹا دیا ہے　　یاد خدا کو دل سے ہم نے بھلا دیا ہے
آجاؤ راہ پر اب راہ فنا کو سمجھو!　　مثل گل شگفتہ اپنی بقا کو سمجھو!
سردار آشنا کو ناآشنا کو سمجھو!　　کیا اسکی انتہا ہے اس ابتدا کو سمجھو!

ہو جائیں گے اگر ہم شیر و شکر کی صورت
گلزار میں پھلینگے ہر دم شجر کی صورت

راقم اودھم سنگھ سردار۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ شاگرد حضرت جلال لکھنوی

کمالِ دہلی

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱

مصرع طرح

اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

اسد۔ جناب محمد علی صاحب تلمیذ جناب نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل

سُن لی زبانِ تیغ سے قاتل کی آرزو — جو اُسکی آرزو ہے وہی دل کی آرزو

کہتے ہیں سُنکے بے دل و مائل کی آرزو — پہلو میں دل نہیں تو کہاں دل کی آرزو

حسرت بھرے کو لیکے اُٹھاؤگے زحمتیں — تکلیف تمکو دے گی مرے دل کی آرزو

دل سے لپٹ گئی ہے مرے یادِ زلف کی — دشمن جو دل کی تھی وہ بنی دل کی آرزو

اب منتیں ہیں داورِ محشر کے خوف سے — محشر میں پوچھتے ہیں مرے دل کی آرزو

مطلب کے وقت کہتے ہیں یہ میرا مال ہے — یوں تو کبھی نہ پوچھی مرے دل کی آرزو

کھسیانے ہو رہے ہیں مجھے شاد دیکھکر — سمجھے ہوئے ہیں نکلی کہیں دل کی آرزو

پیغام بھیجے ہو۔ نہ ہو مطلب مرا ادا — ہم نے سُنا تو وہی ہے کسے دل کی آرزو

ناصح تمہیں سنائیں بھلا اپنے دل کی بات — کہدوں تمھارے سامنے میں دل کی آرزو

ہے دل تمہارے پاس مرا اُس سے پوچھ لو — کیا مجھ سے پوچھتے ہو مرے دل کی آرزو

دل میرا تاکتی ہے کسی کی نگاہِ شوخ — لیلیٰ کو ہونی چاہیئے محمل کی آرزو

ایماء چشم کرتے ہی مجھ پر برس پڑے — اظہار یعنی کیوں سرِ محفل کی آرزو

جھوٹے گواہ اُس نے بنائے ہیں اسلیے — روزِ جزا ہے دعویٰ باطل کی آرزو

پھرتا ہے کس کے واسطے ای چرخ رات دن
ہے تجکو کیا کسی مہ کامل کی آرزو

صیاد قید کرتا ہے فصل بہار میں
نکلے چمن میں خاک عنادل کی آرزو

منت کشی گناہ سمجھتے ہیں ہم اسد
مٹنے کبھی کہیں نہ کہیں دل کی آرزو

اختر۔ جناب مولنا نواب ابوالمنور مظفر حسین صاحب رئیس اعظم سہسوان

دے حسن کو نہ داغ کہیں دل کی آرزو
رکھتا بہت ہوں اُس مہ کامل کی آرزو

اے بحر حسن تو ہے مرے دل کی آرزو
جیسے ہو موج کو لب ساحل کی آرزو

رنگیں ہو تیغ خوں میں یہ قاتل کی آرزو
تڑپا کرے قدم پہ یہ بسمل کی آرزو

دل میں غبار چھپ رہے شکوۂ نہاں
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

کیسا وصال دید کو آنکھیں ترس گئیں
نکلی کبھی نہ ہائے مرے دل کی آرزو

افزوں ہے شوق دید سے اب اشتیاق وصل
اک آرزو میں دوسری شامل کی آرزو

وصل صنم سے ہے مرا مقصد وصال حق
ہے نقش آرزو مرا کامل کی آرزو

چاہ ذقن کا زہرہ جبینوں مجھے ہے عشق
ہاروت دل کو ہے چہ بابل کی آرزو

یہ دل اسیر کاکل پیچان یار ہے
پھر کیا ہو اس کو طوق و سلاسل کی آرزو

پوچھا کبھی نہ یار نے مقصد ہے کیا ترا
ہے دل کی دل میں اختر بیدل کی آرزو

ازل۔ جناب عبدالمجید صاحب از لاہور

خنجر کی آرزو کبھی قاتل کی آرزو
کیا کرکے دیکھئے رہے اِس دل کی آرزو

حوروں کی آرزو ہو نہ خواہش بہشت کی
مجھ سے غرض ہے اور تری محفل کی آرزو

یارب اگر پھنسا ہوں تو ہوں غرق بحر عشق
کشتی کی آرزو ہے نہ ساحل کی آرزو

جانی تھی جان اسکے تو جانے کا غم نہیں
بر آئی شکر ہے مرے قاتل کی آرزو

چھپتے نہیں نگاہ میں یہ مہر و ماہ کچھ
دل میں ہے جب سے اک مہ کامل کی آرزو

وہ کان دھر کے بات تو سنتے نہیں ازل
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

اشک۔ جناب منشی نواب حسین صاحب ملازم حاجی عنایت اللہ احسان اللہ سوداگران

کیا کہتے ہے بلکے کہوں دل کی آرزو
پوری وہ کر سکیں گے نہ سائل کی آرزو

ہوتا جو محوِ رسم حقیقت تو قیس پھر
رکھتا کبھی نہ پردہ محمل کی آرزو

ایجاں سوالِ وصل پہ کیوں ہے سکوت آپ
پوری کبھی تو کیجیے سائل کی آرزو

الفت کی وہ نظر نہ وفا کا خیال ہے
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

سودائے زلفِ یار میں وحشت ہوئی ہے فلک
زنداں میں اِس لیے ہے سلاسل کی آرزو

اثیم جناب سید سلیمان صاحب حسینی الحسنی ثریا لوری

کرتا ہے بات بات میں وہ دل کی آرزو
اچھی ہے میرے حور شمائل کی آرزو

حسرت ابھی تو اسمیں بہت ہے بھری ہوئی
نکلے گی ایک بوسہ پہ کیا دل کی آرزو

عصمت کا خون ہوگا کسیکی شب وصال
نکلے گی میرے دل مرے دل کی آرزو

آیا اُدھر شباب تو حسرت بڑھی ادھر
جوبن کی طرح اُبھری مرے دل کی آرزو

پیش نظر ہے آئینہ ہر دم یہ کس لیے
تمکو مگر ہوئی ہے مقابل کی آرزو

تاثیر آہ مجنوں دکھاتی اگر اثیمؔ
لیلیٰ نہ کرتی پردہ محمل کی آرزو

آیرج - جناب ابو الفخر نواب شوکت علیخاں صاحب تلمیذ جناب رضوان

نکلی ہے آج زانوئے قاتل کی آرزو
پھر دب گئی طپیدن بسمل کی آرزو

ایسے خفا ہیں دیکھتے بھی وہ ادھر نہیں
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

سر کو مرے اُتار کے کیوں ہو گیا اداس
نکلی بھی یا نہیں مرے قاتل کی آرزو

آئے کبھی خزاں نہ چمن میں خدا کرے
فصلِ بہار میں ہے عنادل کی آرزو

برق - جناب بابو مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر دہلوی

برلائے وقت قتل کہیں دل کی آرزو
مجھکو ہے پائے بوسی قاتل کی آرزو

لیلو دعائیں پوری کرو دل کی آرزو
کچھ ہو بھی - ایک بوسہ ہے سائل کی آرزو

بسمل نہائے خون میں بھی دل کی آرزو
بر آئی نازکی سے نہ قاتل کی آرزو

صبحِ شبِ وصال بہت یاد آئے گی
مہمان رات بھر ہے مرے دل کی آرزو

پوری کرو کرو نہ کرو - اختیار ہے
تم کان دھر کے سن تو لو سائل کی آرزو

کھائے ہیں اتنے داغ اُمید وصال میں
پھولوں میں تل رہی ہے مرے دل کی آرزو

وہ مجھ سے وصل میں جو ہم آغوش ہو گئے
نکلی دعائیں دیتی ہوئی دل کی آرزو

مجھ جاں بلب کو اس طرح حسرت ہے قبر کی
گم کردہ رہ کو جیسے ہو منزل کی آرزو

اچھی پڑی نزاکتِ قاتل سے تیغ بھی
دل کی ہی دل میں رہ گئی بسمل کی آرزو

دزدِ حنا پہ شک ہے ذرا ہاتھ کھولیے
چوری گئی ہے آج مرے دل کی آرزو

بس جائے جب نظر میں تمہارا فروغِ حسن
پھر کیوں ہو جلوۂ مہِ کامل کی آرزو

کُھل کھیلو مجھ سے وصل میں رخصت دیا کرو
یہ خون کر رہی ہے مرے دل کی آرزو

آئینہ دیکھ لو یہ برابر کی چوٹ ہے
شکوہ اگر ہے تو ہے مقابل کی آرزو

مجھ تشنہ لب کی پیاس اسی سے بجھے گی کچھ
مجھ کو ہے آبِ خنجرِ قاتل کی آرزو

کیوں منہ سے کہہ کے بات بھی کھوؤں غرض مجھے
پوری کرو تو تم سے کہوں دل کی آرزو

ای شمع سب ہیں تیرے جلانے کی فکر میں
تجھکو عبث ہے گرمیٔ محفل کی آرزو

چھوڑا نہ ساتھ قیس کا وقتِ اخیر تک
کیا باوفا تھی لیلیٰ محمل کی آرزو

انکار وصل کون سُنے برقؔ وصل میں
کیوں نازکی کا پاس کرے دل کی آرزو

بدر ـ جناب شیخ بدرالدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ جناب مہر اکبرآبادی

بشرے سے خود عیاں ہے مرے دل کی آرزو
صورت سوال ہوتی ہے سائل کی آرزو

پوری ہوئی نہ تجھ سے کوئی دل کی آرزو
نکلی نہ ایک بھی ترے مائل کی آرزو

پابندِ زلفِ یار رہا چاہتا ہے دل
پھیلا رہی ہے پاؤں سلاسل کی آرزو

انسان کیا فرشتوں کو جھکواتی ہے کنوئیں
دنیا میں عشقِ زہرہ شمائل کی آرزو

گوشہ نشیں ہے پردۂ چشمانِ قیس میں
پتلی کی شکل شاہدِ محمل کی آرزو

دل پس رہا ہے دستِ حنائی کی یاد میں
پیدا ہوئی ہے عارضۂ سل کی آرزو

گھر سے مجھے نکال کے لایا کسی کا شوق
خانہ خراب کر کے رہی دل کی آرزو

مجروح کر کے تیغ جو قاتل نے روک لی
ناکام ہو کے رہ گئی بسمل کی آرزو

وہ آ کے وقتِ نزع جو صورت دکھا گئے
آسان ہو گئی مرے مشکل کی آرزو

آیا عدم سے ہستیٔ ناپائدار میں
لائی مجھے کہاں سے کہاں - کی آرزو

کعبہ پہ کیوں گماں نہ مجھے کربلا کا ہو
دل میں بھری ہو کوچۂ قاتل کی آرزو

مُنہ پھر گیا جو تیغ کا مجھ سخت جاں سے
قاتل کے دل میں رہ گئی قاتل کی آرزو

پہلو سے کیا چلے کہ مجھے لوٹ لے چلے
ہوتی انھیں کے ساتھ مرے دل کی آرزو

وہ آئینہ کو دیکھتے ہیں آئینہ انھیں
بر آ رہی ہے مدِ مقابل کی آرزو

کس کو نہیں ہے موت کا کھٹکا حیات میں
سب کو سفر میں ہوتی ہے منزل کی آرزو

غم نے گھٹا گھٹا کے مجھے کر دیا ہلال
اے بدر اب وہ دل ہے نہ وہ دل کی آرزو

بسمل - جناب منشی عنایت رسول صاحب چاندپوری تلمیذ جناب رضوان

اس سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو
پوری نہ جس سے ہو کبھی بسمل کی آرزو

رکھ کر گلے پہ تیغ اٹھاتا ہے بار بار
کھلتی نہیں مجھے مرے قاتل کی آرزو

دل لوٹ پوٹ ابروئے قاتل پہ کیوں نہ ہو
اس تیغ سے نکلتی ہے بسمل کی آرزو

غیروں کو کیا امید وفا تم سے ہو کہ جب
پوری ہوئی کبھی نہ مرے دل کی آرزو

ملک عدم کا دھیان ہو دنیا میں اس طرح
جیسے مسافروں کو ہو منزل کی آرزو

دل میں ہمارے خال سویدا وہ بن گئی
تھی روئے شوخ کے جو ہمیں تل کی آرزو

کل ٹل کے پائے ناز سے لاشہ کو وہ مرے
کہتے ہیں تھی یہی دل بسمل کی آرزو

جوش - جناب منشی محمد عبدالکریم صاحب مقیم بمبئی

نکلی نہ وصل حور شمائل کی آرزو
افسوس دل ہی دل میں رہی دل کی آرزو

کنج قفس سے چھوڑ دے فصل بہار میں
صیاد سے یہی ہے عنادل کی آرزو

تم ایک دن بھی آئے نہ میرے مکان پر
اتنا نہ پوچھا کیا ہے تمہارے دل کی آرزو

جب ناز کی سے کھنچ نہیں سکتی ہے تیغ بھی
پھر نکلے کس طرح مرے قاتل کی آرزو

بس ہے تو زلف یار کا سودا ہی مجھ کو
ہو گی کسی کو طوق و سلاسل کی آرزو

خلیق - جناب منشی عبدالخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

مدت سے ایک حور شمائل کی آرزو
رہ رہ کے دل میں نکلی اب دل کی آرزو

نکلی نہ کوئی خنجر قاتل کی آرزو
گھٹ گھٹ کے میرے دل میں ہی نکلی آرزو

ابرو کو خال۔ خال کو ابرو عزیز ہے
ارماں بھوؤں نکالا ایک ہے۔ اک تل کی آرزو

کوئی کہاں سے لائیگا فولاد کا جگر
کسکی مجال ہے جو سُنے دل کی آرزو

کہتا ہے مجھ سے داور محشر کے روبرو
دل سے نکال دعوی باطل کی آرزو

کی گردشیں نہ میرے موافق سپہر نے
نکلی نہیں کبھی بھی مرے دل کی آرزو

ہوتا ہے جسکے آنے سے گھر بھر میں چاندنا
ہے شام وعدہ اُس مہ کامل کی آرزو

اِس خوف سے کیا نہ کبھی عرض مدعا
شرمائے اُس کے وہ نہ مرے دلکی آرزو

تم نازنیں ہو شوق شہادت مجھے فضول
آسان نہ تمسے ہوگی یہ مشکل کی آرزو

ناکام شوق صنعت کے ہاتھوں تپنگ ہے
اک اک قدم پہ کرتا ہے منزل کی آرزو

میں جان دیکے شاد ہوں وہ قتل کرکے خوش
جو دل کی آرزو تھی وہ قاتل کی آرزو

دشمن مریں بھی آپکے گھر سے بھی ہوں طلبی
جو آرزو ہے خیر سے مشکل کی آرزو

خنجر۔ جناب مرزا فدا علی صاحب لکھنوی

نکلے جہاں میں خاک مرے دل کی آرزو
پھر آرزو بھی اک مہ کامل کی آرزو

افسوس دلمیں رہ گئی سب دل کی آرزو
پوری ہوئی نہ ایک بھی بسمل کی آرزو

رہتی ہے وصلِ حور شمائل کی آرزو
کیا پوچھتے ہیں لوگ مرے دل کی آرزو

جوشِ جنوں کا تام ہوا ورنہ قیس کو
صحرا میں لائی صاحب محمل کی آرزو

جسدن سے ہم نے دیکھ لیا اُنکو بے نقاب
دل میں نہیں رہی مہ کامل کی آرزو

اے چرخ تو نہ دیکھ سکا عیشِ وصلِ یار
آخر ملائی خاک میں سب دل کی آرزو

ممکن نہ تھی جو لیلیٰ پردہ نشیں کی دید
مجنوں کو تھی نظارۂ محمل کی آرزو

باغِ جہاں میں خاک بہلتا ہمارا دل
دل میں بھری تھی آپکی محفل کی آرزو

جنت میں دیکھکر مجھے تو بدگماں نہو
لے آئی ہے یہاں تری محفل کی آرزو

آجائے یک بیک کوئی تلوار کھینچکر
بر آئے دفعتاً دلِ بسمل کی آرزو

ارمان وصلِ یار نہ ترغیب دے مجھے
نکلے گی کیا فلک سے مرے دلکی آرزو

اک صاف صاف بات کی تشریح کیا ضرور
صورت سے آشکار ہے سائل کی آرزو

لیجائے آہ دیکھئے خنجر کہاں کہاں — آوارگان عشق کو منزل کی آرزو

خستہ۔ جناب منشی جیالال صاحب جمعدار میونسپلٹی دہلی

اب مل گئی ہے خاک میں سب دلکی آرزو — خلوت کی آرزو ہے نہ محفل کی آرزو

قاتل خدا کے واسطے اک وار اَور بھی — باقی رہے نہ عاشق بسمل کی آرزو

رضوان۔ جناب حسان الہند محمود احمد تو آ ماجی محمد رضوان علیخانصاحب کا ظہر غالب

کیا ڈھونڈھتی ہے دیدۂ بسمل کی آرزو — ہے آخری نظارۂ قاتل کی آرزو

تاثیر سرد مہری جاناں نہ پوچھئے — کافور ہو گئی ہے مرے دل کی آرزو

دیدار ہو ترا ترے در پر پڑا رہوں — یہ مدعا ہے جان کا وہ دل کی آرزو

مشغول می و گزک ہے انھیں بزم غیر میں — جل بھن کے کیوں کباب نہو دل کی آرزو

کس مہروش کے شوق میں چکر لگاتی ہے — تاروں کی چھاؤں میں مہ کامل کی آرزو

قاتل بھی دل کو تھام کے چکر میں آگیا — اللہ رے اضطرابی بسمل کی آرزو

دوزخ کے بھی جلا دیئے ملتے مگر ابھی — کچھ اور کہتی ہے تپش دل کی آرزو

اے آفتاب صبح قیامت سرک سرک — اب گرمیوں پہ ہے تپش دل کی آرزو

جو سربلند ہیں وہ علائق سے دور ہیں — دیوار چرخ کو نہیں کہگل کی آرزو

ممکن نہیں جو وصل تو بوسہ ہی دیجئے — آخر کوئی تو نکلے مرے دل کی آرزو

یارب برس پڑے ترا ابر بہار لطف — کشت مراد کو ہے سنابل کی آرزو

گرداب بحر عشق سے ڈرتا نہیں ہے کون — تیراک کو بھی ہوتی ہے ساحل کی آرزو

مقتل میں سیر خون شہیداں سے ہو چکا — اب اور کیا ہے خنجر قاتل کی آرزو

دریائے غم میں اپنا توکل ہے ناخدا — کشتی کی ہے تلاش نہ ساحل کی آرزو

بے پردہ آج ہوتا ہے دیدار یار کا — غش کھا کے گر پڑے نہ کہیں دل کی آرزو

قاتل گلے میں گر کوئی تسمہ لگا رہا — تڑپا کریگی خون میں بسمل کی آرزو

رضواں ہے کارساز دو عالم بڑا کریم — کرتا ہے پوری ہر متوکل کی آرزو

رحمت۔ جناب منشی رحمت اللہ صاحب بلند شہری تلمیذ جناب ناظر سکندرآبادی

حسرت ہی موت کی ہیں فرقت میں اسطرح
ہارے تھکوں کو جیسے ہو منزل کی آرزو

ڈرتے بگڑ نجائیں کہیں سن کے مدعا
اُن سے کہوں تو کیسے کہوں دل کی آرزو

اُن کو شبِ وصال ہمیشہ حیا رہی
رحمت کبھی نہ نکلی مرے دل کی آرزو

رونق - خاکسار پیارے لال - دہلوی - ایڈیٹر رسالہ کمالِ دہلی

کچھ بڑھ چلی ہے خنجر قاتل کی آرزو
اب رنگ لا رہی دلِ بسمل کی آرزو

رکھوں گا چشم شوق میں پتلی بنا کے میں
ہو گی جو اُن کو پردہ محمل کی آرزو

نکلیں خیالِ کوچہ گیسو سے کیا قدم
پکڑے ہوئے ہے پاؤں سلاسل کی آرزو

اس نو بہارِ حسن نے وعدے کئے ہزار
پھولی پھلی مگر نہ کبھی دل کی آرزو

برقِ نگاہِ ناز سے آنکھیں جھپک گئیں
بیہوش کر گئی مجھے قاتل کی آرزو

پھر جائے تیغ ناز گلے پر تو لطف ہو
حسن شباب پر ہے یار ہے بسمل کی آرزو

تاثیر میرے جذبۂ کامل کی دیکھ لی
آخر کو کھینچ لائی تمہیں دل کی آرزو

جنت نصیب کر گئی مجھکو ہوائے شوق
گردوں پہ لے اُڑی تری محفل کی آرزو

عالم پہ رازِ حسن و محبت کا کھل گیا
آئینہ ہو گئی حق و باطل کی آرزو

پھانسا بلا میں عقدۂ زلف دو تا نے دل
مشکل میں اور پڑ گئی مشکل کی آرزو

واقف ہیں مدعا سے مگر چھیڑ دیکھئے
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں مرے دل کی آرزو

وقت سوالِ وصل نظر نے اُڑائے ہوش
رنگِ پریدہ بن گئی سائل کی آرزو

ہارے تھکے ہوؤں کو دکھائی اجل نے گور
منزل پہ کھینچ لائی ہے منزل کی آرزو

[illegible] عیاں عشق خال رخ
پتلی سے آنکھ تک [illegible]
نورِ نظر بنی ہوئی ہے تل کی آرزو

دل کو اُبھارتا ہی رہا شوقِ [illegible] یار
بحرِ فنا میں بھی رہی ساحل کی آرزو

وہ لذتِ خلش ہے کہ کھولے ہوئے [illegible]
ہر زخم کو ہے خنجر قاتل کی آرزو

عشقِ بتاں نے خاک میں رونق ملا دیا
مجکو مٹا رہی ہے مرے دل کی آرزو

سیماب - جناب نواب منور علیخان صاحب تلمیذ جناب برج

تعویذ ایسا لکھ دے کہ ہو جائے وصلِ یار
ہے اس لئے فراق میں عامل کی آرزو

شاد۔ جناب منشی للتا پرشاد صاحب میرٹھی تلمیذ جناب جنگ پدرخود

دل ہی میں رہ نجائے کہیں دلکی آرزو
رِنّد پوری کیجیے سائل کی آرزو

آیا ہے غیر میرے بلانے کے واسطے
کل اُن سے کی تھی شرکت محفل کی آرزو

جلدی سے فیصلہ ہو ذرا رک کے وار ہو
وہ میری آرزو ہے۔ یہ قاتل کی آرزو

وہ صبح وصل کہتے ہیں کس سادگی کیساتھ
باقی نہیں ہے ابتو کوئی دل کی آرزو

آئی بہار جب تو قفس دیکھنا پڑا
بر آئی خاک بھی نہ عنادل کی آرزو

قتل اُنکی نازکی نے نہ ہونے دیا مجھے
دل ہی میں رہ گئی ہو مرے دل کی آرزو

بھرپور سا لگایئے اک وار اور بھی
مقتل میں ہے یہ آپ سے بسمل کی آرزو

ہاں اُنکے بیٹھ جائے خدنگ نگاہ شوخ
نکلے کبھی تو یہ جگر و دل کی آرزو

صحرا سے اور پردہ نشینوں سے واسطہ
کیوں قیس کو ہے لیلی محمل کی آرزو

اے شاد اُس خدا تعالیٰ کا شکر ہے
بر آئی ہے ہر ایک مرے دل کی آرزو

شاطر۔ جناب بیلی رام صاحب انسپکٹر آف ورکس خوشحال گڈھ

ساغر بنا کے رکھدے کوئی میکدے میں تن
بعد فنا بھی ہے میری گل کی آرزو

آیا تھا شب کو چھپکے تری دید کے لیئے
پوری نہ ہو سکی مہ کامل کی آرزو

اُس دم وہ آئینگے مجھے دینے تسلیاں
جب خاک ہو چکے گی مرے دل کی آرزو

شفا۔ ایس آر۔ مسٹر بیلی صاحب۔ تلمیذ جناب رضوان مرادآبادی

کہتے ہیں سن کے اپنے وہ سائل کی آرزو
ملجائے خاک میں یہ ترے دل کی آرزو

فرصت جنھیں رقیبوں کی باتوں سے کچھ نہیں
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

ساقی ہو صحن باغ ہو۔ وہ بت ہو اور مے
اِسکے سوا کچھ اور نہیں دل کی آرزو

اُنکو سناؤں سارے زمانے کا حال میں
پوچھیں بھی وہ تو کچھ نہ کہوں دل کی آرزو

مقتل میں دوڑ دوڑ کے جاتا ہوں اسلیئے
پوری بھی ہو کہیں مرے قاتل کی آرزو

ارماں سیکڑوں ہیں کہاں تک بر آئینگے
کچھ ایک ہی نہیں ہے مرے دل کی آرزو

کہنا شب وصال کسی کا یہ ناز سے
حاصل شفا کی آج ہوئی دل کی آرزو

ستیتم - جناب بابو چیتر مل صاحب بھرتوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

لائی ہے رنگ ہو کے لہو دل کی آرزو
لپٹی ہوئی ہے تیغ سے بسمل کی آرزو

کتنی ہے باوفا ترے بسمل کی آرزو
مرقد میں دل کے ساتھ گئی دل کی آرزو

برآئے یا الٰہی مرے دل کی آرزو
نکلے کبھی تو خنجر قاتل کی آرزو

پامال کر کے دل کو مٹایا تو کیا ہوا
مٹی گئی نہ تم سے مگر دل کی آرزو

ہم دل کو اپنے آئینہ خانہ بنائیں گے
گر آپ کو ہے مد مقابل کی آرزو

گلشن میں شور و غل سے نہیں اور مدعا
اظہار جشن گل ہے عنادل کی آرزو

لیلائے زلف یار نے اچھا سبق دیا
مجنون عشق کو ہے سلاسل کی آرزو

سب خاک میں ملائیں پر نرا دخواہشیں
لیکن فلک نہ تجھ سے مٹی دل کی آرزو

چھاتی پہ میرے لوٹ رہے ہیں جو سانپ سے
الجھی ہوئی ہو زلف میں کیا دل کی آرزو

بھولے سے وقت نزع وہ بالیں پہ آگئے
آسان ہو گئی مری مشکل کی آرزو

طوفان موج غم میں ہو کشتی ستیم کی
بحر فنا کی لہر ہے ساحل کی آرزو

شوق جناب بابو دیبی سہائے صاحب بھرتوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

سودائے زلف میں ہو سلاسل کی آرزو
پابند کر رہی ہے مجھے دل کی آرزو

برآئی جیتے جی نہ مراد دل حزیں
مرقد میں ساتھ لیکے چلی دل کی آرزو

کیا کیا مصیبتیں نہ سہیں اُنکے عشق میں
پوری ہوئی نہ اُن سے کبھی دل کی آرزو

جن کو مرا سلام بھی لیتے ہیں عار ہے
وہ کب بھلا سنینگے مرے دل کی آرزو

رہتی ہے اک مرے کی خلش ہر نفس کے ساتھ
تیر مژہ کی نوک بنی دل کی آرزو

وہ بن سنور کے آئے ہیں مقتل میں ناز سے
پھولی نہیں سماتی ہو بسمل کی آرزو

قاتل وہ وار ہو کہ نہ تسمہ لگا رہے
کب سے ہے نیم جاں دل بسمل کی آرزو

تیور چڑھائے بیٹھے ہیں خنجر ہے ہاتھ میں
نکلے کی آج شوق ترے دل کی آرزو

خاکسار چندی پرشاد شیدا دہلوی

میٹھی چھری کی چاٹ بنی دل کی آرزو
دنیا میں بلائی خنجر قاتل کی آرزو

فرع عروض علم عروض کا جامع و کامل نسخہ ہو جس سے عروض و قوافی پر پوری مہارت حاصل ہو سکتی ہے

دل میں ہے وصلِ خنجرِ قاتل کی آرزو
بانکی ادا پہ مرتی ہے بسمل کی آرزو

خلوت میں بھی رقیب ہے چینِ جبینِ ناز
پھیلا کے ہاتھ رہ گئی سائل کی آرزو

پوری ہوئی نہ ایک مگر عمر کٹ گئی
گردن پہ تیغ تیز بنی دل کی آرزو

ہم آپ اپنے قتل کا بیڑا اٹھائیں گے
ہو جائے سُرخ رو کہیں قاتل کی آرزو

مقتل میں کھنچی ہیں تری محشر خرامیاں
پامال ٹھوکروں سے ہے بسمل کی آرزو

بحرِ فنا میں کشتیِ عمرِ رواں رہے
آغوشِ مرگ ہے لبِ ساحل کی آرزو

ہیں اضطرابِ دید میں حوروں کی شوخیاں
جنت نصیب ہے تری محفل کی آرزو

یہ اشتیاقِ دید ترے خالِ رُخ کا ہے
آنکھوں میں نور بن گئی اس تل کی آرزو

قالب چلا ہے روح سے پہلے تری طرف
سیاح سے بھی بڑھ گئی منزل کی آرزو

ہر وقت ہیں کھلے ہوئے اِس باغِ دہر میں
کیا گوشِ گل ہیں شورِ عنادل کی آرزو

پھونکا تمھاری تابشِ رخسار نے جہاں
خورشید بن گئی مہِ کامل کی آرزو

فرقت نصیب ہوں یہ کھلاتے ہیں گل نئے
آنکھوں سے خون ہو کے بہی دل کی آرزو

کیا جانے کیا کہا تری ترچھی نگاہ نے
ہونٹوں پہ آ کے رہ گئی سائل کی آرزو

شمشیر ابرو تیغ تیز کا کرتے ہیں امتحاں
بڑھ جائے ہاتھ پھر دلِ بسمل کی آرزو

صوفی سجناب سید برکت علی صاحب کلرک دفتر نہر جمن مغربی دہلی

بس اے حزیں چھوڑ دے حاصل کی آرزو
پوری ہوئی نہ ہو گی کبھی دل کی آرزو

تم اور ہم سے نکلے گی بسمل کی آرزو
پھر فائدہ جو تم سے کہے دل کی آرزو

پوچھے کوئی مجھ سے مرے دل کی آرزو
میری وہ آرزو ہے جو قاتل کی آرزو

دیکھو تو شمع کھیل گئی اپنی جان پر
اس طرح پوری کرتے ہیں محفل کی آرزو

مجنوں اکیلا دشت و بیاباں میں کب رہا
پھرتی تھی ساتھ صاحبِ محمل کی آرزو

ارمان بھرا تھا وار جگر میں تڑپ گیا
صد شکر پوری ہو گئی قاتل کی آرزو

وہ ولولے وہ باتیں جوانی کے ساتھ تھیں
دل ہی نہیں رہا تو کہاں دل کی آرزو

یوں دل کا چھین لینا کوئی دل لگی نہیں
دل دار ہو تو پوری کرو دل کی آرزو

جلنے بھی دیجیے اتنا نہ اصرار کیجیے
کہنے کی بات ہو تو کہوں دل کی آرزو

قاتل گلے سے خنجر براں نہ تو ہٹا
روتی ہے اس سے لپٹی ہوئی دل کی آرزو

صوفی کا حال دیکھا تو حسرت سے یہ کہا
یوں پائمال ہو نہ کسی دل کی آرزو

طالب۔ جناب جان محمد صاحب۔ کہنہ انارکلی۔ از شہر لاہور

گر میں ہوں بے قرار تو دل بھی ہے بے قرار
بسمل ہی تو بتائیگا بسمل کی آرزو

اب خاک پر لٹائیگی یہ حسرت وصال
بیچین کر رہی ہے مجھے دل کی آرزو

یہ آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اسے وقت نزع یوں
جس طرح راہرو کو ہو منزل کی آرزو

عزیز۔ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب جہانگیرآباد ضلع بلندشہر

باقی ہے بعد مرگ بھی بسمل کی آرزو
نکلی نہ نکلے خاک میں بھی دل کی آرزو

تم نے کیا شہید بر آئی مراد دل
اب اور کچھ نہیں دل بسمل کی آرزو

وہ کون ہے کہ جس کو نہیں اشتیاق دید
کس کو نہیں ہے آپ کی محفل کی آرزو

آئیں وہ بام پر انھیں میں دیکھتا رہوں
ہے شام سے یہی مہ کامل کی آرزو

کس دن ملیگی دولت دیدار دیکھیے
کب تک بر آئیگی دل سائل کی آرزو

کہنا شب وصال وہ شرما کے یار کا
کیا اب بھی تیرے دل میں رہی دل کی آرزو

آیا ہے قتل گہ میں پئے قتل عاشقاں
بر آئے یا خدا مرے قاتل کی آرزو

عاجز۔ از مادھوپور ضلع گورداسپور

سنتے ہی جب نہیں ہیں وہ احوال دل مرا
ان سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

یارب کبھی امید سے عاجز نہ ہو جدا
دل کے ہمیشہ ساتھ رہے دل کی آرزو

عزیز۔ جناب محمد عزیز صاحب تلمیذ حضرت مملوک دہلوی از جالندھر

کب پوچھتے کریم ہیں سائل کی آرزو
چہرہ سے جانچ لیتے ہیں وہ دل کی آرزو

اک جان کے ساتھ نکلی ہے دو دل کی آرزو
قاتل کے دل کی اور دل بسمل کی آرزو

پوچھی نہ تم نے تو کبھی سائل کی آرزو
افسوس دل کی دل میں رہی دل کی آرزو

آ آ کے رک گئے ہیں ترے تیر نیم کش
نکلے تو کیسے نکلے بھلا دل کی آرزو

یوں اشک کی لڑی سے تھے نکلتے کیے قرار ۔۔۔ جیسے کہ ڈوبتے کو ہو ساحل کی آرزو
اے گل جو خاک میں تجھے ملنا تھا کس لیے ۔۔۔ عمر دو روزہ کے لیے غافل کی آرزو
پہلو میں دل اگر ہو تو ہر دل عزیز ہو ۔۔۔ ورنہ ہمیں نہیں ہے کسی دل کی آرزو

قسطاس۔ جناب سید علی الکرم عرف عبدالکریم صاحب تلمیذ جناب رضوان

رکھوں گا پھر کہاں تجھے دل ہے کے لاؤ عشق ۔۔۔ تیرے ہی واسطے ہے مجھے دل کی آرزو
ہو جو لالہ گوں نہیں مقتل کی سرزمیں ۔۔۔ یہ رنگ لائی ہے کسی قاتل کی آرزو
بت سنگدل ہیں بات کوئی مانتے نہیں ۔۔۔ آئی سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

کلیم۔ جناب حفظ الکبیر صاحب ڈرامیسٹ از بھوپال

نکلے گی بت سے کیا کسی بسمل کی آرزو ۔۔۔ جائے گی میرے ساتھ مرے دل کی آرزو
جنت کی یوں ہوس ہے کہ حوریں ملینگی واں ۔۔۔ میں جانتا ہوں زاہد کاہل کی آرزو
ہے وقت نزع اس سے نہ آنکھیں چرائیے ۔۔۔ اب تو نکال دیجئے بسمل کی آرزو
اک ہاتھ کی ہے دیر ابھی قصہ پاک ہے ۔۔۔ قاتل پوری کیجئے بسمل کی آرزو
تھک تھک کے بیٹھ بیٹھ گئے راہ عشق میں ۔۔۔ کیا کیا لیے پھری ہمیں منزل کی آرزو
اب کوئی دم میں آئی شب وصل ہے کلیم ۔۔۔ کب تک نہ پوری ہوگی ترے دل کی آرزو

مشتاق۔ ابو اللطف محمد عبد اللطیف خاں صاحب بٹالوی تلمیذ حضرت رسا

پوری ادھر ہو خنجر قاتل کی آرزو ۔۔۔ نکلے ہمارے دل سے ادھر دل کی آرزو
قاتل کی آرزو جو ہے وہ آرزو مری ۔۔۔ میری جو آرزو ہے وہ ہے دل کی آرزو
شیدا ہیں گلرخوں پہ وہ پھولوں پہ شیفتہ ۔۔۔ میری بھی آرزو ہے عنادل کی آرزو
کر لیتا وار بھی ذرا صورت تو دیکھ لوں ۔۔۔ پوری ہو تاکہ دیدۂ بسمل کی آرزو
کہتا کسی کا مجھ سے یہ صبح شب وصال ۔۔۔ کمبخت اب تو پوری ہوئی دل کی آرزو
یہ انقلاب اب مری قسمت سے ہوگیا ۔۔۔ دل تو کہیں ہے اور کہیں دل کی آرزو
میں چاہتا نہیں ہوں تجھے چاہتا ہے دل ۔۔۔ دل سے ہی میرے پوچھ مرے دل کی آرزو
اپنا سا کوئی ڈھونڈ و نگار رندِ خراب حال ۔۔۔ مجھکو نہیں ہے شیخ سے کاہل کی آرزو

مشتاق - جناب محمد مرزا صاحب تلمیذ جناب بدر صاحب اکبرآبادی

دکھلاؤں آئینہ میں یہ ہے دل کی آرزو
ہے آج اُن کو اپنے مقابل کی آرزو

یوں ہے سفر میں مصحف رخ کا مجھے خیال
حافظ کو جس طرح سے ہو منزل کی آرزو

وہ زار ہوں کہ ضعف سے اُٹھتے نہیں قدم
لیکن قدم قدم پہ ہے منزل کی آرزو

جبتک جئے جہاں میں کرتے رہے سفر
بعد فنا بر آئی ہے منزل کی آرزو

آتا ہے زندگی میں کسے مرگ کا خیال
گھر بیٹھے کسکو ہوتی ہے منزل کی آرزو

دل میں خیالِ عارضِ جاناں ہے جلوہ گر
لے آئی آفتاب کو منزل کی آرزو

وارفتہ ہو کے حلقۂ گیسو میں جا پھنسا
پیدا ہوئی جو دل کو سلاسل کی آرزو

ہے دشت میں بھی حلقۂ زلفِ صنم کی یاد
وحشت میں بھی گئی نہ سلاسل کی آرزو

معجز - جناب سید عبدالرحمٰن صاحب نقوی قادرآبادی تلمیذ رونق دہلوی

بوسے کی مجکو اُنکو مرے دلکی آرزو
سچ پوچھئے تو ہے یہ مقابل کی آرزو

پوری کبھی نہ کی کسی سائل کی آرزو
اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

تیغ نگہ کے وار ہوں - تیر مژہ ہو پار
حسرت ہے یہ جگر کی - وہ ہے دل کی آرزو

ہم ہو چکے ہیں زلفِ گرہ گیر میں اسیر
اب کیا کرینگے طوق و سلاسل کی آرزو

مجنوں سے پیچھے رہ گیا ناقہ غضب ہوا
پوری ہوئی نہ صاحب محمل کی آرزو

وہ آتے آتے آج مرے گھر سے پھر گئے
پوری ہوئی نہ جذبۂ کامل کی آرزو

بھولوں گا میں نہ اُنکا یہ کہنا شبِ وصال
باقی ہے اب بھی کوئی ترے دل کی آرزو

قاتل کو نازکی نے اُٹھانے دیا نہ ہاتھ
بس دل میں رہ گئی دلِ بسمل کی آرزو

کرتا ہے دستِ موج وہیں اسکی سرزنش
ہوتی ہے جب حباب کو ساحل کی آرزو

قاتل دعائیں دیتے ہیں ہر دم دہانِ زخم
نکلی ہے نوکِ تیغ سے بسمل کی آرزو

دل توڑ بیکسوں کا نہ پھولوں کو توڑ کر
گلچیں یہی ہے تجھ سے عنادل کی آرزو

معجز سناؤں جاکے شبِ غم کی داستاں
سُن لوں کہ ہے نہیں کسی ناول کی آرزو

منتظر - جناب قاضی حافظ الدین صاحب تلمیذ جناب رسا عمومی خود

کر ذبح سے نکلے جو دل بسمل کی آرزو — جو تیری آرزو ہے وہ ہے دل کی آرزو

گھٹتی ہے ہائے اُنکی محبت کچھ اور بھی — بڑھتی ہے جسقدر دلِ بسمل کی آرزو

جڑ دی ستم شعار نے زنجیر پاؤں میں — نکلی جنوں کے ہاتھ سلاسل کی آرزو

بیوجہ کیوں سہیں ترے دربان کی سختیاں — بیوجہ کیوں کریں تری محفل کی آرزو

آتے ہیں وہ نہ موت ہی آتی ہے کیا کریں — کن مشکلوں میں پھنس گئی مائل کی آرزو

جلوہ دکھائے کاش وہ مہر سپہر حسن — مدت سے ہے یہی مہ کامل کی آرزو

جسکو وہ پیار کرتے ہیں ناکام وصل ہے — میں بدنصیب کس سے کہوں دل کی آرزو

اُن سے سوالِ وصل کیا جب جھڑک دیا — پوری نہ ہونے دی کبھی سائل کی آرزو

بیکس کا بعد مرگ عزادار کون ہو — سر پیٹتی ہے قبر پہ اک دل کی آرزو

نشتر وہ اور ہوتے ہیں آمادہ ستم — اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو

افکار جناب سید مسعود صاحب منیجر دواخانہ شاہجہانی تلمیذ جناب قمر بدایونی

ہے مجکو ہار کی نہ حمائل کی آرزو — ڈالو گلے میں ہاتھ یہ ہے دل کی آرزو

تلوار کیوں ہے ہاتھ میں کیا چاہتا ہے آج — اے شوقِ مرگ پوچھ تو قاتل کی آرزو

بے مثل ہو اگر تو خریدو نہ آئینہ — کرتے ہو کیوں فضول مقابل کی آرزو

وہ پاکے مجکو ہجر میں بے ہوش کہہ گئے — اب خواب میں بر آئیگی غافل کی آرزو

ڈھونڈھوں درِ حبیب نہ کیوں راہِ شوق میں — ہوتی ہے راہ گیر کو منزل کی آرزو

دنیا میں لطف ہے مجھے واعظ بہشت کا — ہے دل میں ایک حور شمائل کی آرزو

بہر سعت جاں کے قتل کا ارمان ہے اسے — پوری کرے خدا کہیں قاتل کی آرزو

کیوں بن سنور کے جلوہ فروزاں ہوا ہے — نکلے گی آج کیا مہ کامل کی آرزو

جب قتل کر دیا ہے تو پامال بھی کرو — باقی رہی ہے ایک یہ بسمل کی آرزو

جھوٹی تسلیاں تو مجھے روز دیں مگر — پوری کبھی نہ آپ نے کی دل کی آرزو

چاہے جہاں ملو مجھے ملنے سے کام ہے — خلوت کی آرزو ہے نہ محفل کی آرزو

اظہار شوق وصل نشاط اُن سے کیا کروں — وہ مجھ سے پوچھتے ہی نہیں دل کی آرزو

بی شہزادی جان شوخ طوائف تحصیل ترو اضلع فرخ آباد تلمیذ جناب ...

جان دی تو ساتھ تھی بسمل کی آرزو | آیا نہ کوئی کام مگر دل کی آرزو
ناداں سمجھ نہ اشک جو گرتے ہیں آنکھ سے | ٹکڑے ہیں یہ کلیجے کے اور دل کی آرزو
مجھکو امید کب ہے کہ ہوگا وصال یار | کیونکر کہوں بر آئیگی اس دل کی آرزو
صیاد نے اسیر کیا فصل گل میں شوخ | نکلی نہ چار دن بھی عنادل کی آرزو

صحتنامہ غزل جناب مضطر صاحب بلوی مندرجہ نمبر ماہ مارچ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۲	۱۸	ہم خودکشی کریں	کرنے کو خودکشی
″	۱۹	جلن	قلق
۵۳	۴	آئینہ بردار	آئینہ رخسار
″	۴	فرش خواب	فرش خاک
۵۴	۵	نگاہ	نظارہ

خوشخبری

جناب مولنا غلام قادر صاحب گرامی۔ استاد حضور نظام دکن کی تشریف آوری کی خوشی میں جناب لہ سر رام صاحب ایم اے نے ۲۰ جلدیں خمخانہ جاوید کی دفتر کمال کو مرحمت فرمائی ہیں جو اصلی قیمت سے ۱۲ کم پر فروخت کیجائینگی شائقین تذکرۂ شعرا کو یہ بے نظیر موقعہ خریداری کا ہے یقین ہے کہ جلد جلد درخواستیں خریداری کی بھیجکر اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے یہ رعایت رسالہ کے اختتام سال یعنی اخیر ماہ مئی تک رہیگی۔ (منیجر رسالہ کمال دہلی)

اطلاع چونکہ عنقریب رسالہ ہذا کا دوسرا سال شروع ہونیوالا ہے لہذا التماس ہے کہ جن معزز اصحاب نے باوجود بارہا یاددہانی کے ابھی تک زر چندہ سالانہ عطا نہیں فرمایا ہے وہ صاحب از راہ کرم بہت جلد ترسیل زر قیمت سالانہ سے اعانت فرماکر شکریہ کا موقعہ دیں یا وی پی کی اجازت مرحمت فرمائیں ہمنے محض اس خیال سے ابھی تک وی پی روانہ نہیں کیئے کہ آپکی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے معزز قدردان ہمیں دوبارہ اس امر کے تحریر کرنیکی ضرورت نہ ہونے دینگے کیونکہ یہ ناچیز پرچہ محض آپکی معاونت کے بھروسہ پر روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ جون کا رسالہ خاص اہتمام کے ساتھ اعلی پیمانہ پر شائع کیا جائیگا۔ (ایڈیٹر)

نوٹ: کسی صاحب کے طرحی اشعار کسی حالت میں ۷ سے زیادہ طبع نہیں کیئے جائینگے۔ پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیں آنی چاہئیں "ہم کہاں یہ مرتبہ میرا کہوں میں راز داں تیرا" بابت ماہ جون "الفت دل ہی عشق کی اب آ گیا ہے" خط وغیرہ قافیہ۔ بابت ماہ جولائی "جو داغ رہ گیا ہے کامل یہیں رہ گیا ہے" نوٹ مبلغ ۱۲ چندہ سالانہ عطا کرنیوالوں کا اسم گرامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج ہوتا رہے گا۔ (ایڈیٹر)

بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اُسے اس کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ فی الحقیقت ہمکو یہ سمجھ لینا چاہئے
کہ اس لیڈی کے ساتھ اس کا برتاؤ انسانی اخلاق اور مروت کا پہلو لیئے ہوئے
تھا۔ اگر وہ کسی دوسری لیڈی سے جو اسی مرتبہ کی ہوتی ملتا تو یہی برتاؤ ظاہر کرتا۔
اُسکے انداز اور لہجہ میں خوشامد اور چاپلوسی نام کو بھی نہ تھی۔ بلکہ برخلاف اُسکے
دونوں میں خودداری تھی۔ الغرض ڈچز کے ناز و انداز سے اُسے ذرا بھی حظ
اور دلچسپی نہ تھی۔

باب پنجم

ڈچز آف پورٹ اسمتھ

تقدیر کا لکھا کبھی مٹتا نہیں قسمت وغ
تھا جس کا دل میں ورد اُسی پر نظر گئی

لوسی لڈی کو یرو ولیس" باشندۂ فرانس تھی اور ایک خانقاہ میں تعلیم پائی تھی۔
چارلس دوم کی بہن ڈچز آف ارلین کی میڈ آف اونر (سہیلی) بنائی جانے کیواسطے
لائی گئی تھی وہ بعض وجوہات سے جو ہمارے قصے سے آیندہ معلوم ہونگی
جلد انگلینڈ میں آگئی اور شاہنشاہ کا دل قابو کر کے ڈچز آف پورٹ اسمتھ بن گئی
اس کا پہلا نام کویرو ولیس بگاڑ کر اور مختصر کر کے کارویل بنا لیا گیا تھا اور اب
وہ میڈم کارویل کے نام سے عموماً مشہور تھی۔ اِس وقت جبکہ ہم ناظرین کو
اُس سے واقف کرا رہے ہیں اُس کی عمر ۲۵ سال کی ہے اُس کا چہرہ نہایت
خوبصورت اور صاف ہے۔ سکوت اور غیر اشتعالی حالت میں بالکل طفلانہ
معلوم ہوتا ہے۔ اُسکی صورت دیکھنے والوں پر ایک خاص اثر پڑتا تھا
جس سے لوگ اُسکے دام محبت میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ اُسکی طرف خواہ کسی نظر

سے کیوں نہ دیکھا جائے اُسکے دلکش انداز اور بھولا پن ناظر کے دل پر جادو کا
اثر کرتا تھا۔ اُسکے سیاہ بال کھلے ہوئے دریا کی موجوں کی طرح بل کھاتے ہوئے
گھونگر والے چہرے کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ اور اُنکے چمکدار حلقے صاف
اور سفید پیشانی پر بل مار رہے تھے۔ آنکھیں سیاہ اور روشن تھیں مگر اُن سے
چالاکی اور طراری ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ نہ اُسکے باطنی طبیعت کے رنگ کی جھلک
اُن سے عیاں ہوتی تھی۔ اُسکی ظاہری صورت سے اگر ناظر اپنے دل میں کوئی
رائے قائم کرتا تو وہ یہی ہوتی کہ وہ بالکل سیدھی سادھی پاک صاف چلن کی معصوم
صفت عورت ہے۔ اِس لیئے اُسکی اندرونی حالت کا کسیکو پتہ نہیں لگتا تھا۔
آنکھوں کی سفیدی کا نازک ہلکا نیلگوں رنگ سیپ کے رنگ کے مشابہ تھا۔ ناک
سڈول یعنی سُتواں تھی۔ مُونھ چھوٹا۔ ہونٹ قدرے گداز لیکن کسی طرح بدنما یا
بدوضع نہ تھے اور اُن میں ایک عجیب طرح خوبصورتی پائی جاتی تھی جو بیان سے
باہر ہے۔ آنکھوں کی نسبت ہم اتنا اور کہتے ہیں کہ اُن میں طفلانہ حلاوت اور
ملائمت پائی جاتی تھی۔ دانت چھوٹے اور باترتیب تھے۔ گویا موتیوں کی لڑی
تھے۔ اُسکے چہرے کا نیچے کا حصہ بجائے مضبوط ہونے کے گول تھا جسنے عجیب
طفلانہ انداز پیدا کر دیا تھا۔ پچیس سال کی عمر میں جیسا کہ ہمنے اُوپر بیان کیا ہے
چست چالاک نوجوان معلوم ہوتی تھی سینہ بہت اُبھرا ہوا تھا۔ بازو گول نہایت
خوبصورت گویا نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ نہایت قیمتی لباس پہنے
ہوئی تھی جسکے مونڈھوں اور گردن پر زردوزی کا کام سلا ہوا تھا۔ آوارہ دربار کا
جس سے وہ تعلق رکھتی تھی اُس زمانے میں ایسا ہی فیشن تھا۔ عام درباریوں
کے گروہ اور اُمراء کی جماعت کی جاہل عوام الناس اس قدر تعظیم و ادب کرتے
تھے کہ اُنکی بیجا اور نامعقول باتیں بھی مستحسن خیال کی جاتی تھیں تعظیم کیا تھی گویا

پرستش تھی اس لغو اور بیہودہ ادب کا اثر امرا کے دل پر یہ ہوا تھا کہ وہ اپنی ناروا اور بے جا کارروائیوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ علانیہ اور کھلم کھلا ناشائستہ اور شرمناک حرکتیں کرتے تھے۔ اِس ناہنجار زمانے میں بادشاہ کی مسٹرس (معشوقہ) بن جانا بڑی پُر فخر بات تھی اور کوئی بیعزتی یا بے غیرتی نہیں خیال کی جاتی تھی۔

اُمرا کے گروہ کی زبوں حالت نے عام نوجوانوں پر بہت بُرا اثر ڈالا تھا تمام قوم میں بداخلاقی پھیل گئی تھی۔ لوگ شرمناک حرکتوں سے شرمندہ نہوتے تھے بلکہ اُنکو موجب فخر خیال کرنے لگے تھے ڈچز آف پورٹ اسمتھ کے چال چلن پر تو کوئی معترض نہ تھا۔ مگر اُسکی نسبت کچھ اور خیالات لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہوگئے تھے۔ یعنی وہ ایک فرانسیسی جاسوس خیال کی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب یعنی فرانسیسی ایجنٹ۔ شاہ فرانس چارلس کا اوزار اور وہ سیلہ انگریزی قوم کے بیئے مارآستیں۔

ڈچز بھی پبلک کے اِن خیالات کو بخوبی جانتی تھی۔ وہ اپنی حقارت سے ملول ہوتی تھی۔ لیکن غالبًا اپنے مغرور دل اور اپنے عاشق بادشاہ کی حفاظت کے زعم میں وہ ان خیالات کی مطلق پروا نہیں کرتی تھی۔ فی الحقیقت بات یہ تھی کہ اُسکی شکل وشباہت سے اُسکے دلی جوش اور جذبات افکار و خیالات ظاہر نہو سکتے ہوں تو نہوتے ہوں مگر اُسکی روح عمیق رازداریوں کا ایک کارخانہ بن رہی تھی جس میں خودغرضی۔ ریاکاری۔ اور چالاکی ہر وقت اپنا اپنا کام انجام دیتی رہتی تھیں۔ جس طرح پہاڑ "بونٹ وسوویس" کے دامن میں نہایت خوبصورت پھول نازک شاخوں پر اپنی بہار دکھلا رہے ہیں۔ اُسی جگہ لاوا (مادہ آتش فشاں) سے جھلسی ہوئی سیاہ قلمی کتابیں مدفون شہروں کے نیچے دفن پڑی ہیں سیتھیا

تمثیل کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ بعض آدمیوں کی ظاہری حالت اُن پھولوں جیسی ہوتی ہے جو سبز شاخوں پر اپنا دلفریب جوبن دکھا کر لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ مگر اُنکی باطنی حالت اُن سیاہ کتابوں کی طرح ہوتی ہے جو زیر زمیں مدفون ہوں ؎

لوسی ڈی کوئلریز (ڈچز) کا بھی ایسا ہی دل تھا۔ لیکن ایسے آدمی کی حالت کو باریک بین نگاہیں تاڑ جاتی ہیں جسطرح ایک جستجو کرنے والا مورخ عرصۂ دراز کے بوسیدہ مدفون اوراق نکال کر اُنکے مضامین کو روشنی میں سب کے روبرو لا سکتا ہے اور لوگ اُن دیرینہ حالات سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح باریک بیں اور رمز شناس نگاہوں نے ڈچز کے دلی مضامین کا پورا پورا مطالعہ کر لیا تھا اور اُسکے صحیح منشا و مطلب کے سمجھنے میں ایک حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔

اب ہم اپنا قصہ شروع کرتے ہیں۔ کرنیل رمبلڈ نے اپنے مکان کی کھڑکی میں سے اِس حادثہ کو دیکھا۔ مگر درباری سواری سمجھ کر مدد کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ لیکن جب اُسنے کپتان آلی کو (جسے وہ بخوبی جانتا تھا گو یہ واقفیت دوستی کے پیرایہ میں تھی) دیکھا کہ اُسنے بڑی بہادری سے گھوڑوں کی راسیں کاٹ ڈالیں اور دو مستورات کو سہارا دیکر گاڑی میں سے نکال لیا ہے تو وہ منفعل سا ہو کر اپنے دل میں کہنے لگا۔ مجھے بادشاہت سے واقعی نفرت ہے مگر ایسے موقعہ پر اُسکو دشمن سے سخت دشمن کی بھی حفاظت کرنا چاہیئے تھی۔ اِس لیئے وہ جلدی سے اپنی بیوی اور لڑکی سے اِس واقعے کی اطلاع کرنے کے لیئے اپنی نشستگاہ میں واپس آگیا۔ اور اُنکو ساتھ لیئے ہوئے وہ جلدی سے دروازہ کے باہر کو جا رہا تھا جبکہ ٹھیک اُسی وقت ڈچز لارنس کے بازو پر جھکی ہوئی خادمہ کا سہارا لیئے